روحانی خزائن

تصنیفات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

۲

روحانی خزائن

مجموعہ کتب حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام
(جلد دوم)

Ruhaani Khazaa'in

(Volume 2)

Collection of the books of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian,
The Promised Messiah and Mahdi (1835-1908), peace be upon him.
Volumes 1-23

© Islam International Publications Ltd.

First Published in Rabwah, Pakistan in the 1960s
Reprinted in the UK in 1984
Reprinted in 1989
Second edition (with computerized typesetting) published in 2008
Reprinted in the UK in 2009
Published in Qadian, India in 2008 (Vol. 1-10)
Present edition published in the UK in 2021

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey, GU9 9PS UK

Printed in Turkey at:
Levent Offset

ISBN: 978-1-84880-134-9 (Set Vol. 1-23)
10 9 8 7 6 5 4 3 2 1

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب
کے مطالعہ کے متعلق

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس
ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا

احباب جماعت کے نام

پیغام

روحانی خزائن کے کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن ۲۰۰۸ء
کی اشاعت کے موقع پر

واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا
انا فتحنا لک فتحا مبینا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وعلٰی عبدہِ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

لندن
10-8-2008

پیغام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے　　اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اللہ تعالیٰ نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے مصداق حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کواس زمانے کے امام اور مہدی کے طور پر مبعوث فرمایا کہ تا اس کی توحید کا دنیا میں بول بالا ہو اور ہمارے پیارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور قرآن کریم کی صداقت دنیا پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے۔

قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا کہ جب اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ساری دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے سامان اس خدائے قادر مطلق نے پہلے سے مقرر کر رکھے تھے۔ اسی لئے اس زمانے میں سائنسی ایجادات اتنی تیزی اور کثرت سے ہوئی ہیں کہ انسانی عقل وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَھَا کے مصداق حیران ہو جاتی ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ کی پیشگوئی فرما کر یہ بتلا دیا کہ اس زمانے میں ایسی ایسی ایجادات ہوں گی کہ کتابوں اور رسالوں کی نشر و اشاعت عام ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اور نشر صحف سے اس کے وسائل یعنی پریس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ نے ایسی قوم کو پیدا کیا جس نے آلات طبع ایجاد کئے۔ دیکھو کس قدر

پریس ہیں جو ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تا وہ ہمارے کام میں ہماری مدد کرے اور ہمارے دین اور ہماری کتابوں کو پھیلائے اور ہمارے معارف کو ہر قوم تک پہنچائے تا وہ ان کی طرف کان دھریں اور ہدایت پائیں"۔ (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۴۷۳)

ایک اور کتاب میں آپؑ فرماتے ہیں:

"کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادیٔ دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتا بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے......ایسا ہی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے اور اس آیت میں جو مِنْھُمْ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ **ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہو گا** جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہو گا......اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کر دیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہو گئے اور برّی اور بحری مرکب ایسے نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت سواری کی ممکن نہیں۔ اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک شیرینی کی طرح بنا دیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہو سکے۔ سو اس وقت حسب منطوق آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ اور حسب منطوق آیت قُلْ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور

مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل وجان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لائیے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجّت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا۔ کیونکہ جوش مذاہب واجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل ونحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے"۔

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۰-۲۶۳)

سو اس زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانے اور اسلام کی سچائی کو ساری دنیا پر ثابت کرنے اور خدائے واحد و یگانہ کی توحید کا پرچار کرنے کے لئے اسلام کا یہ بطل جلیل، جری اللہ، سیف کا کام قلم سے لیتے ہوئے قلمی اسلحہ پہن کر سائنس اور علمی ترقی کے میدان کارزار میں اترا اور اسلام کی روحانی شجاعت اور باطنی قوت کا ایسا کرشمہ دکھایا کہ ہر مخالف کے پرخچے اڑا دیے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا پرچم پھر سے ایسا بلند کیا کہ آج بھی اس کے پھریرے آسمان کی رفعتوں پر بلند سے بلند تر ہو رہے ہیں اور ساری دنیا پر اسلام کا یہ پیغام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے ذریعہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا رہے گا۔ مسیح محمدی کی زندگی بخش تحریرات کی ہی یہ برکت ہے کہ ایک جہان روحانی اور جسمانی احیاء کی نوید سے مستفیض ہو رہا ہے اور صدیوں کے مردے ایک دفعہ پھر زندہ ہو رہے ہیں اور ایسا کیوں

نہ ہوتا کہ اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں صرف آپ کا ہی کلام ایسا تھا جسے کبھی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے ''مضمون بالا رہا'' کی سند نصیب ہوئی تو کبھی الہاماً یہ نوید عطا ہوئی کہ:

''درکلامِ تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست۔ كَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ كَرِيْمٍ''۔ (کاپی الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام صفحہ ۶۲۔ تذکرہ صفحہ ۵۰۸)

ترجمہ: ''تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ تیرا کلام خدا کی طرف سے فصیح کیا گیا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۶)

چنانچہ ایسی ہی عظیم الٰہی تائیدات سے طاقت پا کر آپ فرماتے ہیں:

''میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۳)

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

''میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی اعجاز نمائی کو انشاء پردازی کے وقت بھی اپنی نسبت دیکھتا ہوں کیونکہ جب میں عربی یا اردو میں کوئی عبارت لکھتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کوئی اندر سے مجھے تعلیم دے رہا ہے''۔ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۴)

پس یہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ آبِ حیات جو آپ کے مبارک قلم سے آپ کی کتابوں کی شکل میں دنیا کی روحانی اور علمی پیاس بجھانے کے لئے نکلا ہے اس سے سارا عالم فیضیاب ہو۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر گئے مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پیئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہر گز نہیں مرے گا۔ وہ زندگی بخش باتیں جو میں کہتا ہوں اور وہ حکمت جو میرے منہ سے نکلتی ہے اگر کوئی اور بھی اس کی مانند کہہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سر چشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا زمین پر اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

عزیزو! یہی وہ چشمۂ رواں ہے کہ جو اس سے پیئے گا وہ ہمیشہ کی زندگی پائے گا اور ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی **یفیض المال حتی لا یقبلہ احد** (ابن ماجہ) کے مطابق یہی وہ مہدی ہے جس نے حقائق و معارف کے ایسے خزانے لٹائے ہیں کہ انہیں پانے والا کبھی ناداری اور بے کسی کا منہ نہ دیکھے گا۔ یہی وہ روحانی خزائن ہیں جن کی بدولت خدا جیسے قیمتی خزانے پر اطلاع ملتی ہے اور اس کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔ ہر قسم کی علمی اور اخلاقی، روحانی اور جسمانی شفا اور ترقی کا زینہ آپ کی یہی تحریرات ہیں۔ اس خزانے سے منہ موڑنے والا دین و دنیا، دونوں جہانوں سے محروم اٹھنے والا قرار پاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں متکبر شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جو شخص ہماری کتابوں کو کم از کم تین دفعہ نہیں پڑھتا۔ اس میں ایک قسم کا کبر پایا جاتا ہے''۔

(سیرت المہدی جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۶۵)

اسی طرح آپؑ نے فرمایا کہ:

''وہ جو خدا کے مامور اور مرسل کی باتوں کو غور سے نہیں سنتا اور اس کی تحریروں کو غور سے

نہیں پڑھتا اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل و عیال سمیت نجات پاؤ‘‘۔

(نزول المسیح ، روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۰۳)

پھر آپ نے ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

’’سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں، کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی۔اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں اور اپنے دلوں اور اپنے گھروں اور اپنے معاشرہ میں امن و سلامتی کے دئے جلانے والے بن سکیں اور خدا اور اس کے رسول کی محبت اس طرح ہمارے دلوں میں موجزن ہو کہ اس کے طفیل ہم کل عالم میں بنی نوع انسان کی محبت اور ہمدردی کی شمعیں فروزاں کرتے چلے جائیں۔اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خليفة المسيح الخامس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی ہدایات اور راہنمائی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ تصانیف کا سیٹ ’’روحانی خزائن‘‘ پہلی بار کمپیوٹرائزڈ شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سیٹ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل میں ہر کتاب فسٹ ایڈیشن کے عین مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایک سے زائد ایڈیشن چھپے ہیں تو آخری ایڈیشن کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔ پورے سیٹ میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ صفحہ کی سائیڈ پر ایڈیشن اوّل کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے۔

۳۔ ایڈیشن اوّل میں اگر سہو کتابت واقع ہوا ہے تو متن میں اس لفظ کو اسی طرح کمپوز کیا گیا ہے۔ البتہ حاشیہ میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ متن میں سہو کتابت معلوم ہوتا ہے اور غالباً صحیح لفظ یوں ہے۔

۴۔ یہ ایڈیشن روحانی خزائن کے سابقہ ایڈیشن کے صفحات کے عین مطابق ہے تا کہ جماعتی لٹریچر میں گزشتہ نصف صدی سے آنے والے حوالہ جات کی تلاش میں سہولت رہے۔

۵۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی اجازت سے اس سیٹ میں مندرجہ ذیل اضافے کئے گئے ہیں۔

(ا) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مضمون جو آپ نے منشی گردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور روحانی خزائن میں شامل نہیں ہو سکا تھا اسے روحانی خزائن کے نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۲ میں شامل اشاعت کر دیا گیا ہے جو نامکمل صورت میں ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اہم مضمون ’’**ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات**‘‘ جو پہلے ’’تصدیق النبی‘‘ کے نام سے سلسلہ کے لٹریچر میں موجود ہے اسے روحانی خزائن جلد نمبر ۴ کے آخر میں شامل اشاعت کر لیا گیا ہے۔

(ج) روحانی خزائن جلد ۴ میں الحق مباحثہ دہلی کے عنوان سے ایک کتاب شامل ہے۔ اس کے صفحہ ۲۲۱ پر مراسلت نمبر ۱ مابین مولوی محمد بشیر صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب ہے۔ اس کے بعد مراسلت نمبر ۲ مابین منشی بوبہ صاحب و منشی محمد اسحاق و مولوی سید محمد احسن صاحب کسی وجہ سے روحانی خزائن میں شامل

ہونے سے رہ گئی ہے۔ اسے روحانی خزائن جلد نمبر۴ کے نئے ایڈیشن میں شامل کرلیا گیا ہے۔

(د) روحانی خزائن جلد نمبر۵ آئینہ کمالات اسلام کے آخر میں ''التبلیغ'' کے نام سے جو عربی خط شامل ہے اس کے آخر میں عربی قصیدہ درج ہے۔ ایڈیشن اول میں اس قصیدہ کے بعد ایک عربی نظم شائع شدہ ہے جو کسی وجہ سے روحانی خزائن جلد۵ میں شامل نہیں ہوسکی تھی۔ نئے ایڈیشن میں یہ نظم شامل کردی گئی ہے۔

(ہ) جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تحریر فرمودہ بے مثال مضمون جو ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے اردو اور دوسری زبانوں میں چھپ چکا ہے اس کے اصل مسودہ کے کچھ صفحات کسی وجہ سے شامل اشاعت نہیں ہو سکے تھے انہیں اصل مسودہ سے جو خلافت لائبریری میں موجود ہے نقل کر کے جلد نمبر۱۰ میں شامل کیا گیا ہے۔

(و) ریویو آف ریلیجنز اردو کا پہلا شمارہ ۹/جنوری ۱۹۰۲ء کو شائع ہوا۔ اس میں صفحہ ۹ تا ۳۴ پر مشتمل ''**گناہ کی غلامی سے رہائی پانے کی تدابیر کیا ہیں؟**'' کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بصیرت افروز مضمون شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کو روحانی خزائن جلد نمبر ۱۸ کے آخر میں کتاب نزول المسیح کے بعد شامل کیا جا رہا ہے۔

(ز) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک سے لکھا ہوا ''**عصمت انبیاء**'' کے عنوان سے ایک اور مضمون بھی ریویو آف ریلیجنز اردو مئی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۷۵ تا ۲۰۹ میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا۔ اسے بھی روحانی خزائن جلد ۱۸ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

والسلام
سید عبد الحی
ناظر اشاعت

اکتوبر ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فرستادہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی اشاعت و تبلیغِ اسلام کے جہاد میں صَرف کی اور اس مقصد کے لئے آپ نے نہ صرف کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں بلکہ اشتہارات و تقاریر کے ذریعہ بھی خدمت اسلام کے اس فریضہ کا حق ادا فرمایا۔ حضور علیہ السلام کی جملہ تصانیف کو روحانی خزائن کی تئیس جلدوں کے سیٹ میں طبع کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح آپؑ کے پُر معارف کلمات و تقاریر و مجالس علم و عرفان کو ملفوظات کی دس جلدوں میں، جبکہ آپؑ کے تحریر فرمودہ اشتہارات کو مجموعہ اشتہارات کے عنوان سے تین جلدوں میں تیار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کی روشنی میں علوم و فیوض روحانی سے لبریز اس لٹریچر (روحانی خزائن، ملفوظات اور مجموعہ اشتہارات) کے نئے ایڈیشن تیار کئے گئے ہیں جن کی اب سیدنا حضور اقدس کی منظوری سے یہاں انگلستان سے طباعت کی جارہی ہے تاکہ بیرون ممالک میں قائم جماعتوں کی بھی علمی و روحانی تشنگی دور ہو۔

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جملہ تصانیف منیفہ جو روحانی خزائن کے نام سے ۲۳ جلدوں میں شائع شدہ ہیں، اس کے کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن میں بعض مقامات پر کتابت کے سہو اور اغلاط کی نشاندہی ہوئی تھی۔

امامنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس کے نئے ایڈیشن کی تیاری کا ارشاد فرماتے ہوئے بعض درج ذیل ہدایات سے نوازا:

> ”حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی صحت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے لازم ہے کہ ان کو اوّل ایڈیشن کے عین مطابق اور اسی حال میں برقرار رکھا جائے۔ اگر اوّل ایڈیشن میں کہیں سہوِ کتابت ہے تو اس کو بعینہٖ

قائم رکھا جائے۔ البتہ واضح سہو اور غلطی کی ناشر کی طرف سے حاشیہ میں وضاحت دی جائے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں اس کے ایک سے زیادہ ایڈیشنز شائع ہوئے تھے تو آپ کی زندگی میں مطبوعہ آخری ایڈیشن کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

غرضیکہ اوّل ایڈیشن سے تقابل کرکے اگر مابعد کسی سہو یا کتابت کی غلطی کی درستگی کی گئی ہے تو اسے نظر انداز کرکے اوّل ایڈیشن کے بالکل مطابق کر دیا جائے اور متن میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔"

اوّل ایڈیشن کے وقت اس زمانہ کی طرزِ کتابت کے مطابق "ے" اور "ی" کو اکثر و بیشتر "ی" لکھا گیا ہے۔ پہلے قارئین خود سمجھ جاتے تھے کہ فقرہ کی ترتیب کے لحاظ سے یہاں یائے معروف ہے یا یائے مجہول۔ لیکن اب اس تفریق کو سمجھنے میں قاری کو دقت اور مشکل درپیش ہوتی ہے۔ اس لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقرہ کی مناسبت سے یائے معروف اور یائے مجہول کو ظاہر کر دیا جائے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "روحانی خزائن کے پہلے ایڈیشن کے مطابق صفحات نمبر اور عبارات رکھی جائیں۔" چنانچہ اس ہدایت کی پابندی کی گئی ہے۔ اس لئے ناشر کی طرف سے اگر کوئی وضاحت ضروری سمجھی گئی تو اس کو بارڈر سے باہر رکھا گیا ہے۔

ایسے انگریزی الفاظ، اسماء وغیرہ جو اردو رسم الخط میں تحریر شدہ ہیں اور جن کو صحیح تلفظ سے پڑھنا مشکل ہے سہولت کی غرض سے ان کو انگریزی طرز میں بھی حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔

الحق مباحثہ دہلی کا ایک حصہ "مراسلت نمبر ۲" جو روحانی خزائن کی تدوین کے وقت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکا۔ کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن کے وقت یہ مراسلت مل گئی اور اسے جلد ۴ کے آخر پر صفحہ ۴۸۳ پر دے دیا گیا۔ اس ایڈیشن میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اسے الحق مباحثہ دہلی کے آخر پر مراسلت نمبر ا کے بعد شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

محمود کی آمین تو جلد ۱۲ میں آچکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی آمین بھی لکھی تھی۔ یہ نظم ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی جو روحانی خزائن کی کسی جلد میں شامل نہیں۔

اب روحانی خزائن کی نظر ثانی کے دوران حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر اسے اپنے زمانی اعتبار سے روحانی خزائن جلد ۱۷ میں شامل کیا گیا ہے، مگر جلد کے آخر پر تا کہ صفحات کی ترتیب میں فرق نہ آئے۔

روحانی خزائن میں جو فارسی اشعار، عبارات اور رقوم بیان ہوئی ہیں ان کا ترجمہ اس ایڈیشن میں متن کے اختتام پر دے دیا گیا ہے تا کہ قارئین کو مفہوم سمجھنے میں سہولت ہو۔

یہاں انگلستان میں متعدد مرتبہ خاکسار نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر مختلف امور میں راہنمائی حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی اور ان ہدایات کی تعمیل کروائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے کرام نے بارہا ان بیش بہا علوم کو پڑھنے اور پھیلانے کی نصیحت فرمائی ہے۔ اللہ کرے کہ ہم سب ان سے کماحقہ فائدہ اٹھانے والے ہوں۔ آمین

خاکسار

منیر الدین شمس

ایڈیشنل وکیل التصنیف

فروری ۲۰۲۱ء

ترتیب

روحانی خزائن جلد ۲

پرانی تحریریں ۱

سُرمہ چشم آریہ ۴۷

شحنۂ حق ۳۲۳

سبز اشتہار ۴۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تعارف

(از حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اسّی تالیفات جو سیٹ کی صورت میں ۲۳ جلدوں میں شائع ہو رہی ہیں اس سیٹ کی یہ دوسری جلد ہے۔ جو حضرت اقدسؑ کی تالیفات میں سے ''پرانی تحریریں'' ''سرمہ چشم آریہ'' ''شحنۂ حق'' اور ''سبز اشتہار'' پر مشتمل ہے۔

پرانی تحریریں ۱۸۷۹ء کی اور سرمہ چشم آریہ ۱۸۸۶ء کی اور شحنۂ حق ۱۸۸۷ء کی اور سبز اشتہار ۱۸۸۸ء کی تالیف ہے۔

۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۰ء تک کا زمانہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنجاب و ہندوستان میں آریہ سماج کی تحریک پورے شباب پر تھی اور قرآن مجید اور بانیٔ اسلام پر بنگالہ کی بارش کے قطروں کی مانند اعتراضات ہو رہے تھے۔ علاوہ ازیں برہمو سماج اور عیسائیوں کی تحریکوں کا سارا زور بھی مسلمانوں کے خلاف صرف ہو رہا تھا اور مسلمان مخالفینِ اسلام کے حملوں کے آگے بے دست و پا شخص کی مانند تھے۔ اور وہ چند خواص جن کے دل میں اسلام کو ہدفِ مصائب و آلام دیکھ کر ٹیس اُٹھتی تھی وہ بھی ملتِ اسلامیہ کی خستہ حالی اور بے بسی دیکھ کر شِکوہ کر کے خاموش ہو جاتے اور اس کی نشأۃِ ثانیہ سے قطعاً نااُمید اور اس کی دوبارہ زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں مولانا حالؔی مرحوم نے مسدس لکھی اور بطور ضمیمہ ایک عرضِ حال بصورت نظم تحریر فرمائی۔ اس میں آپ دینِ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے	پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ	خود آج وہ مہمان سرائے فقراء ہے
وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں	اب اس کی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہے

مطالب بہ نقل اصل عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ وہ مطالب بحکم ''مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' خود شہادت دیں گے کہ وہ کتاب کیسی ہے اور ہمارے ریویو لکھنے کی حاجت باقی نہ رہنے دیں گے۔............اور حمیت وحمایت اسلام تو اس میں ہے کہ ایک ایک مسلمان اس کتاب کے دس دس بیس بیس نسخے خرید کر ہندو مسلمانوں میں تقسیم کرے۔ اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اصول اسلام کی خوبی اور اصول مذہب آریہ کی برائی زیادہ شیوع پائے گی اور اس سے آریہ سماج کی ان مخالفانہ کارروائیوں کو جو اسلام کے مقابلہ میں وہ کرتے ہیں روک ہوگی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کی قیمت سے دوسری تصانیف مرزا صاحب (سراج منیر وغیرہ) کے جلد چھپنے اور شائع ہونے کی ایک صورت پیدا ہوگی۔ ہم نے سنا ہے کہ اس وقت تک سراج منیر کا طبع ہونا عدم موجودگی زر کے سبب معرضِ التواء میں ہے۔ اور اس کے مصارف طبع کے لئے آمد قیمت سرمہ چشم آریہ کا انتظار ہے۔ یہ بات صحیح ہے تو مسلمانوں کی حالت پر کمال افسوس ہے کہ ایک شخص اسلام کی حمایت میں تمام جہان کے **اہل مذہب سے مقابلہ کے لئے وقف اور فدا ہو رہا ہے پھر اہلِ اسلام کا اس کام کی مالی معاونت میں یہ حال ہے۔''**

(اشاعة السنّة جلد ۹ نمبر ۵۔۶ صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۸)

شحنۂ حق

یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریوں کے ایک رسالہ جس کا نام تھا ''سُرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت'' کے ردّ میں لکھی۔ جو نہایت گندہ اور دل آزار اور سخت کلامی سے پُر تھا۔ جو چند قادیان کے ہندوؤں کی طرف سے بامداد واعانت لیکھرام پشاوری چشمہ نور امرت سر میں چھپا تھا۔ اور مؤلّف نے اس کا نام شحنۂ حق رکھنے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے۔

''چونکہ ہمارے رسالہ میں ان کی بے جا نکتہ چینیوں پر تنبیہ کا تازیانہ جڑنا اور الزام ملامت کا ہنٹر تاڑ تاڑ مارنا قرینِ مصلحت سمجھا گیا ہے اس لئے اس رسالہ کا نام بھی

جس دین کی حجّت سے سب ادیان تھے مغلوب — اب معترض اس دیں پہ ہر ہرزہ سرا ہے
ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی — دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے
عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی — منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے
وہ قوم کہ آفاق میں جو سربفلک تھی — وہ یاد میں اسلاف کے اب رو بقضا ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی — ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکمِ قضا ہے

لیکن ایک حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے جن کا دل اسلام کے لئے درد سے بھرپور اور سیّدنا حضرت محمد مصطفٰےصلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوبا ہوا تھا۔ آپ کا ذرّہ ذرّہ بزبانِ حال پکار پکار کر اپنے رب سے ملتجی تھا ؎

اے خدا زُود آ و بر ما آب نصرت ہا ببار — یا مَرا بردار یارب زِیں مقامِ آتشیں
اِیں دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جانِ ما گُداخت — کثرتِ اعدائے ملّت قلّتِ انصارِ دیں

لیکن ساتھ ہی اُنہیں کامل یقین تھا کہ قادر خدا ان کی مدد فرمائے گا اور انہیں کامیابی بخشے گا اور روضۂ ملّت از سرِ نو سر سبز و شاداب ہوگا ؎

چوں مرا بخشیدۂ صدق اندریں سوز و گداز — نیست امیدم کہ ناکامم بمیرانی دریں

اور آپ نے بہ بانگِ دہل یہ اعلان کیا کہ:۔

”خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف وحقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تا تعلیماتِ حقّہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر مُلک میں شائع اور رائج فرماوے اور اپنی حجّت ان پر پوری کرے......اور ہر یک مخالف اپنے مغلوب اور لاجواب ہونے کا آپ گواہ ہو جائے۔“

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص ۔ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ ۵۹۶، ۵۹۷ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

مؤلّف مذہبی مباحثات کے میدان میں شیر ببر کی طرح گرجے اور تمام مخالفینِ اسلام کو مقابلہ کے لئے للکارا اور بار بار چیلنج دیا کہ آؤ اور اپنی اپنی الہامی کتابوں کا قرآن مجید سے مقابلہ کر لو۔ اور بصورتِ مغلوبیت آپ نے ہزار ہا روپے دینے کا وعدہ بھی کیا لیکن کسی کو آپ کے مقابلے پر آنے کا یارا نہ ہوا۔

پُرانی تحریریں

یہ تحریریں ۱۸۷۹ء کی ہیں اوران میں اُس وقت کے اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔یعنی ضرورتِ الہام اورروح و مادہ حادث ہیں یا خدا تعالیٰ کی طرح قدیم اورانادی اورابطال مسئلہ تناسخ اورویدو قرآن مجید کا مقابلہ۔اوریہ تحریریں اسی زمانہ میں مختلف رسائل اوراخبارات میں شائع ہوگئی تھیں لیکن کتابی صورت میں انہیں پہلی بارمرحوم ومغفورحضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیرالاسدی رضی اللہ عنہ نے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا۔پھربُک ڈپوتالیف واشاعت قادیان نے ۱۹۲۵ء میں اسے دوبارہ شائع کیا۔

سُرمہ چشم آریہ

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام پسرموعود کے متعلق ۲۰رفروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی شائع کرکے ابھی ہوشیارپور میں ہی مقیم تھے کہ لالہ مرلیدھرڈرائنگ ماسٹرجو آریہ سماج ہوشیارپور کے رکن اور مدارالمہام تھے اُن کے اورمؤلّف کتاب کے مابین ۱۱راور۱۴رمارچ ۱۸۸۶ء دو دن کے لئے مذہبی مباحثہ قرار پا گیا۔جس کی شرائط اورمختصر روئیداد کتاب سُرمہ چشم آریہ کے ازصفحہ۴ تا ۹ میں درج ہے۔اس کتاب میں معجزہ شق القمر۔نجات دائمی ہے یا محدود۔روح و مادہ حادث ہیں یا انادی اور مقابلۂ تعلیمات ویدوقرآن پر مفصّل بحث کی گئی ہے۔اس کتاب کی اشاعت پرمولوی محمد حسین بٹالوی ایڈووکیٹ اہل حدیث نے اپنے رسالہ **اشاعة السُنة** میں جو تبصرہ لکھا تھا وہ درج ذیل ہے:۔

<u>سُرمہ چشم آریہ پرتبصرہ</u>

’’یہ کتاب لاجواب مؤلف براہین احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی تصنیف ہے......اس میں جناب مصنف کا ایک ممبرآریہ سماج سے مباحثہ شائع ہوا ہے جومعجزہ شقّ القمراورتعلیم وید پر بمقام ہوشیارپور ہوا تھا۔اس مباحثہ میں جناب مصنّف نے تاریخی واقعات اورعقلی وجوہات سے معجزہ شقّ القمر ثابت کیا ہےاوراس کے مقابلہ میں آریہ سماج کی کتاب (وید) اوراس کی تعلیمات وعقائد (تناسخ وغیرہ) کا کافی دلائل سے ابطال کیا ہے۔ہم بجائے تحریر ریویو اس کتاب کے بعض

مطالب بہ نقل اصل عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ وہ مطالب بحکم ''مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار بگوید'' خود شہادت دیں گے کہ وہ کتاب کیسی ہے اور ہمارے ریویو لکھنے کی حاجت باقی نہ رہنے دیں گے۔............اور حمیت وحمایت اسلام تو اس میں ہے کہ ایک ایک مسلمان اس کتاب کے دس دس بیس بیس نسخے خرید کر ہندو و مسلمانوں میں تقسیم کرے۔ اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اصول اسلام کی خوبی اور اصول مذہب آریہ کی برائی زیادہ شیوع پائے گی اور اس سے آریہ سماج کی ان مخالفانہ کارروائیوں کو جو اسلام کے مقابلہ میں وہ کرتے ہیں روک ہوگی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کی **قیمت** سے دوسری **تصانیف مرزا صاحب** (سراج منیر وغیرہ) کے جلد چھپنے اور شائع ہونے کی ایک صورت پیدا ہوگی۔ ہم نے سنا ہے کہ اس وقت تک سراج منیر کا طبع ہونا عدم موجودگی زر کے سبب معرضِ التواء میں ہے۔ اور اس کے مصارف طبع کے لئے آمد قیمت سرمہ چشم آریہ کا انتظار ہے۔ یہ بات صحیح ہے تو مسلمانوں کی حالت پر کمال افسوس ہے کہ ایک شخص اسلام کی حمایت میں تمام جہان کے **اہل مذہب سے مقابلہ کے لئے وقف اور فدا ہو رہا ہے پھر اہلِ اسلام کا اس کام کی مالی معاونت میں یہ حال ہے۔**''

(اشاعة السنّة جلد۹ نمبر۵۔۶ صفحہ۱۴۵ تا۱۵۸)

شحنۂ حق

یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریوں کے ایک رسالہ جس کا نام تھا ''سُرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت'' کے ردّ میں لکھی جو نہایت گندہ اور دل آزار اور سخت کلامی سے پُر تھا۔ جو چند قادیان کے ہندوؤں کی طرف سے بامداد و اعانت لیکھرام پشاوری چشمہ نور امرت سر میں چھپا تھا اور مؤلّف نے اس کا نام شحنۂ حق رکھنے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے۔

''چونکہ ہمارے رسالہ میں ان کی بے جا نکتہ چینیوں پر تنبیہ کا تازیانہ جڑنا اور الزام ملامت کا ہنٹر تاڑ تاڑ مارنا قرینِ مصلحت سمجھا گیا ہے اس لئے اس رسالہ کا نام بھی

شحنۂ حق رکھا گیا ہے کیونکہ یہ رسالہ آریوں کے آوارہ طبع لوگوں کے سیدھا کرنے کے لئے شحنہ کا حکم رکھتا ہے اور ظریفانہ طور پر اس رسالہ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔

آریوں کی کسی قدر خدمت

اور

ان کے ویدوں اور نکتہ چینیوں کی کچھ ماہیت

الشرکۃ الاسلامیہ نے اس رسالہ کی کتابت بکڈ پو تالیف واشاعت قادیان کے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۳ء سے کروائی اور پروفوں کی تصحیح کے وقت اس کا مقابلہ شحنۂ حق بار دوم سے کیا گیا۔ بکڈ پو تالیف کے شائع کردہ رسالہ میں حاشیہ متعلق صفحہ ۴۲ شحنۂ حق جس میں "ہندو وآریہ نام کا بیان" مضمون شائع ہوا ہے۔ رسالہ کے آخر میں لگایا گیا ہے۔ اور شحنۂ حق بار دوم میں یہی حاشیہ اصل مقام پر صفحہ ۳۰ تا ۳۵ میں درج ہے اسی طرح تاریخ طبع مصنف بار دوم میں حاشیہ متعلق ۴۶ سے پہلے درج ہے اور بار دوم کے صفحات حاشیہ پر دے دیئے گئے ہیں۔ ☆

سبز اشتہار

یہ اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان نکتہ چینیوں کے جواب میں لکھا جو بعض مخالفین نے بشیر اوّل کی وفات پر کیں۔ مثلاً یہ کہ یہ وہی بچہ تھا جس کی نسبت اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء اور ۸؍اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷؍اگست ۱۸۸۷ء میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ اور اس میں مصلح موعود کے نام اور اس سے متعلقہ پیشگوئی کی وضاحت کی گئی۔

اس اشتہار کا اصل نام "حقّانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر" ہے لیکن اس کے سبز کاغذ پر طبع ہونے کی وجہ سے سبز اشتہار کے نام سے مشہور ہوگیا۔

خاکسار

جلال الدین شمس

☆ **نوٹ:** صفحہ ۳۲۴ تا ۳۲۶ تک "اعلان" اور "عام اطلاع" پر مشتمل مضمون شحنۂ حق ایڈیشن اوّل میں شامل نہیں ہے۔ محترم مولانا جلال الدین شمس صاحب کے تحریر کردہ تعارف شحنۂ حق کے مطابق یہ مضمون صرف ۱۹۲۳ء والے ایڈیشن میں شامل ہے جہاں سے اسے نقل کیا گیا ہے۔ (ناشر)

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

ٹائیٹل بار اوّل

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ
لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ

حصہ اوّل

امام الزمان حضرت مرزا غلام احمد

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت اقدس

کی

پرانی تحریریں

تین قابل قدر مضامین

یعنی وید و فرقان کا مقابلہ۔ الہام کی حقیقت اور آریوں کے مسئلہ قدامت روح کی اصلیت

مرتبہ

شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم قادیان دارالامن و الامان

۲۰۔ مئی ۱۸۹۹ء

انوار احمدیہ پریس قادیان میں شیخ یعقوب علی مالک مطبع نے چھپوا کر شائع کیا

عرض حال

خدا تعالیٰ نے محض اپنے احسان سے مجھے توفیق دی ہے کہ میں اپنے سید و مولیٰ حضرت امام الوقت جناب مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود کی ان گراں قدر اور نادر تحریرات کے ایک حصہ کو رسالہ کی صورت میں پبلک کی خدمت میں پیش کروں جو آج سے بائیس تیئس برس پیشتر مذہبی دنیا میں پیش ہو چکی ہیں۔ ان تحریروں کے پڑھنے سے بالغ خرد ناظرین اور دقیقہ رس طبیعتیں حضرت مرزا صاحب کی مذہبی حمایت اور اسلامی غیرت اور خیر خواہی کا اندازہ کرسکیں گے اور ان کو ایک عظیم الشان نشان جناب کے دعاوی کی صداقت میں ملے گا کیونکہ یہ تحریریں ایسے وقت اور زمانہ کی ہیں جب ابھی آپ موجودہ دعاوی کے ساتھ دنیا میں ظاہر نہ ہوئے تھے۔

میں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ جہاں تک ممکن ہوگا حضرت اقدس کی پرانی سے پرانی تحریریں خواہ وہ مکتوبات ہوں یا مضامین جمع کر کے شائع کرتا رہوں۔ چنانچہ یہ رسالہ پہلا حصہ ہے۔ اس رسالہ کی اشاعت میں مجھے بہت بڑی مدد بھائی ظفر احمد کپورتھلوی سے ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس للّٰھی امداد کی جزا دے۔

میں اپنے ان احباب سے جن کو اپنے ہادی امام کی کل پرانی تحریریں اپنے پاس جمع رکھنے اور پڑھنے کا شوق ہے درخواست کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے وہ مجھے اس کام میں مدد دیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ دریغ نہ فرمائیں گے۔ ابھی تک میں ایسے مضامین اور تحریریں زیادہ چھاپ نہیں سکتا کیونکہ مالی مشکلات سے ایک رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان بیش قیمت موتیوں کی قیمت چند پیسے بھی اکثر دفعہ مجھے بیشی قیمت کے سوالات کا جواب وہ بتا دیتے ہیں جس کے لئے میں اپنے ناظرین سے معافی چاہتا ہوں۔ بالآخر یہ آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور میرا خاتمہ بالخیر کرے۔ اس امام کے ساتھ رکھے اور اسی کے قدموں میں مارے اور اسی کے زمرہ میں جلائے۔

والسلام خاکسار

یعقوب علی ایڈیٹر الحکم

۳۰ ؍مئی ۱۸۹۹

پرانی تحریریں

ابطال تناسخ

ومقابلۂ

وید وفرقان

اعلان متعلقہ مضمون ابطال تناسخ ومقابلہ وید وفرقان مع اشتہار پانسو ۵۰۰ روپیہ جو پہلے بھی بمباحثہ باوا صاحب مشتہر کیا گیا تھا

ناظرین انصاف آئین کی خدمت بابرکت میں واضح ہو کہ باعث مشتہر کرنے اس اعلان کا یہ ہے کہ عرصہ چند روز کا ہوا ہے کہ پنڈت کھڑک سنگھ صاحب ممبر آریہ سماج امرتسر قادیاں میں تشریف لائے اور مستدعی بحث کے ہوئے۔ چنانچہ حسب خواہش ان کے دربارہ تناسخ اور مقابلہ وید اور قرآن کے گفتگو کرنا قرار پایا۔ برطبق اس کے ہم نے ایک مضمون جو اس اعلان کے بعد میں تحریر ہوگا ابطال تناسخ میں اس التزام سے مرتب کیا کہ تمام دلائل اس کے قرآن مجید سے لئے گئے اور کوئی بھی ایسی دلیل نہ لکھی کہ جس کا ماخذ اور منشاء قرآن مجید نہ ہو اور پھر مضمون جلسہ عام میں پنڈت صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تا کہ پنڈت صاحب بھی حسب قاعدہ ملتزمہ ہمارے کے اثبات تناسخ میں وید کی شرتیاں پیش کریں اور اس طور سے مسئلہ تناسخ کا فیصلہ پا جائے۔ اور وید اور قرآن کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے کہ ان میں سے کون غالب اور کون مغلوب

ہے۔ اس پر پنڈت صاحب نے بعد سماعت تمام مضمون کے دلائل وید کے پیش کرنے سے عجز مطلق ظاہر کیا اور صرف دو شرتیاں رگ وید سے پیش کیں کہ جن میں ان کے زعم میں تناسخ کا ذکر تھا۔ اور اپنی طاقت سے بھی کوئی دلیل پیش کردہ ہماری کو ردّ نہ کر سکے حالانکہ اُن پر واجب تھا کہ بمقابلہ دلائل فرقانی کے اپنے وید کا بھی کچھ فلسفہ ہم کو دکھلاتے ﴿۲﴾ اور اس دعوٰے کو جو پنڈت دیانند صاحب مدت دراز سے کر رہے ہیں کہ وید سر چشمہ تمام علوم فنون کا ہے ثابت کرتے لیکن افسوس کہ کچھ بھی نہ بول سکے اور دم بخود رہ گئے اور عاجز اور لاچار ہو کر اپنے گاؤں کی طرف سدھار گئے۔ گاؤں میں جاکر پھر ایک مضمون بھیجا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ابھی بحث کرنے کا شوق باقی ہے اور مسئلہ تناسخ میں مقابلہ وید اور قرآن کا بذریعہ کسی اخبار کے چاہتے ہیں۔ سو بہت خوب ہم پہلے ہی تیار ہیں۔ مضمون ابطال تناسخ جس کو ہم جلسہ عام میں گوش گزار پنڈت صاحب موصوف کر چکے ہیں۔ وہ تمام مضمون دلائل اور براہین قرآن مجید سے لکھا گیا ہے اور جابجا آیات فرقانی کا حوالہ ہے۔ پنڈت صاحب پر لازم ہے کہ مضمون اپنا، دلائل بید سے بمقابلہ مضمون ہمارے کے مرتب کیا ہو پرچہ سفیر ہند یا برادر ہند یا آریہ درپن میں طبع کراویں۔ پھر آپ ہی دانا لوگ دیکھ لیں گے اور بہتر ہے کہ ثالث اور منصف اس مباحثہ تنقیح فضیلت وید اور قرآن میں دو شریف اور فاضل آدمی مسیحی مذہب اور برہمو سماج سے جو فریقین کے مذہب سے بے تعلق ہیں مقرر کئے جائیں۔ سو میری دانست میں ایک جناب پادری رجب علی صاحب جو خوب محقق مدقق ہیں اور دوسرے جناب پنڈت شیو نارائن صاحب جو برہمو سماج میں اہل علم اور صاحب نظر دقیق ہیں۔ فیصلہ اس امر متنازعہ فیہ میں حکم بننے کے لئے بہت اولیٰ و انسب ہیں۔ اس طور سے بحث کرنے میں حقیقت میں چار فائدے ہیں۔ **اوّل** یہ کہ بحث تناسخ کی بہ تحقیق تمام فیصلہ پا جائے گی۔ **دوم** اس موازنہ

اور مقابلہ سے امتحان وید اور قرآن کا بخوبی ہو جائے گا۔ اور بعد مقابلہ کے جو فرق اہل انصاف کی نظر میں ظاہر ہوگا وہی فرق قول فیصل متصور ہوگا۔ **سوم** یہ فائدہ کہ اس التزام سے ناواقف لوگوں کو عقائد مندرجہ وید اور قرآن سے بکلی اطلاع ہو جائے گی۔ **چہارم** یہ فائدہ کہ یہ بحث تناسخ کی کسی ایک شخص کی رائے خیال نہیں کی جائے گی بلکہ محول بکتاب ہو کر اور معتاد طریق سے انجام پکڑ کر قابل تشکیک اور تزئیف نہیں رہے گی۔ اور اس بحث میں یہ کچھ ضرور نہیں کہ صرف پنڈت کھڑک سنگھ صاحب تحریر جواب کی تن تنہا محنت اٹھائیں بلکہ میں عام اعلان دیتا ہوں کہ منجملہ صاحبان مندرجہ عنوان مضمون ابطال تناسخ جو ذیل میں تحریر ہوگا۔ کوئی صاحب ارباب فضل وکمال میں سے متصدی جواب ہوں اور اگر کوئی صاحب بھی باوجود اس قدر تاکید مزید کے اس طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور دلائل ثبوت تناسخ کے فلسفہ متدعویہ وید سے پیش نہیں کریں گے یا درصورت عاری ہونے وید کے ان دلائل سے اپنی عقل سے جواب نہیں دیں گے تو ابطال تناسخ کی ہمیشہ کے لئے ان پر ڈگری ہو جائے گی اور نیز دعویٰ وید کا کہ گویا وہ تمام علوم وفنون پر متضمن ہے محض بے دلیل اور باطل ٹھہرے گا اور بالآخر بغرض توجہ دہانی یہ بھی گزارش ہے کہ میں نے جو قبل اس سے فروری ۱۸۷۸ء میں ایک اشتہار تعدادی پانسو روپیہ بابطال مسئلہ تناسخ دیا تھا وہ اشتہار اب اس مضمون سے بھی بعینہٖ متعلق ہے اگر پنڈت کھڑک سنگھ صاحب یا کوئی اور صاحب ہمارے تمام دلائل کو نمبروار جواب دلائل مندرجہ وید سے دے کر اپنی عقل سے توڑ دیں گے تو بلاشبہ رقم اشتہار کے مستحق ٹھہریں گے اور بالخصوص بخدمت کھڑک سنگھ صاحب کہ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم پانچ منٹ میں جواب دے سکتے ہیں یہ گزارش ہے کہ اب اپنی اس استعداد علمی کو روبروئے فضلائے نامدار ملّت مسیحی اور برہمو سماج کے دکھلاویں۔ اور جو جو ﴿۳﴾

کمالات ان کی ذات سامی میں پوشیدہ ہیں منصۂ ظہور میں لاویں ورنہ عوام کالانعام کے سامنے دم زنی کرنا صرف ایک لاف گزاف ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اب میں ذیل میں مضمون موعودہ لکھتا ہوں۔

مضمون ابطال تناسخ و مقابلہ فلسفہ وید و قرآن جس کے طلب جواب میں صاحبان فضلاء آریہ سماج یعنی پنڈت کھڑک سنگھ صاحب۔ سوامی پنڈت دیانند صاحب۔ جناب باوا نرائن سنگھ صاحب۔ جناب منشی جیونداس صاحب۔ جناب منشی کنھیالال صاحب۔ جناب منشی بختاور سنگھ صاحب ایڈیٹر آریہ درپن۔ جناب بابو سارداپرشاد صاحب۔ جناب منشی شرم پت صاحب سکرتری آریہ سماج قادیاں جناب منشی اندرمن صاحب مخاطب ہیں بوعدہ انعام پانسو روپیہ۔

آریا صاحبان کا پہلا اصول جو مدار تناسخ ہے یہ ہے جو دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور سب ارواح مثل پرمیشر کے قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی پرمیشر ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اصول غلط ہے اور اس پر تناسخ کی پٹڑی جمانا بنیاد فاسد بر فاسد ہے قرآن مجید کہ جس پر تمام تحقیق اسلام کی مبنی ہے اور جس کے دلائل کو پیش کرنا بغرض مطالبہ دلائل وید اور مقابلہ باہمی فلسفہ مندرجہ وید اور قرآن کے ہم وعدہ کر چکے ہیں۔ ضرورت خالقیت باری تعالیٰ کو دلائل قطعیہ سے ثابت کرتا ہے چنانچہ وہ دلائل بہ تفصیل ذیل ہیں:۔ ﴿۴﴾

دلیل اوّل جو برہان لِمّی ہے یعنی علتّ سے معلول کی طرف دلیل گئی ہے۔ دیکھو سورۂ رعد الجزو ۱۳۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ [۱]۔ یعنی خدا ہر ایک چیز کا خالق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے اور واحد بھی ایسا کہ قہّار ہے یعنی سب چیزوں کو اپنے ماتحت رکھتا ہے اور ان پر غالب ہے۔ یہ دلیل بذریعہ شکل اوّل جو بدیہی الانتاج ہے اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ صغریٰ اس کا یہ ہے جو خدا

[۱] الرعد : ۱۷

واحداور قہار ہے اور کبریٰ یہ کہ ہر ایک جو واحد اور قہار ہو وہ تمام موجودات ماسوائے اپنے کا خالق ہے۔ نتیجہ یہ ہوا جو خدا تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ اثبات قضیۂ اولیٰ یعنی صغریٰ کا اس طور سے ہے کہ واحد اور قہار ہونا خدائے تعالیٰ کا اصول مسئلہ فریق ثانی بلکہ تمام دنیا کا اُصول ہے۔ اور اثبات قضیہ ثانیہ یعنی مفہوم کبریٰ کا اس طرح پر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ باوصف واحد اور قہار ہونے کے وجود ماسوائے اپنے کا خالق نہ ہو بلکہ وجود تمام موجودات کا مثل اس کے قدیم سے چلا آتا ہو تو اس صورت میں وہ واحد اور قہار بھی نہیں ہوسکتا۔ واحد اس باعث سے نہیں ہوسکتا کہ وحدانیت کے معنے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ شرکت غیر سے بکلی پاک ہو۔ اور جب خدائے تعالیٰ خالق ارواح نہ ہو تو اس سے دوطور کا شرکت لازم آیا☆۔ اوّل یہ کہ سب ارواح غیر مخلوق ہوکر مثل اس کے قدیم الوجود ہوگئے۔ دوم یہ کہ ان کے لئے بھی مثل پروردگار کے ہستی حقیقی ماننی پڑے جو مستفاض عن الغیر نہیں۔ پس اسی کا نام شرکت بالغیر ہے۔ اور شرک بالغیر ذات باری کا بہ بداہت عقل باطل ہے۔ کیونکہ اس سے شریک الباری پیدا ہوتا ہے اور شریک الباری ممتنع اور محال ہے۔ پس جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہے اور قہار اس باعث سے نہیں ہوسکتا کہ صفت قہاری کے یہ معنے ہیں کہ دوسروں کو اپنے ماتحت میں کر لینا اور ان پر قابض اور متصرّف ہوجانا۔ سو غیر مخلوق اور روحوں کو خدا اپنے ماتحت نہیں کرسکتا کیونکہ جو چیزیں اپنی ذات میں قدیم اور غیر مصنوع ہیں وہ بالضرورت اپنی ذات میں واجب الوجود ہیں اس لئے کہ اپنے تحقیق وجود میں دوسری کسی علت کے محتاج نہیں اور اسی کا نام واجب ہے جس کو فارسی میں خدا یعنی خود آئندہ کہتے ہیں۔ پس جب ارواح مثل ذات باری تعالیٰ کے خدا اور واجب الوجود ٹھہرے۔ تو ان کا باری تعالیٰ ﴿۵﴾ کے ماتحت رہنا عندالعقل محال اور ممتنع ہوا۔ کیونکہ ایک واجب الوجود دوسرے واجب الوجود

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے '' دوطور کی شرکت لازم آئی '' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

کے ماتحت نہیں ہوسکتا اس سے دور یا تسلسل لازم آتا ہے۔ لیکن حال واقعہ جو مسلّم فریقین ہے یہ ہے کہ سب ارواح خدائے تعالیٰ کے ماتحت ہیں کوئی اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ سب حادث اور مخلوق ہیں کوئی ان میں سے خدا اور واجب الوجود نہیں اور یہی مطلب تھا۔

دلیل دوم جو اِنّــی ہے یعنی معلول سے علّت کی طرف دلیل لی گئی ہے۔ دیکھو سورۃ الفرقان۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا[1] یعنی اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں وہ سب کا خالق ہے۔ اور اس کے خالق ہونے پر یہ دلیل واضح ہے کہ ہر ایک چیز کو ایک اندازہ مقرری پر پیدا کیا ہے کہ جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتی بلکہ اسی اندازہ میں محصور اور محدود ہے۔ اس کی شکل منطقی اس طرح پر ہے کہ ہر جسم اور روح ایک اندازہ مقرری میں محصور اور محدود ہے اور ہر ایک وہ چیز کہ کسی اندازہ مقرری میں محصور اور محدود ہو اس کا کوئی حاصر اور محدّد ضرور ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک جسم اور روح کے لئے ایک حاصر اور محدود☆ ہے۔ اب اثبات قضیہ اولیٰ کا یعنی محدود القدر ہونے اشیاء کا اس طرح پر ہے کہ جمیع اجسام اور ارواح میں جو جو خاصیتیں پائی جاتی ہیں عقل تجویز کرسکتی ہے کہ ان خواص سے زیادہ خواص ان میں پائے جاتے مثلاً انسان کی وہ۞ آنکھیں ہیں اور عندالعقل ممکن تھا کہ اس کی چار آنکھیں ہوتیں۔ دو مونہہ کی طرف اور دو پیچھے کی طرف تا کہ جیسا آگے کی چیزوں کو دیکھتا ہے ویسا ہی پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھ لیتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ چار آنکھ کا ہونا بہ نسبت دو آنکھ کے کمال میں زیادہ اور فائدہ میں دو چند ہے۔ اور انسان کے پر نہیں اور ممکن تھا کہ مثل اور پرندوں کے اس کے پر بھی ہوتے۔ اور علیٰ ہذا القیاس نفس ناطقہ انسانی بھی ایک خاص درجہ میں محدود ہے جیسا کہ وہ بغیر تعلیم کسی معلّم کے خود بخود مجہولات کو دریافت نہیں کرسکتا قاسر خارجی

[1] الفرقان : ۳

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’محدّد‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

۞ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’دو‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

سے کہ جیسے جنون یا مخموری ہے سالم الحال نہیں رہ سکتا بلکہ فی الفور اس کی قوتوں اور طاقتوں میں تنزل واقع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بذاتہٖ ادراک جزئیات نہیں کر سکتا جیسا کہ اس کو شیخ محقق بوعلی سینا نے نمط سابع اشارات میں بتصریح لکھا ہے۔ حالانکہ عند العقل ممکن تھا کہ ان سب آفات اور عیوب سے بچا ہوا ہوتا۔ پس جن جن مراتب اور فضائل کو انسان اور اس کی روح کے لئے عقل تجویز کر سکتی ہے وہ کس بات سے ان مراتب سے محروم ہے آیا تجویز کسی اور مجوز سے یا خود اپنی رضامندی سے۔ اگر کہو کہ اپنی رضامندی سے تو یہ صریح خلاف ہے کیونکہ کوئی شخص اپنے حق میں نقص روا نہیں رکھتا۔ اور اگر کہو کہ تجویز کسی اور مجوز سے تو مبارک ہو کہ وجود خالق ارواح اور اجسام کا ثابت ہو گیا اور یہی مدعا تھا۔ ﴿۶﴾

دلیل سوم قیاس الخلف ہے اور قیاس الخلف اس قیاس کا نام ہے کہ جس میں اثبات مطلوب کا بذریعہ ابطال نقیض اس کے کے کیا جاتا ہے اور اس قیاس کو علم منطق میں خلف اس جہت سے کہتے ہیں کہ خلف لغت میں بمعنی باطل کے ہیں اور اسی طرح اس قیاس میں اگر مطلوب کو کہ جس کی حقیقت کا دعویٰ ہے سچا نہ مان لیا جائے تو نتیجہ ایسا نکلے گا جو باطل کو مستلزم ہوگا اور قیاس مذکور یہ ہے دیکھو سورہ الطّور الجزو ۲۷۔ اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ؕ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ؕ اَمۡ عِنۡدَہُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمۡ ہُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ[1] یعنی کیا یہ لوگ جو خالقیت خدائے تعالیٰ سے منکر ہیں بغیر پیدا کرنے کسی خالق کے یونہی پیدا ہو گئے یا اپنے وجود کو آپ ہی پیدا کر لیا یا خود علّت العلل ہیں جنہوں نے زمین و آسمان پیدا کیا یا ان کے پاس غیر متناہی خزانے علم اور عقل کے ہیں جن سے انہوں نے ان سے معلوم کیا کہ ہم قدیم الوجود ہیں یا وہ آزاد ہیں۔ اور کسی کے قبضۂ قدرت میں مقہور نہیں ہیں تا یہ گمان ہو کہ جبکہ ان پر کوئی غالب اور قہار ہی نہیں تو وہ ان کا

[1] الطور : ۳۶ تا ۳۸

خالق کیسے ہو۔اس آیت شریف میں یہ استدلال لطیف ہے کہ ہر پنج شقوق قدامت ارواح کو اس طرز مدلل سے بیان فرمایا ہے کہ ہر ایک شق کے بیان سے ابطال اس شق کا فی الفور سمجھا جاتا ہے اور تفصیل ان اشارات لطیفہ کی یوں ہے کہ شق اوّل یعنی ایک شے معدوم کا بغیر فعل کسی فاعل کے خود بخود پیدا ہو جانا اس طرح پر باطل ہے کہ اس سے ترجیح بلا مرجّح لازم آتی ہے کیونکہ عدم سے وجود کا لباس پہننا ایک موثر مــرجّح کو چاہتا ہے جو جانب وجود کو جانب عدم پر ترجیح دے لیکن اس جگہ کوئی مؤثر مــرجّح موجود نہیں اور بغیر وجود مرجّح کے خود بخود ترجیح پیدا ہو جانا محال ہے۔

اور شق دوم یعنی اپنے وجود کا آپ ہی خالق ہونا اس طرح پر باطل ہے کہ اس سے تقدم شے کا اپنے نفس پر لازم آتا ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ہر ایک شے کے وجود کی علت موجبہ اس شے کا نفس ہے تو بالضرورت یہ اقرار اس اقرار کو مستلزم ہوگا کہ وہ سب اشیاء اپنے وجود سے پہلے موجود تھیں اور وجود سے پہلے موجود ہونا محال ہے۔ ﴿۷﴾

اور شق سوم یعنی ہر ایک شے کا مثل ذات باری کے علت العلل اور صانع عالم ہونا تعدد خداؤں کو مستلزم ہے اور تعدد خداؤں کا باتفاق محال ہے اور نیز اس سے دور یا تسلسل لازم آتا ہے اور وہ بھی محال ہے۔

اور شق چہارم یعنی محیط ہونا نفس انسان کا علوم غیر متناہی پر اس دلیل سے محال ہے کہ نفس انسانی باعتبار تعیّن تشخص خارجی کے متناہی ہے اور متناہی میں غیر متناہی سما نہیں سکتا اس سے تحدید غیر محدود کی لازم آتی ہے۔

اور شق پنجم یعنی خود مختار رہونا اور کسی کے حکم کے ماتحت نہ ہونا ممتنع الوجود ہے۔ کیونکہ نفس انسان کا بضرورت استکمال ذات اپنی کے ایک مکمل کا محتاج ہے اور محتاج کا خود مختار ہونا محال ہے اس سے اجتماع نقیضین لازم آتا ہے پس جبکہ بغیر ذریعہ خالق کے موجود ہونا موجودات کا بہرصورت ممتنع اور محال ہوا تو بالضرور یہی ماننا پڑا کہ

تمام اشیاء موجودہ محدودہ کا ایک خالق ہے جو ذات باری تعالیٰ ہے اور شکل اس قیاس کی جو ترتیب مقدمات صغریٰ کبریٰ سے بقاعدہ منطقیہ مرتب ہوتی ہے اس طرح پر ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قضیہ فی نفسہٖ صادق ہے کہ کوئی شے بجز ذریعہ واجب الوجود کے موجود نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر صادق نہیں ہے تو پھر اس کی نقیض صادق ہوگی کہ ہر ایک شے بجز ذریعہ واجب الوجود کے وجود پکڑسکتی ہے اور یہ دوسرا قضیہ ہماری تحقیقات مندرجہ بالا میں ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ وجود تمام اشیاء ممکنہ کا بغیر ذریعہ واجب الوجود کے محالات خمسہ کو مستلزم ہے۔ پس اگر یہ قضیہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی شے بجز ذریعہ واجب الوجود کے موجود نہیں ہوسکتی تو یہ قضیہ صحیح ہوگا کہ وجود تمام اشیاء کو محالات خمسہ لازم ہیں لیکن وجود اشیاء کا باوصف لزوم محالات خمسہ کے ایک امر محال ہے پس نتیجہ نکلا کہ کسی شے کا بغیر واجب الوجود کے موجود ہونا امر محال ہے اور یہی مطلوب تھا۔

دلیل چہارم:۔ قرآن مجید میں بذریعہ مادہ قیاس اقترانی قائم کی گئی ہے۔ جاننا چاہیے کہ قیاس حجت کی تین قسموں میں سے پہلی قسم ہے۔ اور قیاس اقترانی وہ قیاس ہے کہ جس میں عین نتیجہ کا یا نقیض اس کی بالفعل مذکور نہ ہو بلکہ بالقوہ پائی جائے ﴿۸﴾
اور اقترانی اس جہت سے کہتے ہیں کہ حدود اس کے یعنی اصغر اور اوسط اور اکبر مقترن ہوتی ہیں اور بالعموم قیاس حجت کے تمام اقسام سے اعلیٰ اور افضل ہے کیونکہ اس میں کلی کے حال سے جزئیات کے حال پر دلیل پکڑی جاتی ہے کہ جو باعث استیفا تام کے مفید یقین کامل کے ہے۔ پس وہ قیاس کہ جس کی اتنی تعریف ہے اس آیت شریفہ میں درج ہے اور ثبوت خالقیت باری تعالیٰ میں گواہی دے رہا ہے دیکھو سورہ الحشر جزو ۲۸۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى[1] وہ اللہ خالق ہے یعنی پیدا کنندہ ہے وہ باری ہے یعنی روحوں اور اجسام کو عدم سے وجود بخشنے والا ہے وہ مصور ہے یعنی صورت جسمیہ اور صورت نوعیہ عطا کرنے والا ہے کیونکہ اس کے لئے تمام اسماء حسنہ ثابت ہیں یعنی جمیع صفات کاملہ جو باعتبار کمال قدرت کے عقل تجویز کرسکتی ہے

[1] الحشر : ۲۵

اس کی ذات میں جمع ہیں۔ لہٰذا نیست سے ہست کرنے پر بھی وہ قادر ہے۔ کیونکہ نیست سے ہست کرنا قدرتی کمالات سے ایک اعلیٰ کمال ہے اور ترتیب مقدمات اس قیاس کی بصورت شکل اوّل کے اس طرح پر ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشا ایک کمال ہے اور سب کمالات ذات کامل واجب الوجود کو حاصل ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ نیست سے ہست کرنے کا کمال بھی ذات باری کو حاصل ہے۔ ثبوت مفہوم صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ محض اپنی قدرت سے پیدا کرنا ایک کمال ہے اس طرح پر ہوتا ہے کہ نقیض اس کی یعنی یہ امر کہ محض اپنی قدرت سے پیدا کرنے میں عاجز ہونا جب تک باہر سے کوئی مادہ آ کر معاون اور مددگار نہ ہو ایک بھاری نقصان ہے کیونکہ اگر ہم یہ فرض کریں کہ مادہ موجودہ سب جابجا خرچ ہوگیا تو ساتھ ہی یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ اب خدا پیدا کرنے سے قطعاً عاجز ہے حالانکہ ایسا نقص اس ذات غیر محدود اور قادر مطلق پر عائد کرنا گویا اس کی الوہیت سے انکار کرنا ہے۔

سوائے اس کے علم الٰہیات میں یہ مسئلہ بدلائل ثابت ہو چکا ہے کہ مستجمع الکمالات ہونا واجب الوجود کا تحقق الوہیت کے واسطے شرط ہے یعنی یہ لازم ہے کہ کوئی مرتبہ کمال کا مراتب ممکن التصور سے جو ذہن اور خیال میں گزر سکتا ہے اس ذات کامل سے فوت نہ ہو۔ پس بلاشبہ عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ کمال الوہیت باری تعالیٰ کا یہی ہے کہ سب موجودات کا سلسلہ اسی کی قدرت تک منتہی ہو نہ یہ کہ صفت قدامت اور ہستی حقیقی کے بہت سے شریکوں میں بٹی ہوئی ہو اور قطع نظر ان سب دلائل اور براہین کے ہر ایک سلیم الطبع سمجھ سکتا ہے کہ اعلیٰ کام بہ نسبت ادنیٰ کام کے زیادہ تر کمال پر دلالت کرتا ہے پس جس صورت میں تالیف اجزاء عالم کمال الٰہی میں داخل ہے تو پھر پیدا کرنا عالم کا بغیر احتیاج اسباب کے جو کروڑہا درجہ زیادہ تر قدرت پر دلالت کرتا ہے کس قدر اعلیٰ کمال ہوگا۔ پس صغریٰ اس شکل کا بوجہ کامل ثابت ہوا۔ ﴿۹﴾

اور ثبوت کبریٰ کا یعنی اس قضیہ کا کہ ہر ایک کمال ذات باری کو حاصل ہے اس طرح پر ہے کہ اگر بعض کمالات ذات باری کو حاصل نہیں تو اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ محرومی ان کمالات سے بخوشی خاطر ہے یا بہ مجبوری ہے۔ اگر کہو کہ بخوشی خاطر ہے تو یہ جھوٹ ہے کیونکہ کوئی شخص اپنی خوشی سے اپنے کمال میں نقص روا نہیں رکھتا اور نیز جبکہ یہ صفت قدیم سے خدا کی ذات سے قطعاً مفقود ہے تو خوشی خاطر کہاں رہی۔ اور اگر کہو کہ مجبوری سے تو وجود کسی اور قاسر کا ماننا پڑا جس نے خدا کو مجبور کیا اور نفاذ اختیارات خدائی سے اس کو روکا یا یہ فرض کرنا پڑا کہ وہ قاسر اس کا اپنا ہی ضعف اور ناتوانی ہے کوئی خارجی قاسر نہیں۔ بہرحال وہ مجبور ٹھہرا تو اس صورت میں وہ خدائی کے لائق نہ رہا۔ پس بالضرورت اس سے ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ داغ مجبوری سے کہ بطلانِ الوہیت کو مستلزم ہے پاک اور منزّہ ہے اور صفت کاملہ خالقیت اور عدم سے پیدا کرنے کی اس کو حاصل ہے اور یہی مطلب تھا۔

دلیل پنجم ۔ فرقان مجید میں خالقیت باری تعالیٰ پر بمادہ قیاس استثنائی قائم کی گئی ہے اور قیاس استثنائی اس قیاس کو کہتے ہیں کہ جس میں عین نتیجہ یا نقیض اس کی بالفعل موجود ہو اور دو مقدموں سے مرکب ہو یعنی ایک شرطیہ اور دوسرے وضعیہ سے چنانچہ آیت شریف جو اس قیاس پر متضمن ہے یہ ہے۔ دیکھو سورہ الزُّمر جز و ۲۳ یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ [۱] یعنی وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین اندھیرے پردوں میں پیدا کرتا ہے اس حکمت کاملہ سے کہ ایک پیدائش اور قسم کی اور ایک اور قسم کی بناتا ہے یعنی ہر عضو کو صورت مختلف اور خاصیتیں اور طاقتیں الگ الگ بخشتا ہے۔ یہاں تک کہ قالب بے جان میں جان ڈال دیتا ہے نہ اس کو اندھیرا کام کرنے سے روکتا ہے اور نہ مختلف قسموں اور خاصیتوں کے اعضا بنانا اس پر مشکل ہوتا ہے اور نہ سلسلہ پیدائش کے ہمیشہ

[۱] الزمر : ۷

﴿۱۰﴾ جاری رکھنے میں اس کو کچھ دقت اور حرج واقع ہوتا ہے۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ [1] وہی جو ہمیشہ اس سلسلہ قدرت کو برپا اور قائم رکھتا ہے وہی تمہارا رب ہے یعنی اسی قدرت تامہ سے اس کی ربوبیت تامہ جو عدم سے وجود اور وجود سے کمال وجود بخشنے کو کہتے ہیں ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ رب الاشیاء نہ ہوتا اور اپنی ذات میں ربوبیت تامہ نہ رکھتا اور صرف مثل ایک بڑھئی یا کاریگر کے اِدھر اُدھر سے لے کر گزارہ کرتا تو اس کو قدرت تام ہرگز حاصل نہ ہوتی اور ہمیشہ اور ہر وقت کامیاب نہ ہوسکتا بلکہ کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ آ جاتی اور پیدا کرنے سے عاجز رہ جاتا۔ خلاصہ آیت کا یہ کہ جس شخص کا فعل ربوبیت تامہ سے نہ ہو یعنی از خود پیدا کنندہ نہ ہو اس کو قدرت تامہ بھی حاصل نہیں ہوسکتی لیکن خدا کو قدرت تامہ حاصل ہے کیونکہ قسم قسم کی پیدائش بنانا اور ایک بعد دوسرے کے بلاتخلّف ظہور میں لانا اور کام کو ہمیشہ برابر چلانا قدرت تامہ کی کامل نشانی ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو ربوبیت تامہ حاصل ہے اور درحقیقت وہ رب الاشیاء ہے نہ صرف بڑھئی اور معمار اشیاء کا ورنہ ممکن نہ تھا کہ کارخانہ دنیا کا ہمیشہ بلاحرج چلتا رہتا بلکہ دنیا اور اس کے کارخانہ کا کبھی کا خاتمہ ہو جاتا کیونکہ جس کا فعل اختیار تام سے نہیں وہ ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر تعداد پر ہرگز قادر نہیں ہوسکتا۔

اور شکل اس قیاس کی جو آیت شریف میں درج ہے بقاعدہ منطقیہ اس طرح پر ہے کہ جس شخص کا فعل کسی وجود کے پیدا کرنے میں بطور قدرت تامہ ضروری ہو۔ اس کے لئے صفت ربوبیت تامہ کی یعنی عدم سے ہست کرنا بھی ضروری ہے لیکن خدا کا فعل مخلوقات کے پیدا کرنے میں بطور قدرت تامہ ضروری ہے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے لئے صفت ربوبیت تامہ کی بھی ضروری ہے۔

ثبوت صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ جس صانع کے لئے قدرت تامہ ضروری ہے اس کے لئے صفت ربوبیت تامہ کی بھی ضروری ہے اس طرح پر ہے کہ عقل اس بات کی

[1] یونس : ۴

ضرورت کو واجب ٹھہراتی ہے کہ جب کوئی ایسا صانع کہ جس کی نسبت ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ اس کو اپنی کسی صنعت کے بنانے میں حرج واقع نہیں ہوتا کسی چیز کا بنانا شروع کرے تو سب اسباب تکمیل صنعت کے اس کے پاس موجود ہونے چاہئیں اور ہر وقت اور ہر تعداد تک میسر کرنا ان چیزوں کا جو وجود مصنوع کے لئے ضروری ہیں اس کے اختیار میں ہونا چاہیے۔ اور ایسا اختیار تام بجز اس صورت کے اور کسی صورت میں مکمل نہیں کہ صانع اس مصنوع کا اس کے اجزا پیدا کرنے پر قادر ہو کیونکہ ہر وقت اور ہر تعداد تک ان چیزوں کا میسر ہو جانا کہ جنؔ کا موجود کرنا صانع کے اختیار تام میں نہیں عند العقل ممکن التخلف ہے اور عدم تخلف پر کوئی برہان فلسفی قائم نہیں ہوتی اور اگر ہوسکتی ہے تو کوئی صاحب پیش کرے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مفہوم اس عبارت کا کہ فلاں امر کا کرنا زید کے اختیار تام میں نہیں اس عبارت کے مفہوم سے مساوی ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت وہ کام زید سے نہ ہوسکے پس ثابت ہوا کہ صانع تام کا بجز اس کے ہرگز کام نہیں چل سکتا کہ جب تک اس کی قدرت بھی تام نہ ہو اسی واسطے کوئی مخلوق اہل حرفہ میں سے اپنے حرفہ میں صانع تام ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا بلکہ کل اہل صنائع کا دستور ہے کہ جب کوئی بار بار ان کی دکان پر جا کر ان کو دق کرے کہ فلاں چیز ابھی مجھے بنا دو تو آخر اس کے تقاضے سے تنگ آ کر اکثر بول اٹھتے ہیں کہ ’’میاں میں کچھ خدا نہیں ہوں کہ صرف حکم سے کام کر دوں فلاں فلاں چیز ملے گی تو پھر بنا دوں گا‘‘۔ غرض سب جانتے ہیں کہ صانع تمام کے لئے قدرت تام اور ربوبیت شرط ہے۔ یہ بات نہیں کہ جب تک زید نہ مرلے بکر کے گھر لڑکا پیدا نہ ہو۔ یا جب تک خالد فوت نہ ہو ولید کے قالب میں جو ابھی پیٹ میں ہے جان نہ پڑ سکے پس بالضرورت صغریٰ ثابت ہوا۔ ﴿۱۱﴾

اور کبریٰ شکل کا یعنی یہ کہ خدا مخلوقات کے پیدا کرنے میں بطور قدرت تامہ کے

ضروری ہے خود ثبوت صغریٰ سے ثابت ہوتا ہے اور نیز ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ میں قدرت ضروریہ تامہ نہ ہو تو پھر قدرت اس کی بعض اتفاقی امور کے حصول پر موقوف ہوگی۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں عقل تجویز کرسکتی ہے کہ اتفاقی امور وقت پر خدائے تعالیٰ کو میسر نہ ہوسکیں کیونکہ وہ اتفاقی ہیں۔ ضروری نہیں۔ حالانکہ تعلق پکڑنا روح کا جنین کے جسم سے بروقت طیّاری جسم اس کے کے لازم ملزوم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فعل خدائے تعالیٰ کا بطور قدرت تامہ کے ضروری ہے اور نیز اس دلیل سے ضرورت قدرت تامہ کی خدائے تعالیٰ کے لئے واجب ٹھہرتی ہے کہ بموجب اصول متقررہ فلسفہ کے ہم کو اختیار ہے کہ یہ فرض کریں کہ مثلاً ایک مدت تک تمام ارواح موجودہ ابدان متناسبہ اپنے سے متعلق ہیں۔ پس جب ہم نے یہ امر فرض کیا تو یہ فرض ہمارا اس دوسرے فرض کو بھی مستلزم ہوگا کہ اب تا انقضائے اس مدت کے ان جنینوں میں جو رحموں میں طیار ہوئے ہیں کوئی روح داخل نہیں ہوگا۔ حالانکہ جنینوں کا بغیر تعلق روح کے معطل پڑے رہنا بہ بداہت عقل باطل ہے۔ پس جو امر مستلزم باطل ہے وہ بھی باطل۔ پس ثبوت متقدمین سے یہ نتیجہ ثابت ہوگیا کہ خدائے تعالیٰ کے لئے صفت ربوبیت تامہ کی ضروری ہے اور یہی مطلب تھا۔ ﴿۱۲﴾

دلیل ششم:۔ قرآن مجید میں بمادہ قیاس مرکب قائم کی گئی ہے اور قیاس مرکب کی یہ تعریف ہے کہ ایسے مقدمات سے مؤلف ہو کہ ان سے ایسا نتیجہ نکلے کہ اگرچہ وہ نتیجہ خود بذاتہٖ مطلب کو ثابت نہ کرتا ہو لیکن مطلب بذریعہ اس کے اس طور سے ثابت ہو کہ اسی نتیجہ کو کسی اور مقدمہ کے ساتھ ملا کر ایک دوسرا قیاس بنایا جائے۔ پھر خواہ نتیجہ مطلوب اسی قیاس دوم کے ذریعہ سے نکل آوے یا اور کسی قدر اسی طور سے قیاسات بنا کر مطلوب حاصل ہو۔ دونوں صورتوں میں اس قیاس کو قیاس مرکب کہتے ہیں۔ اور آیت شریف جو اس قیاس پر متضمن ہے یہ ہے دیکھو سورۃ البقرۃ الجزو ۳ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ [1] یعنی

[1] البقرۃ : ۲۵۶

خدا اپنی ذات میں سب مخلوقات کے معبود ہونے کا ہمیشہ حق رکھتا ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس دلیل روشن سے کہ وہ زندہ ازلی ابدی ہے اور سب چیزوں کا وہی قیوم ہے یعنی قیام اور بقاء ہر چیز کا اسی کے بقاء اور قیام سے ہے اور وہی ہر چیز کو ہر دم تھامے ہوئے ہے نہ اس پر اونگ طاری ہوتی ہے نہ نیند اسے پکڑتی ہے یعنی حفاظت مخلوق سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ پس جبکہ ہر ایک چیز کی قائمی اسی سے ہے پس ثابت ہے کہ ہر ایک مخلوقات آسمانوں کا اور مخلوقات زمین کا وہی خالق ہے اور وہی مالک۔ اور شکل اس قیاس کی جو آیت شریف میں وارد ہے بقاعدہ منطقیہ اس طرح پر ہے (جز اوّل قیاس مرکب کی) (صغریٰ) خدا کو بلا شرکۃ الغیر تمام مخلوقات کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہے (کبریٰ) اور جس کو تمام مخلوقات کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہو وہ زندہ ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہوتا ہے (نتیجہ) خدا زندہ ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہے (جز ثانی قیاس مرکب کی کہ جس میں نتیجہ قیاس اول کا صغریٰ قیاس کا بنایا گیا ہے (صغریٰ) (خداوند ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہے) (کبریٰ) اور جو زندہ ازلی ابدی اور تمام چیزوں کا قیوم ہو وہ تمام اشیاء کا خالق ہوتا ہے) (نتیجہ) (خدا تمام چیزوں کا خالق ہے) صغریٰ جز اول قیاس مرکب کا یعنے یہ قضیہ کہ خدا کا بلا شرکۃ الغیرے تمام مخلوقات کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہے باقرار فریق ثانی ثابت ہے۔ پس حاجت اقامت دلیل کی نہیں اور کبریٰ جز اوّل قیاس مرکب کا یعنی یہ قضیہ کہ جس کو تمام اشیاء کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہو وہ زندہ ازلی ابدی اور تمام اشیاء کا قیوم ہوتا ہے اس طرح پر ﴿۱۳﴾ ثابت ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ ازلی ابدی زندہ نہیں ہے تو یہ فرض کرنا پڑا کہ کسی وقت پیدا ہوا یا آئندہ کسی وقت باقی نہیں رہے گا دونوں صورتوں میں ازلی ابدی معبود ہونا اس کا باطل ہوتا ہے کیونکہ جب اس کا وجود ہی نہ رہا تو پھر عبادت اس کی نہیں ہوسکتی کیونکہ عبادت معدوم کی صحیح نہیں ہے اور جب وہ بوجہ معدوم ہونے

کے معبود ازلی ابدی نہ رہا تو اس سے یہ قضیہ کاذب ہوا کہ خدا کو معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہے۔ حالانکہ ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ یہ قضیہ صادق ہے۔ پس ماننا پڑا کہ جس کو تمام اشیاء کے معبود ہونے کا حق ازلی ابدی ہو وہ زندہ ازلی ابدی ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر خدا تمام چیزوں کا قیوم نہیں یعنی حیات اور بقاء دوسروں کی اس کی حیات اور بقاء پر موقوف نہیں تو اس صورت میں وجود اس کا بقاء مخلوقات کے واسطے کچھ شرط نہ ہوگا بلکہ تاثیر اس کی بطور مؤثر بالقسر ہوگی نہ بطور علّت حقیقۃ حافظ الاشیاء کے کیونکہ موثر بالقسر اسے کہتے ہیں کہ جس کا وجود اور بقاء اس کے متاثر کے بقاء کے واسطے شرط نہ ہو جیسے زید نے مثلاً ایک پتھر چلایا اور اسی وقت پتھر چلاتے ہی مر گیا۔ تو بے شک اس پتھر کو جو ابھی اس کے ہاتھ سے چُھٹا ہے بعد موت زید کے بھی حرکت رہے گی پس اسی طرح اگر بقول آریہ سماج والوں کے خدائے تعالیٰ کو محض مؤثر بالقسر قرار دیا جائے تو اس سے نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ اگر پرمیشر کی موت بھی فرض کریں تو بھی ارواح اور ذرّات کا کچھ بھی حرج نہ ہو کیونکہ بقول پنڈت دیانند صاحب کے کہ جس کو انہوں نے ستیارتھ پرکاش میں درج فرما کر توحید کا ستیاناس کیا ہے اور نیز بقول پنڈت کھڑک صاحب کے کہ جنہوں نے بغیر سوچے سمجھے تقلید پنڈت دیانند صاحب کی اختیار کی ہے وید میں یہ لکھا ہے کہ سب ارواح اپنی بقاء اور حیات میں بالکل پرمیشر سے بے غرض ہیں اور جیسے بڑھئی کو چوکی سے اور کمہار کو گھڑے سے نسبت ہوتی ہے وہی پرمیشر کو مخلوقات سے نسبت ہے یعنی صرف جوڑنے جاڑنے سے ٹنڈا پرمیشر گریکا چلاتا ہے اور قیوم چیزوں کا نہیں ہے لیکن ہر ایک دانا جانتا ہے کہ ایسا ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ پرمیشر کا وجود بھی مثل کمہاروں اور نجاروں کے وجود کے بقاء اشیاء کے لئے کچھ شرط نہ ہو بلکہ جیسے بعد موت کمہاروں اور بڑھئیوں کے گھڑے اور چوکیاں اسی طرح بنے رہتے ہیں اسی طرح بصورت فوت ہونے پرمیشر کے بھی اشیاء موجودہ میں کچھ بھی خلل واقع نہ ہو سکے۔ پس ثابت ہوا ﴿۱۴﴾

کہ یہ خیال پنڈت صاحب کا جو پرمیشر کو صانع ہونے میں کمہار اور بڑھئی سے مشابہت ہے قیاس مع الفارق ہے۔ کاش اگر وہ خدا کو قیوم اشیاء کا مانتے اور نجاروں سا نہ جانتے تو ان کو یہ تو کہنا نہ پڑتا کہ پرمیشر کی موت فرض کرنے سے روحوں کا کچھ بھی نقصان نہیں لیکن شاید وید میں یہی لکھا ہوگا۔ ورنہ میں کیونکر کہوں کہ پنڈت صاحب کو قیومیت پروردگارا جو اجلٰی بدیہیات ہے کچھ شک ہے۔ اور اگر پنڈت صاحب پرمیشر کو قیوم سب چیزوں کا مانتے ہیں تو پھر اس کو کمہاروں اور معماروں سے نسبت دینا کس قسم کی بدیا ہے۔ اور وید میں اس پر دلیل کیا لکھی ہے۔ دیکھو فرقان مجید میں صفت قیومی پروردگار کی کئی مقام میں ثابت کی ہے جیسا کہ مکرر اس دوسری آیت میں بھی فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط [1] یعنی خدا آسمان و زمین کا نور ہے۔ اسی سے طبقہ سفلی اور علوی میں حیات اور بقا کی روشنی ہے پس اس ہماری تحقیق سے جز اول قیاس مرکب کی ثابت ہوئی اور صغریٰ جز ثانی قیاس مرکب کا وہی ہے جو جز اوّل قیاس مرکب کا نتیجہ ہے اور جز اوّل قیاس مرکب کی ابھی ثابت ہو چکی ہے۔ پس نتیجہ بھی ثابت ہو گیا۔

اور کبریٰ جز ثانی کا جو زندہ ازلی ابدی اور قیوم سب چیزوں کا ہو وہ خالق ہوتا ہے۔ اس طرح پر ثابت ہے کہ قیوم اسے کہتے ہیں کہ جس کا بقا اور حیات دوسری چیزوں کے بقا اور حیات اور ان کے کل مایحتاج کے حصول کا شرط ہو اور شرط کے یہ معنے ہیں کہ اگر اس کا عدم فرض کیا جائے تو ساتھ ہی مشروط کا عدم فرض کرنا پڑے جیسے کہیں کہ اگر خدائے تعالیٰ کا وجود نہ ہو تو کسی چیز کا وجود نہ ہو۔ پس یہ قول کہ اگر خدائے تعالیٰ کا وجود نہ ہو تو کسی چیز کا وجود نہ ہو بعینہٖ اس قول کے مساوی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا وجود نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ کا وجود دوسری چیزوں کے وجود کا علّت ہے اور خالقیت کے بجز اس کے اور کوئی معنے نہیں کہ وجود خالق کا وجود مخلوق کے لئے علّت ہو۔ پس ثابت ہو گیا کہ خدا خالق ہے اور یہی مطلب تھا۔

الراقم مرزا غلام احمد رئیس قادیان

[1] النور : ۳۶

مسئلۂ الہام کی بحث پر

﴿۱۵﴾

خط و کتابت

الہام ایک القاء غیبی ہے کہ جس کا حصول کسی طرح کی سوچ اور تردد اور تفکر اور تدبر پر موقوف نہیں ہوتا اور ایک واضح اور منکشف احساس سے کہ جیسے سامع کو متکلم سے یا مضروب کو ضارب سے یا ملموس کو لامس سے ہو محسوس ہوتا ہے اور اس سے نفس کو مثل حرکات فکریہ کے کوئی الم روحانی نہیں پہنچتا بلکہ جیسے عاشق اپنے معشوق کی رویت سے بلا تکلف انشراح اور انبساط پاتا ہے ویسا ہی روح کو الہام سے ایک ازلی اور قدیمی رابطہ ہے کہ جس سے روح لذت اٹھاتا ہے۔ غرض یہ ایک منجانب اللہ اعلام لذیذ ہے کہ جس کو نفث فی الروع اور وحی بھی کہتے ہیں۔

دلیل لمی نمبر اول الہام کی ضرورت پر

کوئی قانون عاصم ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہم لزوماً غلطی سے بچ سکیں۔ یہی باعث ہے کہ جن حکیموں نے قواعد منطق کے بنائے اور مسائل مناظرہ کے ایجاد کئے اور دلائل فلسفہ کے گھڑے وہ بھی غلطیوں میں ڈوبتے رہے۔ اور صدہا طور کے باطل خیال اور جھوٹا فلسفہ اور نکمی باتیں اپنی نادانی کے یادگار میں چھوڑ گئے۔ پس اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اپنی ہی تحقیقات سے جمیع امور حقہ اور عقائد صحیحہ پر پہنچ جانا اور کہیں غلطی نہ کرنا ایک محال عادی ہے کیونکہ آج تک ہم نے کوئی فرد بشر ایسا نہیں دیکھا اور نہ سنا اور نہ کسی تاریخی کتاب میں لکھا ہوا پایا کہ جو اپنی تمام نظر اور فکر میں سہو اور خطا سے معصوم ہو۔ پس بذریعہ قیاس استقرائی کے یہ صحیح اور سچا نتیجہ نکلتا ہے کہ وجود ایسے اشخاص کا کہ جنہوں نے صرف قانون قدرت میں فکر اور

غور کر کے اور اپنے ذخیرۂ کانشنس کو واقعات عالم سے مطابقت دے کر اپنی تحقیقات کو ایسے اعلیٰ پایہ صداقت پر پہنچا دیا ہو کہ جس میں غلطی کا نکلنا غیر ممکن ہو۔ خود عادتاً غیر ممکن ہو۔

﴿۱۶﴾ اب بعد اس کے جس امر میں آپ بحث کر سکتے ہیں اور جس بحث کا آپ کو حق پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ برخلاف ہمارے اس استقراء کے کوئی نظیر دے کر ہمارے اس استقرا کو توڑ دیں یعنے از روئے وضع مستقیم مناظرہ کے جواب آپ کا صرف اس امر میں محصور ہے کہ اگر آپ کی نظر میں ہمارا استقرا غیر صحیح ہے تو آپ بغرض ابطال ہمارے اس استقرا کے کوئی ایسا فرد کامل ارباب نظر اور فکر اور حدس میں سے پیش کریں کہ جس کی تمام راؤں اور فیصلوں اور ججمنٹوں میں کوئی نقص نکالنا ہرگز ممکن نہ ہو اور زبان اور قلم اس کی سہو و خطا سے بالکل معصوم ہو۔ تاہم بھی تو دیکھیں کہ وہ درحقیقت ایسا ہی معصوم ہے یا کیا حال ہے۔ اگر معصوم نکلے گا تو بے شک آپ سچے اور ہم جھوٹے ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جس حالت میں نہ خود انسان اپنے علم اور واقفیت سے غلطی سے بچ سکے اور نہ خدا (جو رحیم اور کریم اور ہر ایک سہو و خطا سے مبرّا اور ہر امر کی اصل حقیقت پر واقف ہے) بذریعہ اپنے سچے الہام کے اپنے بندوں کی مدد کرے تو پھر ہم عاجز بندے کیونکر ظلمات جہل اور خطا سے باہر آویں اور کیونکر آفات شک و شبہ سے نجات پائیں۔ لہٰذا میں مستحکم رائے سے یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ مقتضاء حکمت اور رحمت اور بندہ پروری اس قادر مطلق کا یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً جب مصلحت دیکھے ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے کہ عقائد حقّہ کے جاننے اور اخلاق صحیحہ کے معلوم کرنے میں خدا کی طرف سے الہام پائیں اور تفہیم تعلیم کا ملکہ وہبی رکھیں تا کہ نفوس بشریہ کہ سچی ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اپنی سعادت مطلوبہ سے محروم نہ رہیں۔ راقم آپ کا نیاز مند غلام احمد عفی عنہ۔ ۲۱ مئی ۱۸۷۹ء

مکرمی جناب مرزا صاحب

عنایت نامہ آپ کا بمعہ مضمون پہنچا۔ آپ نے الہام کی تعریف اور اس کی ضرورت کے بارے میں

جو کچھ لکھا ہے افسوس ہے کہ میں اس سے اتفاق نہیں کرسکتا ہوں۔ میرے اتفاق نہ کرنے کی جو جو وجوہات ہیں انہیں ذیل میں رقم کرتا ہوں۔

اوّل۔ آپ کی اس دلیل میں (جس کو آپ لمی قرار دیتے ہیں) علاوہ اس خیال کے کہ وہ الہام کے لئے جس کو آپ معلول تصور کرتے ہیں علت ہوسکتی ہے یا نہیں ایک صریحاً غلطی ایسی پائی جاتی ہے کہ وہ واقعات کے خلاف ہے مثلاً آپ ارقام فرماتے ہیں کہ ''کوئی قانون عاصم ہمارے پاس ایسا نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہم لزوماً غلطی سے بچ سکیں۔ اور یہی باعث ہے کہ جن حکیموں نے قواعد منطق کے بنائے اور مسائل ﴿۱۷﴾ مناظرہ کے ایجاد کئے اور دلائل فلسفہ کے گھڑے وہ بھی غلطیوں میں ڈوبتے رہے۔ اور صدہا طور کے باطل خیال اور جھوٹا فلسفہ اور نکمی باتیں اپنی نادانی کی یادگار چھوڑ گئے۔'' اس سے کیا آپ کا یہ مطلب ہے۔ کہ انسان نے اپنی تحقیقات میں ہزاروں برس سے جو کچھ آج تک مغززنی کی ہے اور ہاتھ پیر مارے ہیں اس میں بجز باطل خیال اور جھوٹا فلسفہ اور نکمی باتوں کے کوئی صحیح خیال اور کوئی راست اور حق امر باقی نہیں چھوڑا گیا ہے؟ یا اب جو محقق نیچر کی تحقیقات میں مصروف ہیں وہ صرف ''نادانی'' کے ذخیرہ کو زیادہ کرتے ہیں اور حق امر پر پہنچنے سے قطعی مجبور ہیں؟ اگر آپ ان سوالوں کا جواب نفی میں نہ دیں تو صاف ظاہر ہے کہ آپ سینکڑوں علوم اور ان کے متعلق ہزاروں باتوں کی راست اور صحیح معلومات سے جس سے دنیا کی ہر ایک قوم کم و بیش مستفید ہو رہی ہے صریحاً انکار کرتے ہیں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ شاید آپ کا یہ مطلب نہ ہوگا۔ اور اس بیان سے غالباً آپ کی یہ مراد ہوگی کہ انسان سے اپنی تحقیقات اور معلومات میں سہو اور خطا کا ہونا ممکن ہے۔ مگر یہ نہیں کہ نیچر نے انسان کو فی ذاتہٖ ایسا بنایا ہے کہ جس سے وہ کوئی معلومات صحت کے ساتھ حاصل ہی نہیں کرسکتا ہے۔ کیونکہ ایسے اشخاص آپ نے خود دیکھے اور سنے ہوں گے اور نیز تاریخ میں ایسے لوگوں کا ذکر پڑھا ہوگا کہ جو ''اپنی تمام نظر اور فکر میں'' اگرچہ آپ کے نزدیک سہو اور خطا

سے معصوم نہ ہوں۔ مگر بہت سی باتوں میں ان کی معلومات قطعی راست اور درست ثابت ہوئی ہے اور صدہا امور کی تحقیقات جو پچھلے اور حال کے زمانہ میں وقوع میں آئی ہے اس میں غلطی کا نکلنا قطعی غیر ممکن ہے۔ اور اس بیان کی تصدیق آپ علوم طبعی ریاضی اور اخلاقی وغیرہ کے متعلق صدہا معلومات میں بخوبی کر سکتے ہیں۔

کل معلومات جو انسان آج تک حاصل کر چکا ہے اور نیز آئندہ حاصل کرے گا اس کے حصول کا کل سامان ہر فرد بشر میں نیچر نے مہیا کر دیا ہے۔ اب اس سامان کو انسان فرداً فرداً اور نیز بہ ہیئت مجموعی جس قدر اپنی محبت اور جانفشانی سے روز بروز زیادہ سے زیادہ نفیس اور طاقتور بنانے کے ساتھ ترقی کی صورت میں لاتا جاتا ہے اور جس قدر اس کے مناسب استعمال کی تمیز پیدا کرتا جاتا ہے اسی قدر وہ نیچر کی تحقیقات میں زیادہ سے زیادہ تر ﴿۱۸﴾ صحت کے ساتھ اپنی معلومات کے حصول میں کامیاب ہوتا جاتا ہے۔

اس مختصر بیان سے میں یقین کرتا ہوں کہ آپ اس بات کے تسلیم کرنے سے انکار نہ کریں گے کہ انسان سے اپنی تحقیقات میں اگرچہ غلطی کرنا ممکنات سے ہے مگر یہ نہیں کہ ہر ایک معلومات میں اس کے غلطی موجود ہے بلکہ بہت کچھ معلومات اس کی صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ جس معلومات میں اس کی غلطی موجود نہیں ہے وہ جس قاعدہ یا طریق کے برتاؤ کے ساتھ ظہور میں آئی ہے وہ بھی غلطی سے مبرّا تھا۔ کیونکہ غلط قاعدہ کے عملدرآمد سے کبھی کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے۔ پس جو معلومات اس کی صحیح ہے۔ اس میں اسے حقیقت کے حصول کے لئے جو سامان نیچر نے اسے عطا کیا تھا اس کا صحیح اور مناسب استعمال ظہور میں آیا۔ مگر جہاں اس نے اپنی معلومات میں غلطی کھائی ہے وہاں اس کی مناسب نگہداشت نہیں ہوئی گویا ایک شخص جس کے پاس دوربین موجود ہے اور اس کی نلی بھی وہ کھولنا جانتا ہے مگر ٹھیک فوکس نہ پیدا کرنے کے باعث جس طرح مقابل کی شے کو یا تو دیکھنے سے محروم رہتا ہے یا بشرط دیکھنے کے صاف اور

اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکتا ہے۔ ایک شخص اسی طرح اپنی تحقیقات میں حسب مذکورہ بالا نیچری سامان کی دوربین کھولتے وقت مناسب درجہ کے فوکس میں قائم کرنے سے رہ جاتا ہے تو وہ یا تو حقیقت کی تصویر کے دیکھنے سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ یا وہ تصویر جیسی ہے ویسی نہیں دیکھ سکتا۔☆ مگر جو شخص برخلاف اس شخص کے صحیح فوکس کے پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے وہ پہلے شخص کی غلطی کو دریافت کر لیتا ہے اور حق الامر کو پہنچ جاتا ہے۔ ﴿۱۹﴾

اب اس بیان سے (کہ جو نہایت سیدھا اور صاف ہے) یہ بخوبی ثابت ہے کہ اول تو انسان بعض صورتوں میں اپنے نیچری سامان کے مناسب استعمال کے ساتھ پہلے ہی حق امر کو دریافت کر لیتا ہے۔ دوم بشرط مناسب استعمال میں نہ لانے یا نہ لا سکنے کے اگر غلطی کھاتا ہے تو کوئی دوسرا جسے اس کے ٹھیک استعمال کا موقع مل جاتا ہے وہ اس غلطی کو رفع کر دیتا ہے۔ چنانچہ انسانی معلومات کی کل تاریخ اس قسم کے دلچسپ

☆ حاشیہ

دنیا میں جیسے ہاتھ پیر اور صحت بدنی رکھتے ہوئے بھی ہزاروں اور لاکھوں اشخاص بلا مشقت سستی اور کاہلی کے ساتھ ہی شکم پُری کرنے کو مستعد رہتے ہیں ویسے ہی معلومات کے متعلق بھی لاکھوں اور کروڑوں اشخاص باوجود تحقیقات کے لئے نیچری سامان سے مشرف ہونے کے پھر اپنے دماغ کو پریشان کرنا نہیں چاہتے ہیں اور جن باتوں کی اصلیت کو اپنے تھوڑے سے فکر سے بھی معلوم کر سکتے ہیں ان کے لئے بھی خود تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے ہیں اور محض اندھوں کی طرح ایک ہی تقلید کے ساتھ مطلب برآری کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں آج تک ایک کی غلطی لاکھوں اور کروڑوں روحوں پر مؤثر دیکھی جاتی ہے۔۱۲

سلسلہ سے پُر ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو ہزاروں برس کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کسی محقق کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا بہت دشوار نہیں رہتا ہے کہ انسان فی ذاتہٖ تمام ضروری اعضاء جسمانی اور قواعد دماغی اور اخلاقی سے مشرف ہو کر اس دنیا میں (جو اس کے تمام نیچر کے حسب حال اور باہمی ربط اور علاقہ کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے) آپ اپنا راستہ ڈھونڈھے اور خود اپنی جسمانی اور روحانی بھلائی اور بہتری کے وسائل کا علم حاصل کرے اور فائدہ اٹھائے۔

پس اس قانون قدرت کو پس انداز کر کے یا حکیم حقیقی کی دانائی کے خلاف اگر ہم ایک یہ فرضی دلیل قائم کریں کہ چونکہ انسان کو اپنے چاروں طرف دیکھنا ضروریات سے ہے اور دیکھنے کے لئے جو دو آنکھیں اس کے چہرے پر قائم کی گئی ہیں وہ جس وقت سامنے کی اشیاء کے دیکھنے میں مصروف ہوتی ہیں اس وقت پیچھے سے اس کے اگر اس کی ہلاکت کا سامان کیا گیا ہو تو وہ بشرط آگے کی دو ہی آنکھوں کے ہونے کے ضرور ہے کہ پیچھے کے حال کے دیکھنے سے محروم رہے۔ پس ممکن نہ تھا کہ خدا جو رحیم اور کریم اور حکیم ہے وہ اسے سر کے پیچھے کی طرف بھی دو آنکھیں ایسی عطا نہ کرتا کہ جس سے وہ مذکورہ بالا خطرہ سے نجات پانے کی تدبیر کر سکتا۔ پس جبکہ سر کے پیچھے کی طرف دو آنکھوں کے ہونے کی ضرورت ہے لہٰذا لازم ہوا کہ خدا اپنے بندوں کی مزید حفاظت کی غرض سے ایسی آنکھیں عطا کرے یا اسی قسم کی ایک اور دلیل ہم یہ قائم کریں کہ چونکہ انسان کی عقل خطا کرتی ہے اور اسے یہ علم بھی آج تک حاصل نہیں ہے کہ بمبئی سے جس جہاز پر وہ ولایت کو روانہ ہوتا ہے اس کی روانگی کی تاریخ سے ہفتہ یا ڈیڑھ ہفتہ بعد جو خطرناک طوفان سمندر میں آنے والا ہے اور جس میں اس کا جہاز غرق ہونے کو ہے اسے پہلے سے جان سکے۔ پس جس حالت میں نہ خود انسان اپنے علم اور واقفیت سے اپنے تئیں طوفان کے مہلک اور خوفناک اثر سے محفوظ کر سکتا ہے ﴿۲۰﴾

اور وہ خدا (جو رحیم اور کریم اور ہر ایک سہو وخطا سے مبرّا اور ہر امر کی حقیقت پر واقف ہے) بذریعہ اپنے نج کے پیغام کے فوراً اپنے بندوں کی مدد کرے تو پھر ہم عاجز بندے کیونکر اپنی جان کو ہلاکت کے طوفان سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ پس مقتضاء حکمت اور رحمت اور بندہ پروری اس قادر مطلق کا یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً وہ ہم کو طوفان کے آنے کی اس قدر عرصہ پہلے سے خبر دیتا رہے کہ جس سے ہمیں اپنے اور اپنے جہاز کے بچانے کا موقع مل سکے۔

اب ظاہر ہے کہ جو لوگ حقیقت کے سمجھنے کا کافی ملکہ رکھتے ہیں اور منطق کے اصول کا بخوبی علم رکھتے ہیں وہ ہماری ان دونوں دلیلوں کو قطعی لنگڑی اور بے بنیاد خیال کریں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اول دونوں دلیلوں میں ''ضرورت'' کا جو کچھ قیاس قائم کیا گیا ہے اور جسے ہم نے اپنے نتیجہ کی علّت قرار دیا ہے وہ محض ہمارا ایک وہمی اور فرضی قیاس ہے قوانین نیچر سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ہم الٹا قوانین نیچر کو پس انداز کر کے خدا کی خود دانائی پر حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ دوم چونکہ ہماری علّت فرضی ہوتی ہے پس اس سے جو نتیجہ ہم قائم کرتے ہیں وہ بھی فرضی ہوتا ہے۔ اور واقعات نیچری خود اس کی تردید کرتے ہیں چنانچہ جیسے پہلی مثال کے متعلق ہمارا نتیجہ واقعات کے خلاف ہے اور درحقیقت انسان کے سر کے پیچھے دو آنکھیں اور زائد قائم نہیں کی گئی ہیں۔ دوسری مثال میں بھی ویسے ہی باوجود اس کے کہ سینکڑوں جہاز آج تک سمندر میں غرق ہو چکے ہیں اور ہزاروں اور لاکھوں جانیں ان کے ساتھ ضائع ہو چکی ہیں مگر آج تک خدا نے کسی جہاز والے کے پاس کوئی نج کا پیغام اس قسم کا نہیں بھیجا جس کا دوسری مثال میں ذکر ہوا ہے پس دونوں صورتوں میں ہماری ''ضرورت'' کا قیاس خدا کی دانائی یا قوانین قدرت کے موافق نہ تھا اس لئے اس کا نتیجہ بھی خدا کی حکمت کے خلاف ہونے کے باعث نیچر کے واقعات سے تصدیق نہ پا سکا اور محض فرضی ثابت ہوا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے الہام کی ضرورت پر جو دلیل پیش کی ہے وہ بجنسہٖ ہماری دونوں دلیلوں کے متشابہ ہے

کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ ’’جس حالت میں نہ خود انسان اپنے علم اور واقفیت سے غلطی☆
سے بچ سکے اور نہ خدا (جو رحیم اور کریم اور ہر ایک سہو وخطا سے مبرّا اور ہر امر کی اصل حقیقت ﴿۲۱﴾
پر واقف ہے) بذریعہ اپنے سچے الہام کے اپنے بندوں کی مدد کرے تو پھر ہم عاجز بندے
کیونکر ظلمات جہل اور خطا سے باہر آویں اور کس طرح آفات شک وشبہ سے نجات پائیں
لہذا میں مستحکم رائے سے یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ مقتضاءِ حکمت اور رحمت اور بندہ پروری اس
قادر مطلق کا یہی ہے کہ وقتاً فوقتاً جب مصلحت دیکھے ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے کہ عقائد حقّہ
کے جاننے اور اخلاق صحیحہ کے معلوم کرنے میں خدا کی طرف سے الہام پاویں‘‘۔

پس جس صورت میں آپ کی اس دلیل میں بھی ’’ضرورت‘‘ کا قیاس مثل ہماری
دونوں دلیلوں کے ہے اور قوانین نیچر اس کی تصدیق کرنے سے انکاری ہیں تو پھر ایسا قیاس
بجز فرضی اور وہمی ہونے کے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہم خود تو بات بات میں ایسی
سینکڑوں ضرورتیں قائم کر سکتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ خدا کی حکمت بھی ہماری فرضی
ضرورتوں کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟ محققوں کے نزدیک وہی ضرورت ’’ضرورت‘‘ ہو سکتی
ہے جس کو نیچر یا خدا کی حکمت نے قائم کیا ہو۔ جیسے ہماری بھوک کے دفعیہ کے لئے غذا اور
سانس لینے کے لئے ہوا کی ضرورت ہماری فرضی نہیں بلکہ نیچری ہے اور اسی لئے اس کا
ذخیرہ بھی انسان کی زندگی کے لئے اس نے فراہم کر دیا ہے۔ مگر جو ضرورت کہ نیچر کے
نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے اور اسے ہم خود اپنے وہم سے قائم کرتے ہیں وہ ایک طرف جس
طور پر محض فرضی ہوتی ہے دوسری طرف اسی طور پر اسے علت ٹھہرا کر جو نتیجہ ہم قائم کرتے
ہیں وہ بھی فرضی ہونے کے باعث واقعات کے ساتھ مطابق نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ صورت
ہم نے اپنی مثالوں میں بخوبی ظاہر کر دی ہے۔

دوم اس بات کی نسبت کہ آپ نے الہام کی تعریف میں جو کچھ عبارت رقم کی ہے
اس کا آپ کی دلیل سے کہاں تک ربط ہے اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ جس حالت میں

☆ کل حالتوں میں انسان اپنے ’’علم اور واقفیت‘‘ میں غلطی نہیں کرتا ہے۔ ایڈیٹر برادر ہند۔

آپ نے اپنے الہام کی کل بنیاد جس ’’ضرورت‘‘ پر قائم کی ہے درحقیقت وہ ضرورت جبکہ خود بے بنیاد ہے یعنے نیچر کے نزدیک وہ ضرورت قابل تسلیم نہیں ہے تو پھر اگر یہ بھی مانا جاوے کہ جو عمارت آپ نے کسی اپنی بنیاد پر کھڑی کی ہے وہ اچھے مصالحہ کے ساتھ بھی تعمیر کی ہے تاہم وہ بے بنیاد ہونے کے باعث بجز وہم کے اور کہیں ٹھہر نہیں سکتی اور جیسے اس کی بنیاد فرضی ہے ویسے ہی وہ بھی آخر کار فرضی رہتی ہے۔ ﴿۲۲﴾

الہام کے اس غلط عقیدہ کے باعث دنیا میں لوگوں کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اور جس قدر خرابیاں برپا ہوئی ہیں اور انسانی ترقی کو جس قدر روک پہنچی ہے اس کے ذکر کرنے کو اگرچہ میرا دل چاہتا ہے مگر چونکہ امر متناقضہ سے اس کا اس وقت کچھ علاقہ نہیں ہے لہٰذا اس کا بیان یہاں پر ملتوی رکھتا ہوں۔ لاہور۔۳/ جون ۱۸۷۹ء

آپ کا نیازمند شیونرائن اگنی ہوتری

مکرمی جناب پنڈت صاحب

آپ کا عنایت نامہ عین انتظار کے وقت میں پہنچا۔ کمال افسوس سے لکھتا ہوں جو آپ کو تکلیف بھی ہوئی اور مجھ کو جواب بھی صحیح صحیح نہ ملا۔ میرے سوال کا تو یہ ماحصل تھا کہ جبکہ ہماری نجات (کہ جس کے وسائل کا تلاش کرنا آپ کے نزدیک بھی ضروری ہے) عقائد حقّہ اور اخلاق صحیحہ اور اعمال حسنہ کے دریافت کرنے پر موقوف ہے کہ جن میں امور باطلہ کی ہرگز آمیزش نہ ہو تو اس صورت میں ہم بجز اس کے کہ ہمارے علوم دینیہ اور معارف شرعیہ ایسے طریق محفوظ سے لئے گئے ہوں جو دخل مفاسد اور منکرات سے بکلی معصوم ہو اور کسی طریق سے نجات نہیں پا سکتے۔ اس کے جواب میں اگر آپ وضع استقامت پر چلتے اور داب مناظرہ کو مرعی رکھتے تو از روئے حصر عقلی کے جواب آپ کا (درحالت انکار) صرف تین باتوں میں سے کسی ایک بات میں محصور ہوتا۔ **اوّل** یہ کہ آپ سرے سے نجات کا ہی انکار کرتے اور اس کے وسائل کو مفقود الوجود اور ممتنع الحصول ٹھہراتے اور

اس کی ضرورت کو چار آنکھوں کی ضرورت کی طرح صرف ایک طمع خام سمجھتے۔ دوم یہ کہ نجات کے قائل ہوتے لیکن اس کے حصول کے لئے عقائد اور اعمال کا ہر ایک کذب اور فساد سے پاک ہونا ضروری نہ جانتے بلکہ محض باطل یا امور مخلوطہ حق اور باطل کو بھی موجب نجات کا قرار دیتے۔ سوم یہ کہ حصول نجات کو صرف حق محض سے ہی (جو امتزاج باطل سے بکلی منزہ ہو) مشروط رکھتے اور یہ دعویٰ کرتے کہ طریقہ مجوزہ عقل کا حق محض ہی ہے اور اس صورت میں لازم تھا کہ بغرض اثبات اپنے اس دعویٰ کے ہمارے قیاس استقرائی کو (جو حجت کی اقسام ثلاثہ میں سے تیسری قسم ہے جس کو ہم مضمون سابق میں پیش کر چکے ہیں) کوئی نظیر معصوم عن الخطا ہونے کسی عاقل کے پیش کر کے اور اس کے علوم نظریہ عقلیہ میں سے کوئی تصنیف دکھلا کر توڑ دیتے پھر اگر حقیقت میں ہمارا قیاس استقرائی ٹوٹ جاتا اور ہم اس تصنیف کی کوئی غلطی نکالنے سے عاجز رہ جاتے تو آپ کی ہم پر خاصی ڈگری ہو جاتی۔ مگر افسوس کہ آپ نے ایسا نہ کیا ہزاروں مصنفوں کا ذکر تو کیا مگر نام ایک کا بھی نہ لیا اور نہ اس کی کسی عقلی نظری تصنیف کا کچھ حوالہ دیا اب اس تکلیف دہی سے میری غرض یہ ہے کہ اگر الہام کی حقیت میں جناب کو ہنوز کچھ تامل ہے تو بغرض قائم کرنے ایک مسلک بحث کے شقوق ثلاثہ متذکرہ بالا میں سے کسی ایک شق کو اختیار کیجئے اور پھر اس کا ثبوت دیجئے کیونکہ جب میں ضرورت الہام پر حجت قائم کر چکا تو اب رُوئے قانون مناظرہ کے آپ کا یہی منصب ہے جو آپ کسی حیلہ قانونی سے اس حجت کو توڑیں اور جیسا میں عرض کر چکا ہوں اس حیلہ انگیزی کے لئے آپ کے پاس صرف تین ہی طریق ہیں جن میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آپ قانوناً مجاز ہیں اور یہ بات خاطر مبارک پر واضح رہے کہ ہم کو اس بحث سے صرف اظہارِ حق منظور ہے۔ تعصب اور نفسانیت جو سفہا کا طریقہ ہے ہرگز مرکوز خاطر نہیں۔ میں دلی محبت سے دوستانہ یہ بحث آپ سے کرتا ہوں اور دوستانہ راست طبعی کے جواب کا منتظر ہوں۔ ﴿۲۳﴾

راقم آپ کا نیاز مند غلام احمد عفی عنہ۔ ۵/ جون ۱۸۷۹ء

مکرمی جناب مرزا صاحب

آپ کا عنایت نامہ مرقومہ پانچویں ماہ حال مجھے ملا۔ نہایت افسوس ہے کہ میں نے آپ کے الہام کے بارے میں جو کچھ بطور جواب لکھا تھا اس سے آپ تشفی حاصل نہ کر سکے۔ میرا افسوس اور بھی زیادہ بڑھتا جاتا ہے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے میرے جواب کے عدم تسلیم کی نسبت کوئی صاف اور معقول وجہ بھی تحریر نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کے پڑھنے اور سمجھنے میں غور اور فکر کو دخل نہیں دیا۔

پھر آپ کے اس عنایت نامہ میں ایک اور لطف یہ موجود ہے کہ آپ ایک جگہ پر قائم رہتے معلوم نہیں ہوتے۔ پہلے آپ نے الہام کی ضرورت اس دلیل کے ساتھ قائم کی کہ چونکہ انسان کی عقل حقیّت کے معلوم کرنے میں عاجز ہے اور وہ اپنی تحقیقات میں خطا کرتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ انسان خدا کی طرف سے الہام پاوے۔ میں نے جب آپ کی اس ضرورت کو فرضی ثابت کر دیا اور دکھلا دیا کہ خدا کی حکمت اس ضرورت کو تسلیم نہیں کرتی ہے تو آپ نے پہلے مقام کو چھوڑ کر اب دوسری طرف کا راستہ لیا۔ اور بجائے ہماری تحریر کے تسلیم کرنے یا بشرط اعتراض کسی معقول حجت کے پیش کرنے کے اب اُس سلسلہ کو نجات کے مسئلہ کے ساتھ آلپیٹا یعنی اصل بحث کو جو الہام کی اصلیت پر تھی اُسے چھوڑ کر نجات کے مسئلہ کو لے بیٹھے اور اب اس نئے قضیہ کے ساتھ ایک نئی بحث کے اصولوں کو قائم کرنے لگے۔ پھر اس پر ایک طرفہ یہ ہے کہ آپ اخیر خط میں لکھتے ہیں کہ ''اگر الہام کی حقیّت میں جناب کو ہنوز کچھ تامل ہے تو بغرض قائم کرنے ایک مسلک بحث شقوق ثلاثہ متذکرہ بالا میں سے کسی ایک شق کو اختیار کیجئے اور پھر اس کا ثبوت دیجئے کیونکہ جب میں ضرورت الہام پر حجت قائم کر چکا تو اب ازرُوئے قانون مناظرہ کے آپ کا یہی منصب ہے جو آپ کسی حیلہ قانونی سے اُس حجت کو توڑ دیں''۔ گویا یک نشد دو شد۔ آپ نے ضرورتِ الہام پر جو حجت قائم کی تھی وہ تو ﴿۲۴﴾

جناب من میں ایک دفعہ توڑ چکا اور اُس فرضی ضرورت پر جو عمارت الہام کی آپ نے قائم کی تھی اسے بے بنیاد ٹھہرا چکا مگر افسوس ہے کہ ایک عرصہ دراز کی عادت کے باعث اس کی تصویر ہنوز آپ کی نظروں میں سمائی ہوئی ہے اور وہ عادت باوجود اس کے کہ آپ کو ''اس بحث سے صرف اظہار حق منظور ہے''۔ مگر پھر آپ کو حقیقت کے پاس پہنچنے میں سدّراہ ہے۔ تحقیق حق اُس وقت تک اپنا قدم نہیں جما سکتی ہے جب تک کہ ایک خیال جو عادت میں داخل ہوگیا ہے اُس کو ایک دوسری عادت کے ساتھ جدا کرنے کی مشق حاصل نہ کی جائے۔ کسی عیسائی کا ایک چھوٹا سا لڑکا بھی گنگا کے پانی کو صرف دریا کا پانی سمجھتا ہے اور اس سے زیادہ گناہ سے نجات وغیرہ کا خیال اس سے متعلق نہیں کرتا مگر ایک پرانے خیال کے معتقد بڈھے ہندو کے نزدیک اس پانی میں ایک غوطہ مارنے سے انسان کے کل گناہ دفع ہو جاتے ہیں۔ ایک عیسائی کے نزدیک خدا کی تثلیث برحق ہے مگر ایک مسلمان یا براہمو کے نزدیک وہ بالکل لغو ہے۔ اگر کسی ایسے ہندو یا عیسائی سے بحث کر کے اس کے خیال کی لغویت کو ظاہر بھی کردو (کہ جس کا ظاہر کرنا کچھ مشکل بات نہیں) مگر وہ اس کی لغویت کو تسلیم نہیں کرتا ہے حتیٰ کہ جب جواب سے عاجز آتا ہے تو یہ کہہ کر کہ ''گو میں ٹھیک جواب نہیں دے سکتا ہوں مگر میں اس کا قائل ہوں اور دل سے اسے ٹھیک جانتا ہوں''۔ یہ دل کی گواہی اس کی وہی عادت ہے کہ جو حکما کے نزدیک طبیعت ثانی کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ پس جس الہام کے آپ قائل ہیں اس کی بھی وہی کیفیت ہے آپ کے نزدیک ایک عرصہ دراز کی عادت کے باعث وہ خیال ایسا پختہ اور صحیح ہوگیا ہے کہ آپ اس کے مخالف ہماری مضبوط ﴿۲۵﴾ سے مضبوط دلیل بھی قابل اطمینان نہیں پاتے ہیں اور جب ایک طرف سے اپنی دلیل کو کمزور دیکھتے ہیں تو دوسری طرف بدل کر چل دیتے ہیں۔ اس طور پر فیصلہ ہونا محال ہے۔ آج تک کسی سے ہوا ابھی نہیں اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔

آپ مجھ سے اُن مصنفوں کے نام طلب کرتے ہیں جن کی تصنیف یا تحقیقات میں غلطی نہیں ہے حالانکہ جن علوم کا میں نے ذکر کیا تھا ان کے جاننے والوں کے نزدیک ان کی تصنیف کی کیفیت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیا آپ نے علم ریاضی کی تصنیفات خود ملاحظہ نہیں کی ہیں؟ کیا علم طبیعات کی کتب آپ کی نظر سے نہیں گذری ہیں؟ بیشک جدید تصنیفات جو انگریزی سے فارسی یا عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں شائد اُن کی کیفیت آپ سے پوشیدہ ہو مگر بعض یونانیوں کی تصنیف مثل اقلیدس کے علم ہندسہ وغیرہ سے غالباً آپ واقفیت رکھتے ہونگے اور ظاہر ہے کہ علم ہندسہ کے راست اور صحیح ہونے میں آج تک دنیا میں کسی عالم کو خواہ (وہ الہام کا مقر ہو یا منکر۔ خدا پرست ہو یا دہریہ) کلام نہیں ہے اگر آپ کی رائے میں وہ درست نہ ہو تو آپ براہ مہربانی مجھ کو اس کی غلطیوں سے مطلع فرمائیں۔

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کے مضمون کے جواب دینے میں دابِ مناظرہ کو مرعی نہیں رکھا۔ اس کے جواب میں میں صرف اس قدر عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ جس وقت میری اور آپ کی کل تحریریں رسالہ برادر ہند میں مشتہر کی جاویں گی اُسوقت انصاف پسند ناظرین خود ہی تصفیہ کرلیں گے آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے یا غیر صحیح۔

اگر آپ لکھیں تو اگلے مہینے کے رسالہ سے میں اس بحث کو مشتہر کرنا شروع کردوں۔ لاہور۔ ۱۲؍جون ۱۸۷۹ء آپ کا نیاز مند شیونارائن اگنی ہوتری

مکرمی جناب پنڈت صاحب

آپ کا مہربانی نامہ عین اُس وقت میں پہنچا کہ جب میں بعض ضروری مقدمات کے لیے امرت سر کی طرف جانے کو تھا۔ چونکہ اس وقت مجھے دو گھنٹہ کی بھی فرصت نہیں اس لئے آپ کا جواب واپس آ کر لکھوں گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ تین روز بغایت درجہ چار روز کے بعد واپس آ جاؤں گا اور پھر آتے ہی جواب لکھ کر خدمت گرامی میں ارسال کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ مضامین برادر ہند میں درج ہوں۔ مگر میری صلاح ﴿۲۶﴾

یہ ہے کہ ان مضامین کے ساتھ دو ثالثوں کی رائے بھی ہو تب اندارج پاویں مگر اب مشکل یہ کہ ثالث کہاں سے لاویں ناچار یہی تجویز خوب ہے کہ آپ ایک فاضل نامی گرامی صاحب تالیف و تصنیف کا براہم سماج کے فضلاء میں سے منتخب کر کے اطلاع دیں جو ایک خداترس اور فروتن اور محقق اور بےنفس اور بےتعصب ہو اور ایک انگریز کہ جس کی قوم کی زیرکی بلکہ بےنظیری کے آپ قائل ہیں انتخاب فرما کر اس سے بھی اطلاع بخشیں تو اغلب ہے کہ میں ان دونوں کو منظور کرونگا اور میں نے بطور سرسری سنا ہے کہ آپ کے برہموسماج میں ایک صاحب کیشپ چندر نام لائق اور دانا آدمی ہیں اگر یہی سچ ہے تو وہی منظور ہیں ان کے ساتھ ایک انگریز کر دیجئے مگر منصفوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ صرف اتنا ہی لکھیں کہ ہماری رائے میں یہ ہے یا وہ ہے بلکہ ہر ایک فریق کی دلیل کو اپنے بیان سے توڑنا یا بحال رکھنا ہوگا۔ دوسرے یہ مناسب ہے کہ اس مضمون کو رسالہ میں متفرق طور پر درج نہ کیا جائے کہ اس میں منصف کو دوسرے نمبروں کا مدت دراز تک انتظار کرنا پڑتا ہے بلکہ مناسب ہے کہ یہ سارا مضمون ایک ہی دفعہ برادر ہند میں درج ہو یعنی تین تحریریں ہماری طرف سے اور تین ہی آپ کی طرف سے ہوں اور ان پر دونوں منصفوں کی مفصل رائے درج ہو اور اگر آپ کی نظر میں اب کی دفعہ منصفوں کی رائے درج کرنا کچھ دقت ہو تو پھر اس صورت میں یہ بہتر ہے کہ جب میں بفضلہ تعالیٰ امرتسر سے واپس آ کر تحریر ثالث آپ کے پاس بھیج دوں تو آپ بھی اُس پر کچھ مختصر تحریر کر کے تینوں تحریریں یکدفعہ چھاپ دیں اور ان تحریروں کے اخیر میں یہ بھی لکھا جائے کہ فلاں فلاں منصف صاحب اس پر اپنا اپنا موجبہ رائے تحریر فرماویں اور پھر دو جلدیں اس رسالہ کی منصفوں کی خدمت میں مفت بھیجی جائیں۔ آئندہ جیسے آپ کی مرضی ہو اس سے اطلاع بخشیں اور جلد اطلاع بخشیں۔ اور میں نے چلتے چلتے جلدی سے یہ خط لکھ ڈالا ہے کمی بیشی الفاظ سے معاف فرمائیں۔

راقم آپ کا نیازمند غلام احمد عفی عنہ ۱۷؍ جون ۱۸۷۹ء

﴿۲۷﴾

جوَاب الجواب

باوانرائن سنگھ صاحب سکرٹری آریہ سماج امرتسر مطبوعہ پرچہ آفتاب ۱۸ فروری

اوّل باوا صاحب نے یہ سوال کیا ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ خدا روحوں کا خالق ہے اوران کو پیدا کرسکتا ہے۔اس کے جواب الجواب میں قبل شروع کرنے مطلب کے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ازرُوئے قاعدہ فن مناظرہ کے آپ کا یہ ہرگز منصب نہیں ہوسکتا کہ آپ روحوں کے مخلوق ہونے کا ہم سے ثبوت مانگیں بلکہ یہ حق ہم کو پہنچتا ہے کہ ہم آپ سے روحوں کے بلا پیدائش ہونے کی سند طلب کریں کیونکہ آپ اسی پرچہ مذکورالعنوان میں خود اپنی زبان مبارک سے اقرار کر چکے ہیں کہ پرمیشر قادر ہے اور تمام سلسلہ عالم کا وہی منتظم ہے۔اب ظاہر ہے کہ ثبوت دینا اس امر جدید کا آپ کے ذمّہ ہے کہ پرمیشر اول قادر ہوکر پھر غیر قادر کس طرح بن گیا۔ ہمارے ذمہ ہرگز نہیں جو ہم ثبوت کرتے پھریں کہ پرمیشر جو قدیم سے قادر ہے وہ اب بھی قادر ہے۔سوحضرت یہ آپ کو چاہیے تھا کہ ہم کو اس بات کا ثبوت کامل دیتے کہ پرمیشر باوصف قادر ہونے کے پھر روحوں کے پیدا کرنے سے کیوں عاجز رہے گا۔ہم پر یہ سوال نہیں ہوسکتا کہ پرمیشر (جو قادر تسلیم ہو چکا ہے) روحوں کے پیدا کرنے کی کس قدر قدرت رکھتا ہے کیونکہ خدا کے قادر ہونے کو تو ہم اور آپ دونوں مانتے ہیں۔پس اس وقت تک تو ہم میں اور آپ میں کچھ تنازع نہ تھا۔پھر تنازع تو آپ نے پیدا کیا جو روحوں کے پیدا کرنے سے اس قادر پرمیشر کو عاجز سمجھا اس صورت میں آپ خود منصف ہوں اور بتلائیں کہ بارِثبوت کس کے ذمہ ہے؟

اور اگر ہم بطریق تنزل یہ بھی تسلیم کر لیں کہ اگر چہ دعویٰ آپ نے کیا مگر اثبات اُس کا ہمارے ذمہ ہے۔ پس آپ کو مژدہ ہو کہ ہم نے سفیر ہند ۲۱۔فروری میں خدا کے خالق ہونے کا ثبوت کامل دے دیا ہے۔ جب آپ بنظر انصاف پرچہ مذکور کو ملاحظہ فرمائیں گے ﴿۲۸﴾ تو آپ کی تسلّی کامل ہو جائے گی۔ اور خود ظاہر ہے کہ خدا تو وہی ہونا چاہیئے جو موجد مخلوقات ہو نہ یہ کہ زورآور سلاطین کی طرح صرف غیروں پر قابض ہو کر خدائی کرے۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ شک گذرتا ہے کہ پرمیشر جو اپنی نظیر نہیں پیدا کر سکتا شاید اسی طرح ارواح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہ ہو گا۔ پس اس کا جواب بھی پرچہ مذکورہ ۹۔فروری میں پختہ دیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا ایسے افعال ہرگز نہیں کرتا جن سے اس کی صفات قدیم کا زوال لازم آوے جیسے وہ اپنا شریک نہیں پیدا کر سکتا اپنے آپ کو ہلاک نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا کرے تو اس کی صفات قدیمہ جو وحدت ذاتی اور حیات ابدی ہے زائل ہو جائے گی۔ پس وہ قدوس خدا کوئی کام برخلاف اپنی صفات ازلیہ کے ہرگز نہیں کرتا باقی سب افعال پر قادر ہے۔ پس آپ نے جو روحوں کی پیدائش کو شریک الباری کی پیدائش پر قیاس کیا تو خطا کی۔ مَیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ آپ کا قیاس مع الفارق ہے ہاں اگر یہ ثابت کر دیتے کہ پیدا کرنا ارواح کا بھی مثل پیدا کرنے نظیر اپنی نے☆ خدا کی کسی صفت عظمت اور جلال کے برخلاف ہے تو دعویٰ آپ کا بلا شبہ ثابت ہو جاتا۔

پس آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ خدا نے روح کہاں سے پیدا کئے۔ اس تقریر سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ کو خدا کے قدرتی کاموں سے مطلق انکار ہے اور اس کو مثل آدم زاد کے محتاج باسباب سمجھتے ہیں اور اگر آپ کا اس تقریر سے یہ مطلب ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح پرمیشر روحوں کو پیدا کر لیتا ہے تو اس وہم کے دفع میں پہلے بھی لکھا گیا تھا کہ پرمیشر کی قدرت کاملہ میں

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' کے ''ہونا چاہیے۔(ناشر)

ہرگز یہ شرط نہیں کہ ضرور انسان کی سمجھ میں آجایا کرے۔ دنیا میں اس قسم کے ہزار ہا نمونے موجود ہیں کہ قدرت مدرکہ انسان کی اُن کی کنہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی اور علاوہ اس کے ایک امر کا عقل میں نہ آنا اور چیز ہے اور اس کا محال ثابت ہونا اور چیز۔ عدم ثبوت اس بات کا کہ خدا نے کس طرح روحوں کو بنالیا اس بات کو ثابت نہیں کرسکتا کہ خدا سے روح نہیں بن سکتے تھے کیونکہ عدم علم سے عدم شَے لازم نہیں آتا کیا ممکن نہیں جو ایک کام خدا کی قدرت کے تحت داخل تو ہو لیکن عقل ناقص ہماری اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکے؟ بلکہ قدرت تو حقیقت میں اسی باؔت کا نام ہے جو داغ احتیاج اسباب سے منزہ اور پاک اور ﴿۲۹﴾ ادراک انسانی سے برتر ہو۔ اوّل خدا کو قادر کہنا اور پھر یہ زبان پر لانا کہ اس کی قدرت اسباب مادی سے تجاوز نہیں کرتی حقیقت میں اپنی بات کو آپ ردّ کرنا ہے۔ کیونکہ اگر وہ فی حدّ ذاتہٖ قادر ہے تو پھر کسی سہارے اور آسرے کا محتاج ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ کیا آپ کی پُستکوں میں قادر اور سرپ شکتی مان اسی کو کہتے ہیں جو بغیر توسل اسباب کے کارخانہ قدرت اُس کی کا بند رہے اور نرا اس کے حکم سے کچھ بھی نہ ہوسکے شاید آپ کے ہاں لکھا ہوگا مگر ہم لوگ تو ایسے کمزور کو خدا نہیں جانتے ہمارا تو وہ قادر خدا ہے کہ جس کی یہ صفت ہے کہ جو چاہا سو ہو گیا اور جو چاہے گا سو ہوگا۔

پھر باوا صاحب اپنے جواب میں مجھ کو فرماتے ہیں کہ جس طرح تم نے یہ مان لیا کہ خدا دوسرا خدا بنا نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ماننا چاہیے کہ خدا روح پیدا نہیں کرسکتا۔ اس فہم اور ایسے سوال سے اگر مَیں تعجب نہ کروں تو کیا کروں۔ صاحبِ من میں تو اس وہم کا کئی دفعہ آپ کو جواب دے چکا اب میں بار بار کہاں تک لکھوں۔ میں حیران ہوں کہ آپ کو یہ بیّن فرق کیوں سمجھ میں نہیں آتا اور کیوں دل پر سے یہ حجاب نہیں اُٹھتا کہ جو روحوں کے پیدا کرنے کو دوسرے خدا کی پیدائش پر

قیاس کرنا خیال فاسد ہے کیونکہ دوسرا خدا بنانے میں وہ صفت ازلی پرمیشر کی جو واحد لاشریک ہونا ہے نابود ہو جائے گی لیکن پیدائش ارواح میں کسی صفت واجب الوجود کا ازالہ نہیں بلکہ ناپید کرنے میں ازالہ ہے کیونکہ اس سے صفت قدرت کی جو پرمیشر میں بالاتفاق تسلیم ہو چکی ہے زاویہ اختفا میں رہے گی اور بپایۂ ثبوت نہیں پہنچے گی۔ اس لئے کہ جب پرمیشر نے خود ایجاد اپنے سے بلاتوسل اسباب کے کوئی چیز محض قدرت کاملہ اپنی سے پیدا ہی نہیں کی تو ہم کو کہاں سے معلوم ہو کہ اس میں ذاتی قدرت بھی ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ اس میں کچھ ذاتی قدرت نہیں تو اس اعتقاد سے وہ پرادھین یعنی محتاج بالغیر ٹھہرے گا۔ اور یہ بہ بداہت عقل باطل ہے۔ غرض پرمیشر کا خالق ارواح ہونا تو ایسا ضروری امر ہے جو بغیر تجویز مخلوقیت ارواح کے سب کارخانہ خدائی کا بگڑ جاتا ہے لیکن دوسرا خدا پیدا کرنا صفت وحدت ذاتی کے برخلاف ہے۔ پھر کس طرح پرمیشر ایسے امر کی طرف متوجہ ہو کہ جس سے اس کی صفت قدیمہ کا بطلان لازم آوے۔ اور نیز اس صورت میں جو روح غیر مخلوق اور بےانت مانے جائیں۔ کل ارواح صفت انادی اور غیر محدود ہونے میں خدا سے ﴿۳۰﴾ شریک ہو جائیں گی۔ اور علاوہ اس کے پرمیشر بھی اپنی صفت قدیم سے جو پیدا کرنا بلا اسباب ہے محروم رہے گا اور یہ ماننا پڑے گا کہ پرمیشر کو صرف روحوں پر جمعداری ہی جمعداری ہے اُن کا خالق اور واجب الوجود نہیں۔

پھر بعد اس کے باوا صاحب اسی اپنے جواب میں روحوں کے انتہا ہونے کا جھگڑا لے بیٹھے ہیں جس کو ہم پہلے اس سے ۹ اور ۱۶ فروری سفیر ہند میں ۱۴ دلائل پختہ سے ردّ کر چکے ہیں لیکن باوا صاحب اب تک انکار کئے جاتے ہیں۔ پس ان پر واضح رہے کہ یوں تو انکار کرنا اور نہ ماننا سہل بات ہے اور ہر ایک کو اختیار ہے کہ جس بات پر چاہے رہے پر ہم تو تب جانتے کہ آپ کسی دلیل ہماری کو ردّ کر کے

دکھلاتے اور بے انت ہونے کی وجوہات پیش کرتے۔ آپ کو سمجھنا چاہیے کہ جس حالت میں ارواح بعض جگہ نہیں پائے جاتے تو بے انت کس طرح ہو گئے۔ کیا بے انت کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ جب ایک جگہ تشریف لے گئے تو دوسری جگہ خالی رہ گئی اگر پرمیشر بھی اسی طرح کا بے انت ہے تو کارخانہ خدائی کا معرض خطر میں ہے۔ افسوس کہ آپ نے ہمارے اُن پختہ دلائل کو کچھ نہ سوچا اور کچھ غور نہ کیا اور یونہی جواب لکھنے کو بیٹھ گئے۔ حالانکہ آپ کی منصفانہ طبیعت پر یہ فرض تھا کہ اپنے جواب میں اس امر کا التزام کرتے کہ ہر ایک دلیل ہماری تحریر کر کے اس کے محاذات میں اپنی دلیل لکھتے پر کہاں سے لکھتے اور تعجب تو یہ ہے کہ اسی جواب میں آپ کا یہ اقرار بھی درج ہے کہ ضرور سب ارواح ابتدا سرشٹی میں زمین پر جنم لیتے ہیں اور مدت سوا چار ارب تک سلسلہ دنیا کا بنا رہتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اب اے میرے دوستو اور پیارو اپنے دل میں آپ ہی سوچو اور اپنے قول میں خود ہی غور کرو کہ جو پیدائش ایک مقرری وقت سے شروع ہوئی اور ایک محدود مقام میں ان سب نے جنم لیا اور ایک محدود مدت تک اُن کے توالد تناسل کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو ایسی پیدائش کس طرح بے انت ہو سکتی ہے۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ بموجب اصول موضوعہ فلسفہ کے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو چند محدود چیزوں میں ایک محدود عرصہ تک کچھ زیادتی ہوتی رہی تو بعد زیادتی کے بھی وہ چیزیں محدود رہیں گی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر متعدد جانور ایک متعدد عرصہ تک بچہ دیتے رہیں تو ان کی اولاد بموجب اصول مذکور کے ایک مقدار متعدد سے زیادہ نہ ہوگی اور خود از روئے حساب کے ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جس قدر پیدائش سوا چار ارب مین ہوتی ہے اگر بجائے ﴿۳۱﴾ اس مدت کے ساڑھے آٹھ ارب فرض کریں تو شک نہیں کہ اس صورت مؤخر الذکر میں پہلی صورت سے پیدائش دو چند ہوگی۔ حالانکہ یہ بات اجلی بدیہیات ہے کہ بے انت

کبھی قابل تضعیف نہیں ہوسکتا۔ اگر ارواح بے انت ثابت ہوتے تو ایسی مدت معدود میں کیوں محصور ہو جاتے کہ جن کے اضعاف کو عقل تجویز کر سکتی ہے اور نہ کوئی دانا محدود زمانی اور مکانی کو بے انت کہے گا۔ باوا صاحب براہ مہربانی ہم کو بتلا ویں کہ اگر سوا چار ارب کی پیدائش کا نام بے انت ہے تو ساڑھے آٹھ ارب کی پیدائش کا نام کیا رکھنا چاہیے۔ غرض یہ قول صریح باطل ہے کہ ارواح موجودہ محدود زمانی اور مکانی ہو کر پھر بھی بے انت ہیں کیونکہ مدت معین کا توالد تناسل تعداد معینہ سے کبھی زیادہ نہیں۔ اور اگر یہ قول ہے کہ سب ارواح بدفعہ واحد زمین پر جنم لیتے ہیں سو بطلان اس کا ظاہر ہے کیونکہ زمین محدود ہے اور ارواح بقول آپ کے غیر محدود پھر غیر محدود کس طرح محدود میں سما سکے۔

اور اگر یہ کہو بعض حیوانات باوصف مکتی نہ پانے کے نئی دنیا میں نہیں آتے سو یہ آپ کے اصول کے برخلاف ہے کیونکہ جبکہ پیشتر عرض کیا گیا ہے آپ کا یہ اصول ہے کہ ہر نئی دنیا میں تمام وہ ارواح جو سرشٹی گذشتہ میں مکتی پانے سے رہ گئے تھے اپنے کرموں کا پھل بھوگنے کے واسطے جنم لیتے ہیں کوئی جیو جنم لینے سے باہر نہیں رہ جاتا۔ اب قطع نظر دیگر دلائل سے اگر اسی ایک دلیل پر جو محدود فی الزمان والمکان ہونیکے ہے غور کی جائے تو صاف ثابت ہے کہ آپ کو ارواح کے متعدد ماننے سے کوئی گریز گاہ نہیں اور بجز تسلیم کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ بالخصوص اگر اُن سب دلائل کو جو سوال نمبر ا میں درج ہو چکے ہیں ان دلائل کے ساتھ جو اس تبصرہ میں اندراج پائیں ملا کر پڑھا جائے تو کون منصف ہے جو اس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ ایسے روشن ثبوت سے انکار کرنا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ پھر افسوس کہ باوا صاحب اب تک یہی تصور کئے بیٹھے ہیں کہ ارواح بے انت ہیں اور مکتی پانے سے کبھی ختم نہیں ہوں گے اور حقیقت حال جو تھا سو معلوم ہوا کہ کُل ارواح پانچ ارب کے اندر اندر ہمیشہ ختم ہو جاتے ہیں اور

نیز ہر پرلے کے وقت پر اُن سب کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اگر بے انت ہوتے تو اُن دونوں حالتوں مقدم الذکر میں کیوں ختم ہونا ان کا رکن اصول آریہ سماج کا ٹھہرتا۔ عجب حیرانی کا مقام ہے کہ باوا صاحب خود اپنے ہی اصول سے انحراف کررہے ہیں اتنا خیال نہیں فرماتے کہ جو اشیاء ایک حالت میں قابلِ اختتام ہیں وہ دوسری حالت میں بھی یہی قابلیت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مظروف اپنے ظرف سے کبھی زیادہ نہیں ہوتا۔ پس جبکہ کل ارواح ظرف مکانی اور زمانی میں داخل ہوکر اندازہ اپنا ہر نئی دنیا میں معلوم کرا جاتے ہیں۔ اور پیمانہ زمان مکان سے ہمیشہ ماپے جاتے ہیں تو پھر تعجب کہ باوا صاحب کو ہنوز ارواح کے محدود ہونے میں کیوں شک باقی ہے۔ مَیں باوا صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ جیسے بقول آپ کے یہ سب ارواح جو آپ کے تصوّر میں بے انت ہیں سب کے سب دنیا کی طرف حرکت کرتے ہیں اگر اسی طرح اپنے بھائیوں مکتی یافتوں کی طرف حرکت کریں تو اس میں کیا استبعاد عقلی ہے اور کونسی حجب☆ منتقی اس حرکت سے ان کو روکتی ہے اور کس برہانِ لِمّی یا انّی سے لازم آتا ہے کہ دنیا کی طرف انتقال اُن سب کا ہر سرشٹی کے دورہ میں جائز بلکہ واجب ہے لیکن کوچ ان سب کا مکتی یافتوں کے کوچہ کی طرف ممتنع اور محال ہے مجھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس عالم دنیا کی طرف کونسی پختہ سڑک ہے کہ سب ارواح اس پر بآسانی آتے جاتے ہیں ایک بھی باہر نہیں رہ جاتا اور اُن مکتی یافتوں کے راستے میں کونسا پتھر حائل پڑا ہوا ہے کہ اس طرف اُن سب کا جانا ہی محال ہے کیا وہ خدا جو سب ارواح کو موت اور جنم دے سکتا ہے سب کو مکتی نہیں دے سکتا۔ جب ایک طور پر سب ارواح کی حالت متغیر ہوسکتی ہے تو پھر کیا وجہ کہ دوسرے طور سے وہ حالت قابل تغییر نہیں اور نیز کیا یہ بات ممکن نہیں جو خدا ان سب ارواح کا یہ نام رکھ دے کہ مکتی یاب ہیں جیسے اب تک یہ نام رکھا ہوا ہے کہ مکتی یاب نہیں ﴿۳۲﴾

☆ نقل بمطابق اصل

کیونکہ جن چیزوں کی طرف نسبت سلبی جائز ہوسکتی ہے بے شک ان چیزوں کی طرف نسبت ایجابی بھی جائز ہے اور نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ قضیہ کہ سب ارواح موجودہ نجات پا سکتے ہیں اس حیثیت سے زیر بحث نہیں کہ محمول اس قضیہ کا جو نجات عام ہے مثل کسی جُزئی حقیقی کے قابلِ تنقیح ہے بلکہ اس جگہ مبحوث عنہ امر کلی ہے یعنی ہم کلی طور پر بحث کرتے ہیں کہ ارواح موجودہ نے جو ابھی مکتی نہیں پائی آیا بموجب اصول آریہ سماج کے اس امر کی قابلیت رکھتے ہیں یا نہیں کہ کسی طور کا عارضہ عام خواہ مکتی ہو یا کچھ اور ہو ان سب پر طاری ہو جائے سو آریہ صاحبوں کے ہم ممنون منّت ہیں جو انہوں نے آپ ہی اقرار کر دیا کہ یہ عارضہ عام بعض صورتوں میں سب ارواح پر واقع ہے۔ جیسے موت اور جنم کی حالت سب ارواح موجودہ پر عارض ہو جاتی ہے۔ اب باوا صاحب خود ہی انصاف فرماویں کہ جس حالت میں دو مادوں میں اس عارضہ عام کے خود ہی قائل ہو گئے تو پھر اس تیسرے مادہ میں جو سب کا مکتی پانا ہے انکار کرنا کیا وجہ ہے۔ ﴿۳۳﴾

پھر باوا صاحب یہ فرماتے ہیں کہ علاوہ زمین کے سورج اور چاند اور سب ستاروں میں بھی جانور بکثرت آباد ہیں اور اس سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس ثابت ہو گیا کہ بے انت ہیں۔ پس باوا صاحب پر واضح رہے کہ اوّل تو یہ خیال بعض حکماء کا ہے جس کو یورپ کے حکیموں نے اخذ کیا ہے اور ہماری گفتگو آریہ سماج کے اصول پر ہے سوا اس کے اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ آریہ سماج کا بھی یہی اصول ہے تو پھر بھی کیا فائدہ کہ اس سے بھی آپ کا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اس سے تو صرف اتنا نکلتا ہے کہ مخلوقات خدائے تعالیٰ کی بکثرت ہے۔ ارواح کے بے انت ہونے سے اس دلیل کو کیا علاقہ ہے پر شاید باوا صاحب کے ذہن میں مثل محاورہ عام لوگوں کے یہ سمایا ہوا ہوگا کہ بے انت اسی چیز کو کہتے ہیں جو بکثرت ہو۔ باوا صاحب کو یہ

سمجھنا چاہیئے کہ جس حالت میں یہ سب اجسام ارضی اور اجرام سماوی بموجب تحقیق فن ہیئت اور علم جغرافیہ کے معدود اور محدود ہیں تو پھر جو چیزیں ان میں داخل ہیں کس طرح غیر معدود ہوسکتی ہیں اور جس صورت میں تمام اجرام و اجسام زمین و آسمان کے خدا نے گنے ہوئے ہیں تو پھر جو کچھ ان میں آباد ہے وہ اس کی گنتی سے کب باہر رہ سکتا ہے۔ سو ایسے دلائل سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کام تو تب بنے کہ آپ یہ ثابت کریں کہ ارواح موجودہ تمام حدود و قیود و ظروف مکانی و زمانی اور فضائے عالم سے بالاتر ہے کیونکہ خدا بھی انہی معنوں میں بے انت کہلاتا ہے اگر ارواح بے انت ہیں تو وہی علامات ارواح میں ثابت کرنی چاہئیں۔ اس لئے کہ بے انت ایک لفظ ہے کہ جس میں بقول آپ کے ارواح اور باری تعالیٰ مشارکت رکھتے ہیں اور اس کا حد تام بھی ایک ہے یہ بات نہیں کہ جب لفظ بے انت کا خدا کی طرف نسبت کیا جائے تو اس کے اور معنی ہیں اور جب ارواح کی طرف منسوب کریں تو اور معنے۔

پھر بعد اس کے باوا صاحب فرماتے ہیں کہ کسی نے آج تک روحوں کی تعداد نہیں کی اس لئے لاتعداد ہیں اس پر ایک قاعدہ حساب کا بھی جو **ما نحن فیه** سے کچھ ﴿۳۴﴾ تعلق نہیں رکھتا پیش کرتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ لاتعداد کی کمی نہیں ہو سکتی۔ پس باوا صاحب پر واضح رہے کہ ہم تخمینی اندازہ ارواح کا بموجب اصول آپ کے بیان کر چکے ہیں اور ان کا ظروف مکانی اور زمانی میں محدود ہونا بھی بموجب انہی اصول کے ذکر ہو چکا ہے اور آپ اب تک وہ حساب ہمارے روبرو پیش کرتے ہیں جو غیر معلوم اور نامفہوم چیزوں سے متعلق ہے اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح خزانچی کو اپنی جمع تحویل شدہ کا کل میزان روپیہ آنہ پائی کا معلوم ہوتا ہے اسی طرح اگر انسان کو کل تعداد ارواح کا معلوم ہو تو تب قابل کمی ہوں گے ورنہ نہیں سو یہ بھی آپ کی غلطی ہے۔

کیونکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ جس چیز کا اندازہ تخمینی کسی پیمانہ کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا تو پھر ضرور عقل یہی تجویز کرے گی کہ جب اس اندازۂ معلومہ میں سے نکالا جاوے تو بقدر تعداد خارج شدہ کے اصلی اندازہ میں کمی ہو جائے گی۔ بھلا یہ کیا بات ہے کہ جب مکتی شدہ سے ایک فوج کثیر مکتی شدہ ارواح میں داخل ہو جائے تو نہ وہ کچھ کم ہوں اور نہ یہ کچھ زیادہ ہوں حالانکہ وہ دونوں محدود ہیں اور ظروف مکانی اور زمانی میں محصور۔

اور جو یہ باوا صاحب فرماتے ہیں کہ تعداد روحوں کی ہم کو بھی معلوم ہونی چاہیے۔ تب قاعدہ جمع تفریق کا ان پر صادق آوے گا۔ یہ قول باوا صاحب کا بھی قابل ملاحظہ ناظرین ہے ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جمع بھی خدا کی اور تفریق بھی وہی کرتا ہے اور اس کو ارواح موجودہ کے تمام افراد معلوم ہیں اور فرد فرد اس کے زیر نظر ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ جب ایک روح نکل کر مکتی یابوں میں جاوے گا تو پرمیشور کو معلوم ہے کہ یہ فرد اس جماعت میں سے کم ہو گیا اور اس جماعت میں سے☆ بباعث داخل ہونے اس کے ایک فرد کے زیادتی ہوئی۔ یہ کیا بات ہے کہ اس داخل خارج سے وہی پہلی صورت بنی رہی نہ مکتی یاب کچھ زیادہ ہوں اور نہ وہ ارواح کہ جن سے کچھ روح نکل گئی بقدر نکلنے کے کم ہو جائیں۔ اور نیز ہم کو بھی کوئی بُرہان منطقی مانع اس بات کی نہیں کہ ہم اس امر متیقن متحقق پر رائے نہ لگا سکیں کہ جن چیزوں کا اندازہ بذریعہ ظروف مکانی اور زمانی کے ہم کو معلوم ہو چکا ہے وہ دخول خروج سے قابل زیادت اور کمی ہیں مثلاً ایک ذخیرہ کسی قدر غلّہ کا کسی کوٹھے میں بھرا ہوا ہے اور لوگ اس سے نکال کر لئے جاتے ہیں سو گو ہم کو اُس ذخیرہ کا وزن معلوم نہیں لیکن ہم بنظر محدود ہونے اس کے کے رائے دے سکتے ہیں کہ جیسا نکالا جائے گا کم ہوتا جائے گا۔ ﴿۳۵﴾

اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا کہ خدا کا علم غیر محدود ہے اور روح بھی غیر محدود ہیں اسی واسطے خدا کو روحوں کی تعداد معلوم نہیں۔ یہ آپ کی تقریر بے موقع ہے۔ جناب من یہ کون کہتا ہے جو خدا کا علم

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’سے‘‘ زائد ہے۔(ناشر)

غیر محدود نہیں۔ کلام ونزاع تو اس میں ہے کہ معلومات خارجیہ اسکے جو تعینات وجودیہ سے مقید ہیں اور زمانہ واحد میں پائے جاتے ہیں اور ظروف زمانی اور مکانی میں محصور اور محدود ہیں آیا تعداد اُن اشیاء موجودہ محدودہ معینہ کا اس کو معلوم ہے یا نہیں آپ اُس اشیاء موجودہ محدودہ کو غیر موجود اور غیر محدود ثابت کریں تو تب کام بنتا ہے ورنہ علم الٰہی کہ موجود اور غیر موجود دونوں پر محیط ہے اس کے غیر متناہی ہونے سے کوئی چیز جو تعینات خارجیہ میں مقید ہو غیر متناہی نہیں بن سکتی اور آپ نے خدا کے علم کو خوب غیر محدود بنایا کہ جس سے روحوں کا احاطہ بھی نہ ہوسکا اور شمار بھی معلوم نہ ہوا باوصفیکہ سب موجود تھے کوئی معدوم نہ تھا کیا خوب بات ہے کہ آسمان اور زمین نے تو روحوں کو اپنے پیٹ میں ڈال کر بزبانِ حال اُن کی تعداد بتلائی پھر خدا کو کچھ بھی تعداد معلوم نہ ہوئی۔ یہ عجیب خدا ہے اور اُس کا علم عجیب تر۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ خدا کو جو ارواح موجودہ کا علم ہے یہ اُس کے علوم غیر متناہیہ کا جز ہے یا کُل ہے۔ اگر کُل ہے☆ اس سے لازم آتا ہے کہ خدا کو سوا روحوں کے اور کسی چیز کی خبر نہ ہو اور اس سے بڑھ کر اس کا کوئی عالم نہ ہو۔ اور اگر جز ہے تو محدود ہو گیا کیونکہ جز کل سے ہمیشہ چھوٹا ہے پس اس سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ ارواح محدود ہیں اور خود یہی حق الامر تھا۔ جس شخص کو خدا نے معرفت کی روشنی بخشی ہو وہ خوب جانتا ہے کہ خدا کے بے انتہا علوم کے دریا زمین سے علم ارواح موجودہ کا اس قدر بھی نسبت نہیں رکھتا کہ جیسے سوئی کو سمندر میں ڈبو کر اس میں کچھ تری باقی رہ جاتی ہے۔

پھر باوا صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’یہ اعتراض کرنا بیجا ہے کہ بے انت اور انادی ہونا خدا کی صفت ہے اگر روح بھی بے انت اور انادی ہوں تو خدا کے برابر ہو جائیں گے کیونکہ کسی جُزوی مشارکت سے مساوات لازم نہیں آتی جیسے آدمی بھی آنکھ سے دیکھتا ہے اور حیوان بھی۔ پر دونوں مساوی نہیں ہو سکتے‘‘۔ یہ دلیل باوا صاحب کی تغلیط اور تسقیط ہے۔ ورنہ کون عاقل اس بات کو نہیں جانتا کہ جو صفات ذات الٰہی میں پائی جاتی ہیں وہ سب اس ذات بے مثل

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ہے تو ‘‘ہونا چاہیے۔(ناشر)

کے خصائص ہیں کوئی چیز ان میں شریک سہیم ذات باری کے نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر ہوسکتی ہے ﴿۳۶﴾
تو پھر سب صفات اس کی میں شراکت غیر کی جائز ہوگی اور جب سب صفات میں شراکت
جائز ہوئی تو ایک اور خدا پیدا ہوگیا بھلا اس بات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ جو خدا
کی صفات قدیمہ میں سے جو انادی اور بے انت ہونے کی صفت ہے وہ تو اس کے غیر میں
بھی پائی جاتی ہیں لیکن دوسری صفات اُس کی اس سے مخصوص ہیں۔ ذرہ آپ خیال کر کے
سوچیں کہ کیا خدا کی تمام صفات یکساں ہیں یا متقارب ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اگر
ایک صفت میں صفات مخصوصہ اس کی سے اشتراک بالغیر جائز نہ ہوگا اور اگر نہیں تو سب میں
نہیں اور یہ جو آپ نے نظیر دی جو حیوانات مثل انسان کے آنکھ سے دیکھتے ہیں لیکن اس
رویت سے انسان نہیں ہوسکتا نہ اس کے مساوی۔ یہ نظیر آپ کی بے محل ہے اگر آپ ذرہ بھی
غور کرتے تو ایسی نظیر کبھی نہ دیتے۔ حضرت سلامت یہ کون کہتا ہے کہ ممکنات کو عوارض خار
جیہ میں باہم مشارکت اور مجانست نہیں۔ امر متنازعہ فیہ تو یہ ہے کہ خصائص الٰہیہ میں کسی غیر
اللہ کو بھی اشتراک ہے یا صفات اسکے اس کی ذات سے مخصوص ہیں۔ آپ مدعی اس امر
متنازع کے ہیں اور نظیر ممکنات کے پیش کرتے ہیں جو خارج از مبحث ہے۔ آپ امر متنازعہ
کی کوئی نظیر دیں تب حجت تمام ہو ورنہ ممکنات کے تشارک تجانس سے یہ حجت تمام نہیں
ہوتی۔ نہ ذات باری کے خصائص کو ممکنات کے عوارض پر قیاس کرنا طریق دانشوری ہے۔
علاوہ اس کے جو ممکنات میں بھی خصائص ہیں وہ بھی ان کے ذوات سے مخصوص ہیں جیسا
کہ انسان کی حد تام یہ ہے جو حیوانِ ناطق ہے اور ناطق ہونا انسان کے خصائص ذاتی
میں سے اور اس کا فصل اور ممیّز عن الغیر ہے یہ فصل اس کا نہیں کہ ضرور بینا بھی ہو اور آنکھ
سے بھی دیکھتا ہو کیونکہ اگر انسان اندھا بھی ہو جائے تب بھی انسان ہے بلکہ انسان کے
خصائص ذاتیہ سے وہ امر ہے جو بعد مفارقت روح کے بدن سے اسکے نفس میں بنا رہتا
ہے ہاں یہ بات سچ ہے جو ممکنات میں اس وجہ سے جو وہ سب ترکیب عنصری میں متحد ہیں
بعض حالات خارج از حقیقت تامہ ہیں ایک دوسرے کی مشارکت بھی ہوتے ہیں جیسے انسان

اور گھوڑا اور درخت کہ جو ہر اور صاحب العباد☆ ثلاثہ اور قوت نامیہ ہونے میں یہ تینوں شریک ہیں اور حساس اور متحرک بالارادہ ہونے میں انسان اور گھوڑا مشارکت رکھتے ہیں ﴿۴۷﴾ لیکن ماہیت تامہ ہر ایک کی جدا جدا ہے۔ غرض یہ صفت عارضی ممکنات کی حقیقت تامہ پر زائد ہے جس میں کبھی تشارک اور کبھی تغائر ان کا ہو جاتا ہے اور باوصف مختلف الحقائق اور متغائر الماہیت ہونے کے کبھی کبھی بعض مشارکات میں ایک جنس کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں بلکہ کبھی ایک حقیقت کے لئے ایک اجناس ہوتے ہیں اور یہ بھی کچھ سمجھا کہ کیوں ایسا ہوتا ہے یہ اس واسطے ہوتا ہے کہ ترکیب مادی ان کی اصل حقیقت اُن کے پر زائد ہے اور سب کی ترکیب مادی کا ایک ہی استقس یعنی اصل ہے اب آپ پر ظاہر ہوگا کہ یہ تشارک ممکنات کا خصائص ذاتیہ میں تشارک نہیں بلکہ عوارض خارجیہ میں اشتراک ہے۔ باطنی آنکھ انسان کی جس کو بصیرت قلبی (این لاین منٹ) کہتے ہیں دوسرے حیوانات میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

اخیر میں باوا صاحب اپنے خاتمہ جواب میں یہ بات کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ سب دلائل معترض کے توہمات ہیں قابل تردید نہیں۔ اس کلمہ سے زیرک اور ظریف آدمیوں نے فی الفور معلوم کر لیا ہوگا کہ باوا صاحب کو یہ لفظ کیوں کہنا پڑا۔ بات یہ ہوئی کہ اوّل تو ہمارے معزز دوست جناب باوا صاحب جواب دینے کی طرف دوڑے اور جہاں تک ہو سکا ہاتھ پاؤں مارے اور کودے اُچھلے لیکن جب اخیر کو کچھ پیش نہ گئی اور عقدہ لاینحل معلوم ہوا تو آخر ہانپ کر بیٹھ گئے اور یہ کہہ دیا کہ کیا تردید کرنا ہے یہ تو توہمات ہیں لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ جن دلائل کی مقدمات یقینیہ پر بنیاد ہے وہ کیوں توہمات ہو گئے۔ اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور آئندہ بلا ضرورت نہیں لکھیں گے۔

راقم مرزا غلام احمد رئیس قادیان

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ''ابعاد'' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

﴿۳۸﴾

منشی گردیال صاحب مدرس مڈل اسکول چنیوٹ کے استفسار مندرجہ پرچہ آفتاب ۱۶؍مئی ۱۸۷۸ء کا ضروری جواب

منشی گردیال صاحب نے بعض خیالات اپنی بابت انادی ہونے روحوں کے پیش کر کے ہم سے جواب اس کا بکمال اصرار طلب کیا ہے سو اگرچہ ہم مضمون سابق کے خاتمہ میں تحریر کر چکے ہیں کہ آئندہ اس بحث پر بلا ضرورت نہیں لکھیں گے لیکن چونکہ منشی صاحب ممدوح نے بمراد ازالہ شکوک اپنے کے بہت التجا ظاہر کی ہے اور ہمارے نزدیک بھی رفع کرنا شبہات صاحب موصوف کا حقیقت میں ایک عمدہ تحقیق علمی ہے جو فائدہ عام سے خالی نہیں۔ لہٰذا ہم اس جواب کو بوجہ ضروری اور لابدی اور مفید عام ہونے کے بمد استثناء شمار کر کے برعایت اختصار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اول خیال منشی صاحب کا جس کو وہ دلیل سمجھ کر بہ ثبوت انادی ہونے روحوں کے پیش کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کی علّتِ تامہ ہے اور تمام مخلوق اس کی معلول اور کوئی معلول اپنی علت تامہ سے متاخر نہیں رہ سکتا پس ثابت ہوا کہ ارواح موجودہ مثل ذات باری کے قدیم سے ہیں حادث نہیں ہیں۔

ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ استدلال صاحب موصوف کا ہرگز درست نہیں اور نہ ان کو کچھ فائدہ بخشتا ہے بلکہ الٹا ان کے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے غلط ثابت کرتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ خداوند کریم کی ذات پاک لامحدود و لاانتہا ہے اور ارواح کی پیدائش کی علت تامہ وہی غیر متناہی ہستی ہے اب اگر بقول مدرس صاحب کے یہ فرض کیا جاوے کہ تخلف معلول کا اپنی علت تامہ سے محال ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ارواح

موجودہ (جو بقول ان کے قدیم سے موجود ہیں) لاتعداد اور غیر متناہی ہوں کیونکہ جب علتِ تامہ بےانت ہے تو معلول بھی بےانت ہونا چاہئے ورنہ لازم آوے گا...... کہ مؤثر کامل کی تاثیر ناقص ہو حالانکہ بےانت ہونا ارواح موجودہ کا ہماری چودہ دلائل سے باطل ہو چکا ہے جس کو سوامی دیانند صاحب بھی لاچار اور لاجواب ہو کر قبول کر چکے۔ پس جبکہ روحوں کے بےانت ہونے کے بارے میں یہ دلیل جھوٹی نکلی تو ان کے انادی ہونے میں کب سچی ہوسکتی ہے۔ ﴿۳۹﴾

علاوہ اس کے مشاہدہ افعال اللہ کا بھی اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ قانون قدرتی کے ہر روزہ تجربہ اور ملاحظہ نے ہم پر ثابت کر دیا ہے کہ افعال الٰہی جومرہون باوقات وموقت بالازمنہ ہیں اور اوقات مختلفہ میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں کبھی دھوپ ہے کبھی بادل ہے کبھی رات ہے کبھی دن ہے کبھی غم ہے اور کبھی شادی ایک وقت وہ تھا جو ہم معدوم تھے اور اب یہ وقت ہے کہ ہم زندہ زمین پر موجود ہیں اور پھر وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ ہم نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ بارادہ الٰہی ہو رہا ہے اور ان سب امور اور عوارض کے وہی ارادہ ازلی علت تامہ ہے پس اگر بقول مدرس صاحب کے تصور کیا جاوے کہ موافقت خالق اور مخلوق کی واجب ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام حادثات جو وقتاً فوقتاً ظہور پکڑتے ہیں ہمیشہ ایک حالت پر بنے رہیں اور دنیا میں ایک ہی دستور رہے لیکن ہر عاقل جانتا ہے جو عالم متغیر ہے اور تمام اجزا حوادث کے آن واحد میں جمع نہیں ہوسکتے اور کسی مخلوق کو ایک وضع پر قرار نہیں پس اس سے یہی ثابت ہوا کہ دلائل پیش کردہ مدرس صاحب بھی نامعتبر اور سراسر غلط ہیں۔

سوا اس کے جب دوسرے شق کی طرف غور کی جاتی ہے کہ آیا روحوں کے انادی ہونے کی بابت کوئی دلیل پختہ ہے یا نہیں تو ایسے دلائل پختہ اور یقینی ملتے ہیں جو انسان کو بجز ماننے ان کے کچھ بن نہیں پڑتا اس بارے میں ہم مضمون سابقہ میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں

اب اعادہ کرنا ضروری نہیں لیکن ایک نئی دلیل جس سے روحوں کے انادی ہونے کے ابطال میں قطعی فیصلہ ہوگیا بلکہ فیصلہ کیا قلعی ہی کھل گئی اس مضمون میں بھی درج کی جاتی ہے اور تمہید اس دلیل کی یہ ہے کہ آریہ سماج والے بموجب اصول مسلمہ اپنے کے خود اقرار کر چکے ہیں کہ ارواح موجودہ سوا چار ارب زمانہ سے زیادہ نہیں جتنے ہیں اور جسقدر ہیں اس زمانہ سے شروع ہوتے ہیں اور اس کے اندر اندر ختم ہو جاتے ہیں اور پھر یہ بھی اقرار ہے کہ فرودگاہ تمام روحوں کا یہی کرہ زمین معلوم و محدود ہے اور اس اسکول میں سب ارواح تعلیم پاتے اور علم سیکھتے ہیں بلکہ جتنے ارواح آج تک عہدہ مکتی کا پا چکے ہیں وہ سب اس چھوٹے سے مدرسہ کے پاس یافتہ ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ ان اقرارات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ ارواح موجودہ بے انت نہیں ہیں بلکہ بوجہ محدود زمانی و مکانی ہونے کے کسی اندازہ مقرری میں حصہ کی گئی ہیں پس جبکہ یہ حال ہے تو اب ناظرین خود غور فرماویں کہ اس صورت میں یہ قول مدرس صاحب کا کہ ارواح موجودہ ضرور انادی ہیں کس طرح درست ہوسکتا ہے کیونکہ جس حالت میں ﴿۴۰﴾ ارواح بے انت نہ ہوئے بلکہ کسی خاص تعداد میں محصور ٹھہرے سو بالضرورت اس کے تناسخ اور مکت پانے کا کوئی ابتداء ماننا پڑا یعنی وہ زمانہ کہ جس میں پہلے پہل کسی روح نے کوئی جنم لیا تھا یا عہدہ مکتی کا پایا تھا پس جب ابتداء تناسخ اور مکت پانے کا اقرار دیا گیا تو ارواح انادی نہ رہے کیونکہ انادی وہ چیز ہے کہ جس کا کوئی ابتداء نہ ہو پس ثابت ہوگیا کہ انادی نہیں اور یہی مطلب تھا (اب حضرت کیا خبر ہے اب یہ بھی آپ روحوں کو انادی کہتے رہو گے)

بعض صاحبوں نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ پہلے ایک غیر متناہی مدت سے تمام ارواح حالت تعطل اور بیکاری میں پڑے رہے ہوں پھر پیچھے سے ایشر کو یہ خیال آیا کہ فارغ رہنا ان روحوں کا اچھا نہیں پس اس دن سے ایشور کے دل میں یہ خیال اٹھا تو سب روحوں کو انسان اور حیوان اور گدھے گھوڑے بنا کر جنم مرن کی مصیبت میں ڈال دیا اور

زمانہ میں مکتی بھی شروع ہوگئی اسی صورت میں تناسخ اور مکت پانے کا ابتدا ہونا روحوں کے انادی ہونے میں کچھ خلل نہیں ڈال سکتا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ کیا اچھا جواب ہے اس سے معلوم ہوا کہ اب آریہ سماج والے مکرِ دقیق میں بہت ترقی کر گئے ہیں تبھی تو ایسے ایسے عمدہ جواب دینے لگے بھلا صاحب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ تمام ارواح قبل تناسخ اور مکت پانے کے دکھوں دردوں میں مبتلا تھیں یا راحت میں اور آسائش میں۔ اگر دکھوں میں مبتلا تھے تو کس عمل کی شامت سے اور اگر راحت میں تھے تو کس کار خیر کی پاداش میں علاوہ اس کے اگر پہلے مکت پانے سے خوشحال اور مسرور تھے تو پھر ان کو مکت کا طلب کرنا تحصیل حاصل تھا جس سے ماننا پڑا کہ موجود نہ تھے اگر یہ کہو کہ اگرچہ پہلے ہی آرام میں تھے پر ان کو گردش تناسخ میں اسی واسطے ڈالا گیا کہ خدا کی شناخت حاصل کرے تو جواب ظاہر ہے کہ جبکہ روحوں کو غیر متناہی مدت میں خدا کے ساتھ رہ کر اور اس کا ہم صحبت ہو کر بلکہ دائمی شریک بن کر خدا کی شناخت حاصل نہ ہوئی تو پھر کیڑے مکوڑے بن کر کیا ذخیرہ معارف کا اکٹھا کر سکتے تھے بلکہ ناکردہ گناہ طرح طرح کی تکلیفات جنم مرن میں ڈالنا برخلاف اصول آریہ سماج کے ہے اور اسی سے تو حضرت تناسخ صاحب جزیرہ عدم کی طرف سرمارتے ہیں علاوہ اس کے تعطل ارواح بھی بموجب اصول آریہ سماج کے قطعاً ناجائز ہے پھر غیر متناہی تعطل کس طرح جائز ہو پس ایسا خیال کہ ارواح انادی ہیں سراسر باطل۔

پھر مدرس صاحب لکھتے ہیں کہ بار بار پیدا ہونا روحوں کا غیر ممکن ہے بلکہ جتنی روح پیدا ہو سکتی ہے وہ قدیم سے موجود ہیں اور آگے کو قدرت خالقیت کی مفقود ہے یہ ایسی تقریر ہے کہ جس کو ہم دوسرے لفظوں ....

دہریہ مذہب کی تردید

سوال دہریہ: خدا کا اگر جسم نہیں ہے تو کیا چیز ہے؟

جواب: جسم اسے کہتے ہیں کہ وزن ہو سکے کہ اتنے سیر ہے یا اتنے من ہے اور مساحت ہو سکے کہ اتنا لمبا ہے یا اتنا چوڑا ہے۔

خدا ایک نور ہے جو سب نقصانوں سے پاک ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1]۔ جب ہم روح کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا میں ایسی بھی چیزیں ہوتی ہیں کہ جسم نہیں ہیں اور پھر موجود ہیں وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [2]۔

ایک دلیل وجود خدا تعالیٰ پر یہ ہے کہ زمانہ کا ابتدا ضرور ایک ماننا پڑتا ہے کیونکہ اگر زمانہ کا ابتدا نہیں تو چاہیے کہ بنی آدم تمام زمین کو روک لیں اور ایک کہنہ جگہ خالی نہ ہوئی حالانکہ حکیموں نے تجربہ کر کے تخمینہ لگا دیا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت سے سات ہزار برس تک تمام ربع مسکون بھر سکتا ہے۔ اگر سات ہزار برس سے زیادہ مدت گزرے تو اس کے واسطے کوئی اور زمین چاہیے۔ ہر ایک آدمی سوچ سکتا ہے کہ اس کی قوم کے کس قدر آدمی دنیا میں پہلے ہوئے ہیں مثلاً آج سے آٹھ سو برس سے مغول نام ایک شخص تھا جس کی اولاد قوم مغل ہے اب شمار کرو کہ اب کتنے مغل ہیں۔ اسی طرح کل عرصہ تین سو برس کا گزرا ہے کہ باوانانک صاحب ایک شخص ہوا ہے اب اس کی اولاد ہزارہا ہوئے ہیں۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ دنیا کا ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے۔ ابتدا اس سے ثابت ہوا کہ جیسا اوپر

[1] النور :۳۶ [2] الذاریات :۲۲

کی طرف نظر کرتے جاؤ تو دنیا کا کتنا ثابت ہوتا ہے اور انتہا اس سے ثابت ہوا کہ زمین ایک میدان محدود ہے غیر محدود پیدائش کی گنجائش نہیں رکھتا۔ تو ناچار کسی دن اس دنیا کا خاتمہ ہے پس جس چیز کا ابتدا اور انتہا ہے وہ چیز مصنوعی ہے قدیمی نہیں رہ سکتی اور جب مصنوعی ہوئی تو اس کا ایک صانع ماننا پڑا اور وہ خدا ہے۔

اگر یہ کہو کہ بعض خاندان میں کثرت اولاد نہیں اُتنے کے اُتنے رہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک عارضہ ہے ورنہ تجربہ سے ثابت ہے کہ ایک بکری آدمی خریدتا ہے تو اس کا ریوڑ بن جاتا ہے اور یہ ایک قاعدہ ہے کہ دنیا میں طبعی موت ساٹھ ستر برس کے بعد آتی ہے اور پرورش پندرہ برس کے بعد شروع ہو جاتی ہے اور اس پر صاف دلیل یہ ہے کہ جو جزیرے پہلے آباد نہ تھے وہ اب آباد ہیں۔

دوسری دلیل وجود واجب الوجود پر یہ ہے کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نظر نہیں آتا اور ایک چھوٹا سا کوٹھا بغیر بنانے والے کے بن نہیں سکتا۔ پھر اتنا بڑا کوٹھا کہ جس کے فرش کا محیط چوبیس ہزار میل سے زیادہ ہے اور جس کی سقف کمال صفائی سے محکم طور پر بنائی گئی ہے اور جس کے اوپر چراغ رکھے ہیں کہ تا روشنی بخشیں اور ایسی ترتیب ہے کہ ایک کو سب سے اعلیٰ بنایا ہے اور باقی کو روشن تابع مقرر کیا ہے کس طرح بغیر بنانے والے کے خود بخود بن گیا۔

اس جگہ دہریہ یہ سوال کرتے ہیں کہ دنیا کے کوٹھوں کو بنانے والوں کو ہم بچشم خود دیکھتے ہیں لیکن آسمان زمین بنانے والا ہم کو نظر نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوٹھا بنانے والا نظر آتا ہو تو دلیل پکڑنے کی کیا حاجت تھی دلیل تو اسی جگہ پکڑی جاتی ہے کہ جب ایک شے کا وجود بغیر اس کے نظر آنے کے ثابت کرنا پڑتا ہے۔ دیکھو مصر میں ایسی ایسی قدیم

عمارت موجود ہیں کہ اب اس زمانہ کے لوگ ان کو بنا نہیں سکتے لیکن یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی معمار تھے جنہوں نے ان کو بنایا مصنوع کے صانع پہ ذاتی دلالت ہے خواہ صانع نظر آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ اگر ایک آدمی ایک نئی کل پیدا کرے جو ایک آدمی نے پہلے نہیں کی اور اس جنس کی صنعت پہلے کسی نے نہیں بنائی اور وہ آدمی ہم نے دیکھا بھی نہ ہو تو کیا ہم ایسا خیال کریں گے کہ وہ صنعت خود بخود بن گئی۔ ہر ایک عقلمندی کا کام ایک عاقل کی دستکاری پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مثال تعصب اور تاریکی نفس ہے کہ باوجود اقرار اس بات کے کہ ایک صنعت کو دیکھ کر یہ کہیں کہ فی الحقیقت یہ عاقلانہ کام ہیں پھر انکار کریں کہ کسی عاقل کی بنائی ہوئی نہیں ذی شعور اور غیر ذی شعور کے فعل میں ہمیشہ ایک فرق ہوتا ہے۔ جس مصنوع میں یہ علامت پائی جاوے کہ اس کے صانع نے اپنے مطالب کو بالارادہ مدنظر رکھا ہے اور فعل عبث ہیں تو اس مصنوع پر عقل سلیم حکم کرے گی کہ یہ کسی صانع ذی شعور کا فعل ہے جیسے اگر کسی کاغذ پر سیاسی گر جائے تو ممکن ہے کہ انسان نے گرائی ہو یا کسی چوہے نے گرائی ہو یا یونہی اتفاقاً گر پڑی ہو لیکن اگر کسی کاغذ پر ایک صفحہ کسی کتاب کا لکھا جائے جو کوئی ضروری مطلب اس سے معلوم ہوتا ہو تو کوئی دانا نہیں کہے گا کہ خود بخود بغیر کاتب کے لکھا گیا پھر اگر یہ ایسے وضع کے حرف ہوں کہ پہلے اس وضع کے حرف ہم نے نہیں دیکھے لیکن جب ہم نے خود سے دریافت کر لیا کہ یہ بھی حرف ہیں اور اس کی عبارت میں صدہا صفحہ پر برابر بنتے چلے گئے تو پھر اگرچہ ہم نے اسکے کاتب کو نہیں دیکھا اور نہ اس نئی طرز کے کہیں حروف دیکھے لیکن اس میں کیا شک رہے گا کہ ضرور یہ کسی کاتب کا ایجاد ہے۔

دیکھو اگر یہ کوٹھا زمین آسمان ایک چھوٹا کوٹھا ہوتا تو تم اس کی کمال خوبصورتی دیکھ کر ضرور کہتے کہ کسی دانا انسان کا بنایا ہوا ہے پس اب سوچنا چاہیے کہ جس حالت میں اگر یہ

چھوٹا کوٹھا بھی بغیر بنانے والے کے بن نہیں سکتا تھا تو اب کہ بڑا کوٹھا ہے بغیر بنانے والے کے کس طرح بن گیا۔

تیسری دلیل وجود خدا تعالیٰ پر یہ ہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز دوسری چیز کی مدد سے طیار ہوتی ہے جیسے درخت پانی کی مدد سے اور بارش ہوتی ہے آفتاب کی مدد سے اور وجود حیوانات کا ہوتا ہے دوسرے حیوانات کی مدد سے اور زمین پر کوئی چیز نظر نہیں آتی کہ بغیر دوسری کے اس کا بچہ ہو سکے یا پیدا ہو سکے۔ پس ایک وجود ایسا ماننا پڑا جو سب کا مددگار ہو وہی واجب الوجود ہے۔

آدمی بنا نطفہ سے اور نطفہ بنا اناج سے اور اناج بنا مٹی سے اور مٹی کہاں سے بنی؟ اگر کہو کہ مٹی خود بخود چلی آتی ہے تو یہ بات ناقص ہے کیونکہ خود بخود وجود اس چیز کا ہوتا ہے جو دوسری کی کسی حالت میں محتاج نہ ہو لیکن مٹی اکٹھا رہنے میں پانی کی محتاج ہے۔ اگر مٹی میں پانی نہ ملا ہو تو مٹی کو ہوا اڑا کر لے جائے اور نیز مٹی نباتات کے اگانے میں پانی کی محتاج ہے اور کوئی محتاج چیز قدیمی نہیں ہوسکتی اور محتاج کو نہیں کہہ سکتے کہ اس کا وجود واجب ہے علاوہ اس کے مٹی سے درخت پیدا ہوئے ہیں اور وہ اس سے بہتر ہیں اور ناقص واجب الوجود نہیں ہوسکتا۔

دلیل چہارم یہ ہے کہ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ [1] اور نیز فرمایا ہے اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ [2] ان دونوں آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ ملاحظہ عالم سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک چیز ایک چیز کی خالق اور فاطر ہے۔ جیسے سورج کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہیں اور بخارات سے بادل پیدا ہوتا ہے اور بادل سے پانی پیدا ہوتا ہے اور پانی سے پھل پیدا ہوتے ہیں لیکن خدا

[1] المؤمنون: ۱۵ [2] ابراھیم: ۱۱

احسن الخالقین ہے اور اسی طرح خدا فاطر السمٰوات والارض ہے جو ان کو عدم سے وجود بخشتا ہے۔

پھر اگر وجود خدا نہ ہو تو دروازہ تمام خیرات کا بند ہو جاتا ہے کیونکہ تمام لوگ اس طرح خیرات کرتے ہیں کہ اس خیرات کے دینے سے ہمارا فائدہ ہے اور کوئی شخص بلا لحاظ فائدہ نقصان کے کوئی کام نہیں کر سکتا بلکہ ایسا کام اس کی نظر میں محض عبث ٹھہرتا ہے اسی طرح وجود خدا نہ ماننے والا بدی سے ڈر نہیں سکتا کیونکہ بدی اسی لحاظ سے بدی ہوتی ہے کہ اس کا بد نتیجہ ہے اگر اس کا نتیجہ بد نہ کہا جائے تو پھر ہرگز دل اس کو بد نہیں خیال کر سکتا۔ پھر اگر بدی کرنے میں کسی کا خوف نہ ہو تو پھر بدی کرنے سے کون مانع ہے اور اگر کہو کہ بادشاہ اور حاکم مانع ہیں ہم کہتے ہیں کہ بادشاہوں اور حاکموں کو کون مانع ہے۔ جو شخص صاحب قدرت ہے اس کو کسی کا خوف ہے علاوہ اس کے حاکم اور بادشاہ ہر وقت حاضر ناظر نہیں ہوتے اور نہ انسان خیال کرتا ہے کہ وہ میرے کاموں کو ہر وقت دیکھتے ہیں۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ ہم زمین و آسمان کے صانع کو نہیں دیکھتے اس واسطے اس پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ ان کی صاف شرارت ہے کیونکہ اگر اس دنیا میں صانع دیکھا جاتا تو پھر یہ دنیا دنیا نہ رہتی اور نہ کسی کو نیک کام کرنے میں ثواب ہوتا اس واسطے کہ ثواب اسی وقت تک ہے کہ جب آدمی تقویٰ اختیار کر کے بحالت پوشیدگی خدا کے اوپر ایمان لاوے اور اگر خدا اپنی ذات کو خود بخود ظاہر کرے تو پھر اس کا ثواب کیا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ[1] یعنی یہ کتاب ان متقیوں کے لئے ہدایت ہے کہ خدا پر حالت پوشیدہ ہونے اس کی میں اس پر ایمان لاتے ہیں۔

دوسری دلیل وجود خدا تعالیٰ پر یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے خیالات کا اسی پر اتفاق

[1] البقرة:۳،۴

ہے کہ ایک ذات رب العالمین ہے اور نیز اس بات پر اتفاق ہے کہ حقیقت میں صنعت زمین آسمان کی ایک ایسی صنعت ہے کہ بجز صانع کے ہرگز نہیں بن سکتی پس جس بات کو بہت دانا تجویز کریں وہی حق ہوتی ہے۔ سوسیانے ایکومت، مورکھ آپو آپنے۔

دہریہ کہتے ہیں کہ ہم نے زمین وآسمان کے صانع کو نہیں دیکھا اور صانع ہر ایک چیز کے ہم کو نظر آتے ہیں پھر کس طرح وجود صانع پر یقین کریں اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صانع نظر نہ آوے تو مصنوع تو نظر آتا ہے اور اگر شے مصنوع ہے اور نہایت کاریگری سے بنائی گئی ہے مگر اس کا صانع نظر نہیں آتا تو یہ تو ہم ضرور کہیں گے کہ کسی شخص نے اس کو ضرور بنایا ہے بحث تو یہ ہے کہ مصنوع صانع پہ دلالت کرتا ہے یا نہیں۔ دہریہ کہتے ہیں کہ خواہ نہایت ہی عقلمندی کا کام ہو اور پرلے درجہ کی کاریگری ان میں پائی جاتی ہوں پھر جب تک ہم صانع نہ دیکھیں گے اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ان کی شرارت ہے ورنہ صانع کے دیکھنے کی کچھ ضرورت نہیں جو کام عقلمندی کا ہے جب ہم پر ثابت ہو جائے کہ عقلمندی کا ہے تو بلا اختیار ہمارے دل میں بیٹھ جائے گا کہ کسی عاقل نے بنایا ہے۔

زمین وآسمان میں جتنی چیزیں ہیں ہم ان کو بچشم خود دیکھتے ہیں کہ ایک چیز دوسری چیز کی مدد سے بنتی ہے اور ایک چیز دوسری چیز کی مدد سے قائم رہتی ہے بلکہ زمین آسمان کی مدد سے اپنی طاقتیں ظاہر کرتی ہے اس صورت میں یہ سوال دہریہ پر ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کس کی مدد اور آسرا سے پیدا ہوئے ہیں اور اب تک قائم رہے ہوئے ہیں۔ دہریہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ زمین وآسمان اپنی شہادت سے قائم ہیں پس ان پر یہ سوال ہوتا ہے کہ سبھاؤ باپ کا بیٹے سے پہچانا جاتا ہے جو کچھ زمین وآسمان میں پیدا ہوتا ہے وہ ان دونوں کا بیٹا ہے اور بغیر آسرے کے ٹھہر نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی شہاد

زمین وآسمان ہے کیونکہ مولود کا والد سے مختلف سبھاؤ نہیں ہوسکتا ہے۔ جو کام عقلمندی کا ہے جب ہم پر ثابت ہو جائے گا کہ عقلمندی کا ہے تو پھر اس بات کی حاجت نہ رہے گی کہ پھر ہم اس کے صانع کو دیکھیں دلیل اس پر یہ ہے کہ جس فعل میں صریح معلوم ہو کہ اس کے فاعل نے دیدہ ودانستہ اس کے بنانے سے ایک بات کا قصد کیا ہے اس فعل کو کوئی بدنادان اتفاقی طور پرنہیں مانے گا بلکہ یہی سمجھے گا کہ ضرور اس کا ایک فاعل ہے مثلاً اگر سیاہی کاغذ پر یونہی پڑ جائے تو اس میں شک ہوگا کہ کس طرح پڑ گئی لیکن اگر ورق دو ورق حرف لکھے جائیں اور حرف بھی وہ حرف کہ جن میں کوئی مقصد کاتب کا معلوم ہوتا ہو تو اس کو کوئی عقلمند نہیں کہے گا کہ خود بخود لکھے گئے۔ پھر دہریہ سے یہ سوال ہے کہ تم کو جوان اور بوڑھا کون کرتا ہے۔ یہ کس چیز کی تاثیر ہے۔

پھر دہریہ سے یہ سوال ہے کہ سورج اور چانداور زمین اور ہوا جو تمہاری خدمت میں مشغول ہیں اور ایک دم تمہاری خدمت سے الگ نہیں ہوتے تم ان کا احسان مانتے ہو یا نہیں۔ اگر تم کہو کہ بغیر شعور کے یہ کام میں لگے ہوئے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ جو فعل بغیر شعور کے اور بغیر نگرانی دوسرے کے ہوتا ہے وہ بگڑ جاتا ہے اور اگر شعور سے ہو تو تم کو ان کا ممنون ہونا چاہیے۔

پھر دہریہ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آفتاب کا نکلنا اور بارشوں کا ہونا اتفاقی ہے یا کسی کے تصرف سے۔ اگر اتفاقی ہے تو چاہیے کہ کیوں دنیا نہ رہے اور بہت بارشوں سے یا بہت دھوپوں سے فصل بہار ہو جائے کیونکہ اتفاقی امر میں خطا بھی ہو جاتا ہے اور اگر اسے کسی تصرف سے ہے تو وجود خدا کا ثابت ہوا کیونکہ خدا وہی ہے جو دنیا میں تصرف ہے۔

پھر دہریہ کہتے ہیں کہ کسی نے خدا کو دیکھا نہیں اگر خدا کا وجود ہوتا تو اس کو کوئی

دیکھتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو خدائی دل کی آنکھ سے اپنے دیدار دکھاتا ہے کہ پھر جو لوگ ان کے تابع ہوئے اور ان کی پیروی کی وہ اس درجہ تک پہنچ گئے جو ان کو خدائی اپنی پہچان بخشے۔ اس صورت میں یہ دعویٰ جو کسی نے خدا کو دیکھا نہیں باعمل ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک اندھا وجود آفتاب سے منکر ہو اور کہے کہ جب تک میں نہ دیکھ لوں آفتاب پر یقین نہ کروں گا اس کا یہی جواب ہے کہ تو اندھا ہے اور آنکھ سے آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا۔ تیرے واسطے طریق حصول تحقیق یہ ہے کہ جنہوں نے دیکھا ہے ان کے بیان پر اعتماد کرنا یا پہلے اپنی آنکھوں کا علاج کرا پھر اس کو دیکھ لے گا۔

ہم دہریہ سے پوچھتے ہیں کہ سکھ دکھ دینے والا کوئی دوسرا ہے یا اپنی تدبیر سے مل سکتا ہے۔ اگر اپنی تدبیر سے مل سکتا ہے تو کیوں تمام لوگ اپنی عمر زیادہ نہیں کر سکتے۔ آرام زیادہ نہیں کر سکتے۔ ایک بوڑھا ہو کر مرتا ہے ایک جوان ہی مر جاتا ہے حالانکہ سب کوئی عمر زیادہ چاہتا ہے۔ بعض وقت آدمی سکھ چاہتا ہے اور غیب سے اس پر دکھ آ پڑتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سکھ دکھ دینے والا کوئی اور نہیں ہے اور وہی خدا تعالیٰ ہے۔

(الحکم مورخہ ۲۱؍مئی ۱۹۰۹ء صفحہ ۱ تا ۳)

ٹائیٹل بار اوّل

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ؎
اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَ اَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا

بحمد اللہ کہ این کحل الجواہر — شد از کوہ صفا و صدق ظاہر

متاب از سرمہ رو گر روشنی چشم مے باید — کہ عاقل از دل و جان دوست دارد چشم بینا را

سرمہ چشم آریہ

فیہ شفاء للناس

از تالیفات مرزا **غلام احمد** صاحب مؤلف براہین احمدیہ دربارہ
ردّ اصول وید و اثبات حقیّت اصول قرآن شریف بوعدہ انعام پانسو روپیہ
اُس ہندو یا آریہ کے لئے جو اِس رسالہ کا ردّ لکھکر دکھلادے

ریاض ہند پریس امرتسر میں باہتمام
شیخ نور احمد صاحب مالک و مہتمم کے طبع ہوا

بار اول ایکہزار جلد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اشتہار واجب الاظہار

یہ رسالہ **کحل الجواہر سرمہ چشم آریہ** نہایت صفائی سے چھپ کرایک روپیہ بارہ آنہ ۱۲/ اس کی قیمت عام لوگوں کے لئے قرار پائی ہے اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کچھ بطور امداد دیں ان کے لئے موجب ثواب ہے کیونکہ سراج منیر اور براہین کے لئے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہوگا اور اس کے بعد رسالہ **سراج منیر** انشاءاللہ القدیر چھپے گا پھر اس کے بعد پنجم حصہ کتاب براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا جو بعض لوگ توقف طبع کتاب **براہین** سے مضطرب ہو رہے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اس زمانہ توقف میں کیا کیا کارروائیاں بطور تمہید کتاب کے لئے عمل میں آئی ہیں ۴۲ ہزار کے قریب اشتہار تقسیم کیا گیا اور صدہا جگہ ایشیا و یورپ و امریکہ میں خطوط دعوتِ اسلام اردو انگریزی میں چھپوا کر اور رجسٹری کرا کر بھیجے گئے جن کا تذکرہ انشاءاللہ پنجم حصہ میں آئے گا۔ **و انما الاعمال بالنیّات** ۔ بااین ہمہ اگر بعض صاحب اس توقف سے ناراض ہوں تو ہم ان کو فسخ بیع کی اجازت دیتے ہیں وہ ہم کو اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں تو ہم بدیں شرط کہ جس وقت ہم کو ان کی قیمت مرسلہ میسر آوے اس وقت باخذ کتاب واپس کر دیں گے بلکہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایسے صاحبوں کی ایک فہرست طیار کی جائے اور ایک ہی دفعہ سب کا فیصلہ کیا جائے اور یہ بھی ہم اپنے گذشتہ اشتہار میں لکھ چکے ہیں اور اب بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہامات الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جُز تک ضرور پہنچے بلکہ جس طور سے خدائے تعالیٰ مناسب سمجھے گا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اس کو انجام دے گا کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے امر سے ہے۔ واجب تھا ظاہر کیا گیا۔ **و السلام علی من اتبع الھدی۔ المشتہر**

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان
ضلع گورداسپور پنجاب

﴿۱﴾

سُرمہ چشم آریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ [۱]

اے دلبر و دلستان و دلدار　　و اے جانِ جہان و نورِ انوار
لرزاں زِ تجلیّت دل و جان　　حیران زِ رخت قلوب و ابصار
در ذاتِ تو جز تحیّرے نیست　　ہنگامِ نظر نصیب افکار
در غیبی و قدرتت ہویدا　　پنہانی و کارِ تو نمودار
دوری و قریب تر زِ جان ہم　　نوری و نہاں تر از شبِ تار
آں کیست کہ منتہائے تو یافت　　و آں کو کہ شود محیطِ اسرار
کردی دو جہاں عیاں زِ قُدرت　　بے مادہ و بے نیازِ انصار

۱؎ البقرۃ : ۳۳

﴿۲﴾ وآں طرفہ کہ ہیچ کم نہ گردد   با آنکہ عطائے تُست بسیار
حُسنِ تو غنی کند زِ ہر حُسن   مہر تو بخود کشد زِ ہر یار
حسنِ نمکینت ار نہ بُودی   از حُسن نہ بُودی، ہیچ آثار
شوخی زِ تو یافت روئے خوبان   رنگ از تو گرفت گُل بہ گُلزار
سیمین ذقنان کہ سیب دارند   آمد ز ہمان بلند اشجار
ایں ہر دو ازان دیار آئیند   گیسوئے بُتان و مشکِ تاتار
از بہر نمائش جمالت   بینم ہمہ چیز آئینہ دار
ہر برگ صحیفۂ ہدایت   ہر جوہر و عرض شمع بردار
ہر نفس بتو رہے نماید   ہر جان بدہد صلائے این کار
ہر ذرّہ فشاند از تو نُورے   ہر قطرہ بر انداز تو انہار
ہر سو زِ عجائب تو شورے   ہر جا زِ غرائب تو اذکار
از یادِ تو نورہا بہ بینم   در حلقۂ عاشقانِ خون بار
آنکس کہ بہ بند عشقت اُفتاد   دیگر نہ شنید پندِ اغیار
اے مونسِ جان چہ دلستانی   کز خود بر بودیم بہ یکبار
ازیاد تو ایں دلے بغم غرق   دارد گُہرے نہاں صدف وار
چشم و سرِما فدائے رُویت   جان و دلِ ما بتو گرفتار
عشقِ تو بہ نقد جان خریدیم   تا دم نہ زند دگر خریدار
غیر از تو کہ سرزدے زِ جیبم   در برجِ دلم نماند دیّار (بسنے والا)
عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند   کردیم و دمے جز از تو دشوار

ہزار ہزار شکر اُس قادرِ مطلق کا جس نے انسان کی روح اور ہر یک مخلوق اور ہر ذرّہ کو محض اپنے ارادہ کی طاقت سے پیدا کر کے وہ استعدادیں اور قوتیں

اورخاصیتیں اُن میں رکھیں جن پر غور کرنے سے ایک عجیب عالم عظمت اور قدرتِ الٰہی کا ﴿۳﴾ نظر آتا ہے اور جن کے دیکھنے اور سوچنے سے معرفت الٰہی کا کامل دروازہ کھلتا ہے۔ اُسی قادرِ توانا کی مدح اور حمد میں محو رہنا چاہیے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی ایک چیز بھی موجود نہیں ہوئی وہی ایک ذات عجیب الحکمت و عظیم القدرت ہے جس کے فقط حکمی طاقت سے جو کچھ وجود رکھتا ہے پیدا ہو گیا۔ ہر ایک ذرہ اَنْتَ رَبِّی اَنت رَبِی کی آواز سے زبان کشا ہے۔ ہر ایک جان انت مالکی انت مالکی کی شہادت سے نغمہ سرا ہے۔ وہی حکیمِ مطلق ہے جس نے انسانی روحوں کو ایک ایسا پُر منفعت جسم بخشا کہ جو اِس جہان میں کمالات حاصل کرنے اور اُس جہان میں اُن کا پورا پورا حظ اُٹھانے کے لئے بڑا بھارا یار و مددگار ہے۔ روح اور جسم دونوں مل کر اس کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں۔ اور ظاہری باطنی دونوں قوتیں اُس کی شہادت دے رہی ہیں۔ وہی محسنِ حقیقی ہے جس نے وفاداری سے ایمان لانے والوں کو ہمیشہ کی رستگاری کی خوشخبری دی اور اپنے صادق عارفوں اور سچے محبوں کے لئے اس جنتِ دائمی کا وعدہ دیا جو بدرجۂ اکمل واتم مظہر العجائب ہے جس کی نہریں اسی دنیوی حیات میں جوش مارنا شروع کرتی ہیں۔ جس کے درخت اسی جگہ کی آبپاشی سے نشو و نما پاتے جاتے ہیں۔ اُسکی قدرت و حکمت ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے اور اُس کی حفاظت جو ہر یک چیز کے شامل حال ہے اُسکی عام خالقیت پر گواہ ہے۔ اس کی حکیمانہ طاقتیں بے انتہا ہیں کون ہے جو اُنکی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اُس کی قادرانہ حکمتیں عمیق در عمیق ہیں۔ کون ہے جو اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ ہر یک چیز کے اندر اُسکے وجود کی گواہی چھپی ہوئی ہے۔ ہر یک مصنوع اُس صانع کامل کی راہ دکھلا رہا ہے۔ موجود بوجود حقیقی وہی ایک رب العالمین ہے اور باقی سب اُس سے پیدا اور اُس کے سہارے سے قائم

﴿۴﴾ اور اُس کی قدرتوں کے نقشِ قدم ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہوگیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمال یار کا
اُس بہار حُسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقان زار کا
کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا
تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں
کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اُس تری گلزار کا
چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

بعد اس کے اور بعد صلوٰۃ و سلام بر نبی کریم خیر الانام محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی خاتم المرسلین رحمۃ للعالمین اور اُس کی آل و اصحاب مطہّرین و مہذّبین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یہ عاجز مؤلف کتاب **براہین احمدیہ** خدمت میں طالبین حق کے گذارش کرتا ہے کہ مارچ ۱۸۸۶ء کے مہینے میں جب کہ یہ عاجز بمقام ہوشیار پور مقیم تھا۔ لالہ مُرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر سے جو آریہ سماج ہوشیار پور کے

ایک اعلیٰ درجہ کے رُکن اور مدار المہام ہیں مباحثہ مذہبی کا اتفاق ہوا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ﴿۵﴾
ماسٹر صاحب موصوف نے خود آ کر درخواست کی کہ تعلیمِ اسلام پر میرے چند سوالات ہیں اور چاہتا ہوں کہ پیش کروں۔ چونکہ یہ عاجز ایک زمانۂ دراز کی تحقیق اور تدقیق کے رُو سے خوب جانتا ہے کہ عقائد حقہ اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اور جس کسی بات کو کوئی کوتہ اندیش مخالف اعتراض کی صورت میں دیکھتا ہے وہ درحقیقت ایک بھاری درجہ کی صداقت اور ایک عالی مرتبہ کی حکمت ہوتی ہے جو اس کی نظر بیمار سے چھپی رہتی ہے اس لئے باوجود شدت کم فرصتی میں نے مناسب سمجھا کہ ماسٹر صاحب کو اُن کے اعتراضات کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے مدد دوں اور بطور نمونہ ان کو دکھلاؤں کہ **وید** اور **قرآن شریف** میں سے کونسی کتاب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور شوکت اور شان کے مطابق ہے اور کس کتاب پر سچے اور واقعی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ سو اس غرض سے ماسٹر صاحب کو کہا گیا کہ اگر آپ کو مذہبی بحث کا کچھ شوق ہے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے لیکن مناسب ہے کہ دونوں فریق کے اصول کی حقیقت کھولنے کی غرض سے ہر دو فریق کی طرف سے سوالات پیش ہوں تا کوئی شخص جو اُن سوالات و جوابات کو پڑھے اس کو دونوں مذہبوں کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے موقعہ مل سکے چنانچہ بمنظوری جانبین اسی التزام سے بحث شروع ہوئی۔ اوّل گیاراں مارچ ۱۸۸۶ء کی رات میں اس عاجز کے مکان فرودگاہ پر ماسٹر صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض شق القمر کے بارہ میں پیش ہوا اور پھر چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے دن میں اس عاجز کی طرف سے آریہ صاحبوں کے اس اصول پر اعتراض پیش ہوا کہ پرمیشر نے کوئی رُوح پیدا نہیں کی اور نہ وہ کسی روح کو خواہ کوئی کیسا ہی راست باز اور وفادار اور سچا پرستار ہو ہمیشہ کے لئے جنم مرن

﴿۶﴾ کے عذاب سے نجات بخشے گا۔ ان دونوں بحثوں کے وقت یہ بات طے ہوچکی تھی کہ جواب الجواب کے جواب تک بحث ختم ہو۔ اُس سے پہلے نہ ہو۔ لیکن ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب نے شرائط قرار یافتہ کو کچھ ملحوظ نہ رکھا۔ پہلے جلسہ میں جو گیاراں مارچ ۱۸۸۶ء کو بوقت شب ہوا تھا اُن کی طرف سے یہ ناانصافی ہوئی کہ جب جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا جس کی تحریر کے لئے وہ آپ ہی فرما چکے تھے تو ماسٹر صاحب نے رات بڑی چلے جانے کا عذر پیش کیا۔ ہر چند اس عاجز اور اکثر حاضرین نے سمجھایا کہ اے ماسٹر صاحب ابھی رات کچھ ایسی بڑی نہیں گئی ہم سب پر رات کا برابر اثر ہے مگر اقرار کے برخلاف کرنا اچھی بات نہیں جواب ضرور تحریر ہونا چاہیے لیکن وہ کچھ بھی ملتفت نہ ہوئے آخر بمواجہ تمام حاضرین کہا گیا کہ یہ جواب تحریر ہونے سے رہ نہیں سکتا۔ اگر آپ اس وقت اس کو ٹالنا چاہتے ہیں تو بالضرور اپنے طور پر رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے طوعاً و کرہاً بطور خود لکھا جانا تسلیم کیا پر اسی جلسہ میں وہ تحریر ہوکر پیش ہونا اُن کو بہت ناگوار معلوم ہوا جس کی وجہ سے وہ بلا توقف اُٹھ کر چلے گئے بات یہ تھی کہ ماسٹر صاحب کو یہ فکر پڑی کہ اگر اسی وقت جواب الجواب کا جواب پیش ہوا تو خدا جانے مجھے کیا کیا ندامتیں اُٹھانی پڑیں گی غرض یہ جلسہ تو اس طور پر ختم ہوا اور اس کے تمام واقعات جو اِس مضمون میں مندرج ہیں اُن کی شہادت حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں دے سکتے ہیں☆ اب دوسرا جلسہ جو چودھویں مارچ ۸۶ء

☆**حاشیہ** حاضرین جلسہ بحث گیاراں مارچ کے نام یہ ہیں۔ میاں شَتْرُگن صاحب پسر کلاں راجہ رودر سین صاحب والی ریاست سوکیت حال وارد ہوشیار پور۔ میاں شترنجی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔ میاں جنمی جی صاحب پسر تر خورد راجہ صاحب۔ بابو

میں دن کے وقت شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور کے مکان پر ہوا اُس کی بھی کیفیت سنیے۔ اوّل حسب قرارداد اِس عاجز کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی خالقیّت سے انکار کرنا اور پھر اُسی کے التزام سے جاودانی نجات سے منکر رہنا جو آریہ سماج والوں کا اُصول ہے اِس سے خدائے تعالیٰ کی توحید و رحمت دونوں دور ہوتی ہیں۔ جب یہ اعتراض جلسۂ عام میں سنایا گیا تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت کو ماسٹر صاحب ہی کا جی جانتا ہوگا اور نیز وہ سب لوگ جو فہیم اور زیرک حاضر جلسہ تھے معلوم کر گئے ہوں گے۔ ماسٹر صاحب کو اس وقت کچھ بھی سوجھتا نہیں تھا کہ اس کا کیا جواب دیں۔ سو ناچار حیلہ جوئی کی غرض سے گھنٹہ سوا گھنٹہ کے عرصہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے کہ یہ سوال ایک نہیں ہے بلکہ دو ہیں تو اس کے جواب میں عرض کر دیا گیا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدائے تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنا اور مکتی میعادی اُسی خراب اصول کا ایک بداثر ہے جو اُس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اِس جہت سے دونوں ٹکڑے سوال کے حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی خالقیّت سے منکر ہوگا اُس کے لئے ممکن نہیں کہ ہمیشہ کی نجات کا اقرار کر سکے سو انکارِ خالقیّت

☆**بقیہ حاشیہ** موّلراج صاحب نقل نویس۔ لالہ رام چھمن صاحب ہیڈ ماسٹر لودھیانہ۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر ہوشیارپور۔ اِس جگہ مکرر لکھا جاتا ہے کہ میاں شَتْرُگھن صاحب نے کئی بار ماسٹر صاحب کی خدمت میں التجا کی کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے۔ ہمیں کسی نوع سے تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سننے کا شوق ہے ایسا ہی کئی ہندو صاحبوں نے یہ منشا ظاہر کیا مگر ماسٹر صاحب نے کچھ ایسی مصلحت سوچی کہ کسی کی بات کو نہ مانا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ مؤلف

﴿۸﴾ اور انکارِ نجات جاودانی باہم لازم ملزوم ہے اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتا ہے۔ سو درحقیقت جو شخص یہ بات ثابت کرنا چاہے کہ خدائے تعالیٰ کے رب العٰلمین اور خالق نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں اُس کو یہ ثابت کرنا بھی لازم آجائیگا کہ خدائے تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جنم مرن کے عذاب میں مبتلا رہنا اور کبھی دائمی نجات نہ پانا یہ بھی کچھ مضائقہ کی بات نہیں غرض بعد بہت سے سمجھانے کے پھر ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا اور تین گھنٹہ تک بہت سے وقت اور غم وغصہ کے بعد ایک ٹکڑۂ سوال کا جواب قلم بند کر کے سنایا اور دوسرے ٹکڑہ کی بابت جو مکتی کے بارہ میں تھا یہ جواب دیا کہ اِس کا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھ کر بھیج دیں گے۔ چنانچہ اِس طرف سے ایسا جواب لینے سے انکار ہوا اور عرض کر دیا گیا کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے اسی جلسہ میں حاضرین کے روبرو تحریر کریں اگر گھر میں بیٹھ کر لکھنا تھا تو پھر اس جلسہ بحث کی ضرورت ہی کیا تھی مگر ماسٹر صاحب نے نہ مانا اور کیونکر مانتے اُن کی تو اُس وقت حالت ہی اور ہو رہی تھی۔ اب قصہ کوتاہ یہ کہ جب کسی طور سے ماسٹر صاحب نے لکھنا منظور نہ کیا تو ناچار پھر یہ کہا گیا کہ جس قدر آپ نے لکھا ہے وہی ہم کو دیں تا اُس کا ہم جواب الجواب لکھیں تو اِس کے جواب میں اُنہوں نے بیان کیا کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے اب ہم بیٹھ نہیں سکتے ناچار جب وہ جانے کے لئے مستعد ہوئے تو اُن کو کہا گیا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا کہ جو کچھ باہم عہد ہو چکا تھا اس کو توڑ دیا نہ آپ پورا جواب لکھا اور نہ ہمیں اب جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ خیر بدرجۂ ناچاری یہ جواب الجواب بھی بطورِ خود تحریر کر کے رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائے گا چنانچہ یہ بات سنتے ہی ماسٹر صاحب معہ اپنے رفیقوں کے اُٹھ کر چلے گئے اور حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں بخوبی معلوم کر گئے کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام کارروائی گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔

☆ اب ہم قبل اس کے کہ ماسٹر صاحب کا پہلا سوال جو شق القمر کے بارہ میں ہے

☆**حاشیہ** نام حاضرین جلسہ جو ماسٹر صاحب کی بیجا کارروائی کے گواہ ہیں۔شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیار پور۔مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل ہوشیار پور۔ڈاکٹر مصطفٰی علی صاحب۔ بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوشیار پور۔ میاں عبد اللہ صاحب حکیم۔ میاں شہاب الدین صاحب دفعدار۔ لالہ نرائن داس صاحب وکیل۔ پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل۔ لالہ رام چھمن صاحب ہیڈ ماسٹر لودہیانہ۔ بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر۔ لالہ گنیش داس صاحب وکیل۔ لالہ سیتا رام صاحب مہاجن۔ میاں شترگھن صاحب پسر کلاں راجہ صاحب سوکیت۔ میاں شترن جی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔منشی گلاب سنگھ صاحب سرشتہ دار۔ مولوی غلام رسول صاحب مدرس۔ مولوی فتح الدین صاحب مدرس۔ ان تمام حاضرین کے رو برو لالہ مُرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر نے ہر ایک بات میں ناانصافی کی۔ اِس عاجز نے اپنا اعتراض ایک گھنٹہ کے قریب سنا دیا تھا مگر انہوں نے تین گھنٹہ تک وقت لیا اور پھر بھی اعتراض کا ایک ٹکڑہ چھوڑ گئے اصلی منشا اُن کا یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی طرح دن گذر جائے اور اس بلا سے نجات پائیں مگر دن اُن کا دشمن ابھی تیسرے حصہ کے قریب سر پر کھڑا تھا اور واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کا یہ عذر کہ اب ہماری سماج کا وقت آ گیا ہے بالکل عبث اور کچا بہانہ تھا۔ اوّل تو ماسٹر صاحب نے پہلے کوئی ایسی شرط نہیں کی تھی کہ جب سماج کا وقت ہوگا تو بحث کو درمیان چھوڑ کر چلے جائیں گے ماسوائے اس کے یہ تو دین کا کام تھا اور جن لوگوں نے سماج میں حاضر ہونا تھا وہ تو سب موجود تھے بلکہ بہت سے ہندو اور مسلمان اپنا اپنا کام چھوڑ کر اسی غرض سے حاضر تھے اور تمام صحن مکان کا حاضرین سے بھرا ہوا تھا سو اگر ماسٹر صاحب کی نیت میں فرق نہ ہوتا تو اسی جلسہ عظیمہ کو جو صدہا آدمیوں

﴿۱۰﴾ تحریر کریں صفائی بیان کے لئے ایک مقدمہ لکھتے ہیں یہ مقدمہ درحقیقت اُسی مضمون کا

﴿۱۰﴾ ☆حاشیہ کا مجمع تھا سماج سمجھا ہوتا علت غائی سماجوں کی لکچر وغیرہ ہی ہوا کرتی تھی سو وہ تو اُس جگہ ایسی میسر تھی کہ جو سماج میں کبھی میسر نہیں آئی ہوگی۔ ماسوا اس کے جب ماسٹر صاحب نے بہت سا حصہ وقت کا صرف باتوں میں ہی ضائع کر کے پھر بہت سی سستی اور آہستگی سے جواب لکھنا شروع کیا تو اسی وقت ہم سمجھ گئے تھے کہ آپکی نیت میں خیر نہیں ہے اِسی خیال سے اُنکو کہا گیا کہ بہتر یوں ہے کہ جو جو ورق آپ لکھتے جائیں وہ مجھے دیتے جائیں تا میں اُسکا جواب الجواب بھی لکھتا جاؤں اِس انتظام سے دونوں فریق جلد تر فراغت کرلیں گے مگر اُنکا تو مطلب ہی اور تھا وہ کیونکر ایسے انصاف کی باتوں کو قبول کرتے سو انہوں نے انکار کیا اور لالہ رام چھمن صاحب اُنکے رفیق نے مجھے کہا کہ مَیں آپکی غرض کو سمجھ گیا۔لیکن ماسٹر صاحب ایسا کرنا نہیں چاہتے چنانچہ وہی بات ہوئی اور اخیر پر نا تمام کام چھوڑ کر سماج کا عذر پیش ہوگیا اگر کوئی دنیا کا مقدمہ یا کام ہوتا تو ماسٹر صاحب ہزار دفعہ سماج کے وقت کو چھوڑ دیتے پر سچ تو یہ ہے کہ سماج کا عذر تو ایک بہانہ ہی تھا اصل موجب تو وہ گھبراہٹ تھی جو اعتراض کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے ماسٹر صاحب کے دل پر ایک عجیب کام کر رہی تھی۔اسی باعث سے پہلے ماسٹر صاحب نے باتوں میں وقت کھویا اور اعتراض کو سنتے ہوئے ایسے گھبرائے اور کچھ ایسے مبہوت سے ہوگئے کہ چہرہ پر پریشانی کے آثار ظاہر تھے اور ناکارہ عذرات پیش کر کے یہ چاہا کہ بغیر تحریر جواب اُٹھ کر چلے جائیں اسی وجہ سے لوگ تحریر جواب سے نا اُمید ہوکر متفرق ہوگئے اور بعض یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئے کہ اب کیا بیٹھیں اب تو بحث ختم ہوگئی آخر ماسٹر صاحب نے طوعاً و کرہاً حاضرین کی شرم سے کچھ لکھا جس کا آدھا دھڑ تو ماسٹر صاحب کے کاغذ پر اور آدھا اُن کے دل میں ہی رہا بہر حال وہ اپنے جواب کو اِسی جان کندن میں چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ماسٹر صاحب کو اُٹھتے وقت میں نے یہ بھی

ایکؔ حصہ ہے جس کو ہم نے جلسہ بحث گیارہویں مارچ ۱۸۸۶ء میں ماسٹر صاحب کے جواب الجواب کے ردّ میں لکھنا چاہا تھا مگر بوجہ عہد شکنی ماسٹر صاحب اور چلے جانے ان کے اور برخاست ہو جانے جلسہ بحث کے لکھ نہ سکے ناچار حسبِ وعدہ اب لکھنا پڑا۔ سو کچھ اس میں سے اس جگہ اور کچھ جیسا کہ مناسب محل وترتیب ہوگا بعد میں لکھیں گے۔ **وما توفیقی اِلّا باللّٰہ ھو نعم المولٰی و نعم النصیر.** ﴿۱۱﴾

مُقدّمہ

ماسٹر صاحب نے اسلاؔم کے عقیدہ پر شق القمر کا اعتراض پیش کیا ہے اور اس اعتراض سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آج کل کے نوتعلیم یافتہ لوگ انگریزی فلسفہ کے پھیلنے کی وجہ سے ان سب عجائبات سماوی وارضی کو قانونِ قدرت کے برخلاف سمجھتے ہیں جن پر ان کی عقل محیط نہیں ہوسکتی اور جن کو انہوں نے نہ بچشم خود دیکھا اور نہ اپنے فلسفہ کی کتابوں میں اس کا اثر یا نشان پایا اس لئے ماسٹر صاحب نے یہ اعتراض پیش کر دیا تا فلسفی طبع لوگ جن کے دل و دماغ پر خیالات فلسفہ غالب آرہے ہیں۔ خواہ نخواہ شق القمر کے محال ہونے میں ان کے ساتھ ہاں کے ساتھ ہاں ملائیں اور گو ان کی بات کیسی ہی ادھوری اور بودی ہو مگر پنچایت کے اتفاق سے کچھ آب ورنگ لے آوے۔ سو

بقیہ حاشیہ کہاؔ کہ اگر آپ اس وقت کسی نوع سے ٹھہرنا مصلحت نہیں سمجھتے تو میں دو روز اور اس جگہ ہوں اور اپنا دن رات اسی خدمت میں صرف کر سکتا ہوں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ فرصت نہیں۔ اخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب جو کچھ گھر پر جا کر لکھیں گے ہمیں کچھ اطلاع نہیں اس لئے ہم اس کی نسبت کچھ تحریر کرنے سے معذور ہیں۔ منہ

﴿۱۲﴾ اوّل ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ اہل اسلام کی نظر میں ایسا امر نہیں ہے کہ جو مدار ثبوت اسلام اور دلیل اعظم حقّانیّت کلام اللہ کا ٹھہرایا گیا ہو بلکہ ہزارہا شواہد اندرونی و بیرونی وصدہا معجزات ونشانوں میں سے یہ بھی ایک قدرتی نشان ہے جو تاریخی طور پر کافی ثبوت اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کا ذکر آئندہ عنقریب آئے گا۔ سو اگر تمام کھلے کھلے ثبوتوں سے چشم پوشی کر کے فرض بھی کر لیں کہ یہ معجزہ ثابت نہیں ہے اور آیت کے اس طور پر معنے قرار دیں جس طور پر حال کے عیسائی ونیچری یا دوسرے منکرین خوارق کرتے ہیں تو اس صورت میں بھی اگر کچھ حرج ہے تو شاید ایسا ہے کہ جیسے بیس کروڑ روپیہ کی جائداد میں سے ایک پیسے کا نقصان ہو جائے۔ پس اس تقریر سے ظاہر ہے کہ اگر بفرض محال اہلِ اِسلام تاریخی طور پر اس معجزہ کو ثابت نہ کر سکیں تو اس عدم ثبوت کا اسلام پر کوئی بداثر نہیں پہنچ سکتا۔☆ سچ تو یہ ہے کہ کلام الٰہی نے مسلمانوں کو دوسرے معجزات سے بکلّی بے نیاز کر دیا ہے وہ نہ صرف اعجاز بلکہ اپنی برکات وتنویرات کے رو سے اعجاز

☆**حاشیہ** معجزات اور خوارق قرآنی چار قسم پر ہیں (۱) معجزات عقلیہ (۲) معجزات علمیہ (۳) معجزات برکات روحانیہ (۴) معجزات تصرفات خارجیہ۔ نمبر اوّل، دو و تین کے معجزات خواص ذاتیہ قرآن شریف میں سے ہیں اور نہایت عالی شان اور بدیہی الثبوت ہیں جن کو ہر یک زمانہ میں ہر یک شخص تازہ بتازہ طور پر چشم دید ماجرا کی طرح دریافت کر سکتا ہے لیکن نمبر چار کے معجزات یعنی تصرفات خارجیہ یہ بیرونی خوارق ہیں جن کو قرآن شریف سے کچھ ذاتی تعلق نہیں انہیں میں سے معجزہ شق القمر بھی ہے۔ اصل خوبی اور حسن و جمال قرآن شریف کا پہلے تینوں قسم کے معجزات سے وابستہ ہے بلکہ ہر ایک کلام الٰہی کا یہی نشان اعظم ہے کہ یہ تینوں قسم کے معجزات کسی قدر اس میں پائے جائیں اور قرآن شریف میں تو یہ ہر سہ قسم کے اعجاز اعلیٰ واکمل واتم طور پر پائے جاتے ہیں اور انہیں کو قرآنِ شریف اپنی بے مثل و مانند ہونے کے اثبات میں بار بار پیش کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ قُلْ

﴿۱۳﴾ آفرین بھی ہے۔ فی الحقیقت **قرآن شریف** اپنی ذات میں ایسی صفات کمالیہ رکھتا ہے جو اس کو خارجیہ معجزات کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ خارجیہ معجزات کے ہونے سے اس میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی اور نہ ہونے سے کوئی نقص عائد حال نہیں ہوتا۔ اس کا بازار حسن معجزات خارجیہ کے زیور سے رونق پذیر نہیں بلکہ وہ اپنی ذات میں آپ ہی ہزارہا معجزات عجیبہ وغریبہ کا جامع ہے جن کو ہریک زمانہ کے لوگ دیکھ سکتے ہیں نہ یہ کہ صرف گزشتہ کا حوالہ دیا جائے۔ وہ ایسا ملیح الحسن محبوب ہے کہ ہریک چیز اس سے مل کر آرائش پکڑتی ہے اور وہ اپنی آرائش میں کسی کی آمیزش کا محتاج نہیں۔

ہمہ خوبان عالم را بزیورہا بیارایند تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیورہا بیارائی

پھر ماسوا اس کے سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ شق القمر کے معجزہ پر حملہ کرتے ہیں ان کے پاس صرف یہی ایک ہتھیار ہے اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا کہ شق القمر قوانین قدرتیہ کے برخلاف ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اول ہم ان کے قانونِ قدرت کی کچھ تفتیش کر کے پھر وہ ثبوت تاریخی پیش کریں جو اس واقعہ کی صحت پر

بقیہ حاشیہ

﴿۱۳﴾ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ ظَہِیۡرًا[1] یعنی ان منکرین کو کہہ دے کہ اگر تمام جن وانس یعنی تمام مخلوقات اس بات پر متفق ہو جائے کہ اس قرآن کی کوئی مثل بنانی چاہیے تو وہ ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہوں گے کہ ایسی ہی کتاب انہیں ظاہری و باطنی خوبیوں کی جامع بنا سکیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں اور پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ[2] یعنی اس کتاب (قرآن شریف) سے کوئی دینی حقیقت باہر نہیں رہی بلکہ یہ جمیع حقائق ومعارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ[3] یعنی ہم نے یہ کتاب (قرآن شریف) تمام علوم ضروریہ پر مشتمل نازل فرمائی ہے۔ اور پھر فرماتا ہے یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً۔ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ۔[4] یعنی یہ قرآن شریف وہ پاک اوراق ہیں جن میں

[1] بنی اسرآئیل: ۸۹ [2] الانعام: ۳۹ [3] النحل: ۹۰ [4] البینۃ: ۳،۴

﴿۱۴﴾ دلالت کرتے ہیں سو جاننا چاہئے کہ نیچر کے ماننے والے یعنی قانون قدرت کے پیرو کہلانے والے اس خیال پر زور دیتے ہیں کہ یہ بات بدیہی ہے کہ جہاں تک انسان اپنی عقلی قوتوں سے جان سکتا ہے وہ بجز قدرت اور قانون قدرت کے کچھ نہیں یعنی مصنوعات و موجودات مشہودہ موجودہ پر نظر کرنے سے چاروں طرف یہی نظر آتا ہے کہ ہر یک چیز مادی یا غیر مادی جو ہم میں اور ہمارے اردگرد یا فوق وتحت میں موجود ہے وہ اپنے وجود اور قیام اور ترتب آثار میں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وابستہ ہے جو ہمیشہ اس کی ذات میں پایا جاتا ہے اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا بغیر خطا کے اسی طرح ہوتا ہے اور اُسی طرح پر ہوگا پس وہی سچ ہے اور اصول بھی وہی سچے ہیں جو اس کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ سب سچ مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قدرت الٰہی کے طریقے اور اس کے قانون اسی حد تک ہیں جو ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آ چکے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ جس حالت میں الٰہی قدرتوں کو غیر محدود ماننا ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے جو اسی سے نظامِ کارخانۂ

﴿۱۴﴾ **بقیہ حاشیہ** تمام آسمانی کتابوں کا مغز اور لب لباب بھرا ہوا ہے اور پھر فرماتا ہے۔ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ .... فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ [۱] یعنی اے منکرین اگر تم اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے کچھ شک میں ہو یعنی اگر تم اس کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے اور ایسا کلام بنانا انسانی طاقت کے اندر خیال کرتے ہو تو تم بھی ایک سورت جو انہیں ظاہری باطنی کمالات پر مشتمل ہو بنا کر پیش کرو۔ اور اگر تم نہ بنا سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز بنا نہیں سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر (بت) اور آدمی ہیں یعنی بت اور مشرک اور نافرمان لوگ ہی اس آگ کے بھڑکنے کا موجب ہو رہے ہیں اگر دنیا میں بت پرستی و شرک و بے ایمانی و نافرمانی نہ ہوتی تو وہ آگ بھی افروختہ نہ ہوتی تو گویا اس کا ایندھن یہی چیزیں ہیں جو علت موجبہ

[۱] البقرۃ: ۲۴، ۲۵

﴿۱۵﴾ اُلوہیت وابستہ اوراسی سے ترقیات علمیہ کا ہمیشہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر کس قدر غلطی کی بات ہے کہ ہم یہ ناکارہ حجت پیش کریں کہ جو امر ہماری سمجھ اور مشاہدہ سے باہر ہے وہ قانون قدرت سے بھی باہر ہے بلکہ جس حالت میں ہم اپنے مونہہ سے اقرار کر چکے کہ قوانین قدرتیہ غیر متناہی اور غیر محدود ہیں تو پھر ہمارا یہ اصول ہونا چاہئے کہ ہر یک نئی بات جو ظہور میں آوے پہلے ہی اپنی عقل سے بالاتر دیکھ کر اس کو رد نہ کریں بلکہ خوب متوجہ ہو کر اس کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حال جانچ لیں اگر وہ ثابت ہو تو اپنے قانون قدرت کی فہرست میں اس کو بھی داخل کر لیں اور اگر وہ ثابت نہ ہو تو صرف اتنا کہہ دیں کہ ثابت نہیں مگر اس بات کے کہنے کے ہم ہرگز مجاز نہیں ہوں گے کہ وہ امر قانون قدرت سے باہر ہے بلکہ قانون قدرت سے باہر کسی چیز کو سمجھنے کے لئے ہمارے لئے پُرضرور ہے کہ ہم ایک دائرہ کی طرح خدائے تعالیٰ کے تمام قوانین ازلی وابدی پر محیط ہو جائیں اور بخوبی ہمارا فکر اس بات پر احاطہ تام کر لے کہ خدائے تعالیٰ نے روز ازل سے آج تک کیا کیا قدرتیں ظاہر کیں اور آئندہ اپنے ابدی زمانہ

بقیہ حاشیہ

﴿۱۵﴾ اُس کے افروختہ ہونے کی ہیں اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔[1] یعنے یہ قرآن جو تم پر اتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوف الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلام الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غور اور فکر کریں۔ یہ تو قرآن شریف میں ان اعجازی کمالات کا ذکر ہے جو خود اس کے نفس نفیس میں پائے جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ تصرفات خارجیہ کے اعجاز بھی قرآن شریف میں بکثرت درج ہیں اور اس قسم کے معجزات جمال قرآنی کے لئے بطور اس زیور کے ہیں جو خوبوں کو پہنایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفس خوبصورتی زیور کے محتاج نہیں گو اس سے حسن کی آب و تاب کسی قدر اور بڑھ جاتی ہے۔ اس جگہ واضح رہے کہ تصرفات خارجیہ کے معجزات قرآن شریف میں کئی نوع پر

[1] الحشر : ۲۲

﴿۱۶﴾ میں کیا کیا قدرتیں ظاہر کرے گا۔ کیا وہ جدید در جدید قدرتوں کے ظاہر کرنے پر قادر ہوگا یا کوہلو کے بیل کی طرح انہیں چند قدرتوں میں مقیّد اور محصور رہے گا جن کو ہم دیکھ چکے ہیں اور جن پر ہمارا بخوبی احاطہ ہے اور اگر انہیں میں مقیّد اور محصور رہے گا تو باوجود اس کے غیر محدود الوہیت اور قدرت اور طاقت کے یہ مقید اور محصور رہنا کس وجہ سے ہوگا کیا وہ آپ ہی وسیع قدرتوں کے دکھلانے سے عاجز آئے گا یا کسی دوسرے قاسر نے اس پر جبر کیا ہوگا یا اس کی خدائی کو انہیں چند قسم کی قدرتوں سے قوت پہنچتی ہے اور دوسری قدرتوں کے ظاہر کرنے سے اس پر زوال آتا ہے بہرحال اگر ہم خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کو غیر محدود مانتے ہیں تو یہ جنون اور دیوانگی ہے کہ اس کی قدرتوں پر احاطہ کرنے کی امید رکھیں کیونکہ اگر وہ ہمارے مشاہدہ کے پیمانہ میں محدود ہو سکیں تو پھر غیر محدود اور غیر متناہی کیونکر رہیں اور اس صورت میں نہ صرف یہ نقص پیش آتا ہے کہ ہمارا فانی اور ناقص تجربہ خدائے ازلی وابدی کی تمام قدرتوں کا حد بست کرنے والا ہوگا بلکہ ایک بڑا بھاری نقص یہ بھی ہے کہ اس کی

﴿۱۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

مندرج ہیں۔ ایک نوع تو یہی کہ جو دعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدائے تعالیٰ نے آسمان پر اپنا قادرانہ تصرف دکھلایا اور چاند کو ۲دو ٹکڑے کر دیا۔ دوسرے وہ تصرف جو خدائے تعالیٰ نے جناب ممدوح کی دعا سے زمین پر کیا اور ایک سخت قحط سات برس تک ڈالا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ہڈیوں کو پیس کر کھایا۔ تیسرے وہ تصرف اعجازی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرِ کفار سے محفوظ رکھنے کے لئے بروز ہجرت کیا گیا یعنی جبکہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس پاک نبی کو اس بد ارادہ کی خبر دے دی اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا اور پھر بفتح ونصرت واپس آنے کی بشارت دی بدھ کا روز اور دوپہر کا وقت اور سخت گرمی کے دن تھے جب یہ ابتلا منجانب اللہ ظاہر ہوا اس مصیبت کی حالت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ناگہانی طور پر اپنے

﴿۱۷﴾ قدرتوں کے محدود ہونے سے وہ خود بھی محدود ہو جائے گا اور پھر یہ کہنا پڑے گا کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کی حقیقت اور کُنہ ہے ہم نے سب معلوم کر لی ہے اور اس کے گہراؤ اور تہ تک ہم پہنچ گئے ہیں اور اس کلمہ میں جس قدر کفر اور بے ادبی اور بے ایمانی بھری ہوئی ہے وہ ظاہر ہے حاجت بیان نہیں سو ایک محدود زمانہ کے محدود در محدود تجارب کو پورا پورا قانونِ قدرت خیال کر لینا اور اس پر غیر متناہی سلسلۂ قدرت کو ختم کر دینا اور آئندہ کے نئے اسرار کھلنے سے نا امید ہو جانا ان پست نظروں کا نتیجہ ہے جنہوں نے خدائے ذوالجلال کو جیسا کہ چاہیے شناخت نہیں کیا اور جو اپنی فطرت میں نہایت منقبض واقعہ ہوئے ہیں یاں تک کہ ایک کنوئیں کی مینڈک ہو کر یہ خیال کر رہے ہیں کہ گویا ایک سمندر ناپیدا کنار

بقیہ حاشیہ

﴿۱۷﴾ قدیمی شہر کو چھوڑنے لگے اور مخالفین نے مار ڈالنے کی نیت سے چاروں طرف سے اس مبارک گھر کو گھیر لیا تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا۔ جانبازی کے طور پر آنحضرت کے بستر پر باشارہ نبوی اس غرض سے مونہہ چھپا کر لیٹ رہا کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں اور اسی کو رسول اللہ سمجھ کر قتل کرنے کے لئے ٹھہرے رہیں۔

کس بہر کسے سر ندہد جان نفشاند عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس وفادار اور جان نثار عزیز کو اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تو آخر تفتیش کے بعد ان نالائق بدباطن لوگوں نے تعاقب کیا اور چاہا کہ راہ میں کسی جگہ پاکر قتل کر ڈالیں اس وقت اور اس مصیبت کے سفر میں بجز ایک بااخلاص اور یکرنگ اور دلی دوست کے اور کوئی انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھا۔ ہاں ہر وقت اور نیز اس پر خطر سفر میں وہ مولیٰ کریم ساتھ تھا جس نے اپنے اس کامل وفادار بندہ کو ایک عظیم الشان اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا تھا سو اس نے اپنے اس پیارے بندہ کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑے بڑے عجائب تصرفات اس راہ میں دکھلائے

﴿۱۸﴾ پر آن کو عبور ہو گیا ہے تمام خوشیاں عارفوں کی اور تمام راحتیں غمزدوں کی اسی میں ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتوں کا کنارہ لا یدرک ہے میں یہ نہیں کہتا کہ بے تحقیق اور بے ثبوت عقلی یا آزمائشی یا تاریخی کسی نئی بات کو مان لو کیونکہ اس عادت سے بہت سے رطب یا بس کا ذخیرہ اکٹھا ہو جائے گا بلکہ میں

﴿۱۸﴾ **بقیہ حاشیہ** جو اجمالی طور پر قرآن شریف میں درج ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاتے وقت کسی مخالف نے نہیں دیکھا حالانکہ صبح کا وقت تھا اور تمام مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ نے جیسا کہ سورۂ یٰسین میں اس کا ذکر کیا ہے ان سب اشقیا کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آنحضرت ان کے سروں پر خاک ڈال کر چلے گئے۔ ازاں جملہ ایک یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی معصوم کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ امر خارق عادت دکھلایا کہ باوجودیکہ مخالفین اس غار تک پہنچ گئے تھے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے رفیق کے مخفی تھے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ایک کبوتر کا جوڑا بھیج دیا جس نے اسی رات غار کے دروازہ پر آشیانہ بنا دیا اور انڈے بھی دے دیئے اور اسی طرح اذن الٰہی سے عنکبوت نے اس غار پر اپنا گھر بنا دیا جس سے مخالف لوگ دھوکا میں پڑ کر ناکام واپس چلے گئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ ایک مخالف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پکڑنے کے لئے مدینہ کی راہ پر گھوڑا دوڑائے چلا جاتا تھا جب وہ اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو جناب ممدوح کی بددعا سے اس کے گھوڑے کے چاروں سُم زمین میں دھنس گئے اور وہ گر پڑا اور پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگ کر اور عفو تقصیر کرا کر واپس لوٹ آیا۔ چوتھی وہ تصرف اعجازی کہ جب دشمنوں نے اپنی ناکامی سے منفعل ہو کر لشکر کثیر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کی تا مسلمانوں کو جو ابھی تھوڑے سے آدمی تھے نابود کر دیں اور دینِ اسلام کا نام ونشان مٹا دیں تب اللہ جلّ شانہٗ نے جناب موصوف کے ایک مٹھی کنکریوں کے چلانے سے مقام بدر میں دشمنوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا اور ان کے لشکر کو شکست فاش ہوئی

﴿۱۹﴾ یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال کی تعظیم کرکے اس کے نئے کاموں کی نسبت (جو تمہاری محدود نظروں میں نئے دکھائی دیتے ہیں) بے جا ضد بھی مت کرو کیونکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں خدائے تعالیٰ کی عجائب قدرتوں اور دقائق حکمتوں اور پیچ در پیچ اسراروں کے ابھی تک انسان نے بکلی حد بست نہیں کی

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹﴾ اور خدائے تعالیٰ نے ان چند کنکریوں سے مخالفین کے بڑے بڑے سرداروں کو سراسیمہ اور اندھا اور پریشان کر کے وہیں رکھا اور ان کی لاشیں انہیں مقامات میں گرائیں جن کے پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ نشان بتلا رکھے تھے۔ ایسا ہی اور کئی عجیب طور کے تائیدات وتصرفات الٰہیہ کا (جو خارق عادت ہیں) قرآن شریف میں ذکر ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مسکینی اور غریبی اور یتیمی اور تنہائی اور بے کسی کی حالت میں مبعوث کر کے پھر ایک نہایت قلیل عرصہ میں جو تیس برس سے بھی کم تھا ایک عالم پر فتح یاب کیا اور شہنشاہِ قسطنطنیہ و بادشاہان دیار شام ومصر وممالک مابین دجلہ وفرات وغیرہ پر غلبہ بخشا اور اس تھوڑے ہی عرصہ میں فتوحات کو جزیرہ نما عرب سے لے کر دریائے جیحون تک پھیلایا اور ان ممالک کے اسلام قبول کرنے کی بطور پیشگوئی قرآن شریف میں خبر دی اس حالتِ بے سامانی اور پھر ایسی عجیب وغریب فتحوں پر نظر ڈال کر بڑے بڑے دانشمند اور فاضل انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے کہ جس جلدی سے اسلامی سلطنت اور اسلام دنیا میں پھیلا ہے اس کی نظیر صفحۂ تواریخ دنیا میں کسی جگہ نہیں پائی جاتی اور ظاہر ہے کہ جس امر کی کوئی نظیر نہ پائی جائے اسی کو دوسرے لفظوں میں خارق عادت بھی کہتے ہیں۔ غرض قرآن شریف میں تصرفات خارجیہ کا ذکر بھی بطور خارق عادت بہت جگہ آیا ہے بلکہ ذرا نظر کھول کر دیکھو تو اس پاک کلام کا ہر یک مقام تائیدات الٰہیہ کا نقارہ بجا رہا ہے اور ایک تصویر کھینچ کر دکھلا رہا ہے کہ کیونکر اسلام اپنی اول حالت میں ایک خورد تر بیج کی طرح دنیا میں بویا گیا اور پھر وہ تھوڑے ہی عرصہ میں جو خارق عادت ہے کیسا بزرگ وعظیم القدر

﴿۲۰﴾ اور نہ آگے کو اس کی لیاقت وطاقت ایسی نظر آتی ہے کہ اس مالک الملک کے وراء الوراء بھیدوں کے ایک چھوٹے سے رقبۂ زمین کی طرح پیمائش کر سکے یا کسی ایک چیز کے جمیع خواص پر احاطہ کرنے کا دم مار سکے مجھے ان صاف باطن لوگوں کے آگے منطقی دلائل کی حاجت نہیں جو اپنے اس پیارے

﴿۲۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

ہو کر اکثر حصہ دنیا میں پھیل گیا اور ہر یک موقعہ پر کیا کیا عجیب تائیدات الٰہیہ اس کی حمایت میں ظہور میں آتی رہیں۔ اب ہم بیرونی معجزات کا بیان (جو اعجازی تصرفات ہیں) اسی قدر کافی سمجھ کر ان معجزات کی تشریح کچھ زیادہ کرنا چاہتے ہیں جو قرآن شریف کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی بطنی اور نفسی خاصیتیں ہیں کیونکہ اس قسم کے معجزات بباعث دائمی شہود اور وجود کے قوی الاثر ہیں جن کو ہر ایک طالب صادق اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور ہر یک منصف کی نظر میں بالضرورت قابل یقین ٹھہر سکتے ہیں۔ سو اوّل جاننا چاہیے کہ معجزہ عادات الٰہیہ میں سے ایک ایسی عادت یا یوں کہو کہ اس قادر مطلق کے افعال میں سے ایک ایسا فعل ہے جس کو اضافی طور پر خارق عادت کہنا چاہیے پس امر خارقِ عادت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جو پاک لوگ عام طریق وطرز انسانی سے ترقی کر کے اور معمولی عادات کو پھاڑ کر قرب الٰہی کے میدانوں میں آگے قدم رکھتے ہیں تو خدائے تعالیٰ حسب حالت ان کے ایک ایسا عجیب معاملہ ان سے کرتا ہے کہ وہ عام حالاتِ انسانی پر خیال کرنے کے بعد ایک امر خارقِ عادت دکھائی دیتا ہے اور جس قدر انسان اپنی بشریت کے وطن کو چھوڑ کر اور اپنے نفس کے حجابوں کو پھاڑ کر عرصات عشق ومحبت میں دور تر چلا جاتا ہے اسی قدر یہ خوارق نہایت صاف اور شفاف اور روشن وتابان ظہور میں آتے ہیں۔ جب تزکیہ نفس انسانی کمال تام کی حالت پر پہنچتا ہے اور اس کا دل غیر اللہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے تو اس کے تمام اقوال وافعال واعمال وحرکات وسکنات وعبادات

مالکؔ سے دلی محبت رکھتے ہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خود ان کو وہی ان کی سچی محبت یہ طریقِ ﴿۲۱﴾
ادب سکھادے گی کہ ذات جامع الکمالات حضرت احدیت کے علم کے ساتھ اپنے محدود علم کو
برابر جاننا اور اس کی ازلی ابدی قدرتوں کو اپنے مشاہدات یا معلومات سے زیادہ نہ سمجھنا بہت برا

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱﴾ ومعاملات و اخلاق جو انتہائی درجہ پر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ سب خارق عادت ہی ہو جاتے ہیں سو بمقابل اس کے ایسا ہی معاملہ باری تعالیٰ کا بھی اس مبدّل تام سے بطور خارق عادت ہی ہوتا ہے سو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبدّل تام اور سیّد المبدلین اور امام المطہرین تھے جن کو قادر مطلق نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا اس لئے تمام سراپا وجود ان کے کا حقیقت میں معجزہ ہی تھا اور ضرور تھا کہ ایسے عالی شان نبی پر جو کلام نازل ہوا تھا وہ بباعث تبدل تام اس کے غایت درجہ کا خارق عادت ہوتا جس سے تمام اولین آخرین کی نظریں خیرہ رہ جاتیں کیونکہ اگرچہ کلام الٰہی فی ذاتہٖ کلام انسانی سے ایسا ہی ممیّز ہے جیسا خدا انسان سے تمیز تام رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے فیضان وحی حسب استعداد و حالتِ صفوت و اخلاق فاضلہ و ملکات صالحہ وحی یاب ہوا کرتا ہے اور اسی کی طرف ایک روحانی اشارہ ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ پاک کلام بہت سے فرشتوں کی حفاظت کے ساتھ اترا ہے۔ سو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی ہیں مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق و ذوق سے بھری ہوئی وارداتیں اور دردِ دل اور جوش محبت اور صدق و صفا و تبتل و وفا و توکل و رضا و نیستی و فنا اور شورش ہائے عشقِ مولیٰ ایک قسم کے فرشتے ہی ہیں جو قادر مطلق نے اپنے اس محبوب افضل الرسل کے وجود میں اکمل و اتم طور پر پیدا کئے تھے اور پھر اسی کے اتباع سے ہریک مومن کامل کے دل میں بھی باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں اور اگرچہ عام مومنوں میں بھی جو ابھی حالتِ کمالیہ تک نہیں پہنچے

﴿۲۲﴾ اور نالائق خیال ہے جو ادب اور تعظیم اور عجز اور عبودیت کی حقیقت سے نہایت دور پڑا ہوا ہے لیکن میں ان خشک فلسفیوں کو جو عشق الٰہی اور اس کی بزرگ ذات کی قدر شناسی سے غافل ہیں جہاں تک مجھے طاقت عقلی دی گئی ہے بدلائلِ شافیہ راہ راست کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں کیونکہ

﴿۲۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

ان کا تخم پایا جاتا ہے لیکن وہ تخم اس چھپی ہوئی آگ کی طرح ہے جو افروختہ آگ کا کام نہیں دے سکتی جیسے ظاہر ہے کہ انڈا مرغ کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور نہ بیج درخت کا حکم رکھتا ہے اور اگرچہ ہر یک زمین کے نیچے پانی ہے لیکن بجز بہت سی جان کنی اور محنت اور مدّت تک زمین کھودنے کے وہ پانی نکل نہیں سکتا اسی طرح آتش شوق الٰہی جب تک اپنے کمال اشتعال کی حالت میں نہ آئے تب تک اس کے فوائد مترتب نہیں ہوسکتے لیکن جب وہ کامل طور پر افروختہ ہوجاتی ہے اور چاروں طرف سے بھڑک اٹھتی ہے تب وہ دخل شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے فرشتوں کا کام دیتی ہے اور ملائک حفاظت میں شمار کی جاتی ہے۔ پاک اعمال اور پاک حالتیں اور پاک وارداتیں اور پاک جوش اور پاک درد اور پاک حزن اور پاک اخلاقی ظہور جب اپنے اشتعال اور کمال کی حالت میں ہوں تو ان نیک اور ہوشیار چوکیداروں کی طرح ہیں جو اپنے مالک کے محل کے دروازوں پر چاروں طرف دن رات پہرہ کے لئے کھڑے رہتے ہیں سو ہر چند اس محل کے سارے دروازے کھلے ہیں (یعنی ہر ایک قسم کی قوتیں اور استعدادیں) مگر بباعث تقید محافظین بجز سرد ہوا اور محبوب چیزوں کے کوئی نابکار چیز اندر نہیں جاسکتی اور اگر کتا یا چور اندر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو پکڑا جاتا ہے اور مار کھاتا ہے لیکن وہ محل جس کے دروازے تو کھلے ہیں مگر دروازوں پر کوئی نیک و ہوشیار چوکیدار نہیں گو اس میں ٹھنڈی ہوا اور اچھی اچھی چیزیں بھی داخل ہوتی ہیں مگر ایسے گھر کو اکثر چور لگے رہتے ہیں اور کتے اس کی چیزوں کو پلید کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ

میں دیکھتا ہوں کہ ان کی روحانی زندگی بہت ہی کمزور ہوگئی ہے اوران کی بے جا آزادی ﴿۲۳﴾
اورضعفِ ایمان نے بہت ہی برا اثر ان کے ارادت باطنی اوران کی دینی اولوالعزمی اور
ان کی اندرونی حالت پرڈالا ہے اور عجیب طور پر انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ
ملا دیا ہے۔ مذہب وہ چیز ہے جس کی برکات کی اصل جڑھ ایمان و اعتبار وحسن

بقیہ حاشیہ

گھر خرابی کی حالت میں رہتا ہے پس جس جگہ صفوت وعصمت وتبتل ومحبت کامل وتام ﴿۲۳﴾ وحزن ودرد وشوق وخوف ہے اس جگہ انوار وحی کے کامل تجلیات بغیر آمیزش کسی نوع کی ظلمت کے وارد ہوتے رہتے ہیں اور آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں اور جس جگہ یہ مرتبہ کمالِ تام کا نہیں اس جگہ وحی بھی اس عالی مرتبہ سے متنزل ہوتی ہے۔ غرض وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی وانشراح صدری وعصمت وحیا وصدق وصفا وتوکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل واعلیٰ واکمل وارفع و اجلیٰ واصفا تھے اس لئے خدائے جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین وآخرین کے سینہ ودل سے فراخ تر و پاک تر ومعصوم تر وروشن تر وعاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین وآخرین کی وحیوں سے اقویٰ واکمل وارفع واتم ہوکر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالات عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو۔ کوئی فکر ایسے برہان عقلی پیش نہیں کرسکتا جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر کسی دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی اور

﴿۲۴﴾ اعتقاد وحسن ظن واطاعت واتباع مخبر صادق وکلام الٰہی ہے لیکن وہ لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ سے مذہب کی حقیقت کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں سوانہیں لازم ہے کہ تعصب اور خود پسندی کے شوروغوغا سے اپنے تئیں الگ کر کے سیدھی نظر اور سیدھے خیال سے اس سوال پر غور کریں کہ ایمان کیا شے ہے اور اس پر

﴿۲۴﴾ **بقیہ حاشیہ** پُر برکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفات کمالیہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفّا آئینہ ہے جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک سالک کو مدارجِ عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔

اور جیسا کہ ہم عنوان اس حاشیہ پر لکھ چکے ہیں معرفت حقّانی کے عطا کرنے کے لئے تین دروازے قرآن شریف میں کھلے ہوئے ہیں ایک عقلی یعنے خدائے تعالیٰ کی ہستی اور خالقیّت اور اس کی توحید اور قدرت اور رحم اور قیّومی اور مجازات وغیرہ صفات کی شناخت کے لئے جہاں تک علوم عقلیہ کا تعلق ہے استدلالی طریق کو کامل طور پر استعمال کیا ہے اور اس استدلال کے ضمن میں صناعت منطق وعلم بلاغت وفصاحت وعلوم طبعی وطبابت وہیئت وہندسہ ودقائق فلسفیہ وطریق جدل ومناظرہ وغیرہ تمام علوم کو نہایت لطیف وموزوں طور پر بیان کیا ہے جس سے اکثر دقیق مسائل کا پیچ کھلتا ہے۔ پس یہ طرز بیان جو فوق العادت ہے از قسم اعجاز عقلی ہے کیونکہ بڑے بڑے فیلسوف جنہوں نے منطق کو ایجاد کیا اور فلاسفی کے قواعد مرتب کئے اور بہت کچھ طبعی اور ہیئت میں کوشش ومغززنی کی وہ بباعث نقصان عقل اپنے ان علوم سے اپنے دین کو مدد نہیں دے سکے اور نہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر سکے اور نہ اوروں کو فائدہ دینی پہنچا سکے بلکہ اکثر ان کے دہریہ اور ملحد اور ضعیف الایمان رہے اور جو بعض ان میں سے کسی قدر خدائے تعالیٰ پر ایمان لائے انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا کر اور خبیث کو طیّب کے ساتھ مخلوط

ثوابؔ مترتب ہونے کی کیوں امید کی جاتی ہے سو جاننا چاہیے کہ ایمان اس اقرار لسانی وتصدیق قلبی سے مراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقویٰ اور دوراندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر یعنی بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اس طرف غلبہ اور رجحان پا کر بغیر انتظار کامل اور قطعی اور ﴿۲۵﴾

بقیہ حاشیہ

کرؔ کے راہ راست کو چھوڑ دیا۔ پس یہ الٰہی عقل از قبیل خارق عادت ہے جس کے استدلال میں کوئی غلطی نہیں اور جس نے علوم مذکورہ سے ایک ایسی شائستہ خدمت لی ہے جو کبھی کسی انسان نے نہیں لی اور اس کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ دلائل وجود باری عزّاسمہٗ اور اس کی توحید و خالقیت وغیرہ صفات کمالیہ کے اثبات میں بیان قرآن شریف کا ایسا محیط و حاوی ہے جس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں کہ کوئی انسان کوئی جدید برہان پیش کر سکے اگر کسی کو شک ہو تو وہ چند دلائل عقلی متعلق اثبات ہستی باری عزاسمہٗ یا اس کی توحید یا اس کی خالقیت یا کسی دوسری الٰہی صفت کے متعلق بطور امتحان پیش کرے تا بالمقابل قرآن شریف میں سے وہی دلائل یا ان سے بڑھ کر اس کو دکھلائے جائیں جس کے دکھلانے کے ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں غرض یہ دعویٰ اور یہ تعریف قرآنی لاف و گذاف نہیں بلکہ حقیقت میں حق ہے اور کوئی شخص عقائد حقہ کے اثبات میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتا جس کے پیش کرنے سے قرآن شریف غافل رہا ہو۔ قرآن شریف بآواز بلند بیسیوں جگہ اپنے احاطہ تامہ کا دعویٰ پیش کرتا ہے چنانچہ بعض آیات ان میں سے ہم اس حاشیہ میں درج بھی کر چکے ہیں سو اگر کوئی طالب حق آزمائش کا شائق ہو تو ہم اس کی تسلی کامل کرنے کے لئے مستعد اور تیار اور ذمہ وار ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس پرغفلت اور لاپروائی اور بے قدری کے زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں جو صدق دلی سے طالب حق ہو کر اس خاصیتِ عظمیٰ و معجزہ کبریٰ کی آزمائش چاہیں بلکہ وہ اسی میں اپنی سرخروئی سمجھ لیتے ہیں کہ بات کو ﴿۲۵﴾

﴿۲۶﴾ واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت وتسلیم ظاہر کی جائے لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین بھی کہتے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت

﴿۲۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

سنتے ہی انکار کردیں لیکن ظاہر ہے کہ صرف اس بات کے کہنے سے کہ ہم نہیں مانتے یا ہم اس کو خلاف عقل یا خلاف قانون قدرت سمجھتے ہیں امر متنازعہ فیہ انفصال نہیں پاتا اور صداقت پسندوں کا یہ طریق ہرگز نہیں۔ ایک شخص کو ایک امر متنازعہ فیہ کے اثبات کے لئے میدان میں کھڑے دیکھ کر اور آواز پر آواز مارتے سن کر پھر اس کی طرف رخ نہ کریں اسے آزما کر نہ دیکھ لیں اور دور بیٹھے یونہی کہتے رہیں کہ اس کی یہ باتیں جھوٹ اور بے اصل ہیں کیا یہ شیوہ کسی واقعی راست باز کا ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ دوسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں نہایت وسیع طور پر کھلا ہوا ہے دقائق علمیہ ہیں جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیے وہ علوم کئی قسم کے ہیں اول علم معارف دین یعنے جس قدر معارف عالیہ دین اور اس کی پاک صداقتیں ہیں اور جس قدر نکات و لطائف علم الٰہی ہیں جن کی اس دنیا میں تکمیل نفس کے لئے ضرورت ہے ایسا ہی جس قدر نفس امارہ کی بیماریاں اور اس کے جذبات اور اس کی دوری یا دائمی آفات ہیں یا جو کچھ ان کا علاج اور اصلاح کی تدبیریں ہیں اور جس قدر تزکیہ وتصفیہ نفس کے طریق ہیں اور جس قدر اخلاق فاضلہ کے انتہائی ظہور کی علامات وخواص و لوازم ہیں یہ سب کچھ باستیفائے تام فرقان مجید میں بھرا ہوا ہے اور کوئی شخص ایسی صداقت یا ایسا نکتہ الٰہیہ یا ایسا طریق وصول الی اللہ یا کوئی ایسا نادر یا پاک طور مجاہدہ و پرستش الٰہی کا نکال نہیں سکتا جو اس پاک کلام میں درج نہ ہو۔ دوسرے علم خواص روح وعلم نفس ہے جو ایسے احاطہ تام سے اس

﴿۲۷﴾ کے طور پر انوار ہدایت کھولے اور اپنے آلاء ونعماء سے آشنا کرے اور لدنّی طور پر عقل اور علم عطا فرماوے اور ساتھ اس کے ابواب کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائبات الوہیت کا سیر کراوے اور اپنے محبوبانہ حسن و جمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے جس کو دوسرے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۷﴾ کلامِ معجز نظام میں اندراج پایا ہے کہ جس سے غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ بجز قادرِ مطلق کے یہ کسی کا کام نہیں۔ تیسرے علم مبدء و معاد و دیگر امور غیبیہ جو عالم الغیب کے کلام کا ایک لازمی خاصہ ہے جس سے دلوں کو تسلی و تشفی ملتی ہے اور غیب دانی خدائے قادر مطلق کی مشہودی طور پر ثابت و متحقق ہوتی ہے یہ علم اس تفصیل اور کثرت سے قرآن شریف میں پایا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ پھر علاوہ اس کے قرآنِ شریف نے تائید دین میں اور اور علوم سے بھی اعجازی طور پر خدمت لی ہے اور منطق اور طبعی اور فلسفہ اور ہیئت اور علم نفس اور طبابت اور علم ہندسہ اور علم بلاغت وفصاحت وغیرہ علوم کے وسائل سے علم دین کا سمجھانا اور ذہن نشین کرنا یا اس کا تفہیم درجہ بدرجہ آسان کر دینا یا اس پر کوئی برہان قائم کرنا یا اس سے کسی نادان کا اعتراض اٹھانا مدنظر رکھا ہے غرض طفیلی طور پر یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت قرآن شریف میں اس عجیب طرز سے بھرے ہوئے ہیں جن سے ہر یک درجہ کا ذہن فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اگرچہ دلی جوش اس عاجز کا اس بات کی طرف دامن دل کھینچ رہا ہے کہ ان سب علوم میں سے دو دو تین تین مسائل علمی جو قرآن شریف میں درج ہیں نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جائیں اور کچھ براہین عقلیہ بھی جو اس پاک کلام میں اثبات اصول دین کے لئے اندراج پائے ہیں تحریر ہوں لیکن چونکہ یہ سب بیانات طوالت طلب ہیں اور رسالہ ھٰذا بوجہ قلیل الحجم ہونے کے ان کی برداشت نہیں کرسکتا اور کتاب **براھین احمدیہ** خود ان سب باتوں کی متکفل ہے اس لئے خوفِ اطناب سے ترک کر دیا گیا۔ طالبین حق انشاء اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ میں ان

﴿۲۸﴾ لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔اور جب ان تمام مراتب کی شدت اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے بِاِذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اس کے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۸﴾ سبّ مقاصد کو پالیں گے مگر اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ یہ علوم کسبی طور پر بھی لوگ حاصل کرتے ہیں لیکن ایک اُمّی محض جو سخت تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں ایک جنگلی ملک میں پیدا ہوا جس نے مکتب میں ایک حرف نہ پڑھا اور فلاسفہ سے کبھی مخالطت نہ ہوئی اور منطق اور طبعی اور ہیئت اور علم نفس وغیرہ کا اپنے پر جہالت ملک میں نام بھی نہ سنا اس سے یہ چشمۂ فیض کامل اور صحیح طور پر جوش مارنا ایسا کہ کوئی فلسفی اس پر سبقت نہ لے جاسکے بہ بداہت عقل خارق عادت ہے۔ جو شخص بالکل ان پڑھ ہو کر ایسے بے مثل طور پر حقائق عالیہ فلسفہ وطبعی وہیئت وعلم خواص روح ومعارف دین بغیر کسی کے سکھائے اور پڑھائے کے بیان کرے تو اس کے معجزہ ہونے میں کسی دانا اور منصف مزاج کو تامل نہیں ہوسکتا۔ تیسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں اللہ جلّ شانہٗ نے اپنی عنایت خاص سے کھول رکھا ہے برکات روحانیہ ہیں جس کو اعجاز تاثیری کہنا چاہیے۔ یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد بوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشہ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاّشی اور بدمستی اور شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے

﴿۲۹﴾ دل پر بکلّی احاطہ کر کے ہر یک ظلمت و قبض و تنگی کو درمیان سے اٹھا دیں یاں تک کہ بوجۂ کمال رابطہ عشق و محبت و بباعث انتہائی جوش صدق و صفا کی بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذت و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور

﴿۲۹﴾ **بقیہ حاشیہ**

طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور چوری اور قزاقی اور خون ریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا۔ غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہورہ ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کرسکتا اور پھر یہ امر بھی ہر یک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارساطبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہو گئے اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصومؐ نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یکلخت ایسا مبدل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہو گئے اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جل شانہٗ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے ان کی پہلی حالت اور اس نئی زندگی کے جو بعد اسلام انہیں نصیب ہوئے قرآن شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت بے اختیار چشم پُر آب ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیا چیز تھی جو ان کو اتنی جلدی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کر لے گئی وہ دو ہی باتیں تھیں ایک یہ کہ وہ نبی معصومؐ اپنی قوتِ قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادر مطلق حیّ قیوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب

نجاتؔ سے بھی تعبیر کرتے ہیں مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں اور اس پر مترتّب ﴿۳۰﴾
ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پالیتا ہے لیکن
جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر یک صداقت کے قبول کرنے سے اوّل قطعی اور یقینی

بقیہ حاشیہ

تاؔثیریں تھیں کہ جو ایک گروہ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں ﴿۳۰﴾
بلاشبہ یہ قرآنی تاثیریں خارق عادت ہیں کیونکہ کوئی دنیا میں بطور نظیر نہیں بتلا سکتا کہ کبھی
کسی کتاب نے ایسی تاثیر کی۔ کون اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے کہ کسی کتاب نے ایسی
عجیب تبدیل و اصلاح کی جیسی قرآن شریف نے کی وید تو خود تہید ست ہے اور ایک شخص
بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ جو کبھی اور کسی زمانہ میں بذریعہ تاثیرات وید کمالات باطنی تک پہنچا
ہو اور اس قدر تو وید کے پیرو خود اقرار کرتے ہیں کہ صرف وید کے چار رشی کمال تک پہنچے
ہیں وبس مگر چار کا کامل ہونا بھی بے ثبوت ہے سچ تو یہ ہے کہ وید کے ماننے والوں کو کبھی
اس قدر بھی نصیب نہیں ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو واحد لاشریک مان کر مبدءِ جمیع فیوض کا سمجھیں
اور اسی کے کامل القدرت ہاتھ کو ہر یک وجود کا موجد قرار دیں اور اس کے بھائی بند نہ بن
بیٹھیں اگر کوئی شخص اس بات کو برا مانیں تو اسی کی گردن پر ہے کہ تاثیرات طیبہ وید کو ثابت
کرکے دکھلا دے اور ان الزاموں کو اس کے سر پر سے اٹھا دے۔ جن سے ہندوؤں کے
پرمیشر کی کچھ بھی عزت باقی نہ رہی ہمیں وید سے کوئی بے وجہ عناد نہیں مگر ہم سچ سچ کہتے
ہیں اور ہم اپنے خدائے قادر مطلق کو گواہ رکھ کر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا اور کسی خدا ترس کا
دلی انصاف اس بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتا کہ جس کامل ذات کے برکت وجود سے
ذرہ ذرہ قائم ہے اور جو تمام دنیا کا مالک کہلاتا ہے اس کی بادشاہی صرف دوسروں کے
سہارے سے چلی آتی ہے نہ اپنی قدرت خاصہ سے اور تمام روحیں اور اجسام یونہی اتفاق اور
قسمت سے اس کو مل گئے ہیں نہ آپ پیدا کرنے سے اور اس کی خدائی اتفاقی ہے نہ حقیقی۔
اب وید سے مونہہ پھیر کر قرآن شریف کی طرف دیکھنا چاہیے کہ کیسی پاک تاثیریں رکھتا ہے

آور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اسی طرح پر جاری ہے اور یہ اس فن علم الٰہی کا نہایت باریک نکتہ ہے جس پر سعادت مندوں کو ﴿۳۱﴾

بقیہ حاشیہ

﴿۳۱﴾ لاکھوں مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکات الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولیٰ کریم سے ہو جاتا ہے خدائے تعالیٰ کے انوار اور الہام ان کے دلوں پر اترتے ہیں اور معارف اور نکات ان کے مونہہ سے نکلتے ہیں ایک قوی توکل ان کو عطا ہوتی ہے اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذّت وصال سے پرورش یاب ہے ان کے دلوں میں رکھی جاتی ہے اگر ان کے وجودوں کو ہاون مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حبّ الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا ان سے ناواقف اور وہ دنیا سے دورتر و بلندتر ہیں۔ خدا کے معاملات ان سے خارق عادت ہیں انہیں پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے۔ انہیں پر کھلا ہے کہ ایک ہے جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سنتا ہے۔ جب وہ پکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتا ہے جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے وہ باپوں سے زیادہ ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و روحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں اور وہ ہر یک میدان میں ان کی مدد کرتا ہے کیونکہ وہ اس کے اور وہ ان کا ہے۔ یہ باتیں بلا ثبوت نہیں اور ہم عنقریب رسالہ **سراج منیر** میں انشاء اللہ القدیر ایک کھلا کھلا ثبوت اس کا دکھلائیں گے لیکن ہم اس جگہ یہ ظاہر کرنا چاہیے☆ کہ کسی دوسرے دین میں یہ برکتیں ہرگز نہیں۔ وید نے اگر آریوں کے دلوں پر کچھ اثر ڈالا ہے تو وہ صرف گالیاں اور دشنام دہی ہے تمام مقدسوں کو فریبی کہنا سب پاک

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے" چاہتے ہیں "ہونا چاہیے۔ (ناشر)

غور کرنی چاہیے کہ ہمیشہ ثواب اور فیضان سماوی ایمان پر ہی مترتّب ہوتا ہے۔اس راہ کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان دین قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اس بے نیاز مطلق اوراس کی قدرت اوراس کے وعدووعیداوراس کے اخبارواسرار کے ماننے میں لمبے لمبے انکاروں سے مجتنب رہے کیونکہ ایمانی صورت کے قائم رکھنے کے لئے (جس پر تمام ثواب وابستہ ہے) ضرور تھا کہ خدائے تعالیٰ امور ایمانیہ کو ایسا منکشف نہ کرتا کہ وہ دوسرے بدیہات کی طرح ہریک عام اور خاص کی نظر میں مسلّم الوجود ہو جاتی۔ یہ تو سچ ہے کہ انسان مکلّف بوجہ عقل ہے نامعقول باتوں کو مان نہیں سکتا اور نہ درحالت انکار قابل الزام ٹھہرتا ہے لیکن خدا تمہیں ہدایت کرے تم خوب سوچ لو کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی نامعقول بات پر (جو عندالعقل اس کی قدرت اور طاقت سے بعید ہے) ایمان لانے کے لئے تمہیں مجبور نہیں کرتا۔اور ہمارے کسی لفظ سے یہ نہیں نکلتا کہ تم کسی ایسی بات پر ایمان لاؤ جو فی الحقیقت دوربین نظروں میں نامعقول ہے بلکہ ہماری تقریر کا مدعا اورلب لباب یہ ہے کہ ایمانی امور ایسے ہونے چاہییں کہ جو من وجہ ظاہر اور من وجہ مخفی ہوں اور امکانی طور پر عقل ان کا وجود باور تو کر سکے مگر دوسرے مشہودات ﴿۳۲﴾

بقیہ حاشیہ نبیوں کا نام مکار رکھنا دنیا کے برگزیدوں کو بجز اپنے تین یا چار وید کے رشیوں نامعلوم الوجود کو جھوٹا اور دغاباز اور ٹھگ قرار دینا انہیں لوگوں کا کام ہے کیا ان لوگوں کے مونہہ سے بجز بدظنیوں اور بدزبانیوں کے کبھی کچھ معارف الٰہی کے نکات بھی نکلے ہیں۔کیا بجز گندی باتوں اور نابکار خیالات یا تحقیر اور توہین اور ٹھٹھے اور ہنسی اور پرشرارت اور بدبودار لفظوں کے کبھی کوئی دقیق بھید معرفت الٰہی کا بھی ان کی زبان سے سنا گیا ہے۔کیا ان برتنوں سے کبھی کوئی صفادلی کا قطرہ بھی مترشح ہوا ہے یا انہوں نے باطنی پاکیزگی میں کچھ ترقی کی ہے ہرگز نہیں سو جو کچھ وید کا اثر ہے سو ظاہر ہے حاجت بیان نہیں۔ منہ۔ ﴿۳۲﴾

ومرئیات بدیہہ کی طرح ہاتھ پکڑ کر دکھلا نہ سکے یعنی انسان اور گدھے وغیرہ محسوس چیزوں کی طرح ان کا وجود نہ ہو جن کو ٹٹول کر معلوم کر سکیں یا بچشم خود دیکھ سکیں یا دکھا سکیں یا اشکال ہندسی اور اعمال حسابی کی طرح ایسے منکشف نہ ہوں جن میں دس دس برس کے بچے بھی اختلاف نہ کر سکیں۔ غرض وہ کیفیت ان میں محفوظ ہو جو ایمان کا مفہوم قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے اور پھر با ایں ہمہ بالغ نظروں اور حقیقت شناسوں کی نگاہوں میں نامعقول اور بعید از عقل بھی نہ ہوں۔ ﴿۳۳﴾

نہ چنداں بخور کز دہانت برائد نہ چنداں کہ از ضعف جانت برائد

اب خلاصہ و ماحصل اس تقریر کا یہ ہے کہ کسی مذہب کے قبول کرنے سے غرض یہ ہے کہ وہ طریق اختیار کیا جائے جس سے خدائے غنی مطلق جو مخلوق اور مخلوق کی عبادت سے بکلی بے نیاز ہے راضی ہو جائے اور اس کے فیوض رحمت اترنے شروع ہو جائیں جن سے اندرونی آلائشیں دور ہو کر صحن سینہ یقین اور معرفت سے پر ہو جائے سو یہ تدبیر اپنی فکر سے پیدا کرنا انسان کا کام نہیں تھا۔ اس لئے اللہ جلّ شانہ نے اپنے وجود اور اپنے عجائبات قدرت خالقیت یعنی ارواح و اجسام و ملائک و دوزخ و بہشت و بعث و حشر و رسالت و دیگر تمام اسرار مبدء و معاد کو یکساں طور پر پردہ غیب میں رکھ کر اور کچھ کچھ قیاسی یا امکانی طور پر عقل کو اس کوچہ میں گزر بھی دے کر غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ چھپا کر بندوں کو ان سب باتوں پر ایمان لانے کے لئے مامور کیا اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ جب بندہ باوجود کش مکش مخالفانہ خیالات کے خدائے تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لائے گا اور سب عجائبات اخروی و وجود دوزخ و بہشت و ملائک وغیرہ کو اس کی قدرت میں داخل سمجھ کر دیکھنے سے پہلے ہی قبول کرلے گا تو یہ قبول کرنا اس کے حق میں صدق شمار کیا جائے گا کیونکہ ہنوز یہ چیزیں در پردہ غیب ہیں اور مرئی اور مشہود طور پر نمایاں اور ظاہر نہیں ہیں سو یہ صدق خدائے تعالیٰ کی توجہ رحمت کے لئے ایک موجب ہو جائے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ بوجہ اپنی استغنا ذاتی کے انہیں لوگوں پر توجہ رحمت کرتا ہے جن کا صدق ظاہر ہوتا ہے۔ یوں تو انسان کی

فطرتی عادت ہے کہ جو چیز کھلے کھلے طور پر مضر یا مفید ہو اس سے بہ نفرت بھاگتا یا اس کے لینے کو ﴿۳۴﴾
بصد رغبت دوڑتا ہے یعنی جیسی صورت ہو لیکن وہ اپنی اس عادت سے کسی ثواب کا مستحق نہیں
ٹھہر سکتا اگر کوئی شخص بجلی سے ڈر کر اپنے کوٹھے میں چھپ جائے یا شیر سے خوف کھا کر اپنے شہر
کی طرف بھاگے تو وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے بجلی یا شیر میں نے تم سے خوف کیا تم مجھ سے
راضی ہو جاؤ۔ سو ظاہر ہے کہ جو ڈرنا یا امید کرنا ضروری طور پر لازم آتا ہے وہ کسی تحسین یا
آفرین کا موجب نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی وجہ سے لازم ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ اور اس کے
عجائبات آخر کو مان کر رضامندی الٰہی کا خواہشمند ہے وہ ان سب چیزوں کے ماننے میں بے جا
اڑوں سے پرہیز کرے اور جہاں تک ممکن ہو مطالبہ دلائل میں نرمی اختیار کر کے فقط اتنا کرے
کہ ایک راہ کو دوسری راہوں پر ترجیح دیکھ لے اور ایسے یقینی ثبوت کے لئے کہ جیسے چار کا نصف
دو ہے اپنی نابالغ عقل کو آوارہ اور سرگرداں نہ ہونے دے بلکہ تمام تر سعادت تو اس میں ہے کہ
غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کرے اور ظاہری حواس کی خواہ نخواہ شہادت طلب
کرنے سے اور فلسفہ کے طول طویل اور لاطائل جھگڑوں سے حتی الوسع اپنے تئیں بچاوے
کیونکہ اگر خدا کو دیکھ کر ہی یا انتہائی تحقیقات سے ہی قبول کرنا ہے اور جزا سزا کو تجربہ کر کے ہی
ماننا ہے تو پھر ایسے ماننے میں کون سی خاص فضیلت یا صدق پایا جاتا ہے اس طرح پر کون ہے جو
قبول نہیں کرتا۔ دنیا میں ایسی طبیعت کا کوئی بھی آدمی نہیں کہ اگر اس کو پورا پورا ثبوت خدا کی
ہستی یا عالم مجازات یا عجائبات قدرت کامل جائے تو پھر وہ منکر ہی رہے مثلاً اگر خدائے تعالیٰ
ہر یک انسان کو نظر آ جائے اور سب کو اپنی خدائی قدرتیں دکھلا دے یا اگر مثلاً ایسا ہو کہ دس بیس
ہزار آدمی ہر یک قوم اور ہر یک ملک کی قبروں سے اٹھ کر اپنی اپنی قوم اور قبیلہ میں آ جائیں اور
اپنے اپنے بیٹوں اور پوتوں کو خدا اور اس کی سزا و جزا کی ساری حقیقت سنا دیں تو پھر ممکن
نہیں کہ پھر بھی کوئی شخص کافر اور بے دین رہ جائے۔ اب اس جگہ بالطبع سوال ہوتا ہے کہ جس
حالت میں خدائے تعالیٰ ان باتوں کے کرنے پر قادر تھا اور اس پختہ ثبوت سے کفر اور بے دینی
کی جڑھ کاٹی جاتی تھی تو پھر اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ اگر وہ ایسا کرتا تو پھر حق اور

باطل کا بکمال صفائی فیصلہ ہو جاتا اور فلسفہ کی نکمّی اور بودی اور ظنّی اور وہمی دلائل کی کچھ ﴿۳۵﴾
حاجت نہ رہتی تو اس کا جواب یہی ہے کہ جو اوپر گزر چکا یعنی بے شبہ خدائے تعالیٰ ایسا کر سکتا
تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسا جلوۂ دیدار دکھا سکتا تھا کہ ایک ہی تجلّی سے سب گردنیں جھک
جاتیں اور ایک ہی دفعہ تمام دنیا کی دینی نزاعوں کا تصفیہ ہو جاتا لیکن ایسا کرنے میں وہ بات
جس سے ثواب ملتا ہے اور صادقوں کو مراتب عالیہ اور قرب اور وجاہت عطا کی جاتی ہے وہ
باقی نہ رہتی یعنی ایمان بالغیب جس کی وجہ سے درجات اخروی ملتے ہیں وہ اپنی صورت میں
محفوظ نہ رہتا۔ سو یہ بڑے بھاری درجہ کی صداقت ہے جو سوال مذکورہ بالا پر غور کرنے سے
ہر یک اعلیٰ وادنیٰ کو سمجھ آ سکتی ہے۔ غرض ایمان پر ثواب اور اجر ملنے کا یہی بھید ہے کہ جن
چیزوں پر ایمان لایا جاتا ہے وہ اگرچہ غور اور نظر کرنے سے صحیح اور راست ہیں۔ لیکن ان
کا ثبوت ایسا کھلا کھلا ثبوت نہیں ہے جیسے اور مشہودات اور محسوسات کا ہوا کرتا ہے بلکہ
ایمان بالغیب کی حد میں ہیں سو صادق آدمی جب خدا اور اس کی سزا و جزا وغیرہ امور غیبیہ پر
ایمان لاتا ہے تو اس ایمان میں بوجہ انواع اقسام کے اوہام اور نفس امارہ کی چارطرفہ
کشاکش کی سخت آزمائش میں پڑتا ہے۔ آخر چونکہ وہ صادق ہوتا ہے اس لئے سب راہیں
چھوڑ کر اور سب خیالات پر غالب آ کر اسی رب رحیم کی راہ اختیار کر لیتا ہے اور اس صدق
کی برکت سے کہ وہ اپنے علم سے زیادہ رجوع اور اپنی واقفیت سے زیادہ وفا اور اپنے تجربہ
سے زیادہ استحکام اختیار کرتا ہے۔ جناب الٰہی میں قبول کیا جاتا ہے۔ اور پھر اسی صدق وصفا
کی برکت سے عرفانی آنکھیں اس کو عنایت ہوتی ہیں اور ربّانی لذت اور محبت اس کو عطا کی
جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ تک جا پہنچتا ہے جہاں تک انسانی کمالات ختم ہو جاتے
ہیں مگر یہ سب کچھ کامل طور پر پیچھے سے ملتا ہے پہلے نہیں۔ یہ تو معرفت صحیحہ تک پہنچنے کے لئے
سنت اللہ یا یوں کہو کہ قانون قدرت ہے لیکن اس زمانہ کے خشک فلسفیوں نے اس صداقت
پر ایک ذرّہ اطلاع نہیں پائی ☆ اور وہ بالکل اس بات سے بے خبر ہیں کہ کیونکر انسان

☆ **حاشیہ:** جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ اور عالم مجازات اور دیگر امور مبدء اور معاد کے ماننے میں

﴿۳۶﴾ ایماؔن کے محکم اور استوار زینہ سے عرفان کے بلند مینار تک پہنچتا ہے اور اسی بے خبری کی وجہ سے ان میں اپنے قدم اول میں ہی تعجیل اور جلدی بھری ہوئی ہے اور نہایت شتاب کاری سے علم دین کو ایک ادنیٰ سا کام اور ایک ناکارہ ہنر سمجھ کر یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ مذہب کے تمام اصول وفروع کو اپنی ابتدائی حالت میں ہی بغیر انتظار دوسرے حالات مترقّبۂ کمالات فطرت کے اس طرح پر دریافت کرلیں جیسے کوئی ہندسہ یا حساب کا مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے اور اگر کوئی دقیقۂ دینی اس حد کے انکشاف تک نہ پہنچ سکے تو اس کی نسبت صاف حکم صادر کردیں کہ یہ سراسر باطل اور پیرایہ صداقت سے خالی ہے مگر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ ایمانی حکمت کا طریق نہیں ہے۔

﴿۳۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

فلسفیوؔں کا طریقہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے نبیوں کے طریق کا اصلِ اعظم یہ ہے کہ ایمان کا ثواب تب مترتب اور بارور ہوگا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے اور ظاہری حواس کی کھلی کھلی شہادتیں یا دلائل ہندسیہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں کیونکہ تمام وکمال مدار ثواب اور استحقاقِ قرب وتوصّل الٰہی کا تقویٰ پر ہے اور تقویٰ کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر ہر جزئی کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے اور صرف دور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رجحان دیکھ کر بحسن ظن قبول کر لیتا ہے۔ اسی بات کا نام ایمان ہے اور اسی ایمان پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے اور دنیا وآخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے اور پھر دعا اور نماز اور فکر اور نظر سے اپنی حالت علمی میں ترقی چاہتا ہے تو خدائے تعالیٰ خود اس کا متولّی ہوکر اور آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر درجۂ ایمان سے درجۂ عین الیقین تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت ومجاہدات و

﴿۳۷﴾ بلکہ انسانی ظلمت یا شیطانی رعونت کی ایک تاریکی ہے کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا اور مذہب کے تمام اجزاء اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے پہلے ہی سے اظہر من الشّمس اور بدیہی اور بیّن الانکشاف ہوتے یا اشکال ہندسی اور حساب کے اعمال کی طرح قطعی الثبوت دکھائی دیتے تو پھر اس حالت میں ایمان ایمان نہ رہتا اور جو ایمان لانے پر ثواب اور سعادتیں اور برکتیں مترتب ہوتی ہیں ان کو انسان ہرگز نہ پا سکتا کیونکہ ظاہر ہے کہ بیّن الحقیقت اور ظاہر الوجود باتوں کو مان لینا ایمان نہیں ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں اس بات پر ایمان لایا کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے اور ہر ایک انسان آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا اور مونہہ سے کھاتا اور پاؤں سے چلتا ہے اور میں اس

﴿۳۷﴾ **بقیہ حاشیہ** ریاضات وتزکیہ وتصفیہ نفس ملتا ہے پہلے نہیں اور جو شخص پہلے ہی تمام جزئیات کی بکلی صفائی کرنا چاہتا ہے اور قبل از صفائی اپنے بدعقائد اور بداعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان ہے جب تک وہ امور جن کو مانا گیا ہے کسی قدر پردۂ غیب میں ہیں یعنی ایسی حالت پر واقعہ ہیں جو ابھی تک عقلی ثبوت نے ان پر احاطہ تام نہیں کیا اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئی بلکہ ان کا ثبوت صرف غلبۂ ظن تک پہنچا ہے وبس۔

یہ تو انبیا کا سچا فلسفہ ہے جس پر قدم مارنے سے کروڑہا بندگان خدا آسمانی برکتیں پا چکے ہیں اور جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے بے شمار خلق اللہ معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں اور ہمیشہ پہنچتی ہیں اور جن اعلیٰ درجہ کے تعینیوں کو شوخی اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈھا اور نہ پایا وہ سب مراتب ان ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اس کو نہیں سنا۔

﴿۳۸﴾ باتؔ پر ایمان لایا کہ آفتاب اور قمر موجود ہیں اور زمین پر بہت سے جمادات اور نباتات اور حیوانات پائے جاتے ہیں تو ایسا ایمان لانا ایک ہنسی کی بات ہے نہ کہ ایمان اور اسی وجہ سے بدیہی اور کھلی کھلی باتوں کو ماننا عنداللہ وعندالعقلاء ثواب پانے کا موجب نہیں ٹھہر سکتا بلکہ ایمان وہ شے ہے کہ جن باتوں کو عقل قبول تو کرتی ہے مگر بوجہ در پردہ غیب ہونے کے جیسا کہ چاہیے ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی ان باتوں میں اپنی فراست فطرتی سے کچھ ترجیح یعنی آثارِ صداقت دیکھ کر اور کسی قدر دلائل عقلیہ کا غلبہ اس طرف پاکر اور پھر خدا کے کلام کو اس پر شاہد ناطق و صادق معلوم کر کے ان باتوں کو مان لیا جائے یہی ایمان ہے جو ذریعہ خوشنودی خداوند کریم

﴿۳۸﴾ **بقیہ حاشیہ** اورؔ نہ اس کی آنکھ نے دیکھا اور نہ کبھی اس کے دل میں گزرا۔ لیکن اس کے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھوٹا اور مغشوش فلسفہ جس پر آج کل کے نوتعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں اور جس کے بدنتائج کی بے خبری نے بہت سے سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے ۔ یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے اور بکلی اس کا انکشاف نہ ہو جائے تب تک اس کو ہرگز ماننا نہیں چاہیے گو خدا ہو یا کوئی اور چیز ہو ۔ ان میں سے اعلیٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنہوں نے ان اصولوں کی سخت پابندی اختیار کی تھی انہوں نے اپنا نام محققین رکھا جن کا دوسرا نام دہریہ بھی ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا بہ پابندی اپنے اصول قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے کہ چونکہ خدائے تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعہ عقل ثابت نہیں ہوسکتا اور نہ ہم نے اس کو بچشم خود دیکھا اس لئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے جو اصول متقررہ فلسفہ سے بکلی بعید ہے سو انہوں نے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کو درمیان سے اڑایا۔ پھر فرشتوں کا یوں فیصلہ کیا کہ یہ بھی خدائے تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے چلو یہ بھی درمیان سے اٹھاؤ۔ پھر روحوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے

﴿۳۹﴾ جلّ شانہٗ ہو جاتا ہے اور بعد اس کے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں مرتبہ ایقان ہے اور پھر اس کے بعد مرتبہ عرفان کا ہے یعنی جبکہ بندہ ایسی باتوں کو مان لیتا ہے جن کو اس کی عقل امکان یا جواز یا وجوب کی صورت میں قبول تو کر لیتی ہے مگر انکشاف کلّی کے طور پر ان پر احاطہ نہیں کر سکتے تو خدائے تعالیٰ کی نظر میں وہ شخص صادق ٹھہر جاتا ہے اور حضرت خداوند کریم عزّ اسمہٗ بہ برکت اس ایمان کے عرفان کا مرتبہ اس کو عطا کر دیتا ہے یعنی اپنی طرف سے علم و معرفت و سکینت اس پر نازل کرتا ہے اور کشفی اور الہامی نوروں سے وہ بقیہ ظلمت بھی اٹھا دیتا ہے جس کے اٹھانے سے عقل دود آمیز عاجز رہ گئی تھی اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے جیسے انسان کی فطرت میں مبادی امور کے کسی قدر سمجھنے

بقیہ حاشیہ

﴿۳۹﴾ ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابل اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے روح باقی رہ جاتی ہے نہ کوئی روح نظر آتی ہے اور نہ واپس آ کر کچھ اپنا قصہ سناتی ہے بلکہ سب روحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر و بے نشان ہیں سو ان کا بھی وجود ماننا خلاف دلیل و برہان ہے۔ ان سب فیصلوں کے بعد ان کی نظر عمیق نے تکالیف شرعیہ کی مشقت اور حلال حرام کا فرق اصول فلسفہ کا سخت مخالف سمجھا۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اور چیزوں میں سے بلا ثبوت ضرر طبی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں طبی قواعد کے رو سے فوائد ہیں۔ اسی طرح ان فلاسفروں کے اور بھی مسائل ہیں۔ اور خلاصہ ان کے مذہب کا یہی ہے کہ وہ بجز دلائل قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے اور ان کی فلسفیانہ نگاہ میں گو کیسی کوئی بدعملی ہو جب تک براہین قطعیہ فلسفیہ سے اس کا بد ہونا ثابت نہ ہو لے یعنے جب تک اس میں کوئی طبی ضرر یا دنیوی بدانتظامی متصور

﴿۴۰﴾ کے لئے ایک عقلی قوت رکھی ہے اسی طرح انسان میں کشف اور الہام کے پانے کی بھی ایک قوت مخفی ہے جب عقلِ انسانی اپنی حد مقررہ تک چل کر آگے قدم رکھنے سے رہ جاتی ہے تو اس جگہ خدائے تعالیٰ اپنے صادق اور وفادار بندوں کو کمال عرفان اور یقین تک پہنچانے کی غرض سے الہام اور کشف سے دستگیری فرماتا ہے اور جو منزلیں بذریعہ عقل طے کرنے سے رہ گئی تھیں اب وہ بذریعہ کشف اور الہام طے ہو جاتی ہیں اور سالکین مرتبہ **عین الیقین** بلکہ **حقّ الیقین** تک پہنچ جاتے ہیں یہی سنت اللہ اور عادت اللہ ہے جس کی رہنمائی کے لئے تمام پاک نبی دنیا میں آئے ہیں اور جس پر چلنے کے بغیر کوئی شخص سچی اور کامل معرفت تک نہیں پہنچا مگر کم بخت خشک فلسفی کو کچھ ایسی جلدی ہوتی ہے کہ وہ یہی ﴿۴۱﴾

بقیہ حاشیہ ﴿۴۰﴾

نہ ہوتب تک اس کا ترک کرنا بے جا ہے مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں انہوں نے لوگوں کے لعن طعن سے اندیشہ کر کے اپنے فلاسفری اصولوں کو کچھ نرم کر دیا ہے اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالم جزا اور دوسری کئی باتوں کو ظنی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفران کو سخت نالائق اور بدفہم اور غبی الطبع اور بزدل اور اپنی سوسائٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن اصول فلسفہ پر جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے۔ اس لئے اول درجہ کے فلاسفر اس بات سے عار رکھتے ہیں کہ ان ناقصوں کو فلاسفر کے باعزّت لفظ سے مخاطب یا موسوم کیا جائے کیونکہ انہوں نے کچھ کچھ تو فلسفہ کے طریقہ پر قدم مارا اور کچھ عام لوگوں کی ملامت لعنت سے ڈر کر نبیوں کے عقائد میں بھی (جو فلسفیوں کے منشاء کے موافق قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتے) ٹانگ اڑا دی اس لئے یہ لوگ ان کی نظر میں نیم حکیم ہیں حقیقی فلاسفر نہیں ہاں ممکن بلکہ قرین قیاس ہے اور امید کی جاتی ہے کہ جیسے جیسے ایک سخت جوش قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت عقلی طلب کرنے کا ان کے مستعد اور ہونہار لوگوں کے دلوں میں آتا جائے گا۔ ویسی ویسی وہ کسریں

چاہتا ہے کہ جو کچھ کھلنا ہے وہ عقلی مرتبہ پر ہی کھل جائے اور نہیں جانتا کہ عقل انسانی اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور نہ طاقت سے آگے قدم رکھ سکتی ہے اور نہ اس بات کی طرف فکر دوڑاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو اس کے کمالات مطلوبہ تک پہنچانے کے لئے صرف جوہرِ عقل ہی عطا نہیں کیا بلکہ کشف اور الہام پانے کی قوت بھی اس کی فطرت میں رکھی ہے سو جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے وسائل خدا شناسی انسان کی سرشت کو عطا کئے ہیں۔ ان وسائل میں سے صرف ایک ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کے وسیلہ کو استعمال میں لانا اور باقی وسائل خدا شناسی سے بکلّی بے خبر رہنا بڑی بھاری بدنصیبی ہے اور ان قوتوں کو ہمیشہ بیکار رکھ کر ضائع کر دینا اور ان سے فائدہ نہ اٹھانا پرلے درجہ کی بے سمجھی ہے سو ایسا شخص سچا فلسفی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو کشف اور الہام پانے کی قوت کو معطل اور بیکار چھوڑتا ہے بلکہ اس سے انکار کرتا ہے حالانکہ ہزاروں مقدسوں کی شہادت سے کشف اور الہام کا پایا جانا بہ پایہ ثبوت پہنچ چکا ہے اور تمام سچے عارف اسی طریق سے معرفت کاملہ تک

بقیہ حاشیہ

۴۱ جو باقی رہ گئے ہیں ان کے خیالات سے وہ سب نکل جائیں گے اور عقائد اور اعمال میں پوری پوری مطابقت اپنے بڑے بھائیوں سے کر لیں گے تب وہ شیطانی اور ظلمانی دو کالے پانی دنیا کے برباد کرنے کے لئے ایک ہی ہو کر بہیں گے اور اگر آئندہ ذرّیت میں فلسفہ نے ترقی کی تو وہ بجائے اس کے کہ حال کے فلسفیوں کی طرح یہ سوال کریں کہ اگر ملائک یا شیاطین کچھ چیز ہیں تو ہمیں دکھلاؤ یہ اعلیٰ درجہ کے سوالات کریں گے کہ اگر خدا اور اس کی قدرتیں کچھ چیز ہیں تو ہمیں ظاہر ظاہر بلا واسطہ اسباب دکھاؤ اور اگر روحیں بعد مفارقت بدن باقی رہ جاتی ہیں اور ان کا وجود بھی کچھ چیز ہے تو وہ بھی ہمیں دکھلاؤ غرض جیسے جیسے ان نوآموزوں کے فلسفہ میں صیقل ہوتا جائے گا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سوال ان کے دلوں میں پیدا ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ اوّل درجہ کے فلاسفروں سے ہاتھ جا ملائیں گے۔ ابھی تو حال کچا اور خیال بھی کچا ہے۔ منہ

پہنچے ہیں۔ آریہ مت والے جن کا دھرم دلی روشنی سے علاقہ نہیں رکھتا وہ کشف اور ایسے الہام سے تو ﴿۴۲﴾
قطعاً منکر ہیں جو امور غیبیہ اور خوارق اعجازیہ پر مشتمل ہو بقول ان کے وید پیشگوئیوں سے بکلّی خالی اور قدرتی نشانوں سے بکلّی تہیدست ہے مگر بااین ہمہ پھر بھی الہامی کتاب وید ہی کو مانتے ہیں۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام اس کی صفات کمالیہ کا آئینہ ہونا چاہئے یہ انوار الٰہی وید میں ثابت نہیں کر سکتے بلکہ اپنے ہی مونہہ سے اقرار کرتے ہیں کہ ان کا وید اخبارِ غیب اور اسرارِ قدرت سے بکلّی عاری اور عاجز ہے لیکن ان سب خرابیوں کے ساتھ اس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ الہام الٰہی وید ہی پر ختم ہے وہ ہمیشہ کے کشف اور الہام سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف چار آدمیوں کو جن پر وید اترا یہ قوت الہامی بوجہ ان کے نیک اعمال کے قدرت نے عطا کی تھی مگر بعد ان کے کسی کو نہیں ملی گویا وہ چار آدمی ایک انوکھی پیدائش کے تھے جن سے باقی جمیع بنی آدم کو ان کی فطرت یا عمل کے رُو سے کچھ مناسبت نہیں سو یہ قوم روحانی اندھا ہونے پر راضی ہے ہاں آج کل عقل عقل تو پکارتے ہیں اور قانون قدرت بھی کسی کے مونہہ سے سن لیا ہے تب ہی تو لالہ مرلیدھر صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ شق القمر قانون قدرت کے برخلاف ہے مگر ہمیں لالہ صاحب موصوف کے اس تقلیدی اعتراض پر نظر کر کے بڑا ہی افسوس آتا ہے کاش انہوں نے کہیں سے یہ بھی سنا ہوتا کہ خدائے تعالیٰ کی خدائی اور الوہیت اس کی قدرت غیر محدودہ اور اسرار نامعدودہ سے وابستہ ہے جس کو قانون کے طور پر کسی حد کے اندر گھیر لینا انسان کا کام نہیں ہے خداشناسی کے لئے یہ بڑا بھاری بنیادی مسئلہ ہے کہ خدائے ذوالجلال کی قدرتیں اور حکمتیں بے انتہا ہیں اس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے اور اس پر عمیق غور کرنے سے سب الجھاؤ اور پیچ خیالات کا رفع ہو جاتا ہے اور سیدھا راہ حق شناسی اور حق پرستی کا نظر آنے لگتا ہے۔ ہم اس جگہ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ ہمیشہ اپنی ازلی ابدی صفات کے موافق کام کرتا ہے اور اگر ہم دوسرے لفظوں میں انہیں ازلی ابدی صفات پر چلنے کا نام قانون الٰہی رکھیں تو بے جا نہیں مگر ہمارا کلام اور بحث اس میں ہے کہ وہ آثار صفات ازلی ابدی یا یوں کہو کہ وہ قانون قدیم الٰہی محدود یا معدود کیوں مانا جائے ہاں بے شک یہ تو ہم مانتے ہیں اور مان لینا چاہیے کہ جو کچھ صفتیں جناب الٰہی کی ذات میں موجود ہیں انہیں صفات

غیر محدود کے آثار اپنے اپنے وقتوں میں ظہور میں آتے ہیں نہ کوئی امر ان کا غیر اور وہ صفات ﴿۴۳﴾
ہر یک مخلوق ارضی وسماوی پر مؤثر ہو رہی ہیں اور انہیں آثار الصفات کا نام سنت اللہ یا قانون قدرت
ہے مگر چونکہ خدائے تعالیٰ معہ اپنی صفات کاملہ کے غیر محدود اور غیر متناہی ہے اس لئے ہماری
بڑی نادانی ہوگی اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ اس کے آثار الصّفات یعنی قوانین قدرت باندازہ
ہمارے تجربہ یا فہم یا مشاہدہ کے ہیں اس سے بڑھ کر نہیں۔ آج کل کے فلسفی الطبع لوگوں کی یہ
بڑی بھاری غلطی ہے کہ اول وہ قانون قدرت کو ایسا سمجھ بیٹھے ہیں جس کی من کل الوجوہ
حد بست ہو چکی ہے۔ اور پھر بعد اس کے جو امر نیا پیش آئے اس کو ہرگز نہیں مانتے اور ظاہر
ہے کہ اس خیال کی بنا راستی پر نہیں ہے اور اگر یہی سچ ہوتا تو پھر کسی نئی بات کے ماننے کے
لئے کوئی سبیل باقی نہ رہتا اور امور جدیدہ کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جاتا کیونکہ اس صورت
میں ہر یک نیا فعل بصورت نقض قوانین طبعی نظر آئے گا اور اس کے ترک کرنے سے ناحق
ایک جدید صداقت کو ترک کرنا پڑے گا یہی وجہ ہے کہ یہ منحوس اصول آج تک دکھانے کے
ہی دانت رہے ہیں نہ کھانے کے اور امور جدیدہ کا قوی ظہور اس قاعدہ کی تار و پود کو ہمیشہ توڑتا
رہا ہے جب کسی زمانہ میں کوئی جدید خاصہ متعلق علم طبعی یا ہیئت وغیرہ علوم کے متعلق ظہور پکڑتا
رہا ہے تو ایک مرتبہ فلسفہ کے شیش محل پر ایک سخت بھونچال کا موجب ہوا ہے جس سے متکبر
فلسفیوں کا شور شرارہ کچھ عرصہ کے واسطے فرو ہوتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے
خیالات ہمیشہ پلٹے کھاتے رہے ہیں اور کبھی ایک ہی صورت یا ایک ہی نقشہ پر ہرگز قائم نہیں
رہے اگر کوئی صفحات تاریخ زمانہ میں واقعات سوانح عمری حکماء پر غور کرے تو اس کو معلوم
ہو جائے گا کہ ان کے خیالات کی ٹرین کتنی مختلف سڑکوں یا یہ کہ کس قدر متناقض چالوں پر چلی
ہے اور کیسے داغ خجالت اور ندامت کے ساتھ ایک رائے کو دوسری رائے سے تبدیل کرتے
آئے ہیں اور کیونکر انہوں نے ایک مدت دراز تک کسی بات کا انکار کر کے اور قانون قدرت
سے اس کو باہر سمجھ کر آخر نہایت متندمانہ حالت میں اسی بات کو قبول کر لیا ہے سو اس تبدیل
آراء کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ جو کچھ انہوں نے سمجھ رکھا تھا وہ ایک ظنی بات تھی جس کی

﴿۴۴﴾ مشاہدات جدیدہ نے تکذیب کی۔ سو جن شکلوں اور حالتوں میں وہ مشاہدات جدیدہ جلوہ گر ہوئے انہیں کے موافق ان کی راؤں کی پٹڑی بدلتی اور الٹتی پلٹتی رہی اور جدھر تجارب جدیدہ کا رخ پلٹتا رہا ادھر ہی ان کے خیالات کی ہوائیں پلٹا کھاتی رہیں غرض فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ امور جدید الظہور کے ہاتھ میں رہی ہے اور اب بھی بہت کچھ ان کی نظروں سے چھپا ہوا ہے جس کی نسبت امید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ ٹھوکریں کھا کھا کر اور طرح طرح کی رسوائیاں اٹھا اٹھا کر کسی نہ کسی وقت قبول کریں گے کیونکہ قوانینِ قدرت انسانی عقل کے دفتر میں ابھی تک ایسے منضبط نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں جن پر نظر کر کے نئی تحقیقاتوں سے نوامیدی ہو۔ کیا کوئی عقلمند خیال کر سکتا ہے کہ انسان دنیا کے مکتب خانہ میں باوجود اپنی اس قدر عمر قلیل کے تحصیل اسرارِ ازلی ابدی سے بکلّی فراغت پا چکا ہے اور اب اس کا تجربہ عجائبات الٰہیہ پر ایسا محیط ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس کے تجربہ سے باہر ہو وہ فی الحقیقت خدائے تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے میں جانتا ہوں کہ ایسا خیال بجز ایک بے شرم اور ابلہ آدمی کے کوئی دانشمند نہیں کر سکتا۔ فلاسفروں میں سے جو واقعی نیک دانا اور سچے روحانی آدمی گزرے ہیں انہوں نے خود تسلیم کر لیا کہ ہمارے خیالات جو محدود اور منقبض ہیں خدا اور اس کے بے انتہا بھیدوں اور حکمتوں کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے بارہا فلاسفروں نے اپنی راؤں میں ندامتیں اٹھائیں اور صدہا خواص قاعدہ طبعی کے برخلاف اور قوانین طبعیہ کے نقیض ہو کر پھر مشاہدہ کے رو سے ثابت ہو گئے تو آخر وہ ماننے ہی پڑے اور علوم طبعی یا ہیئت کی وہاں کچھ پیش نہ گئی۔ ہاں بعض سوانح عجیبہ جو تاریخی طور پر ثابت کی جاتی ہیں جیسے یہی معجزہ شق القمر جو لالہ مرلیدھر صاحب کی نظر میں پرمیشر کے ازلی ابدی قانون قدرت کے برخلاف ہے ایسے سوانحہ پر یقین لانا یا نہ لانا اپنے علم وسیع یا محدود پر موقوف ہے یہ حجّت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ واقعہ علوم طبعی یا ہیئت کے برخلاف ہے کیونکہ قدرتِ قدیمہ کاملہ کے موافق یا مخالف ہونا بعد احاطۂ قدرت کے معلوم ہو سکتا ہے اس لئے یہ علوم ناقصہ ہیئت و طبعی جو ہمارے دفتروں میں منضبط ہیں وہ اس تعریف کے ہرگز لائق نہیں جو انہوں نے کوئی دقیقہ اور کوئی امر تہ میں چھپا ہوا

نہیں چھوڑا اور نہ ایسا بھروسہ ان پر کرنا عقلمندی ہے۔ خواص جدید الظہور کا ایک عجیب کرشمہ ﴿۴۵﴾
ہے جو ہمیشہ قیاسی علوم کی بربادی اور بے عزتی کرتا رہا ہے اور کرے گا اور جس طرح ہمارے زمانہ نے ایسے علوم جدیدہ پائے جن سے پہلے لوگ بے خبری میں گزر گئے یا باطل کو حق کہتے سو گئے ایسا ہی ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ آنے والی ذریت اس زمانہ کی غلطیاں نکالے اور وہ باتیں ان پر ظاہر ہوں جو اس زمانہ پر ظاہر نہیں ہوئیں آسمان تو آسمان ہے زمین کے خواص جاننے سے ابھی کب فراغت ہو چکی ہے۔

تو کارِ زمین را نکو ساختی — کہ با آسمان نیز پرداختی

غرض علوم جدیدہ کا سلسلہ منقطع ہوتا نظر نہیں آتا شق القمر کے ایک تاریخی واقعہ سے کیوں اتنا نفرت یا تعجب کرو۔ گزشتہ دنوں میں تو جس کو کچھ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے ایک یورپین فلاسفر کو سورج کے ٹوٹنے کی ہی فکر پڑ گئی تھی پھر شاید شگاف ہو کر مل گیا۔ فلاسفروں کو ابھی بہت کچھ سمجھنا اور معلوم کرنا باقی ہے۔ کے آمدی کے پیر شدی۔ ابھی تو نام خدا ہے غنچہ صبا تو چھو بھی نہیں گئی ہے یہ نہایت محقق صداقت ہے کہ ہر یک چیز اپنے اندر ایک ایسی خاصیت رکھتی ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی غیر متناہی قدرتوں سے اثر پذیر ہوتی رہی سو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواص اشیاء ختم نہیں ہو سکتے گو ہم ان پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں اگر ایک دانہ خشخاش کے خواص تحقیق کرنے کے لئے تمام فلاسفر اولین و آخرین قیامت تک اپنی دماغی قوتیں خرچ کریں تو کوئی عقلمند ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ وہ ان خواص پر احاطہ تام کر لیں سو یہ خیال کہ اجرام علوی یا اجسام سفلی کے خواص جس قدر بذریعہ علم ہیئت یا طبعی دریافت ہو چکے ہیں اسی قدر پر ختم ہیں اس سے زیادہ کوئی بے سمجھی کی بات نہیں۔

اب خلاصہ اس تمام مقدمہ کا یہ ہے کہ قانون قدرت کوئی ایسی شئے نہیں ہے کہ ایک حقیقت ثابت شدہ کے آگے ٹھہر سکے کیونکہ قانون قدرت خدائے تعالیٰ کے ان افعال سے مراد ہے جو قدرتی طور پر ظہور میں آئے یا آئندہ آئیں گے لیکن چونکہ ابھی خدائے تعالیٰ اپنی قدرتوں کے دکھلانے سے تھک نہیں گیا ہے اور نہ یہ کہ اب قدرت نمائی سے بے زور ہو گیا ہے یا سو گیا ہے یا کسی طرف کو

﴿۴۶﴾ کھسک گیا ہے یا کسی خارجی قاسر سے مجبور کیا گیا ہے اور مجبوراً آئندہ کے عجائب کاموں سے دستکش ہو گیا ہے اور ہمارے لئے وہی چند صدیوں کی کارگزاری (یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ لو) چھوڑ گیا ہے اس لئے ساری عقلمندی اور حکمت اور فلسفیت اور ادب اور تعلیم اسی میں ہے کہ ہم چند موجودہ مشہودہ قدرتوں کو جن میں ابھی صدہا طور کا اجمال باقی ہے مجموعہ قوانین قدرت خیال نہ کر بیٹھیں اور اس پر نادان لوگوں کی طرح ضد نہ کریں کہ ہمارے مشاہدات سے خدائے تعالیٰ کا فعل ہرگز تجاوز نہیں کر سکتا کیونکہ یہ صرف احمقانہ دعویٰ ہے جو ہرگز ثابت نہیں کیا گیا اور نہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے مانا کہ مذہب نیچر کا نقیض نہیں ہے مگر یہ آپ کیونکر ہم سے تسلیم کراتے ہیں کہ سب خواص نیچر یہ پر انسان محیط ہو چکا ہے کیا اس پر کوئی دلیل بھی ہے یا نرا تحکم ہی سے مونہہ بند کرنا چاہتے ہیں یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر تجارب و مشاہدات جو آج تک قلمبند ہو چکے ہیں صحیح اور کامل ہوتے تو علوم جدیدہ کو قدم رکھنے کی جگہ نہ رہتی حالانکہ آپ لوگ بھی کہا کرتے ہیں کہ علوم جدیدہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے میں سوچ میں ہوں کہ کیونکر ایسی چیزیں کامل اور قطعی طور پر مقیاس الصّداقت یا میزان الحق ٹھہر سکتی ہیں جن کے اپنے ہی پورے طور کے انکشاف میں ابھی بہت سی منازل باقی ہیں اور اس پیچ در پیچ معمّا نے یہاں تک حکماء کو حیران اور سرگردان کر رکھا ہے کہ بعض ان میں سے حقائقِ اشیاء کے منکر ہی ہو گئے (منکرین حقائق کا وہی گروہ ہے جس کو سوفسطائی کہتے ہیں) اور بعض ان میں سے یہ بھی کہہ گئے کہ اگرچہ خواص اشیاء ثابت ہیں تاہم دائمی طور پر ان کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے مگر ممکن ہے کہ کسی ارضی یا سماوی تاثیر سے کوئی چشمہ پانی کا اس خاصیت سے باہر آ جائے آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے مگر ممکن ہے کہ ایک آگ بعض موجبات اندرونی یا بیرونی سے اس خاصیت کو ظاہر نہ کر سکے کیونکہ ایسی عجائب باتیں ہمیشہ ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ حکماء کا یہ بھی قول ہے کہ بعض تاثیرات ارضی یا سماوی ہزاروں بلکہ لاکھوں برسوں کے بعد ظہور میں آتی ہیں جو ناواقف اور بے خبر لوگوں کو بطور خارقِ عادت معلوم دیتی ہیں اور کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں ایسا کچھ ہوتا رہتا ہے کہ کچھ عجائبات

آسمان میں یا زمین میں ظاہر ہوتے ہیں جو بڑے بڑے فیلسوفوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں ﴿۴۷﴾
اور پھر فلسفی لوگ ان کے قطعی ثبوت اور مشاہدہ سے خیرہ اور متندّم ہو کر کچھ نہ کچھ تکلّفات
کر کے طبعی یا ہیئت میں ان کو گھسیڑ دیتے ہیں تا ان کے قانون قدرت میں کچھ فرق نہ
آ جائے ایسا ہی یہ لوگ اِدھر کی اُدھر لگا کر اور نئی باتوں کو کسی علمی قاعدہ میں جبراً دھنسا کر
گزارہ کر لیتے ہیں جب تک پردار مچھلی نہیں دیکھی گئی تھی تب تک کوئی فلسفی اس کا قائل نہ تھا
اور جب تک متواتر دم کے کٹنے سے دم کٹے کتے پیدا نہ ہونے لگے تب تک اس خاصیت کا
کوئی فلاسفر اقراری نہ ہوا اور جب تک بعض زمینوں میں کسی سخت زلزلہ کی وجہ سے کوئی ایسی
آگ نہ نکلی کہ وہ پتھروں کو پگھلا دیتی تھی مگر لکڑی کو جلا نہیں سکتی تھی تب تک فلسفی لوگ ایسی
خاصیت کا آگ میں ہونا خلاف قانون قدرت سمجھتے رہے جب تک **اسپی ریٹر** کا آلہ
نہیں نکلا تھا کس فلسفی کو معلوم تھا کہ عمل **ٹرینس فیوژن آف بلڈ** (یعنے ایک انسان کا خون
دوسرے انسان میں داخل کرنا) قانون فطرت میں داخل ہے۔ بھلا اس فلاسفر کا نام لینا چاہئے
جو **الیکٹرک مشین** یعنی بجلی کی کل نکلنے سے پہلے اس بجلی لگانے کے عمل کا قائل تھا۔

فلسفی را چشم حق بین سخت نابینا بود گرچہ بیکن باشد و یا بوعلی سینا بود

یہ ثابت ہو چکا ہے اور ہمیشہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جو لوگ خواہ نخواہ قانونِ قدرت کے پابند
کہلاتے ہیں وہ اپنی رائے میں بہت کچے ہوتے ہیں اگر دس بیس معتبر اور پختہ عقلمند اور ان
کے ہم رتبہ آدمی کوئی عجیب بات ہنسی کے طور پر بھی بیان کر دیں مثلاً یہ کہہ دیں کہ ہم ایک
پردار آدمی کو بچشم خود دیکھ آئے ہیں یا ایک پتھر میں سے شہد مترشح ہوتا ہم نے دیکھا کیا بلکہ کھایا
ہے یا آسمان سے ہم نے پھول برستے دیکھے اور پھولوں میں سے سونا نکلا یا شاید کوئی واقعہ
صحیحہ ہی پیش آوے جیسے آج کل کے بعض اخباروں میں شائع کیا گیا ہے کہ یورپ کے ایک
ملک میں ایک پتھر تیس من وزنی برسا جس میں ہڈیاں بھی ملی ہوئی ہیں شاید ان کی ہڈیاں ہیں
جو چاند کے کمرہ میں رہنے والے ہیں تو فی الفور فلاسفر صاحب کے دل میں ایک دھڑکا سا

﴿۴۸﴾ شرؔوع ہو جائے گا تو یہ دھڑکا اور اضطراب اس کم بخت کا اس کے نقصان عقل اور فہم پر صریح شہادت دیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر سرمایہ اس کا ظن ہے کیونکہ کسی قطعی ثبوت میں انسان کبھی تردّد نہیں کر سکتا مثلاً اگر کسی زندہ آدمی کو دس بیس آدمی مل کر یہ کہیں کہ تو زندہ نہیں بلکہ مرا ہوا ہے تو اس قدر کیا وہ دس ہزار آدمی کی شہادت سے بھی اپنی زندگی سے شک میں نہیں پڑے گا بلکہ بے شمار اشخاص کا مجمع بھی اپنے حلفی گواہوں سے اس کو اضطراب میں نہیں ڈالے گا کیونکہ اس کو اپنی زندگی پر پورا پورا یقین ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ فلسفہ میں جو واقعی دانا ہیں وہ تجارب فلسفیہ پر بہت ہی کم یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کے معلومات وسیع ہیں اور ان کو اپنے فلسفہ کی اندرونی حقیقت معلوم ہے۔

علّامہ شارح قانون جو طبیب حاذق اور بڑا بھاری فلسفی ہے ایک جگہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے جو یونانیوں میں یہ قصے بہت مشہور ہیں جو بعض عورتوں کو جو اپنے وقت میں عفیفہ اور صالحہ تھیں بغیر صحبت مرد کے حمل ہو کر اولاد ہوئی ہے۔ پھر علّامہ موصوف بطور رائے کے لکھتا ہے کہ یہ سب قصے افترا پر محمول نہیں ہو سکتے کیونکہ بغیر کسی اصل صحیح کے مختلف افراد اور مہذب قوموں میں ایسے دعاوی ہرگز فروغ نہیں پا سکتے ہیں اور نہ عورتوں کو جُرأت ہو سکتی ہے کہ وہ زانیہ ہونے کی حالت میں اپنے حمل کی ایسی وجہ پیش کریں جس سے اور بھی ہنسی کرائیں اور ہمیں اس بات سے پرہیز کرنا چاہیے کہ خواہ نخواہ ایسی تمام عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں جو مختلف ملکوں اور قوموں اور زمانوں میں مستور الحال گزر چکی ہیں کیونکہ طبّی قواعد کے رو سے ایسا ہونا ممکن ہے وجہ یہ کہ بعض عورتیں جو بہت ہی نادر الوجود ہیں بباعثِ غلبۂ رجولیت اس لائق ہوتی ہیں کہ ان کی منی دونوں طور قوت فاعلی وانفعالی رکھتی ہو اور کسی سخت تحریک خیال شہوت سے جنبش میں آ کر خود بخود حمل ٹھہرنے کا موجب ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے قصے ہندوؤں میں بھی مشہور ہیں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کی انہیں قصوں پر بنیاد پائی جاتی ہے۔

غرض یہ خیال ہندوؤں میں بھی پرانا چلا آتا ہے یہاں تک کہ **رگ وید** میں لکھا ہے کہ ایک نیک بخت رشی کی لڑکی کو فقط اندر دیوتا کی ہی توجہ سے حمل ہو گیا تھا اور ایسا ہی شمس وقمر سے بھی شرفا آریہ کی پاکدامن لڑکیوں کو حمل ہوتا رہا ہے۔ اب ان قصوں اور کہانیوں کو جو بہ کثرت مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں یکمرتبہ مردود اور باطل سمجھ کر پایۂ اعتبار سے ساقط کر دینا حکیمانہ طریق نہیں ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر ان قصوں کو ان کے زوائد سے الگ کر کے دیکھا جائے تو ان کے نیچے وہی ایک دقیق خاصہ علم طبعی کا چھپا ہوا نظر آتا ہے جس کی طرف علّامہ نے اشارہ کیا ہے اور اس بات پر ضد نہیں کرنی چاہئے کہ اگر یہ بات کچھ حقیقت رکھتی ہے تو پھر عام طور پر کیوں وقوع میں نہیں آتی کیونکہ اول تو یہ سوانح ایسے نادر الوقوع نہیں ہیں جیسے آج کل کے نئے فلسفی ان کو خیال کر رہے ہیں بلکہ مختلف قوموں میں اس کے آثار سلسلہ وار چلے آئے ہیں۔ اگرچہ عبرانیوں میں تو صرف حضرت مسیح اس طرز کی پیدائش میں بیان کئے گئے ہیں لیکن یونانیوں اور آریوں کی کتابوں میں اس کی نظیریں بہت پائی جاتی ہیں اور حال کے زمانہ اور اس کے قریب قریب بھی بعض ممالک کی عورتیں حمل دار ہو کر ایسا کچھ بیان کرتی رہی ہیں اب ان سب قصوں کی نسبت گو کسی منکر کی کیسی ہی رائے ہو مگر صرف ان کے نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ سب کی سب رد نہیں کی جاسکتیں اور ان کے ابطال پر کوئی دلیل فلسفی قائم نہیں ہوسکتی بلکہ اکثر یونانی فلسفی (آسمانوں کے ماننے والے) اور انہیں میں سے افلاطون اور ارسطو بھی اس بات پر متفق ہیں کہ حادث چیزوں کی مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور ان کے مختلف دورے ہیں۔ اسی جہت سے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں اور اسی بنا پر ان کے مذہب کے رو سے ممکن ہے کہ ایک دور میں ایسی عجائب چیزیں یا عجائب شکلوں کے جانور پیدا ہوں کہ نہ تو دور سابق میں اور نہ دور لاحق میں ان کی نظیر پائی جائے غرض نادر الظہور اشیاء کا سلسلہ اس وضع عالم کو لازمی پڑا ہوا ہے۔ اور علّامہ موصوف نے اس مقام میں ایک تقریر بہت ہی عمدہ لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ سب انسان ایک نوع میں ہونے کی وجہ سے باہم مناسب الطبع واقعہ ہیں مگر پھر بھی ان ﴿۴۹﴾

﴿۵۰﴾ میں سے بعض کو نادر طور پر کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں خاص خاص طاقتیں یا کسی اعلیٰ درجہ کی قوتیں عطا ہوتی ہیں جو عام طور پر دوسروں میں نہیں پائی جاتیں جیسے مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ بعض نے حال کے زمانہ میں تین سو برس سے زیادہ عمر پائی ہے جو بطور خارق عادت ہے اور بعض کی قوت حافظہ یا قوت نظر ایسے کمال درجہ کو پہنچی ہے جو اس کی نظیر نہیں پائی گئی اور اس قسم کے لوگ بہت نادر الوجود ہوتے ہیں جو صدہا یا ہزاروں برسوں کے بعد کوئی فرد ان میں سے ظہور میں آتا ہے اور چونکہ عوام الناس کی نظر اکثر امور کثیر الوقوع اور متواتر الظہور پر ہوا کرتی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی نگاہ میں جو باتیں کثیر الوقوع اور متواتر الظہور ہوں وہ بطور قاعدہ یا قانون قدرت کے مانی جاتی ہیں اور انہیں کی سچائی پر انہیں اعتماد ہوتا ہے اس لئے دوسرے امور جو نادر الوقوع ہوتے ہیں وہ بمقابل امور کثیر الوقوع کے نہایت مضمحل اور مشتبہ بلکہ باطل کے رنگ میں دکھائی دیتے ہیں اسی وجہ سے عوام کیا بلکہ خواص کو بھی ان کے وجود میں شکوک اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ سو بڑی غلطی جو حکما کو پیش آتی ہے اور بڑی بھاری ٹھوکر جو ان کو آگے قدم رکھنے سے روکتی ہے یہ ہے کہ وہ امور کثیر الوقوع کے لحاظ سے نادر الوقوع کی تحقیق کے درپے نہیں ہوتے اور جو کچھ ان کے آثار چلے آتے ہیں ان کو صرف قصے اور کہانیاں خیال کر کے اپنے سر پر سے ٹال دیتے ہیں حالانکہ یہ قدیم سے عادت اللہ ہے جو امور کثیر الوقوع کے ساتھ نادر الوقوع عجائبات بھی کبھی کبھی ظہور میں آتے رہتے ہیں اس کی نظیریں بہت ہیں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے اور **حکیم بقراط** نے اپنی ایک طبّی کتاب میں چند چشم دید بیماروں کا بھی حال لکھا ہے۔ جو قواعدِ طبّی اور تجربہ اطباء کے رو سے وہ ہرگز قابل علاج نہیں تھے مگر ان بیماروں نے عجیب طور پر شفا پائی جس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ یہ شفا بعض نادر تاثیرات ارضی یا سماوی سے ہے۔ اس جگہ ہم اس قدر اور لکھنا چاہتے ہیں کہ یہ بات صرف نوع انسان میں محدود نہیں کہ کثیر الوقوع اور نادر الوقوع خواص کا اس میں سلسلہ چلا آتا ہے بلکہ اگر غور کر کے دیکھیں تو یہ دوہرا سلسلہ ہر یک نوع میں پایا جاتا ہے مثلاً نباتات میں سے آک کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تلخ اور زہرناک

ہوتا ہے مگر کبھی مدتوں اور برسوں کے بعد ایک قسم کی نبات اس میں پیدا ہو جاتی ہے جو نہایت شیریں اور لذیذ ہوتی ہے اب جس شخص نے اس نبات کو کبھی نہ دیکھا ہو اور معمولی قدیمی تلخی کو دیکھتا آیا ہو بے شک وہ اس نبات کو ایک امر طبعی کی نقیض سمجھے گا ایسا ہی بعض دوسری نوع کی چیزوں میں بھی دور دراز عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی خاصہ نادر ظہور میں آ جاتا ہے کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ مظفر گڈھ میں ایک ایسا بکرا پیدا ہوا کہ جو بکریوں کی طرح دودھ دیتا تھا۔ جب اس کا شہر میں بہت چرچا پھیلا تو میکالف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڈھ کو بھی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہ ایک عجیب امر قانون قدرت کے برخلاف سمجھ کر وہ بکرا اپنے روبرو منگوایا چنانچہ وہ بکرا جب ان کے روبرو دوہا گیا تو شاید قریب ڈیڑھ سیر دودھ کے اس نے دیا اور پھر وہ بکرا بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر عجائب خانہ لاہور میں بھیجا گیا۔ تب ایک شاعر نے اس پر ایک شعر بھی بنایا اور وہ یہ ہے۔ ﴿۵۱﴾

مظفر گڈھ جہاں پر ہے مکالف صاحب عالی یہاں تک فضل باری ہے کہ بکرا دودھ دیتا ہے

اس کے بعد تین معتبر اور ثقہ اور معزز آدمی نے میرے پاس بیان کیا کہ ہم نے بچشم خود چند مردوں کو عورتوں کی طرح دودھ دیتے دیکھا ہے بلکہ ایک نے ان میں سے کہا کہ امیر علی نام ایک سید کا لڑکا ہمارے گاؤں میں اپنے باپ کے دودھ ہی سے پرورش پایا تھا کیونکہ اس کی ماں مر گئی تھی۔ ایسا ہی بعض لوگوں کا تجربہ ہے کہ کبھی ریشم کے کیڑے کی مادہ بے نر کے انڈے دے دیتی ہے اور ان میں سے بچے نکلتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی دیکھا کہ چوہا مٹی خشک سے پیدا ہوا جس کا آدھا دھڑ تو مٹی تھی اور آدھا چوہا بن گیا۔ حکیم فاضل قرشی یا شاید علّامہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بیمار ہم نے دیکھا جس کا کان ماؤف ہو کر بہرہ ہو گیا تھا پھر کان کے نیچے ایک ناسور سا پیدا ہو گیا جو آخر وہ سوراخ سے ہو گئے اس سوراخ کی راہ سے وہ برابر سن لیتا تھا گویا خدا نے اس کے لئے دوسرا کان عطا کیا۔ ان دونوں طبیبوں میں سے ایک نے اور غالباً قرشی نے خود اپنی اڈّی میں سوراخ ہو کر اور پھر اس راہ سے مدت تک براز یعنے پاخانہ آتے رہنا تحریر کیا ہے۔ جالینوس سے سوال کیا گیا کہ کیا انسان آنکھوں

﴿۵۲﴾ کی راہ سے سن سکتا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہنوز تجربہ شہادت نہیں دیتا لیکن ممکن ہے کہ کوئی ایسی مشارکت کانوں اور آنکھوں کی مخفی ہو جو کسی ہاتھ کے عمل سے یا کسی سماوی موجب سے ظہور پذیر ہو کر اس خاصیت کے ظہور کا موجب ہو جائے کیونکہ ابھی علمِ استدراک خواص مختتم نہیں۔ ڈاکٹر برنی آر نے اپنے سفرنامہ کشمیر میں پیر پنجال کی چڑھائی کی تقریب بیان پر بطور ایک عجیب حکایت کے لکھا ہے جو ترجمہ کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں درج ہے کہ ایک جگہ پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہم کو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جس کو ایک نوجوان مغل نے جو میری جان پہچان والوں میں سے تھا اٹھا کر اپنی مٹھی میں دبا لیا اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دے دیا مگر اس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اس نوجوان سوار نے اس کا باعث یہ بیان کیا کہ میں نے اس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر پھونک دی ہے اور اسی عمل سے اکثر بچھوؤں کو پکڑ لیتا ہوں۔ اور صاحب کتاب فتوحات وفصوص جو ایک بڑا بھارا نامی فاضل اور علوم فلسفہ وتصوف میں بڑا ماہر ہے وہ اپنی کتاب فتوحات میں لکھتا ہے کہ ہمارے مکان پر ایک فلسفی اور کسی دوسرے کی خاصیت احراق آگ میں کچھ بحث ہو کر اس دوسرے شخص نے یہ عجیب بات دکھلائی کہ فلسفی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کوئلوں کی آگ میں جو ہمارے سامنے مجمر میں پڑی ہوئی تھی ڈال دیا اور کچھ عرصہ اپنا اور فلسفی کا ہاتھ آگ پر رہنے دیا۔ مگر آگ نے ان دونوں ہاتھوں میں سے کسی پر ایک ذرا بھی اثر نہ کیا۔ اور راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر وَ اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ [1] زنبور کو پکڑ لیتا تھا اور اس کی نیش زنی سے بکلّی محفوظ رہتا تھا۔ اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیرات عجیبہ آیت قرآنی کی آچکی ہیں جن سے عجائبات قدرت حضرت باری جل شانہٗ معلوم ہوتے ہیں۔ غرض یہ عجائب خانہ دنیا کا بے شمار عجائبات سے بھرا ہوا ہے جو دانا اور شریف حکیم گزرے ہیں انہوں نے اپنے چند معدود معلومات پر ہرگز ناز نہیں کیا اور وہ اس بات کو بہت بے شرمی اور گستاخی سمجھتے رہے ہیں کہ اپنے محدود تجربہ کا نام

[1] الشعرآء : ۱۳۱

خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت رکھیں مگر ان کے مقلّد بباعث اپنی خامی اور ناتمامی کے ﴿۵۳﴾
سخت درجہ پر قانونِ قدرت کے قائل بلکہ غلام پائے جاتے ہیں سو یہ اسی مثل کا مصداق ہے کہ در پدر شیرینی بسیار است لیکن پسر گرمی دار است۔ بالخصوص اس زمانہ کے نوآموز لڑکوں میں قانونِ قدرت کا خیال واجبی حد سے بڑھ گیا ہے اکثر نامقید اور آوارہ طبع اور ملحدانہ طبیعت کے آدمی ان کم فہم لڑکوں کو بگاڑتے جاتے ہیں جن کی نادانی اور سادہ لوحی رحم کے لائق ہے۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر خواص قدرتیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہئے کہ آئندہ خواص جدیدہ ظہور میں نہ آویں۔ اور اگر ابھی خاتمہ نہیں ہوا اور نئے انکشافات اور تازہ معلومات کے کھلنے کی امید ہے تو پھر کیوں ایک نئی بات کو سنتے ہی بکری کی طرح انکار میں گردن ہلا دیں خدا نے ان کو یہ سمجھ نہیں دی کہ عجائبات الٰہی کا میدان جو رنگارنگ اور بے انتہا چشموں اور کہولوں اور آبشاروں سے آبپاشی پودہ نفس ناطقہ انسان کے لئے پُر ہے وہ کیونکر تجارب محدودہ کی ظرف تنگ میں سما سکتا ہے اور اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرتیں اسی حد تک ختم اور خرچ ہو چکی ہیں جو ہمیں معلوم ہے تو پھر اس سے کیونکر خدائے تعالیٰ کا اپنی ذات اور اپنی قدرتوں اور اپنی حکمتوں میں بے انتہا ہونا قائم رہ سکتا ہے اس کی غیر محدود حکمتوں اور قدرتوں کو سمجھنے کے لئے یہی ایک تو راہ ہے کہ ایک ذرّہ کے موافق بھی اگر کوئی چیز ہو تو اس پر اگر تمام انسانی عقلیں قیامت تک غور کریں تو اس کے عجائبات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتیں کیا جس نے یہ پُر بہار آسمان جو مہر و ماہ اور ستاروں کے چراغوں سے سج رہا ہے اور یہ رشک گلزار زمین جو رنگارنگ مخلوقات سے آباد ہو رہی ہے بغیر ایک ذرّہ مشقّت اٹھانے کے صرف اپنے ارادہ سے پیدا کر دیا اس کی قدرتوں کا کوئی انتہا پا سکتا ہے۔ اور یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ جب تک علوم و خواص جدیدۃ الظہور کی اس عالم بے ثبات کے ساتھ دُم لگی ہوئی ہے تب تک کوئی دانا اپنے معلومات محدودہ و معدودہ کو قانونِ قدرت کے نام سے موسوم نہیں کر سکتا اور خود ہمیں اپنی اس غیر مستقل اور اوباشانہ عادت سے شرمندہ ہونا چاہئے کہ اول ہم کسی بات کے عدم امکان پر ایسا سخت اصرار کریں کہ گویا خدائے تعالیٰ کو اس کی خدائی کے

کاموں سے ہی جواب دے دیں اور پھر اسی بات کا وقوع اور ظہور اور ثبوت دیکھ کر اسی ﴿۵۴﴾
مونہہ سے یہ کہنا شروع کردیں کہ ہاں یہ قانونِ قدرت میں ہی داخل ہے ایسے لوگ جن
میں فطرتی طور پر مادہ حیا کا کم پایا جاتا ہے وہ اگر یہ سیرت اختیار رکھیں تو انہیں کچھ مضائقہ
نہیں لیکن اگر ایک باعزّت اور باتہذیب و بامرتبت جنٹلمین یہ طریقہ متزلزلہ اختیار کرے جو
اسے بیسیوں مرتبہ سخت انکاروں کے بعد اقرار کرنا پڑے تو البتہ یہ افسوس کا مقام ہے۔ بعض
کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے مجربات و مشاہدات کا اعتبار نہ کریں تو پھر سب علوم ضائع
ہوجائیں گے مگر میں اس کے جواب میں بجز اس دعا کے کہ اے خدائے قادر مطلق ان کو
حقیقت شناسی کی سمجھ بخش اور کیا کہہ سکتا ہوں کیا خواص جدیدہ کے پیدا ہونے سے پہلے علوم
ضائع ہوجایا کرتے ہیں مثلاً آگ بالخاصیّت محرق ہے جس کی اس خاصیت کو بارہا ہم تم
آزما چکے ہیں بلکہ یہ خاصیت ہمارے مجربات ومشاہدات متواترہ میں سے ہے مگر بااین ہمہ
یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسی دوا یا روغن پیدا ہو کہ جب وہ کسی عضو یا کسی اور چیز پر لگایا جائے تو
آگ اپنی خاصیّت احراق اس پر ظاہر نہ کر سکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود آگ میں ہی
باذنہٖ تعالیٰ کسی اندرونی یا بیرونی حوادث سے یہ صورت پیدا ہوجائے ایسا ہی یہ بھی ممکنات
میں سے ہے کہ کوئی اس قسم کی آگ زمین سے یا آسمان سے پیدا ہو جو اپنے خواص میں اس
آگ سے اختلاف رکھتی ہو جیسی نارِحجاز جس کے نکلنے کی خبر چھ سو باون برس پہلے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جو صحیح بخاریؔ اور مسلم میں پانسو برس پہلے ظہور سے مندرج اور
شائع ہوچکی تھی۔ غرض صدہا ایسی صورتیں تاثیرات ارضی یا سماوی اور موجبات اندرونی یا
بیرونی سے ظہور میں آ سکتی ہیں کہ جو ایک چیز کی خاصیت موجودہ مجربہ میں خلل انداز
ہوسکیں اور علوم جدیدہ کا دروازہ جو نہایت وسیع اور غیر متناہی طور پر کھلا ہوا ہے وہ اسی بنا پر تو
ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم بے سمجھے سوچے میری بات کو اپنی رائے کی بنیاد قرار دو۔ بلکہ میں
کہتا ہوں کہ تم خوب جانچو اور پرکھو اور کھوٹے کھرے میں تمیز کرو اور جو کچھ زمانہ تمہیں دکھلا
رہا ہے اسے اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھو پھر اگر یہی رائے غالب اور فائق نظر آئے
(تو اے ہمارے ملک کے نوجوانوں) اسے قبول کرو۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند جوانان سعادت مند پند پیر دانا را ﴿۵۵﴾

میری رائے میں فلسفیوں سے بڑھ کر اور کسی قوم کی دلی حالت خراب نہ ہوگی۔ خدا میں اور بندہ میں وہ چیز جو بہت جلد جدائی ڈالتی ہے وہ شوخی اور خود بینی اور متکبری ہے سو وہ اس قوم کے اصول کو ایسی لازم پڑی ہوئی ہے کہ گویا انہیں کے حصہ میں آ گئی ہے یہ لوگ خدائے تعالیٰ کی قدرتوں پر حاکمانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور جس کے مونہہ سے اس کے برخلاف کچھ سنتے ہیں اس کو نہایت تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ نوخیزوں کے عام خیالات اسی طرف بڑھتے جاتے ہیں یہ کسی قوی دلیل کا اثر نہیں بلکہ ہمارے ملک کے لوگوں میں بھیڑیا چال چلنے کا بہت سا مادہ موجود ہے جس سے تعلیم یافتہ جماعت بھی مستثنیٰ نہیں سو اس فطرت اور عادت کے جو لوگ ہیں وہ ایک بڑی ڈھاری والے کو گڑھے میں پڑا ہوا دیکھ کر فی الفور اس میں کود پڑتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ان کے ہاتھ میں اور کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ یہ فلاں عقلمند کا قول ہے۔ غرض زہرناک ہوا کے چلنے سے کمزور لوگ بہت جلد ہلاک ہوتے ہیں لیکن ایک روشن دل آدمی جس کی فطرت میں خدائے تعالیٰ نے وسعت علمی کی استعداد رکھی ہوئی ہے وہ ایسے خیالات کو کہ خدائے تعالیٰ کے اسرار پر احاطہ کرنا کسی انسان کا کام ہے بغائت درجہ عقل و ایمان سے دور سمجھتا ہے۔ واقعی جتنا انسان عجائبات غیر متناہیہ حضرت باری جلّ شانہٗ پر اطلاع پاتا ہے۔ اتنا ہی غرور اور گھمنڈ اس کا ٹوٹ جاتا ہے اور نئے طالب علموں کی شوخیاں اور بے راہیاں اس کے دل و دماغ سے جاتی رہتی ہیں اور مدّت دراز تک ٹھوکریں کھانے کی وجہ سے ابتدائی حالت کے تہ و بالا ہوئے ہوئے خیالات کچھ کچھ روبراہ ہوتے جاتے ہیں جیسے ایک بڑے فلاسفر کا قول ہے کہ میں نے علم اور تجربہ میں ترقیات کیں یہاں تک کہ آخری علم اور تجربہ یہ تھا کہ مجھ میں کچھ علم اور تجربہ نہیں سچ ہے دریائے غیر متناہی علم و قدرت باری جلّ شانہٗ کے آگے ذرّہ ناچیز انسان کیا حقیقت ہے کہ دم مارے۔ اور اس کا علم اور تجربہ کیا شے ہے تا اس پر ناز کرے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا [1] کیا عمدہ اور صاف اور پاک اور خدائے تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کے موافق یہ عقیدہ

[1] البقرۃ : ۳۳

﴿۵۶﴾ ہے کہ جو کچھ اس سے ہونا ثابت ہے وہ قبول کیا جائے اور جو کچھ آئندہ ثابت ہو اس کے قبول کرنے کے لئے آمادہ رہیں اور بجز امور منافی صفات کمالیہ حضرت باری عزّ اسمہٗ سب کاموں پر اس کو قادر سمجھا جائے اور امکانی طور پر سب ممکناتِ قدرت پر ایمان لایا جائے یہی طریق اہل حق ہے جس سے خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی قبول کی جاتی ہے اور ایمانی صورت بھی محفوظ رہتی ہے جس پر ثواب پانے کا تمام مدار ہے نہ یہ کہ چند محدود باتیں اس غیر محدود کے گلے کا ہار بنائی جائیں اور یہ خیال کیا جائے کہ گویا اس نے اپنے ازلی ابدی زمانہ میں ہمیشہ اسی قدر قدرتوں میں اپنی جمیع طاقتوں کو محدود کر رکھا ہے یا اسی حد پر کسی قاسر سے مجبور ہو رہا ہے اگر خدائے تعالیٰ ایسا ہی محدود القدرت ہوتا تو اس کے بندوں کے لئے بڑے ماتم اور مصیبت کی جگہ تھی وہ عظیم الشان قدرتوں والا اپنی ذات و صفات میں لایدرک و لاانتہا ہے کون جانتا ہے کہ اس نے پہلے کیا کیا کام کیا اور آئندہ کیا کیا کرے گا تَعَالَی اللّٰہُ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بھی گمراہی نہیں کہ انسان اپنی عقل کے پیمانہ سے باری عزّ اسمہٗ کے ملک کو ناپنا چاہے یہ بیانات بہت صاف ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقّت نہیں لیکن بڑی مشکل کی یہ بات ہے کہ دنیا پرست آدمی جس کی نظر دنیا کی مدح وذم پر لگی ہوئی ہے وہ جب ایک رائے اپنی قائم کر کے مشہور کر دیتا ہے تو پھر اس رائے کا چھوڑنا (خواہ کیسی ہی وجوہات بیّنہ مخالف رائے نکل آویں) اس پر بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر جب ایسے غلط خیالات میں چند نامی عقلاء مبتلا ہو جائیں تو ادنیٰ استعداد کے آدمی ان خیالات کی تقلید کرنا اور بے سوچے سمجھے اس پر قدم مارنا اپنی عقلمندی ثابت کرنے کے لئے ایک ذریعہ سمجھ لیتے ہیں فلسفی تقلید ہمیشہ اسی طرح پھیلتی رہی ہے کم استعداد لوگ جو بچوں کی سی کمزوری رکھتے ہیں وہ بڑے بابا کا مونہہ دیکھ کر وہی باتیں کہنے لگتے ہیں جو اس بزرگ کے مونہہ سے نکلیں گو وہ واقعی ہوں یا غیر واقعی۔ اور صحیح ہوں یا غیر صحیح۔ ان کو اپنی سمجھ تو ہوتی ہی نہیں ناچار وہ کسیؔ نامی صیاد کے دام میں پھنس جاتے ہیں واقعی جتنا انسان تقلید سے نفرت کر کے بھاگتا ہے اُتنا ہی تقلید میں بار بار پڑتا ہے۔

اِس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ اگر سب امور قوانین ازلیہ وابدیہ ﴿۵۷﴾
میں داخل ہیں یعنے پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں تو پھر معجزات کیا شے ہیں سو جاننا چاہیئے کہ بے شک یہ تو سچ ہے کہ قوانین ازلیہ وابدیہ سے یا یوں کہو کہ خدائے تعالیٰ کے ازلی ارادہ اوراس کے قضا وقدر سے کوئی چیز باہر نہیں گو ہم اس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں۔ **جفّ القلم بما هو کائن** مگر اسی عادت الٰہیہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانون قدرت سے موسوم ہوسکتی ہے بعض چیزوں کے ظہور کو بعض کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے پس جو امور ازلی ابدی ارادہ نے مقدسوں کی دعاؤں اور ان کی برکات انفاس اور ان کی توجہ اور ان کی عقد ہمت اور ان کے اقبال ایّام سے وابستہ کر رکھے ہیں اور ان کے تضرعات اور ابتہالات پر مترتب کی جاتی ہیں وہ امور جب انہیں شرائط اور انہیں وسائل سے ظہور میں آتے ہیں تب ان امور کو اس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارق عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس جگہ خارق عادت کے لفظ سے اس شبہ میں نہیں پڑنا چاہئے کہ وہ کون سا امر ہے جو عادت الٰہیہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارق عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے یعنے یوں تو عادات ازلیہ وابدیہ خدائے کریم جلّ شانہٗ سے کوئی چیز باہر نہیں مگر اس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں دو طور کی ہیں ایک عادات عامہ جو روپوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں دوسری عادات خاصّہ جو بتوسط اسباب اور بلاتوسطِ اسباب خاص ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اس کی محبت اور رضا میں کھوئی جاتی ہیں یعنے جب انسان بکلّی خدائے تعالیٰ کی طرف انقطاع کر کے اپنی عادات بشریہ کو استرضاءِ حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس کی اس حالت مبدلہ کے موافق اس کے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارق عادت ہے جس کی حقیقت انہیں پر کھلتی ہے جو عنایت الٰہی سے اس طرف کھینچے جاتے ہیں۔ جب انسان اپنی بشری عادتوں کو جو اس میں اور اس کے ربّ میں حائل ہیں شوق توصّل الٰہی میں توڑتا ہے تو خدائے تعالیٰ بھی اپنی عام عادتوں کو اس کے لئے توڑ دیتا ہے یہ توڑنا بھی عاداتِ

﴿۵۸﴾ ازلیہ میں سے ہے کوئی امر مستحدث نہیں ہے جو مورد اعتراض ہو سکے گویا قدیم قانون حضرت احدیّت جلّ شانہٗ اسی طور پر چلا آتا ہے کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسا خدائے تعالیٰ پر بڑھتا ہے ایسا ہی اس طرف سے الوہیّت کی قدرتوں کی چمکار اور اس کی کرنیں زیادہ سے زیادہ اس پر پڑتی ہیں اور جیسے جیسے اس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے ایسا ہی اس طرف سے بھی کامل اور طیب برکتیں ظاہر و باطن پر اترتی ہیں اور جیسی جیسی محبت الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اٹھتی ہیں ایسا ہی اس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفاف دریائے محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے اور دائرہ کی طرح اس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے اور اپنے الٰہی زور سے کھینچ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اس دوطرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے کہ دونوں طرف سے آثار خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام الناس کی نسبت معاملہ خارق عادت رکھتا ہے جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جس کو نسبتی طور پر خارق عادت کہہ سکتے ہیں تو اسی دم سے وہی قدیم خدا اپنی تجلّیات نادرہ کے رو سے ایک نیا خدا اس کے لئے ہو جاتا ہے اور وہ عادتیں اس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ خوارق کی کَل جس سے عجائبات قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے اور وہ سچی تبدیلی یہاں تک آثار نمایاں دکھاتی ہے کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے شور محبت دل پر استیلا پکڑتا ہے اور عشق الٰہی کے پُر زور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں کہ اس عجیب حالت میں اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو آگ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتی اگر وہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھوں کے آگے پھینک دیا جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اس وقت وہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلیات سے بشریت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اور ہو جاتا ہے اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر

اسؔ کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے اسی طرح یہ بھی آتشِ محبتِ الٰہی کے ایک سخت استیلا ﴿۵۹﴾
سے کچھ کچھ اس طاقت عظمٰی کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے جو اس پر محیط ہوگئی ہے سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ عبودیّت پر ربوبیّت کا کامل اثر پڑنے سے اس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیّت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو کیونکہ اگر لوہا آگ میں تپانے سے کسی قدر خاصّہ آگ کا ظاہر کرنے لگے تو یہ امر سراسر مطابق قانونِ قدرت ہے لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اسی پہلی حالت پر رہے اور کوئی خاصیت جدید اس میں پیدا نہ ہو تو یہ عندالعقل صریح باطل ہے سو فلاسفی تجارب بھی ان خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں اس پر عارفانہ روح لے کر غور کرو۔ کیا بدنصیب وہ شخص ہے جو اس کو افسانہ سمجھے اور غور نہ کرے اس حالت خارقہ کو عارف کا دل جو مبدّل ہے خوب شناخت کرتا ہے۔ دنیا اس حالت سے غافل ہے اور انکار کرتی ہے پر وہ جو اس مرتبہ تک پہنچا ہے وہ اس یقینی صداقت کے تصور سے سرور میں ہے۔ یہ تجلّیات الٰہیہ کا ایک دقیق بھید ہے اور اعلیٰ درجہ کا رازِ معرفت ہے اور انسانی روح کے تعلقات جو درپردہ وہ اپنے ربّ کریم سے نہایت نازک اور لایدرک طور پر واقعہ ہیں وہ اسی نقطہ پر آکر کھلتے ہیں اور اسی نقطہ پر ایک طرفۃ العین کے لئے بندہ کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی آنکھیں خدا کی آنکھیں اور اس کی زبان خدا کی زبان کہلاتی ہے اور ربوبیت کی چادر ذرّہ عبودیت پر پڑ کر اس کو اپنے انوار میں متواری اور اپنی پرزور موجوں کے نیچے گم کردیتی ہے۔ فلسفیوں کی پرغرور روحیں اس انتہائی مرتبہ کے دریافت کرنے سے بے نصیب گئیں اور خدائے عزّوجلّ نے دل کے غریب اور سادہ لوگوں کو یہ حالتیں دکھا دیں اور ان پر وارد کردیں۔ وَ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ اب خلاصہ کلام یہ کہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں بہت سی عجائب رحمتیں اور بہت سی نادر وفاداریاں ہیں مگر کھلے کھلے طور پر انہیں پر ظاہر ہوتی ہیں کہ جو لوگ اسی کے ہو جاتے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں اور اس ایک کے پانے کے لئے بہتوں کی جدائی اختیار کرتے ہیں خاک میں گرتے ہیں تا وہ پکڑ لے

﴿۶۰﴾ نام ونگ سب کھو دیتے ہیں تا وہ راضی ہو جائے رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَ ادْخِلْنَا فِیْ عِبَادِکَ الْمُخْلَصِیْنَ۔ اٰمِیْن۔

جنس نام و ننگ وعزت را زِ دامان ریختیم   یار آمیزد مگر باما بہ خاک آمیختیم
دل بدادیم از کف و جاں دررہے انداختیم   از پئے وصلِ نگاری حیلہ ہا انگیختیم

اب ہم وہ **مباحثہ مذہبی** جو مابین ہمارے اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر کے بالمواجہ وقوع میں آیا ذیل میں درج کرتے ہیں۔

وہ یہ ہے۔

اعتراض از طرف لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر

میں نے اس وقت چھ۶ سوال پوچھنے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی معجزے دکھلاتے رہے ہیں چنانچہ حضرت محمد صاحب نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دونوں آستینوں سے نکال دیا۔ سو یہ امر قانون قدرت کے برخلاف ہے کہ ایک شے ہزاروں میل لمبی چوڑی یا ہزاروں میل قطر والی چھ انچہ یا ایک فٹ کے سوراخ سے نکل جاوے اور چاند جو ماہواری گردش زمین کے گرد کرتا ہے وہ اپنی گردش کو چھوڑ کر ادھر ادھر ہو جائے جس سے انتظام عالم میں ہی فرق آ جائے۔ اور پھر علاوہ اس کے سوائے دو چار شخصوں کے کوئی نہ دیکھے۔ کیونکہ کسی ملک میں مثلاً ہندوستان چین برہما وغیرہ کی تاریخوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں پایا جاتا۔ اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ باتیں بالکل بناوٹی ہیں اگر اصلی ہیں تو ان کا کیا ثبوت ہے۔ مرلیدھر

جواب از مؤلف رسالہ ھٰذا

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ماسٹر صاحب نے جو معجزہ شق القمر پر اعتراض کیا ہے کہ شق قمر ہونا خلافِ عقل

ہے اور دوسرے یہ کہ آستین میں سے چاند کا دوٹکرے ہوکر نکل جانا صریح عقل کے برخلاف ہے۔اس کے جواب میں واضح ہو کہ یہ اعتراض کہ کیونکر چاند دوٹکرے ہوکر آستین میں سے نکل گیا تھا یہ سراسر بے بنیاد اور باطل ہے کیونکہ ہم لوگوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ چاند دوٹکرے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین میں سے نکلا تھا اور نہ یہ ذکر قرآن شریف میں یا حدیث صحیح میں ہے اور اگر کسی جگہ قرآن یا حدیث میں ایسا ذکر آیا ہے تو وہ پیش کرنا چاہیے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی آریہ صاحبوں پر یہ اعتراض کرے کہ آپ کے یاں لکھا ہے کہ **مہان دیوجی** کی لٹوں سے گنگا نکلی ہے۔پس جس اعتراض کی ہمارے قرآن یا حدیث میں کچھ بھی اصلیت نہیں اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ ماسٹر صاحب کو اصول اور کتب معتبرہ اسلام سے کچھ بھی واقفیت نہیں۔ بھلا اگر یہ اعتراض ماسٹر صاحب کا کسی اصل صحیح پر مبنی ہے تو لازم ہے کہ ماسٹر صاحب اسی جلسہ میں وہ آیت قرآن شریف پیش کریں جس میں ایسا مضمون درج ہے یا اگر آیت قرآن نہ ہو تو کوئی حدیث صحیح ہی پیش کریں جس میں ایسا کچھ بیان کیا گیا ہو اور اگر بیان نہ کرسکیں تو ماسٹر صاحب کو ایسا اعتراض کرنے سے متندم ہونا چاہیے کیونکہ منصب بحث ایسے شخص کے لئے زیبا ہے جو فریق ثانی کے مذہب سے کچھ واقفیت رکھتا ہو باقی رہا یہ سوال کہ شق قمر ماسٹر صاحب کے زعم میں خلافِ عقل ہے جس سے انتظام ملکی میں خلل پڑتا ہے یہ ماسٹر صاحب کا خیال سراسر قلت تدبّر سے ناشی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ جلّ شَانہ‘ جو کام صرف قدرت نمائی کے طور پر کرتا ہے وہ کام سراسر قدرتِ کاملہ کی ہی وجہ سے ہوتا ہے نہ قدرتِ ناقصہ کی وجہ سے یعنی جس ذات قادر مطلق کو یہ اختیار اور قدرت حاصل ہے کہ چاند کو دوٹکرہ کرسکے اس کو یہ بھی تو قدرت حاصل ہے کہ ایسے پُرحکمت طور سے یہ فعل ظہور میں لاوے کہ اس کے انتظام میں بھی کوئی خلل عائد نہ ہو اسی وجہ سے تو وہ سرب سکتی مان اور قادرِ مطلق ﴿۶۱﴾

کہلاتا ہے اور اگر وہ قادر مطلق نہ ہوتا تو اس کا دنیا میں کوئی کام نہ چل سکتا۔ ہاں یہ ﴿۶۲﴾
شناعتِ عقلی آریوں کے اکثر عقائد میں جا بجا پائی جاتی ہے جس سے ایک طرف تو ان کے اعتقادات سراسر خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں اور دوسری طرف خلاف قدرت و عظمتِ الٰہی بھی جیسے روحوں اور اجزاء صغار عالم کا غیر مخلوق اور قدیم اور انادی ہونا اصول آریہ سماج کا ہے۔ اور یہ اصول صریح خلاف عقل ہے اگر ایسا ہو تو پرمیشر کی طرح ہر ایک چیز واجب الوجود ٹھہر جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں رہتی بلکہ کاروبار دین کا سب کا سب ابتر اور خلل پذیر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر ہم سب کے سب خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی ہی ہیں تو پھر خدائے تعالیٰ کا ہم پر کونسا حق ہے اور کیوں وہ ہم سے اپنی عبادت اور پرستش اور شکر گزاری چاہتا ہے اور کیوں گناہ کرنے سے ہم کو سزا دینے کو طیار ہوتا ہے اور جس حالت میں ہماری روحانی بینائی اور روحانی تمام قوتیں خود بخود قدیم سے ہیں تو پھر ہم کو فانی قوتوں کے پیدا ہونے کے لئے کیوں پرمیشر کی حاجت ٹھہری۔ غرض خلاف عقل بات اگر تلاش کرنی ہو تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں جو خدائے تعالیٰ کو اول اپنا خدا کہہ کر پھر اس کو خدائی کے کاموں سے الگ رکھا جائے لیکن جو کام خدائے تعالیٰ کا صرف قدرت سے متعلق ہے اس پر وہ شخص اعتراض کر سکتا ہے کہ اول خدائے تعالیٰ کی تمام قدرتوں پر اس نے احاطہ کر لیا ہو۔ اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ مسئلہ شق القمر ایک تاریخی واقعہ ہے جو قرآن شریف میں درج ہے اور ظاہر ہے کہ قرآنِ شریف ایک ایسی کتاب ہے جو آیت آیت اس کی بروقت نزول ہزاروں مسلمانوں اور منکروں کو سنائی جاتی تھی اور اسی کی تبلیغ ہوتی تھی اور صدہا اس کے حافظ تھے مسلمان لوگ نماز اور خارج نماز میں اس کو پڑھتے تھے پس جس حالت میں صریح قرآن شریف میں وارد ہوا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور جب کافروں نے یہ نشان دیکھا تو کہا کہ جادو ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ۔ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا

وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ [1] تو اس صورت میں اس وقت کے منکرین پر لازم تھا ﴿۶۳﴾
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جاتے اور کہتے کہ آپ نے کب اور کس
وقت چاند کو دو ٹکڑے کیا اور کب اس کو ہم نے دیکھا لیکن جس حالت میں بعد مشہور اور
شائع ہونے اس آیت کے سب مخالفین چپ رہے اور کسی نے دم بھی نہ مارا تو صاف
ظاہر ہے کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ضرور دیکھا تھا تب ہی تو ان کو چون و چرا
کرنے کی گنجائش نہ رہی غرض یہ بات بہت صاف اور ایک راست طبع محقق کے لئے
بہت فائدہ مند ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جھوٹا معجزہ بحوالہ
اپنے مخالفوں کی گواہی کے لکھ نہیں سکتے تھے اور اگر کچھ جھوٹ لکھتے تو ان کے مخالف ہم
عصر اور ہم شہر اس زمانہ کے اسے کب پیش جانے دیتے۔ علاوہ اس کے سوچنا چاہئے کہ
وہ مسلمان لوگ جن کو یہ آیت سنائی گئی اور سنائی جاتی تھی وہ بھی تو ہزاروں آدمی تھے اور
ہر یک شخص اپنے دل سے یہ محکم گواہی پاتا ہے کہ اگر کسی پیر یا مرشد یا پیغمبر سے کوئی امر
محض دروغ اور افترا ظہور میں آوے تو سارا اعتقاد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسا شخص ہر ایک
شخص کی نظر میں برا معلوم ہونے لگتا ہے، اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ معجزہ
ظہور میں نہیں آیا تھا اور افترا محض تھا تو چاہیے تھا کہ ہزارہا مسلمان جو آنحضرت پر
ایمان لائے تھے ایسے کذب صریح کو دیکھ کر یکلخت سارے کے سارے مرتد ہو جاتے
لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ظہور میں نہیں آئی پس اس سے ثابت
ہوتا ہے کہ معجزہ شق القمر ضرور وقوع میں آیا تھا۔ ہر یک منصف اپنے دل میں سوچ کر
دیکھ لے کہ کیا تاریخی طور پر یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ معجزہ شق القمر اسی زمانہ میں
بحوالہ شہادت مخالفین قرآن شریف میں لکھا گیا اور شائع کیا گیا اور پھر سب مخالف اس
مضمون کو سن کر چپ رہے کسی نے تحریر یا تقریر سے اس کا ردّ نہ کیا اور ہزاروں مسلمان
اس زمانہ کی رویت کی گواہی دیتے رہے اور یہ بات ہم مکرر لکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت
اللہ پر اعتراض کرنا خود ایک وجہ سے انکار خدائے تعالیٰ ہے کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ

[1] القمر: ۳.۲

﴿۶۴﴾ کی قدرت مطلقہ کو نہ مانا جائے اور حسب اصول تناسخ آریہ صاحبان یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جب تک زید نہ مرے بکر ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں تمام خدائی اس کی باطل ہوجاتی ہے بلکہ اعتقاد صحیح اور حق یہی ہے کہ پرمیشر کو سرب شکتی مان اور قادر مطلق تسلیم کیا جائے اور اپنے ناقص ذہن اور نا تمام تجربہ کو قدرت کے بے انتہا اسرار کا محک امتحان نہ بنایا جائے ورنہ ہمہ دانی کے دعویٰ پر اس قدر اعتراض وارد ہوں گے اور ایسی خجالتیں اٹھانی پڑیں گی کہ جن کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جو بات اپنی عقل سے بلندتر دیکھتا ہے اس کو خلاف عقل سمجھ لیتا ہے حالانکہ بلندتر از عقل ہونا شے دیگر ہے اور خلاف عقل ہونا شے دیگر۔ بھلا میں ماسٹر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر رہتا یا نہیں کہ جس قدر اب جرم قمری مشہود و محسوس ہے اس سے آدھے سے بھی کام لے سکتا اور اگر قادر نہیں تو اس پر عقلی دلیل جو عندالعقل تسلیم ہوسکے کون سی ہے اور کس کتاب میں لکھی ہے تو جس حالت میں معجزہ شق القمر میں یہ بات ماخوذ ہے کہ ایک ٹکڑا اپنی حالت معہودہ پر رہا اور ایک اس سے الگ ہوگیا وہ بھی ایک یا آدھ منٹ تک یا اس سے بھی کم۔ تو اس میں کون سا استبعاد عقلی ہے اور بفرض محال اگر استبعاد عقلی بھی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ عقل ناقص انسان کی ہر یک کام ربانی تک کب پہنچ سکتی ہے بھلا آپ ہی بتلاویں کہ یہ مسئلہ جو آپ کے اصول کے رو سے ستیارتھ پرکاش میں پنڈت دیانند صاحب نے لکھا ہے کہ روح انسانی اَوس کی طرح کسی گھاس پات وغیرہ پر گرتی ہے پھر اس کو کوئی عورت کھا لیتی ہے اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہ کس قدر عقل کے برخلاف اور تمام اطباء اور فلاسفہ کی تحقیق کے مخالف ہے☆ کیونکہ ظاہر ہے کہ بچہ صرف عورت ہی کی منی سے پیدا نہیں ہوتا

حاشیہ ☆ ﴿۶۴﴾ لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر نے چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے جلسۂ بحث میں جس میں راقم رسالہ ہذا کا حق تھا کہ پہلے اپنا اعتراض پیش کرے وقت کو ناحق ضائع کرنے کے لئے گیاراں مارچ ۸۶ء

﴿۶۵﴾ بلکہ عورت اور مرد دونوں کی منی سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے اخلاق روحانی بھی صرف ماں سے مشابہت نہیں رکھتے بلکہ ماں اور باپ دونوں سے مشابہت رکھتے ہیں تو پھر یہ اعتقاد کس قدر نامعقول اور خلاف عقل ہے کہ گویا ایک عورت کی غذا میں ہی وہ روح مخلوط ہو کر کھائی جاتی ہے اور مرد اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ کیا روح کوئی جسم کی قسم ہے کہ جسم سے مخلوط ہو جاتی ہے دیکھو کس قدر یہ اصول بعید از عقل ہے۔ ماسوا اس کے زمین کے نیچے سے ہزاروں جانور زندہ نکلتے ہیں اور بہت سی چیزوں میں سینکڑوں برسوں کے بعد کیڑے پڑ جاتے ہیں ان چیزوں میں کہاں سے اور کس راہ سے روح آ جاتی ہے۔ غرض اگر آپ یہ دعویٰ نہ کرتے کہ جو امر بظاہر برتر از عقل معلوم ہو وہ خدائے تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا کہ آپ پر

﴿۶۵﴾ **بقیہ حاشیہ**

کے بحث کے متعلق ایک فضول جھگڑا شروع کر دیا اور چند سطریں مندرجہ ذیل لکھ کر اور ان پر اپنے دستخط کر کر جلسہ عام میں ایک بڑے جوش سے کھڑے ہو کر سنائیں اور وہ یہ ہیں۔

آج پہلے اس کے کہ میں کوئی نیا سوال پیش کروں مرزا صاحب کی پہلے روز کی تقریر میں سے وہ حصہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ روحیں اَوس وغیرہ پر پھیلتی ہیں اور عورتیں کھاتی ہیں تو آدمی پیدا ہوتے ہیں پیش کرتا ہوں یہ ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں اگر ہے تو ستیارتھ پرکاش مَیں دیتا ہوں اس میں سے نکال کر دکھلاویں تا کہ سچ اور جھوٹ کی نرتی لوگ کر لیں۔

۱۴؍ مارچ ۱۸۸۶ء۔ مرلیدھر ڈرائنگ ماسٹر۔

اس کے جواب میں اول تو میں نے یہ کہا کہ پہلے روز کی تقریر اسی روز کے ساتھ ختم ہوئی۔ آپ پر لازم تھا کہ اسی روز جھگڑا شروع کرتے اب یہ کیونکر اس جلسہ بحث میں

﴿۶۶﴾ اعتراض کرتے لیکن اب تو ماسٹر صاحب آپ پر فرض ہوگیا کہ اول اپنے گھر کی باتوں کو (جو صریح خلاف عقل معلوم ہوتی ہیں) عقل کے رو سے ثابت کرلیں پھر کسی دوسرے پر اعتراض کریں بھلا جس حالت میں آپ کے نزدیک روح بھی ایک باریک جسم ہے جو اوس یعنے شبنم کی طرح ہوکر آسمان سے گرتی ہے تو آپ پر یہ بھی سوال وارد ہوگا کہ انڈے میں جب بچہ مرجاتا ہے تو وہ کس راہ سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر جب اس لاش یا میّت میں اندر ہی اندر کیڑے پڑ جاتے ہیں تو وہ کس راہ سے آتے ہیں پانی کے کیڑے اور ہوا کے کیڑے اور پھلوں کے کیڑے کس اَوس سے پیدا ہوتے ہیں ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات کہنا کہ یہ امر خلافِ عقل ہے اس شخص کے لئے حق پہنچتا ہے کہ جس نے اوّل اپنے گھر کی صفائی کرلی ہو لیکن درحقیقت عقائد اسلام میں تو ایک بات بھی خلاف عقل

﴿۶۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

تحریک کے لائق نہیں بلکہ از قبیل + مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید۔ ہے اگر آپ کو چار روز کی بات اب جا کر سوجھی ہے تو آپ بروقت شائع کرنے اپنے مضمون کے بطور خود لکھ دیں کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اور میں اب بھی کتاب نکال کر دکھلا دیتا لیکن مجھے پتہ یاد نہیں اور نہ میں ناگری پڑھ سکتا ہوں یہ سب عذرات سن کر ماسٹر صاحب نے سراسر مکابرہ کی راہ سے اسی پر ضد کرنا شروع کیا کہ جب تک اس کا تصفیہ نہ ہولے دوسری گفتگو نہیں کرسکتے اس پر مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل نے بھی انہیں بہت سمجھایا کہ اس موقعہ پر گزشتہ قصوں کو لے بیٹھنا بے جا ہے آج کے دن آج ہی کی بحث ہونی چاہیے بھلا اتنی بڑی کتاب جس کا پتہ و مقام خاص یاد نہیں اگر کسی سے پڑھائی بھی جائے تو کیا دو چار روز سے کم میں ختم ہوسکتی ہے اس کے جواب میں لالہ صاحب نے تُند ہوکر ان کو فرمایا کہ کیا آپ عدالتوں میں ایسی ہی وکالتیں کیا کرتے ہیں یہ رعایت کی بات ہے غرض جب دیکھا گیا کہ خدا نے ماسٹر صاحب کی کچھ ایسی ہی سمجھ رکھی ہے

﴿۶۷﴾ پائی نہیں جاتی۔ ہاں بعض امور دقیقہ برتر از عقول ناقصہ ہیں جو کمال معرفت کی حالت میں منکشف ہو جاتے ہیں مگر آپ کے مذہب میں تو ہزاروں باتیں خلاف عقل اور خلاف شان الوہیت پائی جاتی ہیں تو پھر آپ دوسروں پر کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ پس اسی قدر کافی ہے۔

ماسٹر صاحب کا جواب الجواب معہ اس کی ردّ کے

قولہٗ مرزا صاحب میرے سے حدیث یا آیت مانگتے ہیں اور ساتھ ہی قرآن کی آیت تحریر فرما کر اقرار کرتے ہیں کہ قمر کے دو ٹکڑے حضرت نے کئے۔

اقول صاحب من میں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے پر تو آپ سے کسی آیت یا حدیث

﴿۶۷﴾ **بقیہ حاشیہ** کہ وہ بہرحال اپنے الٹے کو سیدھا اور دوسرے کے سیدھے کو الٹا خیال کرتے ہیں تو قصہ کو تاہ کرنے کی غرض سے ان کو کہا گیا کہ جب ہم یہ بحث شائع کریں گے تو اس مقام پر ستیارتھ پرکاش کا حوالہ بھی ضرور لکھ دیں گے چنانچہ ماسٹر صاحب نے جب تک یہ اقرار تحریری نہ لکھا لیا تب تک صبر نہ آیا سو آج وہ روز ہے جو ہم اس وعدہ کو پورا کریں اور دیکھیں کہ ماسٹر صاحب کس قدر انسانی غیرت کو کام میں لاکر شرمندہ اور منفعل ہوتے ہیں۔

لیکن اوّل اس بات کا کھول دینا ازبس ضروری ہے کہ جس حالت میں ستیارتھ پرکاش میں وہ مضمون جس کا حوالہ دیا گیا تھا صاف درج تھا تو پھر کیوں ماسٹر صاحب نے اس کے اندراج سے صاف انکار کیا اور اس کے مطالبہ میں اس قدر بے جا ضد کی کہ بہت سے وقت کو کھویا جس سے ہمارا حق بالمقابل اعتراض کرنے کا بہت سا ضائع ہوا اس کا سبب تین میں سے ایک ہے یا تو یہ کہ ابھی ماسٹر صاحب کو اپنے مذہب کی کتابوں کی کچھ خبر ہی نہیں صرف دیکھا دیکھی بحث کرنے کا شوق ہو گیا ہے یا دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے

﴿۶۸﴾ کی سند نہیں مانگی بلکہ ایک ادنیٰ استعداد کا اردوخوان بھی میرے جواب کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے کہ میں نے تو آپ سے یہ ثبوت مانگا تھا کہ قرآن شریف یا حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستینوں میں سے اس کو نکال دیا سو آپ نے اس کا کچھ ثبوت نہ دیا۔

قولہ میرا سوال تھا کہ جو بات خلافِ قانون قدرت ہے (یعنی شق القمر) وہ کس طرح ہو سکتی۔

اقول بے شک اس قدر حصہ آپ کے سوال کا تو بہت صحیح اور درست ہے کہ خلاف قانون قدرت ازلی وابدی کوئی بات ظہور میں نہیں آتی لیکن ساتھ اس کے یہ دعویٰ آپ کا کہ اس قانون ازلی وابدی پر انسانی عقل نے احاطہ تام کر لیا ہے اور پھر اس خیال باطل

﴿۶۸﴾ **بقیہ حاشیہ** کہ خبر تو تھی لیکن خیانت کی راہ سے دوسروں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لئے ایک امر حق کو چھپانا چاہا ہے یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کے جھوٹے اور لغو مسائل کا حتّی الوسع لوگوں کے روبرو ظاہر نہ کرنا پنڈت دیانند کی طرف سے بطور وصیت فہمائش ہے جس پر ان کے پیرو عمل کر رہے ہیں اور یہ آخری سبب قرین قیاس ہے اور یہی وجہ تھی کہ ماسٹر صاحب نے اپنا تمام جوش اسی میں خرچ کیا کہ ایسا نالائق مضمون اور ایسا باطل خیال ستیارتھ پرکاش میں ہرگز نہیں ہے اور نہ پنڈت دیانند صاحب کی شان کے لائق ہے کہ ایسی احمقانہ باتیں ان کی قلم سے نکلیں مگر شکر ہے کہ آخر چور پکڑا گیا۔ اور اس جگہ ماسٹر صاحب کو بھی معلوم رہے کہ پنڈت صاحب کی یہ ایک نئی غلطی نہیں بلکہ ان کی اکثر تحریریں ایسی ہی ہیں کہ جن کو غلطستان کہنا چاہیے اُن کی فطرت ہی کچھ ایسی واقعہ تھی کہ باریک باتوں تک ان کی عقل نہیں پہنچ سکتی تھی اور خالص اور مغشوش دلائل میں فرق نہیں کر سکتے تھے ہاں بعض اوقات پیچھے سے وقت گزرنے کے بعد سمجھ بھی جاتے تھے کہ ہم سے

﴿۶۹﴾ کے رو سے شق القمر پر اعتراض کرنا یہ بالکل غلط اور سراسر سمجھ کا پھیر ہے عقلمندی یہ ہے کہ قانون قدرت جو ہنوز انسانی دفتروں میں غیر مکمل ہے اس کو ہمیشہ عجائبات جدید الظہور کا تابع رکھنا چاہیے نہ یہ کہ جو عجائبات خواص عالم نئے نئے کھلتے جائیں ان کو باوجود ثبوت کے اس وجہ سے رد کردیں کہ جو کچھ آج تک ہمیں معلوم ہے یہ اس سے زائد امر ہے۔ اس سے زیادہ تر کون سی فضول گوئی اور بے سمجھی ہوگی کہ اپنے چند روزہ اور محدود اور مشتبہ تجربہ کو خدائے تعالیٰ کا مکمل قانون قدرت خیال کر بیٹھیں اور پھر جو آئندہ اسرار کھلتے جائیں ان کو اس بنا پر خلاف قانون قدرت سمجھ لیں کہ وہ ہمارے معلومات سابقہ سے زیادہ ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ نے اس رسالہ کے مقدمہ مذکورہ بالا کو پڑھ کر سمجھ لیا ہوگا کہ قانون قدرت کیا چیز ہے اور کس حالت میں کسی امر کو کہہ سکتے ہیں

بقیہ حاشیہ

﴿۶۹﴾ غلطی ہوئی مگر وہ سمجھنا کچھ اپنی لیاقت سے نہیں بلکہ لوگوں کے اعتراضات بارش کی طرح چاروں طرف سے برس کر متنبہ کرتے تھے اور اسی نقصان فہم کی وجہ سے پنڈت دیانند کا اپنی تمام زندگی میں یہ طریق رہا ہے کہ اول ایک بات کا دعویٰ کرنا کہ یہ مسئلہ وید کا ہے اور ہمارے ویدوں میں یوں ہی لکھا ہے اور پھر اس کو کسی رسالہ وغیرہ میں چھپوا دینا اور پھر جس وقت دانشمند لوگ اس پر اعتراض کر کے اس کا باطل ہونا کھول دیں اور لاجواب کر دیں تو پھر اس مسئلہ سے گریز کر جانا اور یہ عُذر پیش کر دینا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہمارا قصور نہیں ہے بلکہ سہو کاتب ہے چنانچہ پہلے انہوں نے اپنے ستیارتھ پرکاش میں جو وید بھاش کے مشتہر کرنے سے پہلے لکھی گئی ہے صفحہ ۴۲ میں لکھا تھا کہ پتروں میں سے جو کوئی جیتا ہو اس کا ترپن نہ کرے اور جتنے مر گئے ہوں ان کا تو ضرور کرے اور اس پر چند فوائد اور دلائل بھی بیان کئے تھے لیکن پھر مدت کے بعد انہوں نے اشتہار دیا کہ یہ سہو کاتب ہے۔

﴿۷۰﴾ کہ یہ خلافِ قانون قدرت ہے اور اگر آپ نے اب تک اس مقدمہ کو غور کر کے نہیں دیکھا تو میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ آپ غور سے اس مفید مقام کو پڑھیں کیونکہ ان علمی نکات کے جانے بغیر آپ قانون قدرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے۔

قولہ شق القمر سے انتظام عالم میں فتور واقعہ ہو جاتا ہے۔

اقول اگر کسی کی خود اپنی ہی عقل میں فتور نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لئے ایک لازمی امر نہیں ہے سو اسی قاعدہ کے رو سے دانشمند لوگ جو خدائے تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں سے ہمیشہ ہیبت زدہ رہتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حکیم مطلق جس کی حکمتوں کا انتہا نہیں اس کی طرف سے قمر و شمس میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے کہ باوجود انشقاق کے ان کے فعل میں فرق

﴿۷۰﴾ **بقیہ حاشیہ** گویا کاتب نے اپنی طرف سے ایک صفحہ معہ دلائل و فوائد لکھ مارا اور پنڈت صاحب سوئے رہے انہیں کچھ خبر نہیں۔

پھر شاید عرصہ باراں سال کا یا کچھ کم و بیش ہوا ہوگا کہ پنڈت صاحب نے ایک اشتہار اپنا دستخطی کانپور میں مشتہر کیا تھا کہ اکیس شاستر ایشر کرت یعنی خدا کا کلام ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جیسے شاستروں کی خوبیاں پنڈت صاحب پر کھلتی گئیں ان کو انسان کا کلام سمجھتے گئے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چار وید ایشر کرت رہ گئے اور باقی سب انسانی کتابیں ٹھہرائی گئیں پھر اس کے بعد ویدوں کا حصہ جس کو براہمن کہتے ہیں ان کی نظر میں صحیح ثابت نہیں ہوا تو آخر اس کو بھی ایشر کرت سے باہر کر دیا اور صرف اس کے دوسرے حصہ سنگتا (منتر بھاگ) کو الہامی سمجھا گیا۔ کاش پنڈت صاحب ایک دو سال اور بھی جیتے تا ان نوخیال آریوں کو چاروں ویدوں سے بھی آزاد کر جاتے۔ اتھرون وید کا قصہ تو جلد پاک ہو جاتا کیونکہ اس کی نسبت تو پہلے ہی بعض ہندوؤں کا

﴿۱۷﴾ نہ آوے اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔[۱] نزدیک آ گئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ روز ازل سے حکیم مطلق نے ایک خاصہ مخفی چاند میں رکھا ہوا تھا کہ ایک ساعت مقررہ پر اس کا انشقاق ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ نجوم اور شمس اور قمر کے خواص کا ظہور ساعات مقررہ سے وابستہ ہے اور ساعات کو حدوث عجائبات سماوی و ارضی میں بہت کچھ دخل ہے اور حقیقت میں قوانین قدرتیہ کا شیرازہ انہیں ساعات سے باندھا گیا ہے سو کیا عمدہ اور پُرحکمت اور فلسفیانہ اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے آیت مندرجہ بالا میں فرمایا کہ چاند کے پھٹنے کی جو ساعت مقرر اور مقدر تھی وہ نزدیک آ گئی اور چاند پھٹ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے آگے بھی فرماتا ہے وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۔[۲]

﴿۱۷﴾ **بقیہ حاشیہ**

خیال ہے کہ وہ براہمن پشتک ہے اور تین ویدوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ خیر یہ جھگڑا ہمارے اس وقت کے بحث سے متعلق نہیں صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ پنڈت دیانند قائم الرائے آدمی نہیں تھا اور فطرت سے ان کو ایک موٹی عقل ملی تھی جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی باتوں کو تو کیا سمجھتے اپنی رائے کے آخری نتائج سے بھی اکثر بے خبر رہتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے خیالات ایک ہی مرکز پر قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ اوائل میں ان کی یہ رائے تھی کہ تناسخ باطل ہے چنانچہ یہ رائے ان کی ایک مرتبہ وکیل ہند امرتسر میں بھی چھپی تھی پھر اسی اخبار میں لکھا تھا کہ اب پنڈت صاحب فرماتے ہیں کہ اب میں نے عقیدہ تناسخ کو اختیار کر لیا ہے گو پہلے نہیں تھا پھر چاند پور کے مباحثہ پر جو ان کی طرف سے ایک رسالہ نکلا تھا اس میں انہوں نے مکتی جاودانی کا صاف اقرار کیا تھا چنانچہ اب تک رسالہ موجود ہے اور جب سوال کیا گیا کہ اگر مکتی جاودانی ہے تو پھر روح کسی نہ کسی دن مکتی پا کر ختم ہو جائیں گے کیونکہ پرمیشر میں تو یہ قدرت

[۱] القمر: ۲ [۲] القمر: ۴

﴿۷۲﴾ یعنی کفار نے تو چاند پھٹنے کو سحر پر حمل کیا اور تکذیب کی مگر یہ سحر نہیں ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کے ان امور یعنی قوانین قدرتیہ میں سے ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں قرار پکڑنے والے ہیں اور عقلمند انسان اس نشان قدرت سے کیوں تعجب کرے کیا اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں یہی ایک بات بالاتر از عقل ہے جو حکیموں اور فلسفیوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور باقی تمام اسرار قدرت انہوں نے سمجھ لئے ہیں اور کیا یہ ایک ہی عقدہ لانیحل ہے اور باقی سب عقدوں کے حل کرنے سے فراغت ہو چکی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کے عجائب کاموں میں سے یہی ایک عجیب کام ہے اور کوئی نہیں بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو اس قسم کے ہزارہا عجائب کام اللہ تعالیٰ کے دنیا میں پائے جاتے ہیں زمین پر سخت سخت زلازل آتے رہتے ہیں اور بسا اوقات کئی میل زمین تہ و بالا ہوگئی ہے مگر پھر بھی انتظام عالم میں فتور واقع نہیں ہوا حالانکہ جیسے چاند کو اس انتظام میں دخل ہے ویسا ہی زمین کو غرض یہ ملحدانہ شکوک انہیں لوگوں

﴿۷۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

ہی نہیں کہ کوئی روح پیدا کر سکے۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنے چیلوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ روح بے انت ہیں کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ پھر جب ہم نے اخبار وکیل ہند میں مشتہر کیا کہ کیا پرمیشر بھی جانتا ہے یا نہیں کہ اس قدر روح ہیں تو یہ جواب ملا کہ روحوں کی تعداد کی پرمیشر کو بھی خبر نہیں اس کی بے خبری سے ہی یہ سارا انتظام دنیا کا چلا جاتا ہے پھر جب لوگوں نے اس اعتقاد پر بہت ہنسی ٹھٹھا شروع کیا تب پنڈت صاحب تنگ اور لاچار آ کر دوسری طرف الٹے اور فرمایا کہ ہاں روح تو بے انت نہیں ہیں مگر یہ بات سچ ہے کہ کسی کو اوتار ہو یا رشی ہو کوئی ہو ہمیشہ کی نجات نہیں ملے گی اور کیسا ہی کوئی اعلیٰ درجہ کا نیک اور عاشق الٰہی ہو جائے مگر تب بھی جونوں کی دائمی بلا سے اس کو مخلصی نہیں ہوگی پرمیشر تو رحیم ہی تھا مگر وہ بے چارہ کیا کر سکے ہمیشہ کی نجات دینا اس کی قدرت سے باہر ہے کیونکہ وہ کسی روح کو پیدا نہیں کرسکتا۔ اس کی ساری بدنامیوں کی جڑھ یہی ہے غرض پنڈت

کے دلوں میں اٹھتے ہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کو اپنے جیسا ایک ضعیف اور کمزور اور محدود الطاقت خیال کر لیتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ پر اس قسم کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں تو پھر کسی طور سے عقل تسلی نہیں پکڑ سکتی کہ یہ بڑے بڑے اجرام علوی و سفلی کیونکر اور کن ہتھیاروں سے اس نے بنا ڈالے۔ ﴿۷۳﴾

قولہ ممالک غیر اور اقوام غیر کی تاریخ میں ایسی بڑی بات کا ذکر (یعنی شق القمر کا ذکر) ضرور چاہیے۔

اقول میں کہتا ہوں کہ آپ اپنے اسی قول سے ملزم ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ جس حالت میں چاند کے دوٹکرہ کرنے کا دعویٰ زور شور سے ہو چکا تھا یہاں تک کہ خاص قرآن شریف میں مخالفوں کو الزام دیا گیا کہ انہوں نے چاند کو دوٹکرے ہوتے دیکھا اور اعراض کر کے کہا کہ یہ پکا جادو ہے۔ اور پھر یہ دعویٰ نہ صرف عرب میں بلکہ اسی زمانہ میں تمام ممالک روم و شام و مصر و فارس وغیرہ دور دراز ممالک میں پھیل گیا تھا تو اس صورت میں یہ بات کچھ تعجب کا محل نہ تھا کہ مختلف قومیں جو مخالف اسلام تھیں وہ دم بخود اور خاموش رہتیں اور بوجہ عناد

بقیہ حاشیہ ﴿۷۳﴾

صاحب کی کارروائیوں میں اس قسم کی خیانتیں بہت تھیں کہ ایک بات کو اپنے منہ سے نکالنا یا چھپوا دینا اور جب اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو فی الفور منکر ہو جانا اور پھر طبع شدہ کتاب کی ترمیم کر کے دوسری کتاب چھپوانا۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کر کے ستیارتھ پرکاش کا وہ مقام لکھتے ہیں جس کے لکھنے کا ماسٹر مرلیدھر صاحب کو وعدہ دیا گیا تھا اور وہ یہ ہے۔

ستیارتھ پرکاش ۱۸۷۵ء آٹھواں سمولاس صفحہ ۲۶۳۔

سوال: جنم اور موت وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہیں۔

جواب: لنگ شریر یعنی جسم دقیق (روح) اور ستھول شریر جسم کثیف باہم مل کر جب ظاہر ہوتے ہیں تب اس کا نام جنم یعنی پیدائش ہوتا ہے۔ اور دونوں کی علیحدگی سے غائب ہو جانے کو موت کہتے ہیں۔

سو اس طرح سے ہوتا ہے کہ روح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی

﴿۷۴﴾ وبغض وحسد شق القمر کی گواہی دینے سے زبان بند رکھتیں کیونکہ منکر اور مخالف کا دل اپنے کفر اور مخالفت کی حالت میں کب چاہتا ہے کہ وہ مخالف مذہب کی تائید میں کتابیں لکھے یا اس کے معجزات کی گواہی دیوے۔ ابھی تازہ واقعہ ہے کہ لالہ شرمپت و ملاوامل آریہ ساکنان قادیان وچند دیگر آپ کے آریہ بھائیوں نے قریب ۷۰ کے الہامی پیشگوئیاں اس عاجز کی بچشم خود پوری ہوتی دیکھیں جن میں پنڈت دیانند کی وفات کی خبر بھی تھی۔ چنانچہ اب تک چند تحریری اقرار بعضوں کے ہمارے پاس موجود پڑے ہیں لیکن آخر قوم کے طعن ملامت سے اور نیز ان کی اس دھمکی سے کہ ان باتوں کی شہادت سے اسلام کو تائید پہنچے گی اور وہ امر ثابت ہوگا کہ جس میں پھر وید کی بھی خیر نہیں ڈر کر مونہہ بند کرلیا اور ناراستی سے پیار کر کے راستی کی شہادت سے کنارہ کش ہوگئے سو مخالف ہونے کی حالت میں اگر کوئی ادائے شہادت سے خاموش رہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اگر مخالف کی طرف سے ایک دعویٰ کا جھوٹا ہونا کھل جائے تو پھر جھوٹ کی اشاعت کے لئے قلم نہ اٹھائیں اور دروغگو کو اس کے گھر تک نہ پہنچائیں سو میں پوچھتا ہوں کہ اگر آنحضرت

﴿۷۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا میں ملتی ہے پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹے وغیرہ کے ساتھ مل جاتی ہے تو جیسے جس کے افعال کا اثر یعنی جتنا جس کو سکھ یا دکھ ہونا ضروری ہے خدا کے حکم کی موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم میں مل کے شکم مادر میں داخل ہوجاتی ہے پھر جب حیوان یا انسان میں وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اس کے جسم کے حصہ کی کشش سے اس کا جسم بنتا ہے اسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے روح نکلنے کے بعد آفتاب کی کرنوں کے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے اور پھر چاند کے نور کے ساتھ (اوس کی طرح) زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے۔ پھر بموجب طریقۂ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے۔

یہ پنڈت صاحب کی عبارت ہے جو ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نکال کر اس جگہ لکھی ہے اب ہم ماسٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیوں صاحب ابھی سچ اور جھوٹ کی نرتی ہوئی یا نہیں۔ اس وقت ذرا آپ فرمائیں تو سہی کہ آپ کے دل کا کیا حال ہے کیا وہ آپ کا قول سچ نکلا کہ

صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے عام اور علانیہ طور پر یہ دعویٰ مشہور کر دیا تھا کہ میرے ہاتھ سے ﴿۷۵﴾
معجزہ شق القمر وقوع میں آ گیا ہے اور کفار نے اس کو بچشم خود دیکھ بھی لیا ہے مگر اس کو جادو قرار دیا اپنے اس دعویٰ میں سچے نہیں تھے تو پھر کیوں مخالفین آنحضرت جو اسی زمانہ میں تھے جن کو یہ خبریں گویا نقارہ کی آواز سے پہنچ چکی تھیں چپ رہے اور کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخذہ نہ کیا کہ آپ نے کب چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا اور کب ہم نے اس کو جادو کہا اور اس کے قبول سے مونہہ پھیرا اور کیوں اپنے مرتے دم تک خاموشی اختیار کی اور مونہہ بند رکھا یاں تک کہ اس عالم سے گزر گئے کیا ان کی یہ خاموشی جو ان کی مخالفانہ حالت اور جوش مقابلہ کے بالکل برخلاف تھی اس بات کا یقین نہیں دلاتے کہ کوئی ایسی سخت روک تھی جس کی وجہ سے کچھ بول نہیں سکتے تھے مگر بجز ظہور سچائی کے اور کون سی روک تھی یہ معجزہ مکہ میں ظہور میں آیا تھا اور مسلمان ابھی بہت کمزور اور غریب اور عاجز تھے پھر تعجب یہ کہ ان کے بیٹوں یا پوتوں نے بھی انکار میں کچھ زبان کشائی نہ کی حالانکہ ان پر واجب ولازم تھا کہ اتنا بڑا دعویٰ اگر افترا محض تھا اور صدہا کوسوں میں مشہور ہو گیا تھا اس کی ردّ میں

﴿۷۵﴾ **بقیہ حاشیہ**

مضمون مذکورہ بالا ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں۔ افسوس اس روز ناحق آپ نے ہمارے اوقات کو ضائع کیا اور اپنی علمی حیثیت کا پردہ پھاڑا اور آج آپ ہی جھوٹے نکلے۔ ہر کہ باصادقاں آویخت آبروئے خود ریخت۔

اب آپ سوچ لیں کہ آپ کے پنڈت صاحب ویددان نے کیسا ایک ناقص خیال خلاف عقل وخلاف تجارب طبعی وطبابت ظاہر کیا ہے تمام عقلا جانتے ہیں کہ روح کا تعلق صرف بچہ کی والدہ سے نہیں ہوتا بلکہ والد اور والدہ دونوں سے ہوتا ہے اور روحانی اخلاق کا افاضہ بچہ کے وجود پر والدین کی طرف سے ہوتا ہے نہ ان میں سے ایک کی طرف سے۔ ہاں اگر پنڈت صاحب یہ کہتے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے جس کو مرد اور عورت دونوں کھا لیتے ہیں اور دونوں منیوں میں روح کا عرق مخلوط ہو جاتا ہے تب بھی کچھ بات تھی مگر اس جگہ یہ شبہ پیدا ہوگا کہ کیا روح آدھی آدھی ہو کر گرتی ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر دو ٹکڑے

﴿۷۶﴾ کتابیں لکھتے اور دنیا میں شائع اور مشہور کرتے اور جبکہ ان لاکھوں آدمیوں عیسائیوں، عربوں، یہودیوں، مجوسیوں وغیرہ میں سے ردّ لکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی اور جو لوگ مسلمان تھے وہ علانیہ ہزاروں آدمیوں کے روبرو چشم دید گواہی دیتے رہے جن کی شہادتیں آج تک اس زمانہ کی کتابوں میں مندرج پائی جاتی ہیں تو یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ مخالفین ضرور شق القمر مشاہدہ کر چکے تھے اور ردّ لکھنے کے لئے کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور یہی بات تھی جس نے ان کو منکرانہ شور و غوغا سے چپ رکھا تھا سو جبکہ اسی زمانہ میں کروڑ ہا مخلوقات میں شق القمر کا معجزہ شیوع پا گیا مگر ان لوگوں نے خجلت زدہ ہو کر اس کے مقابلہ پر دم بھی نہ مارا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ کے مخالفین اسلام کا چپ رہنا شق القمر کے ثبوت کی دلیل ہے نہ کہ اس کے ابطال کی کیونکہ اس بات کا جواب مخالفین اسلام کے پاس کوئی نہیں کہ جس دعویٰ کا رد انہیں ضرور لکھنا چاہیے تھا انہوں نے

﴿۷۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

ہونے کے بعد اس کا پیوند کیونکر ہو جاتا ہے۔ غرض پنڈت صاحب اپنے اس باطل اعتقاد سے عجب حیص بیص میں اپنے پس ماندگوں کو پھنسا گئے ہیں اور وید کے فلسفہ کا عجیب ایک نمونہ دکھا گئے۔

اور ہم اس جگہ یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ پنڈت دیانند صاحب کا یہ اعتقاد کہ روح جسم ہے یہ بھی سراسر غلط اور فاسد ہے روح ہرگز جسم نہیں ہے جسم قسمت کو قبول کرتا ہے اور روح قابل انقسام نہیں اور اگر یہ کہو کہ وہ جزلایتجزی ہے یعنی پرمانو (پرکرتی) ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کئی روحوں کو باہم جوڑ کر ایک بڑا جسم طیّار ہو جائے جس کو دیکھ سکیں اور ٹٹول سکیں کیونکہ جزلایتجزی جس کو آریہ لوگ پرکرتی یا پرمانو کہتے ہیں یہی خاصیّت رکھتی ہے جیسے پنڈت صاحب آپ ہی قائل ہیں کہ اجسام کثیف پرمانوں کے باہم ملنے سے طیار ہوتے ہیں مگر کیا پنڈت صاحب کا کوئی شاگرد ایسا جسم ہم کو دکھا سکتا ہے جو دو چار ہزار یا دو چار لاکھ یا کسی اور اندازہ

﴿۷۷﴾ کیوں نہیں لکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی درویش یا گوشہ نشین نہیں تھے تا یہ عذر پیش کیا جائے کہ ایک فقیر صلح مشرب جس نے دوسرے مذاہب پر کچھ حملہ نہیں کیا چشم پوشی کے لائق تھا بلکہ آں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عام مخالفین کا جہنمی ہونا بیان کرتے تھے اس صورت میں مطلق طور پر جوش پیدا ہونے کے موجبات موجود تھے۔ ماسوا اس کے یہ بھی کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ واقعہ شق القمر پر جو چند سیکنڈ سے کچھ زیادہ نہیں تھا ہر یک ولایت کے لوگ اطلاع پا جائیں کیونکہ مختلف ملکوں میں دن رات کا قدرتی تفاوت اور کسی جگہ مطلع ناصاف اور پُرغبار ہونا اور کسی جگہ ابر ہونا ایسا ہی کئی اور ایک موجبات عدم رؤیت ہو جاتے ہیں اور نیز بالطبع انسان کی طبیعت اور عادت اس کے برعکس واقع ہوئی ہے کہ ہر وقت آسمان کی طرف نظر لگائے رکھے بالخصوص رات کے

﴿۷۷﴾ **بقیہ حاشیہ** پر روحوں کے باہم ملنے سے طیار ہو گیا ہو اور دیکھنے اور ٹٹولنے میں آ سکتا ہو۔ سو یہ دیانند صاحب کا پوچ خیال ہے کہ روح بھی پرمانو ہی ہے۔

ماسوا اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جز لا یتجزی دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے اور اس کے ابطال پر ایک آسان دلیل یہ ہے کہ اگر جز لایتجزی یعنی پرمانو (پرکرتی) کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اس کو مس کریں گی اور یہ امر تقسیم کو ثابت کرنے والا ہے۔

دوسرے یہ کہ نقطہ یہی جز لا یتجزی ہے اور بموجب اصول موضوعہ علمِ ہندسہ کے ہم کو اختیار ہے کہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خط مستقیم کھینچ لیں مثلاً ہم مختار ہیں کہ نقاط ا اور ب میں ا۔۔۔۔ب ایک ایسا خط مستقیم کھینچ لیں جس کا کُل مجموعہ گیاراں نقطے ہوں پھر بعد اس کے ہم یہ بھی اختیار رکھتے ہیں کہ بموجب شکل دہم مقالہ اولیٰ تحریر اقلیدس اس خط محدود کی تنصیف کریں۔ سو ظاہر ہے

﴿۷۸﴾ وقتؔ جو سونے اور آرام کرنے کا اور بعض موسموں میں اندر بیٹھنے کا وقت ہے ایسا التزام بہت بعید ہے۔

پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی لکھتے ہیں کہ شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں کی معتبر کتابوں میں بھی شہادت پائی جاتی ہے مہابھارتہ کے دھرم پرب میں بیاس جی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں چاند دوٹکرے ہوکر پھر مل گیا تھا۔ اور وہ اس شق قمر کو اپنے بے ثبوت خیال سے بسوامتر کا معجزہ قرار دیتے ہیں لیکن پنڈت دیانند صاحب کی شہادت اور یورپ کے محققوں کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ مہابھارتہ وغیرہ پُران کچھ قدیم اور پرانے نہیں ہیں بلکہ بعض پُرانوں کی تالیف کو تو صرف آٹھ سو یا نو سو برس ہوا ہے۔ اب قرین قیاس ہے کہ مہابھارتہ یا اس کا واقعہ بعد مشاہدہ

﴿۷۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

کہؔ اس خط کے دوٹکڑے برابر کرنے سے درمیانی نقطہ (جو پرمانو ہے) منقسم ہو جائے گا اور یہی مطلب تھا۔ ماسوا اس کے جو شخص علم نفس میں سے کچھ پڑھا ہوگا اور دلائل عدم تجسم روح اس نے دیکھے ہوں گے اس پر صاف کھل جائے گا کہ پنڈت دیانند نے اس اپنے اعتقاد میں ایسی ڈبل غلطی کھائی ہے جس سے ثابت ہوگیا ہے کہ وہ بالکل علم روح سے بیگانہ اور ناآشنا ہے۔ کیا روح میں جسمانی لوازم وخواص بھی پائے جاتے ہیں؟ کیا وہ اپنے تعلق بالبدن میں تعلق جسمانی سے مشابہ ہے کیا وہ اپنے دخول اور خروج میں اجسام کی طرز اور طریق پر ہے پس جس حالت میں نہ جسم کو روح سے کچھ مشابہت ہے اور نہ روح کو جسم سے کچھ مماثلت تو کس قدر بے سمجھی ہے کہ روح کو جسم تسلیم کیا جائے اور پھر غذا کی طرح عورتوں اور دیگر مادہ حیوانات کو کھلایا جائے۔ ہم حیران ہیں کہ یہ کس قسم کی باتیں وید میں درج ہیں اور کیوں لوگوں نے ان فاش غلطیوں کو قبول کرلیا ہے۔ افسوس افسوس۔ منہ۔

واقعہ شق القمر جو معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا لکھا گیا اور بسوامتر کا نام صرف بے جا ﴿۷۹﴾
طور کی تعریف پر جیسا کہ قدیم سے ہندوؤں کے اپنے بزرگوں کی نسبت عادت ہے درج کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی شہرت ہندوؤں میں مؤلف تاریخ فرشتہ کے وقت میں بھی بہت کچھ پھیلی ہوئی تھی کیونکہ اس نے اپنی کتاب کے مقالہ یازدہم میں ہندوؤں سے یہ شہرت یافتہ نقل لے کر بیان کی ہے کہ شہر دہار کہ جو متصل دریائے پھنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے اب اس کو شاید دہارانگری کہتے ہیں واں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا ایکبارگی اس نے دیکھا کہ چاند دوٹکرے ہو گیا اور پھر مل گیا اور بعد تفتیش اس راجہ پر کھل گیا کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے تب وہ مسلمان ہو گیا۔ اس ملک کے لوگ اس کے اسلام کی وجہ یہی بیان کرتے تھے اور اس گرد نواح کے ہندوؤں میں یہ ایک واقعہ مشہورہ تھا جس بنا پر ایک محقق مؤلف نے اپنی کتاب میں لکھا۔ بہرحال جب آریہ دیس کے راجوں تک یہ خبر شہرت پا چکی ہے اور آریہ صاحبوں کے مہابھارتہ میں درج بھی ہو گئے اور پنڈت دیانند صاحب پُرانوں کے زمانہ کو داخل زمانہ نبوی سمجھتے ہیں اور قانون قدرت کی حقیقت بھی کھل چکی تو اگر اب بھی لالہ مرلیدھر صاحب کو شق القمر میں کچھ تامل باقی ہو تو ان کی سمجھ پر ہمیں بڑے بڑے افسوس رہیں گے۔

قولہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں ورنہ دنیا میں جس قدر جدے جدے مذاہب والے اپنے اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت عجائبات بیان کرتے ہیں وہ سب سچے ہو جائیں گے۔

اقول اے ماسٹر صاحب افسوس کہ تعصب کے جوش نے آپ کی کہاں تک نوبت پہنچا دی کہ آپ کی نظر میں قرآنی واقعات عام لوگوں کے مزخرفات کے برابر ہو گئے۔ ایسی باتیں جن کو لوگ بے ٹھکانہ اور بے بنیاد اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت سینکڑوں یا ہزاروں

﴿۸۰﴾ برسوں کے بعد بنا دیتے ہیں جو نہ ان دیوتاؤں کے زمانہ میں تحریر ہوکر شائع ہوتے ہیں اور نہ معزز اور معتبر دیکھنے والوں تک ان کا سلسلہ متواتر اور معتبر طور پر پہنچتا ہے بلکہ سراسر وہ مخلوق پرستوں کے مفتریات ہوتے ہیں جن کے ساتھ کوئی روشن دلیل نہیں ہوتی۔ ایسی بے اصل اور بے ثبوت مفتریات کو قرآنی واقعات سے آپ تشبیہہ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں تو پھر آپ ہی فرماویں کہ جس حالت میں ایسی کتاب کی تحریر تاریخی ثبوت نہیں ہوسکتی جو اپنے زمانہ کا ایک شہرت یافتہ واقعہ مخالفوں کی گواہی کے حوالہ سے بتلاتی ہے اور کتاب بھی ایک ایسے شخص کی کتاب ہے جو تمام دنیا میں عزّت اور مرتبت کے ساتھ مشہور ہے تو پھر تاریخی ثبوت کسے کہتے ہیں۔ کیا تاریخوں کے تمام مجموعہ میں اس سے عمدہ تر کوئی ثبوت مل سکتا ہے کہ کوئی واقعہ ہم ایسی کتاب میں لکھا ہوا پاویں جو اسی زمانہ کا واقعہ ہو جس زمانہ کی وہ کتاب ہے اور اسی مصنف نے اس کو لکھا ہو جس نے اس کو دیکھا بھی ہو اور وہ مؤلّف کتاب بھی اپنی شہرت اور عزّت میں سرآمد روزگار ہو اور پھر باوجود ان سب باتوں کے مصنّف نے مخالفوں کو بطور گواہِ واقعہ قرار دیا ہو۔ اور پھر وہ کتاب بھی ایسی محفوظ چلی آتی ہو کہ اسی زمانہ میں اکثر حصہ دنیا میں شہرت پا گئی ہو اور ہزارہا حافظ اس کی ابتدا سے ہوتے آئے ہوں یاں تک کہ لاکھوں حافظوں تک نوبت پہنچ گئی ہو اور اسی زمانہ کے اس کے قلمی نسخے اور بعض تفسیریں بھی موجود ہوں اور بے شمار بندگان خدا ابتدا سے اس کو اپنی پنجگانہ نمازوں میں پڑھتے اور تلاوت کرتے اور نیز پڑھاتے چلے آئے ہوں اگر کوئی تاریخی کتاب ان سب صفتوں کی جامع دنیا بھر میں بجز قرآن شریف کے آپ کی نظر میں گزری ہے تو آپ اس کو پیش کریں اور اگر پیش نہ کرسکیں تو آپ کی سزا وہی درد خجالت اور انفعال کافی ہے جو لاجواب رہنے کی حالت میں آپ کے عائد حال ہوگی۔ آپ کو خبر نہیں کہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے مخالف باعلم عیسائی

یہودی مجوسی وغیرہ ہیں وہ قرآنی شہادتوں سے یعنی ان واقعات سے جو قرآن شریف ﴿۸۱﴾
نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھے ہیں انکارنہیں کرسکتے ہاں تعصب کی راہ سے بعض آیات
کے معنے اور طور پر کرلیتے ہیں مثلاً شق القمر میں وہ آپ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امر خلاف واقعہ قرآن شریف میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ اس
بات کی تو آپ بھی شہادت دے سکتے ہیں کہ آپ نے تمام عمر میں کوئی ایسی کتاب کسی
فاضل انگریز یا یہودی کی نہیں دیکھی ہوگی جس میں انہوں نے آپ کی طرح یہ رائے ظاہر کی
ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھوٹا دعویٰ شق القمر کا قرآن میں لکھ دیا ہے کیونکہ
جو فاضل قسیس اور باخبر انگریز ہیں وہ لوگ بباعث اپنی عام اور وسیع واقفیت کے خوب
جانتے ہیں کہ جس طور اور التزام سے قرآن شریف نے اشاعت پائی ہے اور جس تشدّد سے
مخالفوں اور موافقوں کی نگرانی اس کی آیت آیت پر رہی ہے اور جس سُرعت اور جلدی سے
اس کے ہریک مضمون کی تبلیغ لاکھوں آدمیوں کو ہوتی رہی ہے اور جس قلیل عرصہ میں جو بعد
زمانۂ نبوی تیس برس سے بھی کم تھا وہ دنیا کے اکثر حصوں میں شہرت پاگیا ہے وہ ایسا طور اور
طریق چاروں طرف سے محفوظ ہے کہ اس میں یہ گنجائش ہی نہیں کہ کوئی جھوٹا معجزہ یا کوئی
جھوٹی پیش گوئی افترا کر کے قرآن شریف میں درج ہوسکتی جس کے افترا پر عیسائیوں
یہودیوں عربیوں مجوسیوں میں سے کسی کو بھی اطلاع نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے اگرچہ آج تک
صدہا فاضل انگریزوں نے بوجہ شدت عناد بہت کچھ مخالفانہ حملے اپنی کتابوں اور تفسیروں
میں قرآن شریف پر کرنے چاہے ہیں جن میں وہ باطل پر ہونے کی وجہ سے کامیاب
نہیں ہوسکے مگر یہ رائے جو آپ نے بیان کی آج تک ان میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔
سو آپ کا ایسی کتاب کو مؤرخانہ وقعت سے باہر سمجھنا اور جوہر صافی اور خس وخاشاک
برابر خیال کرلینا اور صاف صاف فرق دیکھ کر اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال لینا صرف نظر کا گھاٹا

ہے وبس۔ ﴿۸۲﴾

قولہ ۔اگر خلاف قانون قدرت پر اس وجہ سے یقین کیا جائے کہ پرمیشر سرب شکتی مان ہے تو پھر دنیا میں ہم کسی بات کو بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے اور فریبی اور دغا باز لوگ روز بروز بہکا سکتے ہیں۔

اقول اے صاحب میں نے آپ کو کب اور کس وقت کہا ہے کہ بے ثبوت اور تحقیق ہر یک بات کو مان لیا کرو۔ میں تو آپ کو کھلا کھلا ثبوت دے رہا ہوں اور خود میرا یہی اصول ہے کہ بے تحقیق کسی تاریخی واقعہ کو نہیں ماننا چاہیے لیکن میں ساتھ اس کے آپ کو یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر حقیقی دانائی سے کچھ بہرہ حاصل کرنے کا شوق ہے تو چند ناکارہ اور محدود تجارب کا نام قانون قدرت مت رکھو اور کنوئیں کے مینڈک کی طرح دنیا میں اسی قدر پانی مت سمجھو جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ ایک تو آپ کے مذہب میں پہلے ہی سے یہ خرابی ہے کہ آپ لوگ اپنے تئیں واجب الوجود اور قدیم ہونے میں پرمیشر کے بھائی بند خیال کر رہے ہیں پھر اگر یہ دوسرا اعتقاد فاسد بھی اس کے ساتھ مل گیا کہ پرمیشر کی طاقتیں اور قدرتیں بھی آپ کے معلومات سے زیادہ نہیں تو اس صورت میں آپ صرف بھائی بند نہ رہے بلکہ پرمیشر کے بزرگ بھی ٹھہر گئے کیونکہ بزرگوں اور باپوں کو یہ کہنا بنتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نسبت یہ دعویٰ کریں کہ ان کے معلومات ہمارے معلومات سے زیادہ نہیں۔

قولہ باقی سوالات جو مرزا صاحب نے اس غرض سے کئے ہیں کہ پہلے انسان اپنے گھر کو سوچ لے اگر اپنے میں نقص ہو تو دوسرے سے سوال نہ کرے تمام جہان کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے۔

اقول ماسٹر صاحب آپ تمام جہان کو کیوں ناحق بدنام کرتے ہیں اپنے خیالات عجیبہ سے غرض رکھیں۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ بحث مباحثہ اظہار حق کی غرض سے

ہونا چاہئے یعنے اس نیت سے کہ اگر حق ظاہر ہو تو اسے قبول کرلیں مگر وہ شخص جو ایک بات کو ﴿۸۳﴾
اپنے لئے تو جائز رکھتا ہے لیکن اگر فریق مخالف کے کسی امر مسلم میں اس کے ہزار جز میں سے
ایک جز بھی پائی جائے اور کیسی ہی خوبی سے پائی جائے تب بھی اس کو قبول نہیں کرتا ایسے
شخص کی نیت ہرگز بخیر نہیں ہوتی اور جو وقت اس کے ساتھ بحث میں خرچ ہو وہ ناحق ضائع
جاتا ہے پس کیا یہ بُری بات ہے کہ ایسے شخص کو سمجھایا جائے کہ بھائی جبکہ تو خود آپ ہی ایسی
باتوں کو مانتا ہے کہ نہ صرف بالاتر از عقل بلکہ خلاف عقل بھی ہیں تو جو امور عقلِ محدود انسانی
سے بالاتر ہیں اور ان کا ثبوت بھی تجھے دیا جاتا ہے۔ ان کے ماننے میں تجھے کیوں تامل ہے
بلکہ تمام تر دینداری و پرہیزگاری تو اس میں ہے کہ اگر انسان ایک بات کو اپنی رائے میں صحیح
سمجھتا ہے تو اسی نوع کی بات میں اپنے مخالف کے ساتھ منکرانہ جھگڑا نہ لے بیٹھے کہ یہ
اوباشانہ طریق ہے جس میں فریقین کی تضیع اوقات ہے پھر یہ ظاہر ہے کہ ایسا جھگڑا کس
قدر برا اور خلاف طریق انصاف ہوگا کہ ایسی بات سے انکار کیا جائے کہ جو اپنے مسلّمات
سے صدہا درجہ صاف اور پاک اور قدرت الٰہی میں داخل اور تاریخی طور پر ثبوت بھی اپنے
ساتھ رکھتی ہو۔ بے شک ایسا نکما جھگڑا کرنے والا اپنا اور اپنے مخالف کا وقت عزیز کھونا
چاہتا ہے جس کو الزامی جواب سے متنبہ کرنا اپنے حفظِ اوقات کے لئے فرض طریق
مناظرہ ہے اور نیز چونکہ دنیا میں مختلف طبیعتوں کے آدمی ہیں بعض لوگ جو نادرالوجود
ہیں وہ تحقیقی بات سن کر اپنی ضد چھوڑ دیتے ہیں اور اکثر عوام جو تحقیقی جواب سمجھنے کا مادہ ہی
نہیں رکھتے یا بعض ان میں سے کچھ مادہ تو رکھتے ہیں مگر چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں
اس لئے ان کا مونہہ الزامی جوابوں سے بند ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ الزامی طور پر چند
مسلّمات آپ کے آپ کو سنائے گئے ورنہ اصل مدار جواب کا تو تحقیق پر ہی ہے۔ بالآخر
یہ بھی واضح رہے کہ ہر چند ویدوں میں بہت سی بے بنیاد کہانیاں بطور معجزات گزشتہ
دیوتاؤں کے لکھے ہیں مثلاً رگوید اشٹک اول میں لکھا ہے کہ اسونوں (دیوتاؤں) نے

﴿۸۴﴾ کسی نامعلوم زمانہ میں ایک لولی کو لوہے کی ٹانگیں دے دی تھیں اور بانجھ کو دودھیلا کر دیا تھا اور ایک اندھے کو سوجا کھا بنا دیا تھا اور ایک شخص جس کا سر کٹ گیا تھا بجائے اس سر کے گھوڑے کا سر اس پر لگا دیا تھا اور سیا وارشی کو جس کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے از سر نو زندہ کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر ہم نے الزامی جوابوں میں ان کہانیوں کو پیش نہیں کیا کیونکہ گو ان بے اصل قصوں کو جن کا حوالہ کسی ایسے بے نشان زمانہ پر دیا گیا ہے جو وید کے وجود سے پہلے گزر چکا ہے تمام پُرانوں والے تو مانتے ہیں مگر حال کے چند آریہ سماج والے ان مقامات وید میں بڑی جان کنی سے بے سروپا و پُر تکلّف تاویلیں کرتے ہیں۔

تتمہ

آریوں کا اصول تناسخ قانونِ قدرت کے اصول سے منافی ہے

اے حضرات آریہ صاحبان اگر تمام جہان قانون قدرت کا قائل ہو جائے پھر بھی آپ لوگوں کو قائل ہونے کی کوئی سبیل نہیں کیونکہ قانون قدرت کے ماننے سے سب تار و پود آپ کے مذہب کا ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ لوگ تو تصرفات قدرتیہ جناب الٰہی کے قائل ہی نہیں اور نہ قائل ہو سکتے ہیں اور قانون قدرت کو ماننا تو آپ کا مذہب ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ تب قائم رہ سکتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کو اس کے مختارانہ کاموں اور ارادی قدرتوں سے اور اختیاری تصرّفات سے اور ذاتی طاقتوں اور ذاتی قوتوں سے ازل سے ابد تک معطّل اور بیکار اور عاجز اور لاچار سمجھا جائے پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کا اواگون خدائے تعالیٰ کے قانون قدرت کا ضد پڑا ہوا ہے اور ضد بھی ایسی ضد کہ ایک کے ماننے سے دوسرا قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ کے قادرانہ تصرفات کو تسلیم کیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ اس نے تمام اجرام علوی اور اجسام سفلی کو اپنی قدرت ربوبیت سے

پیدا کر کے اجزائے عالم کو باہم انضباط بخشتا ہے اور محض اپنی قدرت کاملہ سے اور خاص ﴿۸۵﴾
اپنے ہی ارادہ اور مشیت سے تمام چیزوں مادی وغیر مادی کو ایک پر حکمت سلسلہ انتظام میں
خود اپنی حکیمانہ مصلحت سے منسلک کیا ہے تو یہی مان لینا جس کا نام دوسرے لفظوں میں
قانون قدرت ہے آپ کے اصول تناسخ کی بیخ کنی کرتا ہے وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ اس
بنا پر کھڑا کیا ہے کہ یہ ترتیب عالم جو بالفعل موجود ہے پرمیشر کے ارادہ اور قدرت سے نہیں
اور نہ اس کی حکمت اور مصلحت سے بلکہ گنہگاروں کے گناہ نے یہ مختلف صورتوں کی چیزیں
پیدا کر دی ہیں جس میں پرمیشر کا ذرا دخل نہیں مثلاً گائے جو دودھ دیتی ہے۔ یا گھوڑا جو
سواری کے کام آتا ہے یا گدھا جو بوجھ اٹھاتا ہے۔ یا زمین جس پر ہم آباد ہیں۔ یا چاند اور
سورج جو دو چمکتے ہوئے چراغ اپنی مختلف قوتوں اور خاصیتوں سے انواع اقسام کے فوائد
دنیا کو پہنچاتے ہیں☆۔ یا گیہوں اور چنے اور چانول وغیرہ ماکولات جن کو ہم کھاتے ہیں

☆**حاشیہ** شائد کسی ناواقف آریہ کو اس جگہ دھوکا لگے کہ آریہ سماج والے اس بات کے ﴿۸۵﴾
قائل نہیں ہیں کہ روح بطور تناسخ چاند یا سورج یا زمین وغیرہ سے بھی تعلق پکڑ لیتی
ہے بلکہ وہ ان چیزوں کو جڑ یا بے جان سمجھتے ہیں تو اس کے جواب میں ماننا چاہئے
کہ اول تو آریوں کا ایسا خیال کرنا کہ سورج و چاند و زمین و اگنی و وایو وغیرہ یہ
سب بے روح چیزیں ہیں جن میں جان نہیں ہے سراسر غلط اور وید کی تعلیم سے بھی
منافی ہے کیونکہ وید کے صدہا مقامات سے ثابت ہے کہ سورج چاند اور اگنی وغیرہ
ارکان اولیہ عالم کے لئے ایک ایک روح ہے ان روحوں کے یونانی و مجوسی بھی
قائل ہیں ایسا ہی دنیا کے تمام تناسخیہ فرقے ان ارواح کو مانتے ہیں۔ بلکہ
ان کا بیان ہے کہ جب انسانی روح سورج و چاند و ستاروں وغیرہ سے تعلق پکڑتی
ہے تو پھر وہ دیوتا بن کر قابل پرستش ہو جاتی ہے اسی وجہ سے تو قدیم سے

﴿۸۶﴾ ؎ یہ سب بقول آپ کے حقیقت میں انسانی روحیں ہیں جو کسی جنم گزشتہ کی شامت سے بطور تناسخ یہ صورتیں اختیار کر لی ہیں اور یہ سارا مجمع مختلف چیزوں کا جو زمین و آسمان میں نظر آتا ہے یہ سب حسب اصول آپ لوگوں کے اتفاقی ہے جس میں پرمیشر کے ارادہ اور قدرت کا سرمو دخل نہیں اور نہ اس کو ان چیزوں کے زیادہ یا کم کرنے یا موجود یا معدوم کرنے میں ایک ذرا اختیار ہے اور آپ لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے کہ اگر انسانی روحیں مرتکب گناہوں کے نہ ہوتیں تو یہ چندیں ہزار عالم مخلوقات جو نظر آ رہا ہے ان میں سے ایک بھی نہ ہوتا۔ گویا ہر یک آرام دنیا کا بزعم آپ لوگوں کے بدکاریوں سے ہی میسر آتا ہے اور تمام دنیوی نعمتوں کے حاصل ہونے کا اصل موجب بدکاریاں ہی ہیں۔ کوئی شخص گناہ کر کے گائے کے جنم میں آئے تو آپ دودھ پئیں اور پھر کسی بدکاری سے گھوڑی کا جنم لے تو آپ کو سواری میسر ہو۔ اور پھر کسی معصیت سے گدھی یا خچر یا اونٹ کی جون میں

﴿۸۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

؎ ہندو لوگ سورج و آگ وغیرہ کی پرستش کرتے آئے ہیں اور اب بھی ان میں سے بہت سا گروہ اس پرستش پر قائم ہے یونانی بھی ان چیزوں کی پرستش کرتے رہے ہیں اور ان کا نام وہ ارباب الانواع رکھتے ہیں گبروں کا آتش پرستی کرنا تو سب سے بڑھ کر ہے۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد چو یکدم اندراں افتد بسوزد

ماسوا اس کے یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر یک جسم میں جتنے ذرّات ہیں اسی قدر روحوں کا اس سے تعلق ہے اگر ایک قطرہ پانی کو خوردبین سے دیکھا جائے تو ہزاروں کیڑے اس میں نظر آتے ہیں ویسا ہی پھلوں میں اور بوٹیوں میں اور ہوا میں بھی کیڑے مشہود و محسوس ہیں۔ بہرحال ہر یک جسم دار چیز کیڑوں سے بھری ہوئی ہے مگر کبھی وہ کیڑے مخفی ہوتے ہیں یا یوں کہو کہ بالقوہ پائے جاتے ہیں اور کبھی مکمن قوت سے حیّز فعل میں آ جاتے ہیں مثلاً جس اناج کو دیکھو تو بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اس میں کوئی کیڑا

پڑے تو آپ کی بار برداری کا کام چلے پھر اگر کوئی ایسا بڑا کام کرے جس کی سزا میں اس کو ﴿۸۷﴾
عورت کی جون میں ڈالا جائے تو آپ لوگوں کو جورو نصیب ہو۔ اور اگر کوئی ایک شخص کسی
شامت گناہ سے مرے تب وہی روح اس کی بیٹا یا بیٹی بن کر آپ کو صاحب اولاد بنائے۔
اس سے ثابت ہوا کہ بموجب اصول آپ کے تمام سلسلہ خدائی کا گناہوں کے طفیل ہی چل
رہا ہے۔ اور اگر گناہ ظہور میں نہ آتے تو پرمیشر تو کچھ چیز ہی نہیں تھا اور اس کی قدرتیں اور
حکمتیں سب ہیچ اور بے حقیقت تھیں۔ پس آپ کو تو قانون قدرت کا نام ہی نہیں لینا چاہئے
کیونکہ قانون قدرت کا تو یہ ضروری تقاضا ہے کہ تمام اجزائے عالم بحکم اس واضح قانون کے
روزِ ازل سے باہم انضباط یافتہ ہیں یہ نہیں کہ کسی اتفاقی شامت سے یہ ہزاروں قسم کی مخلوقات
پیدا ہو گئی ہے اور اگر وہ بلا اتفاق نہ ہوتا تو پیدا ہونے سے رہ جاتے اور پرمیشر گو کیسا ہی ان
چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے ارادہ کرتا مگر کچھ بھی نہ ہوسکتا۔ غرض جب آپ کا ایمان

بقیہ حاشیہ

﴿۸۷﴾ نہیں اور پھر خود بخود اس کے اندر میں ہی سے کچھ تغیر پیدا ہو کر اس قدر کیڑے
پیدا ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ سب جسم کیڑے ہی کیڑے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ
ارواح کو اجسام سے ایک لازمی اور دائمی تعلق پڑا ہوا ہے اب جو شخص تناسخ یعنے
اواگون کا قائل ہے ضرور اس کو کہنا پڑے گا کہ اجسام نباتی و معدنی و حیوانی و
اجرام علوی کا ایک ایک ذرّہ کسی وقت انسان کا روح تھا کیونکہ جیسا کہ تجربہ
ثابت کر رہا ہے۔ ایک ایک ذرّہ جسم سے ایک ایک روح تعلق رکھتا ہے اور اجرام
علوی میں روحوں کا ہونا شائد ناواقفوں کی نظر میں تعجب کا محل ہوگا لیکن حال کے
فلسفیوں کی تحقیقاتوں نے کھول دیا ہے کہ کرۂ شمس و قمر وغیرہ جانداروں کی آبادی
سے خالی نہیں چنانچہ پنڈت دیانند اور اس کے پیرو بھی اس بات کے قائل ہیں سو
یہ بات تو ہر یک کو معلوم ہے کہ جس کرہ میں کوئی جاندار چیز ہو وہ اسی کرہ کے مادّہ

﴿۸۸﴾ اور دھرم آپ کو ایسی ایسی تعلیمیں دے رہا ہے تو پھر اس جگہ پرمیشر کی قدرتوں کا کیا ذکر اور قانونِ قدرت کے نام لینے کا کونسا محل ہے کیونکہ قدرت یا قانونِ قدرت تو اسے کہتے ہیں کہ اول اس مالک کی خالقانہ طاقتوں اور قادرانہ تصرّفات اور مختارانہ کاموں کو تسلیم کرکے پھر اس سلسلہ ظہور طاقتوں کو قانون قدرت سے مُلقّب کیا جائے مگر اس جگہ تو وہ بات ہی نہیں رہی اور پرمیشر صرف نام کا پرمیشر رہ گیا ہے جس کو ایک ذرّہ کے پیدا کرنے کی بھی طاقت نہیں ہاں روحوں پر کسی مخفی وجہ کے سبب سے اس کو تسلط ہوگیا ہے شائد کسی اگلے جنم میں اس نے بہت اچھے کرم کئے ہوں گے جس سے وہ اس حکمرانی کے لائق ٹھہر گیا۔ غرض جب پرمیشر میں قدرت کا نشان نہیں مختارانہ تصرّفات کی طاقت نہیں قادرانہ کاموں کی ہمت نہیں۔ ترتیب دنیا میں اس کو کچھ دخل ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ وہ اس لائق بھی نہیں کہ اس کا کوئی قانونِ قدرت ہو بلکہ وہی مثل صادق آئے گی کہ

﴿۸۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

سے پیدا ہوتی ہے جیسے کرۂ زمین میں جو کچھ ہے وہ زمین سے ہی پیدا ہوا ہے اور پیدا ہوتا ہے پس جبکہ اجرام علوی میں جانداروں کا ہونا ثابت ہے جس کو آریہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام جاندار سورج و چاند وغیرہ اجرام سے بھی پیدا ہوئے ہوں گے اور اس پیدائش سے یہ ثابت ہوگیا کہ اجسام سفلی کی طرح اجرام علوی بھی کئی طور پر روحوں کی کانیں ہیں پس اس سے تناسخ والوں کو ماننا پڑا کہ کسی زمانہ میں سورج چاند وغیرہ اجرام انسانی روحیں تھیں اور پھر وہ کسی عمل کے نیک یا بد اثر سے سورج چاند وغیرہ اجرام بن گئے اور یہ اعتقاد جس قدر قانون قدرت اور عقل کا دشمن ہے اس کے بیان کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ فتدبر۔

منہ

جامہ ندارم دامن از کجا آرم۔ ہاں اپنے ہی گناہوں کا آپ کو شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے آپ کو گوؤں کا دودھ پلایا۔ گھوڑوں پر چڑھایا۔ غرض سب آپ کا کام بنایا اور سب کچھ کیا اور کرایا۔ حقیقت میں اس مسئلہ تناسخ نے آپ کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا۔ اگر اس سے کچھ نقصان پہنچا تو بس یہی کہ ایک تو پرمیشر ہاتھ سے گیا اور دوسرا حلال حرام کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ خیر پرمیشر کا تو آپ کو کیا افسوس ہوگا گزارہ تو چلا ہی جاتا ہے۔ مگر جو حلال حرام میں گڑبڑ پڑ گیا یہ خرابی ایک دنیادار غیرت مند کی نظر میں بھی جس کو ایک ذرہ ننگ وناموس کا پاس ہو قابل برداشت نہیں کیونکہ اگر مسئلہ تناسخ صحیح ہے تو اس کے رو سے ممکن ہے کہ کسی شخص کی والدہ یا دختر یا حقیقی بہن یا دادی یا نانی مرنے کے بعد کسی عورت کی جون میں پڑ کر پھر اسی شخص کے نکاح میں آجائے جس کی ماں یا لڑکی ہے اور دنیا جو ایک ظلمت گاہ اور بے تمیزی کی جگہ ہے اس میں کون آ کر خبر دے سکتا ہے کہ اے بھلے مانس اس سے شادی مت کر یہ تو تیری ماں یا بہن یا دادی یا نانی ہے۔ سو سوچ کر دیکھ لینا چاہیے کہ اس اواگون کے مسئلہ نے صرف آپ کے پرمیشر کی عزت پر ہی ہاتھ نہ ڈالا بلکہ ایسے ایسے ضرر بھی اس میں موجود ہیں اور بلا شبہ جو شخص اس مسئلہ تناسخ کو روا اور جائز سمجھتا ہے اس کو اس کے بدنتائج بھی روا اور جائز کہنے پڑیں گے۔ مگر ہائے افسوس جو لوگ دنیا کے پرستار ہیں اور قومی تعصبوں کی زنجیر میں گرفتار وہ اپنے بدعقیدوں کو کسی ڈھب چھوڑنا نہیں چاہتے۔ قوم کا رعب ان کے دلوں پر ایسا غالب ہے کہ جو مخلوق پرستی کی حد تک پہنچ گیا ہے خدائے تعالیٰ کا ان کے دلوں میں اتنا بھی قدر نہیں جو ایک بوڑھی عورت کو اپنے گھر کی سوئی کا ہوتا ہے۔ ﴿۸۹﴾

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں نقصاں جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں
جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں کیا کیا نہ ان کے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں
پر ان کو اس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں آنکھیں نہیں ہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں

﴿۹۰﴾ انؔ کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد
پر تب بھی مانتے ہیں اسی کو بہر سبب کیا حال کر دیا ہے تعصب نے ہے غضب
دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی
اے غافلاں وفا نکند ایں سرائے خام دنیائے دوں نماند و نماند بکس مدام

تَمّت المباحثه الاُولٰی

وللّٰہ الحمد فی الاولٰی والاخرٰی

مبَاحثہ ثانیہ ﴿۹۱﴾

منعقدہ ۱۴؍ مارچ ۱۸۸۶ء

اعتراض از طرف مؤلّف رسالہ ھٰذا

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

آریہ صاحبوں کا اعتقاد ہے کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی بلکہ کل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکتی یعنی نجات ہمیشہ کے لئے انسان کو نہیں مل سکتی بلکہ ایک مدت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اس سے باہر نکالا جاتا ہے۔ اب ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ دونوں اعتقاد ایسے ہیں کہ ایک کے قائم ہونے سے تو خدائے تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی خدائی ہی دور ہوتی ہے اور دوسرا اعتقاد ایسا ہے کہ بندۂ وفادار پر ناحق کی سختی ہوتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی مانا جائے تو اس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ ان کے ایک تو یہ کہ اس صورت میں خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان ارواح یعنی جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے کے لئے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ایک دہریہ جو خدائے تعالیٰ کا منکر ہے عذر پیش کر سکتا ہے کہ جس حالت میں تم نے کل چیزوں کا وجود خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ ان چیزوں کے باہم جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے؟ دوسری یہ قباحت کہ

ایسا اعتقاد خود خدائے تعالیٰ کو اس کی خدائی سے جواب دے رہا ہے کیونکہ جو لوگ علم نفس ﴿۹۲﴾
اور خواص ارواح سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر ارواح میں عجائب
وغرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے مثلاً
روحوں میں ایک قوت کشفی ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات دریافت کر سکتے
ہیں اور ایک قوت ان میں عقلی ہے جس سے وہ امور عقلیہ کو معلوم کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی
ایک قوت محبت بھی ان میں پائی جاتی ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں
اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بغیر ایجاد کسی موجد کی مان لیا جائے تو پرمیشر کی اس میں بڑی
ہتک عزّت ہے گویا یہ کہنا پڑے گا کہ جو عمدہ اور اعلیٰ کام تھا وہ تو خود بخود ہے اور جو ادنیٰ
اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا ہے اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو
خود بخود عجائب حکمتیں پائی جاتی ہیں وہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں ایسا کہ
پرمیشر بھی ان سے حیران ہے غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی خدائی پر بڑا
صدمہ پہنچے گا یاں تک کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا اور اس کے وجود پر کوئی عقلی دلیل
قائم نہ ہو سکے گی اور نیز وہ مبدء کل فیوض کا نہیں ہو سکے گا بلکہ اس کا صرف ایک ناقص
کام ہوگا اور جو اعلیٰ درجہ کے عجائب کام ہیں ان کی نسبت یہی کہنا پڑے گا کہ وہ سب
خود بخود ہیں لیکن ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے تو اس سے اگر
فرضی طور پر پرمیشر کا وجود مان بھی لیا جائے تب بھی وہ نہایت ضعیف اور نکما سا وجود ہوگا
جس کا عدم وجود مساوی ہوگا یاں تک کہ اگر اس کا مرنا بھی فرض کیا جائے تو روحوں کا
کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی روح اس کی بندگی کرنے کے
لئے مجبور کی جائے کیونکہ ہر یک روح اس کو جواب دے سکتی ہے کہ جس حالت میں تم
نے مجھے پیدا ہی نہیں کیا اور نہ میری طاقتوں اور قوتوں اور استعدادوں کو تم نے بنایا تو
پھر آپ کس استحقاق سے مجھ سے اپنی پرستش چاہتے ہیں اور نیز جبکہ پرمیشر روحوں کا
خالق ہی نہیں تو ان پر محیط بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب احاطہ نہ ہو سکا تو پرمیشر اور روحوں

مِیں حجاب ہوگیا اور جب حجاب ہوا تو پرمیشر سرب گیانی نہ ہوسکا یعنے علم غیب پر قادر نہ ہوا۔ ﴿۹۳﴾
اور جب قادر نہ رہا تو اس کی سب خدائی درہم برہم ہوگئی تو گویا پرمیشر ہی ہاتھ سے گیا اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم کامل کسی شے کا اس کے بنانے پر قادر کردیتا ہے اس لئے حکماء کا مقولہ ہے کہ جب علم اپنے کمال تک پہنچ جائے تو وہ عین عمل ہوجاتا ہے اس حالت میں بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پرمیشر کو روحوں کی کیفیت اور کُنہ کا پورا پورا علم بھی ہے یا نہیں اگر اس کو پورا پورا علم ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود پورا پورا علم ہونے کے پھر ایسی ہی روح بنا نہیں سکتا سو اس سوال پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ ان کی نسبت پورا پورا علم بھی نہیں رکھتا۔ دوسرا ٹکڑہ ہمارے سوال کا حق العباد سے متعلق ہے یعنی یہ کہ آریہ صاحبان کے اعتقاد مذکورہ بالا کے رو سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرمیشر اپنے بندوں سے بھی ناحق کا ایک بخل رکھتا ہے کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مکتی اور نجات کی اصل حقیقت یہی ہے کہ انسان ماسوائے اللہ کی محبت سے مونہہ پھیر کر پرمیشر کی محبت میں ایسا محو ہوجائے کہ جس طرح عاشق اپنے محبوب کے دیکھنے سے لذّت اٹھاتا ہے ایسا ہی اپنے محبوب حقیقی کے تصوّر سے لذّت اٹھائے اور محبت بجز معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور قاعدہ کی بات ہے کہ موجب محبت کے دو ہی امر ہیں یا حُسن یا احسان پس جب انسان بہ باعث اپنی کامل معرفت کے خدائے تعالیٰ کے حُسن و احسان پر اطلاع کامل طور پر پاتا ہے تو لامحالہ اس سے کامل محبت پیدا ہوجاتی ہے اور کامل محبت سے لذّت ملتی ہے پس اسی جہان سے بہشتی زندگی عارف کی شروع ہوجاتی ہے اور وہی معرفت اور محبت عالم آخرت میں سرور دائمی کا موجب ہوجاتی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں نجات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جب ایک شخص کو پورا پورا سامان نجات کا میسر آگیا اور پرمیشر کی کرپا اور فضل سے مکتی پاگیا تو پھر کیوں پرمیشر اس کو ناکردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے کیا وہ اس بات سے چڑتا ہے کہ کوئی عاجز بندہ ہمیشہ کے لئے آرام پاسکے جس حالت میں ابدی بقا کے

روحوںؔ میں قوت رکھی گئی ہے تو کیا پرمیشر اپنے بندوں کو ابدی سرور نہیں دے سکتا۔ بعض ﴿۹۴﴾
صاحب اس جگہ پر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ بندوں کے اعمال محدود ہیں اس لئے جزا
بھی اس کی محدود ہی ملتی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ عمل اعظم بندہ کا یہی ہے
کہ وہ وفاداری سے ایمان لاتا ہے اور بے انتہا وفاداری کی نیت سے تکالیف مالی و جانی
اٹھانے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے تو اس صورت میں عمل اس کا محدود نہ ہوا بلکہ
غیر محدود ہوا اگر پرمیشر اس کو زندہ چھوڑتا تو وہ کبھی بے وفائی نہ کرتا یہ نعوذ باللہ پرمیشر کا
قصور ہوا کہ اس نے اس کو مہلت نہ دی ماسوا اس کے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے
موجب نجات و مکتی کا ایک ایسا امر ہے کہ وہ پرمیشر کی صحبت میں رہ کر کم نہیں ہوسکتا بلکہ
ترقی کرنا چاہئے کیونکہ کوئی عقلمند ہرگز خیال نہیں کرسکتا کہ پرمیشر کی صحبت سے گیان اور
محبت میں کچھ فرق آجاتا ہے اور جس طرح ممکن نہیں کہ باوجود چراغ کے ہونے کے
اندھیرا ہو جائے اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ باوجود علل موجبہ مکتی کے پھر کوئی شخص مکتی خانہ
سے باہر نکالا جائے۔ پرمیشر بمنزلہ خریدار کے نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ جس قدر اس نے
کوئی چیز لی اسی قدر اس نے دام بھی دے دیئے بلکہ یہ معاملہ محبت و عشق کا ہے اور کوئی
منصف مزاج معشوق اپنے وفادار عاشق سے ایسا بدمعاملہ ہرگز نہیں کرسکتا کہ اس کو ناحق
خرابی میں ڈالے۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ آیا پرمیشر اس بات پر قادر ہے یا نہیں کہ اپنے
بندہ کو ہمیشہ کے لئے مکتی دے دے۔ اگر قادر ہے اور بندہ وفادار بھی اس کا مستحق ہے اور
علل لازمہ موجبہ بھی دائمی مکتی کو چاہتے ہیں تو پھر کیوں پرمیشر ایسی سختی کرتا ہے کہ اوّل
ایک بندہ کو ایک ایسا مقرب بنا کر کہ وہ اوتار ہو گیا یا اس پر وید نازل ہوگئے پھر ناحق
اس کی عزت بگاڑ دیتا ہے اور رفتہ رفتہ مختلف جونوں میں ڈال کر اس کی کیڑوں مکوڑوں
تک نوبت پہنچاتا ہے بعض صاحب یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ کام پرمیشر نے ایک
مصلحت سے اختیار کر رکھا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ چونکہ پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے
پر قادر نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کل ارواح معدود اور محدود ہیں تو اس صورت میں اگر

پرمیشر ان سب کو مکتی دے دے تو پھر ہمیشہ دنیا پیدا کرنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ جو ﴿۹۵﴾ روح مکتی پاکر مکتی خانہ میں گیا وہ تو گویا ہاتھ سے گیا اور بہ باعث نہ ہونے آمدن اور روزمرّہ کے خرچ کی آخر سب روح ایک دن ختم ہو جائیں گے اور پھر پرمیشر دنیا پیدا کرنے سے قاصر اور عاجز رہے گا اور یہ امر خلاف اصول آریہ سماج ہے غرض آریہ صاحبوں کے اصول کے بموجب نہ پرمیشر کی توحید اور عظمت قائم رہتی ہے اور نہ مکتی یافتہ روح کبھی ناگہانی آفت سے نجات پا سکتے ہیں بلکہ اس شخص کی طرح جس کو ایک دورہ خاص پر مرگی کی بیماری پڑتی ہے ایسا ہی روحیں بھی ایک قسم کی بیماری میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے اور جیسے جیسے مکتی خانہ سے نکالنے کا وقت نزدیک آتا جائے گا ویسا ہی جزع فزع میں مبتلا ہوتے جائیں گے خداوند کریم جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى[1] یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ڈر کر تزکیہ نفس کرے اور ماسوائے اللہ سے مونہہ پھیر کر خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع لے آئے تو وہ جنت میں ہے اور جنت اس کی جگہ ہے یعنی خود ایک روحانی جنت بباعث قوت ایمانی و حالت عرفانی اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اس میں رہتا ہے سو اس جگہ ماسٹر صاحب سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ بہ مقابل اس آیت قرآنی کے جو جاودانی اور لازوالی مکتی پر دلیل پیش کرتی ہے جو کچھ وید میں محدود مکتی کا فلسفہ بتلایا گیا ہے وہ شرتی بھی اس جگہ پیش کر دیں۔ ۱۴؍ مارچ ۸۶ء

جواب لالہ مرلیدھر صاحب معہ جواب الجواب از طرف مؤلّف رسالہ ھٰذا

قولہ ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ آریہ سماج والوں کا اعتقاد یہ ہے کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی اور کل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں ایسا ہی ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ مکتی یعنی نجات ہمیشہ کے لئے کسی انسان کو نہیں مل سکتی بلکہ ایک مدت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اس سے نکالا جاتا ہے یہ بیان مرزا صاحب کا

[1] النازعات:۴۱۔۴۲

بہت کچھ فرق آریہ سماج کے اصولوں سے رکھتا ہے جو آگے ظاہر کیا جائے گا۔ ﴿۹۶﴾

اقول جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اس بیان میں ذرّہ فرق نہیں بلاشبہ آریہ سماج والوں کے یہ دونوں اعتقاد ہیں جن پر تناسخ یعنی اواگون کی بنیاد ہے اگر کچھ فرق تھا تو آپ نے ظاہر کیا ہوتا۔ آپ نے وعدہ تو کیا کہ آگے جا کر اس فرق کو بیان کریں گے مگر کسی جگہ بیان نہ کیا کہ یہ فرق ہے بلکہ آگے جا کر تو بقول شخصے کہ دروغ گورا حافظہ نباشد۔ آپ نے صاف اقرار کر دیا کہ ایسا ہی اعتقاد آریہ سماج والے رکھتے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے دل بھی اس بات پر شہادت ہیں کہ یہ وید کے دونوں اصول سخت درجہ کے مخالف عظمت وقدرت وتوحید وشان الٰہی ہیں اسی واسطے کبھی کبھی لوگوں کے شرم سے آپ لوگوں کی طبیعت اِخفا کی طرف رجوع کر جاتی ہے مگر ایسی باتوں کو آپ کیونکر چھپا سکتے ہیں جو پنڈت دیانند صاحب کے قلم سے مشتہر ہو چکی ہیں خویش و بیگانہ اس پر اطلاع پا چکے ہیں۔ ماسٹر صاحب؟ آپ بُرا نہ مانیں آپ کے وید کی ایسی ایسی تعلیموں نے ناستک مت والوں (دہریوں) کو بہت کچھ مدد دی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو آریہ صاحبوں کا وید ایک ایسا خدا بتا رہا ہے جس سے حق جُو آدمی ضرور ہے کہ نفرت کرے وہ اپنے پرمیشر کو اپنی بادشاہی کا خود موجب نہیں سمجھتے بلکہ ایسا خیال کرتے ہیں کہ وہ بادشاہت کسی بخت واتفاق سے اس کو ملی ہے یعنی اس کی خوش قسمتی سے چند ارواح اور اجسام بنے بنائے اس کو مل گئے ہیں اور شاید ابھی ارواح اور اجسام کا کوئی اور دفینہ بھی کسی جگہ پوشیدہ ہو جس کی ہنوز پرمیشر کو اطلاع نہیں ہوئی مگر کیا یہ ایسا اعتقاد ہے جس کو عظمت وقدرت وشان کبریائی حضرت اللہ جل شانہٗ کے مطابق کہہ سکتے ہیں خدائے تعالیٰ وہ کامل ذات ہے جو تمام فیوض کا مبدء اور تمام انوار کا سر چشمہ اور تمام چیزوں کا قیوم اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام کمالات کا مستجمع اور عجز اور نقص اور احتیاج الی الغیر سے پاک ہے لیکن تم سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ارواح اور اجسام کی غیر مخلوق اور خود بخود ماننے سے ان تمام صفاتِ کاملہ الٰہیہ

مِیں سے کوئی بات بھی قائم نہیں رہ سکتی اور ایک ایسا سخت صدمہ اس کی شان خدائی پر پہنچتا ہے کہ اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ﴿۹۷﴾

ایک ادنیٰ درجہ کی عقل بھی سمجھ سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ایک ہونے کے یہی معنے ہیں کہ درحقیقت وجود اسی کا وجود ہے اور باقی سب چیزیں اس سے نکلی ہیں اور اسی کے ساتھ قائم اور اسی کے رشحاتِ فیض سے اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتی ہیں مگر افسوس کہ آریوں کا علم الٰہی اس کے برخلاف بتلا رہا ہے ان کی کتابیں انہیں واویلوں سے پُر ہیں کہ ہم بھی پرمیشر کی طرح قدیم اور غیر مخلوق اور انادی اور اس کے مشابہ اور اپنے اپنے وجود کے آپ خدا ہیں نہیں سوچتے کہ اگر وہ بھی قدیم الذات اور قائم بذاتہٖ اور واجب الوجود ہیں تو پھر خدا جیسے ہوکر اس کی ماتحت کیوں ہوگئے اور کس نے درمیان میں ہوکر دونوں میں تعلق پیدا کر دیا افسوس کہ ان لوگوں نے عقیدہ باطلہ وید سے ایسی محبت کی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت اور کمالیت کے لئے ذرہ غیرت باقی نہیں رہی اور اس عقیدۂ مذکورہ بالا کے بدتر اثر نے ان کا کچھ باقی نہیں چھوڑا اور اسی بداعتقاد کا بداثر جاودانی نجات کا بھی رہزن ہوا ہے اور اسی کی نحوست سے آریہ مت کے دفتر میں ایک ہنگامہ مفاسد برپا ہو رہا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات کو صحیح یا غلط طور پر جاننا ایک ایسا امر ہے کہ اس کا اثر (جیسا کہ ہو) تمام باقی اصولوں پر پڑتا ہے اگر اس میں صلاحیت ہو تو دوسرے اصول بھی صلاحیت رکھتے ہیں اور اگر اس میں فساد ہو تو وہ فساد دوسرے اصولوں میں بھی سرائت کرتا ہے اسی جہت سے اس اصل الاصول کے بگڑنے سے آریوں کے سب عقائد کی ستیاناس ہوئی ہے اور سب خیالات کو اس ایک ہی بگڑے ہوئے خیال نے تہ وبالا کر دیا ہے اور اب جب تک اس کی اصلاح نہ ہو تب تک باقی خراب شدہ خیالات کسی نوع سے درستی پر نہیں آ سکتے اب حقیقت میں آریوں کو بڑی مشکل پیش آ گئی ہے اب ان دونوں وید اور پرمیشر سے ایک کو ضرور چھوڑنا پڑے گا۔

﴿۹۸﴾ یہ بات ایک لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر سب ارواح اور اجسام خود بخود پرمیشر کی طرح قدیم اور انادی ہیں اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں☆ تو پرمیشر اس دعویٰ کا ہرگز مجاز نہیں رہا کہ میں ان چیزوں کا ربّ اور پیدا کنندہ ہوں کیونکہ جب کہ ان چیزوں نے پرمیشر کے ہاتھ سے وجود ہی نہیں لیا تو پھر ایسا پرمیشر ان کا ربّ اور مالک کیونکر ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی بچہ بنا بنایا آسمان سے گرے یا زمین کے خمیر سے خود پیدا ہو جائے تو کسی عورت کو یہ دعویٰ ہرگز نہیں پہنچتا کہ یہ میرا بچہ ہے بلکہ اس کا بچہ وہی ہوگا جو اس کے پیٹ سے نکلا ہے سو جو خدا کے ہاتھ سے نکلا ہے وہی خدا کا ہے اور جو اس کے ہاتھ سے نہیں نکلا وہ اس کا کسی طور سے نہیں ہوسکتا۔ کوئی صالح اور بھلا مانس ایسی چیزوں پر ہرگز قبضہ نہیں کرتا جو اس کی نہ ہوں تو پھر کیونکر آریوں کے پرمیشر نے ایسی چیزوں پر قبضہ کر لیا جن پر قبضہ کرنے کا اس کو کوئی استحقاق نہیں۔ سو سوچنا چاہیے کہ یہ بات کس قدر مکروہ اور دور از حقانیت ہے کہ مالک الخلق اور رب العالمین کو اس کی مخلوقات سے جواب دیا جاتا ہے اور جو اصل حقیقت خدائی کی کی❀ اس سے اس کو الگ کیا جاتا ہے ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ اگر ہندوؤں کے وید میں کوئی اور غلطی نہ ہوتی تو اس کے مخالف حق ہونے کے لئے یہی ایک بڑی دلیل تھی کہ خدائے تعالیٰ کی صفات حقہ کے بیان کرنے میں اس نے ایسی رہزنی کی ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی خدائی قائم ہونے کے لئے بہت ضروری امر تھا وہی اس نے جڑھ سے اکھیڑ دیا ہے۔

ایسا ہی ذرا سوچ کر معلوم کر لینا چاہیے کہ اگر یہ تمام روحیں جن کے پیدا کرنے کی پرمیشر کو طاقت نہیں ہمیشہ کے لئے مکتی پا جائیں تو پھر پرمیشر بجز اس کے کہ مجبوری کے طور پر خالی ہاتھ

☆**حاشیہ** خدا بمعنے خود آیندہ ہے اور خدائے تعالیٰ جلّ شانہٗ اسی وجہ سے خدا کہلاتا ہے کہ وہ کسی کے پیدا کرنے کے بغیر خود بخود ہے سو اگر ارواح و اجسام بھی خود بخود ہیں تو وہ سب خدا ہی ہوئے اور بموجب اصول آریہ کے ان کو بھی خدا کہنا جائز بلکہ واجب ہوا۔ منہ

❀ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’کی ہے‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

بیٹھا رہے اور کیا کرسکتا ہے تو اس صورت میں وہ اصول آریہ سماج والوں کا جو دنیا کا سلسلہ ﴿۹۹﴾
ہمیشہ بنا رہتا ہے کیونکر قائم رہ سکتا ہے اب ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کے اعتقاد کے رو سے
پرمیشر کی بادشاہت صرف غیر مخلوق روحوں کے سہارے سے چل رہی ہے اور اگر یہ کہو کہ
پرمیشر روحوں کو کبھی جاودانی مکتی نہیں دے گا تو پھر کیونکر سلسلہ دنیا کا منقطع ہوگا اور کیونکر
پرمیشر مجبور ہوکر خالی بیٹھے گا تو ہم کہتے ہیں کہ ایرادِ اعتراض کے لئے محض فرض کرنا نجات
ابدی کا جو امور ممکنہ میں داخل ہے کافی ہے کیونکہ فن فلسفہ میں امور جائز الوقوع میں صرف
ان کے فرض وقوع پر بحث کی جاتی ہے نہ تحقق فی الخارج میں۔ فلسفی کو اس سے کچھ غرض نہیں
کہ وہ امر وقوع میں آیا یا نہ آیا بلکہ فلسفی قطع نظر وقوع لا وقوع سے صرف مادہ جواز پر برہان
قائم کرتا ہے مثلاً فلسفی کہتا ہے کہ اگر زید ایک تولہ زہر کھالے تو بے شک مرے گا کیونکہ صدہا
مرتبہ کا تجربہ صحیحہ و صادقہ اس بات پر شہادت دے رہا ہے پس اس کے جواب میں یہ
معارضہ کہ زید نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں ہرگز زہر نہیں کھاؤں گا۔ حجت کو اٹھا نہیں سکتا کیونکہ
گو زید زہر کھانا نہیں چاہتا اور فرض کیا کہ اس نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں ہرگز زہر نہیں کھاؤں
گا لیکن عند العقل اس کا زہر کھانا اور مرنا ممکن ہے اسی واسطے صناعت منطق میں قضیہ ضروریہ
مطلقہ کو قضیہ دائمہ مطلقہ سے اخص مطلق قرار دیا گیا ہے مثلاً یہ قضیہ کہ ہر یک انسان
بالضرورت حیوان ہے یعنی حیوانیت ہر یک انسان کے وجود کو صفت ضروری ہے کہ جو اس
کے وجود سے مُنفک نہیں ہوسکتی یہ قضیہ ضروریہ مطلقہ ہے اور یہ دوسرا قضیہ کہ زید جو وکیل ہے
ہمیشہ مقدمہ میں فتح پاتا ہے دائمہ مطلقہ ہے پس یہ جو دائمہ مطلقہ ہے قضیہ ضروریہ مطلقہ سے
اسی واسطے اخص سمجھا جاتا ہے کہ گو فتح پانا زید کا مثل مفہوم ضروریہ مطلقہ کے جمیع اوقات میں
پایا جاتا ہے اور ہمیشہ زید مقدمہ کو جیتتا ہے لیکن اس کا جیتنا اور فتح پانا عند العقل ضروری نہیں
برخلاف قضیہ ضروریہ مطلقہ کے کہ اس میں دوام نسبت حیوانیت کا انسان سے جو موضوع قضیہ کا
ہے ضروری ہے کیونکہ عقل ہارنا اور شکست کھانا زید کا تجویز کرسکتی ہے گو اب تک ایک ظاہری

﴿۱۰۰﴾ اتفاق سے زید ہارا نہیں اور نہ کبھی شکست کھائی لیکن کوئی عقلِ سلیم سلب نسبت حیوانیت کا انسان سے تجویز نہیں کرسکتی غرض جو امر عندالعقل ممکن الوقوع ہے خارج میں اس کا واقع ہونا شرط نہیں اور نہ وقوع فی الخارج اور امکان فی نفس الامر میں کسی طرح کا تلازم ذہنی ہے پس اسی دلیل سے روحوں کا انادی ماننا نہ صرف خدائے تعالیٰ کے ازلی جلال اور اس کی صفت ربوبیت اور مبدء فیوض ہونے کو صدمہ پہنچاتا ہے بلکہ اس کی ابدی خدائی اور قدرت نمائی کا بھی جو مدار کاروبار الوہیت ہے بکلّی استیصال کر کے اس کے نام و نشان کو مٹانا چاہتا ہے۔ غرض یہ اصول اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا دشمن ہے۔

ایسا ہی اس کا بدنتیجہ جو نجات محدود ہے ہر وقت یہ بات یاد دلاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بوجہ خالق نہ ہونے کے ناقص القدرت تھا اور بغیر مکتی محدودہ کے اس کی خدائی نہیں چل سکتی تھی اس لئے مجبوراً اس نے مکتی کو محدود رکھا گویا لوگوں کو اپنی بدقسمتی سے ایک ادھورا خدا ملا جو نجاتِ جاودانی دینے پر قادر ہی نہ تھا اس لئے اس کے بدقسمت بندے ہمیشہ کی نجات پانے سے رہ گئے اور اس جگہ پرمیشر کا خیر خواہ بن کر مکتی محدودہ کا یہ جواب دینا کہ انسان دائمی مکتی پانے کا حق نہیں رکھتا اس لئے پرمیشر اس کو دائمی مکتی نہیں دیتا ایک ہنسی کی بات ہے کیونکہ پرمیشر تو بوجہ اپنے ضعف اور عجز اور ناطاقتی کے کسی وجہ سے دائمی مکتی دے ہی نہیں سکتا اور نہ ایسی قدرت رکھتا ہے تو پھر اس صورت میں بندہ کے اعمال کا ذکر کرنا ہی فضول ہے کیا بندہ اپنے دائمی ایمان اور وفاداری کی وجہ سے دائمی جزا کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا لیکن جب پرمیشر میں طاقت ہی نہیں تو دائمی مکتی کون دیوے۔ اور اگر پرمیشر دائمی نجات دینے کا ارادہ بھی کرے تو کر کیا سکتا ہے۔ اب دیکھو کس قدر آریہ صاحبان اپنے پرمیشر کی ہتک کر رہے ہیں ہم کیونکر باور کریں کہ وہ اس قدر موٹی بات کو بھی سمجھتے نہیں یا کیونکر ہم تسلیم کر لیں کہ ان کی انسانی فطرت ایسی مسخ ہوگئی ہے کہ ایسی صاف صاف صداقتیں بھی ان کی ٹیڑھی نظر میں غلط دکھائی دیتی ہیں بلکہ سارا موجب قوم اور برادری کے پاس ہے جس کے باعث سے لاکھوں دنیا پرست خدا کو اور اس کی پاک راہوں کو چھوڑ

﴿۱۰۱﴾ دیتے ہیں۔

اے زِ تعلیم وید آوارہ منکر از فیض بخش ہموارہ آں قدیرے کہ نیست زُوچارہ
نزد تو عاجزست وناکارہ بشنوی گر بود بجق روئے شورقَالُوا بلٰی زِ ہرسوئے
آنکہ باذات او بقاؤ حیات چوں نباشد بدیع ماآں ذات ناتوانی ست طور مخلوقات
کے خدا ایں چنیں بود ہیہات کے پسندد خرد کہ ربّ قدیر ناتواں باشد وضعیف وحقیر
نظرے کن بشانِ ربّانی داوری ہا مکن بنادانی اینچہ دین ست واینچہ آئین ست
کہ خدا ناتوان ومسکین است گر بدیں دین وکیش ہستی شاد مایۂ عمر را دہی برباد

قولہ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ (آریہ سماج والوں کے اعتقاد کے رو سے) مکتی شدہ شخص مکتی خانہ سے نکالا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آریہ سماج کے اصولوں کے موافق کوئی مکتی خانہ علیحدہ عمارت نہیں۔

اقول۔ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب ہے۔ اعتراض تو یہ تھا کہ روحوں کو انادی اور قدیم اور پرمیشر کی طرح واجب الوجود اور غیر مخلوق ماننے سے پرمیشر ایسا کمزور اور مجبور ٹھہر جاتا ہے کہ وہ کسی طرح روحوں کو دائمی نجات دینے پر قادر نہیں ہوسکتا گو ارادہ بھی کرے۔ کیونکہ دائمی نجات دینے سے اس کی خدائی کا سلسلہ دور ہوتا ہے آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ مکتی خانہ کوئی علیحدہ عمارت نہیں جس سے نکالا جائے۔ ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کا جواب ہے جس حالت میں آریوں کا بالاتفاق یہ اصول ہے کہ ہمیشہ کے لئے کسی کی مکتی نہیں ہوسکتی کوئی اوتار ہو یا رشی ہو یا منی ہو بلکہ کچھ مدت تک نجات دے کر پھر اس دارالنجات سے دارالتناسخ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور مختلف جونوں میں گردش کرتے کرتے کیڑوں مکوڑوں تک نوبت پہنچتی ہے تو پھر کیا یہ اصول ماسٹر صاحب کو یاد نہیں یا دانستہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اگر ماسٹر صاحب کو لفظی نزاع کے طور پر یہ اعتراض ہے کہ مکتی خانہ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ کیا کوئی

اینٹوں یا پتھروں کی واں عمارت ہے جس کو خانہ کہنا چاہیے تو ہمیں صرف ماسٹر صاحب کے اعتقاد پر افسوس نہ ہوگا بلکہ ان کی علمیّت و محاورہ دانی پر بھی سخت افسوس ہوگا۔ کیا ماسٹر صاحب نہیں جانتے کہ تمام الفاظ تحقیقی طور پر ہی مستعمل نہیں ہوا کرتے بلکہ مجازات و استعارات بھی استعمال میں آتے ہیں مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ایک بوتل شربت کی پی لی یا ایک رکیبی چانولوں کی کھالی تو کیا ماسٹر صاحب اس سے یہ سمجھیں گے کہ اس نے بوتل اور رکیبی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھالیا ہے۔ اسی طرح خانہ (یا دار) کا لفظ کئی محلوں اور موقعوں پر بولا جاتا ہے اور ہر جگہ اینٹوں یا پتھروں کی عمارات مراد نہیں ہوتیں۔ سو جس حالت میں آریوں کے نزدیک دنیا دار التناسخ ہے تو کیا بے جا ہوا اگر بمقابل اس کے دوسرے جہان کا نام دار النجات (مکتی خانہ) رکھا گیا۔ اگر اب بھی ماسٹر صاحب کے دل کو کوئی وہم پکڑتا ہو تو کسی اپنے زیرک بھائی بند کو پوچھ کر دیکھ لیویں۔ ﴿۱۰۲﴾

قولہ۔ مرزا صاحب اپنا اعتقاد یاد کریں کہ انہوں نے مانا ہوا ہے کہ انسان بعد مرنے کے نجات پا کر ایک مکان بہشت میں رہے گا جہاں عمدہ باغ خدا نے لگایا ہوا ہے اچھی اچھی عورتیں یا حوریں موجود ہیں نہریں شراب وغیرہ کی جاری ہیں غرض نجات کی حالت میں بھی دنیاوی سامان موجود ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں بلکہ واں وہ باتیں بھی موجود ہوں گی جو یاں ممنوع ہیں مثلاً شراب اور بہت سی عورتیں مگر ایسا نہیں بلکہ نجات شدہ لوگ بڑے انند اور خود مختاری کی حالت میں رہیں گے۔

اقول۔ اے ماسٹر صاحب آپ یہ بے اصل باتیں مونہہ سے نکالتے ہوئے کچھ شرم تو کریں اتنا جھوٹ کیونکر ہضم ہوگا۔ بھلا جب حسب اصول آپ کے نجات یافتہ لوگ ایک مدّت مقررہ کے بعد مکتی خانہ سے کان پکڑ کر باہر نکال دیئے جائیں گے اور ان کے رونے چلانے پر کچھ رحم نہیں کیا جائے گا بلکہ بڑی سختی سے خلافِ مرضی ان کے حکم اخراج عمل میں آئے گا۔

اور بڑی ذلت اور رسوائی سے بقول شخصے کہ (پا بدست دگرے دست بدست دگرے) ﴿۱۰۳﴾
مکتی خانہ سے باہر پھینکے جائیں گے تو کیا اس وقت ان کے لئے وہ سُرگ نرگ کا نمونہ بلکہ اس سے بدتر نہیں ہو جائے گا تو پھر اس مجبورانہ مصیبت کے وقت خودمختاری کہاں رہے گی اور انند کیسا ہوگا آپ کہتے ہیں کہ نجات شدہ لوگ بڑی خوشی اور انند میں رہیں گے افسوس ہے آپ کی سمجھ پر۔ کیا ایسے مقام میں بھی کوئی کامل خوشی میسر آ سکتی ہے جس میں نکالے جانے اور پھر دوہری مرتبہ کروڑہا برسوں کی مصیبتوں کا دغدغہ درپیش ہے اور ہر دم یہی فکر جان کو کھا رہا ہے کہ اب تھوڑے عرصہ کے بعد بے شمار ذلتوں اور رسوائیوں کا مونہہ دیکھنا ہوگا۔ پھر کیڑے مکوڑے کتے بلے بننا ہوگا۔ پھر ایک گناہ کے بدلے میں لاکھوں جونیں بھگتنی ہوں گی اور زمانہ دراز اور مدّت غیر معین تک دکھوں دردوں کو اٹھانا ہوگا۔ کیا جس کو اس قدر یقینی اور قطعی طور پر غم درپیش ہے اور غم بھی کیسا غم کہ لاعلاج۔ وہ بھی خوش رہ سکتا ہے سو آپ کس مونہہ سے کہہ سکتے ہیں کہ جس مکتی خانہ کا وید نے ذکر کیا ہے وہ بڑی انند اور خودمختاری اور خوشی کی جگہ ہے آپ کے مکتی خانہ سے خدا کی پناہ اگر ایسا ہی پرمیشر اور ایسا ہی اس کا مکتی خانہ ہے تو پھر بدقسمت زاہدوں عابدوں کے لئے اِس جگہ بھی رونا اور اُس جگہ بھی رونا ہی ہوگا۔

رہا آپ کا یہ اعتراض کہ مسلمانوں کی بہشت میں دنیوی نعمتیں بھی موجود ہوں گی تو یہ کچھ اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس سے تو آپ کو اور آپ کے پرمیشر کو بہت شرمندہ ہونا چاہیے کیونکہ مسلمانوں کے خداوند قادر اور غنی مطلق نے تو دائمی اور جاودانی طور پر سب کچھ اپنے بے انتہا خزانوں سے عالم آخرت میں قرآن شریف پر ایمان لانے والوں کو عطا کیا ہے اور روحانی اور جسمانی دونوں طور کی نعمتیں مرحمت فرمائیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے سچے پرستار اس دنیا میں صرف روح ہی سے اس کی بندگی اور اطاعت نہیں کرتے بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتے ہیں اور خلقت انسانی کا کمال

﴿۱۰۴﴾ صرف روح ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں کے امتزاج واختلاط سے پیدا ہوتا ہے سو اس نے فرمان برداروں کو سعادت تامہ تک پہنچانے کے لئے اور ان کو پورا پورا اجر دینے کے لئے نجات جاودانی کی لذّات کو دو قسم پر مشتمل کیا۔ اپنے محبوبانہ دیدار کی لذتیں بھی دیں اور اپنی دوسری نعمتیں بھی بارش کی طرح ان پر برسائیں۔ غرض وہ کام کر دکھلایا جو اس قادر عظیم الشان کی قدرتوں اور عظمتوں اور بے انتہا رحمتوں کے لائق ہے لیکن آپ کا پرمیشر تو مفلس اور دیوالیہ ہی نکلا اور اپنی عاجزی اور درویشی اور مفلسی اور ناطاقتی اور بے اختیاری کے باعث سے آپ لوگوں کو کسی ٹھکانہ نہ لگا سکا اور نہ کوئی مستقل خوشی پہنچا سکا۔ غرض کچھ بھی نہ کر سکا نہ روحانی نعمتیں ہمیشہ کے لئے دے سکا نہ جسمانی۔ اور دونوں طور سے آپ کو ناکام اور نامراد اور محروم اور بے نصیب رکھا اور جس کے لئے مرتے تھے اور جان نثاری کرتے تھے وہ ایسا نامنصف اور بے سمجھ اور مورکھ اور بے خبر نکلا کہ اس نے تمہاری روحانی اور بدنی مشقتوں کا کچھ بھی قدر نہ کیا اور اپنی الٹی سمجھ سے عاشقانہ وفاداریوں اور جان نثاریوں کو چند روزہ مزدوری خیال کر لیا۔ کیا ایسے بخیل اور ناطاقت اور بے سمجھ پرمیشر سے محبتیں بڑھ سکتی ہیں اور صفائی کامل سے کوئی دل رجوع ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کی قدرت اور سخاوت اور قدر شناسی کی حقیقت کھلنے سے جب تپ کرنے والوں کی روحیں بہت ہی افسوس ناک اور نادم ہوں گی کہ اگر یہی پرمیشر اور یہی اس کی مکتی تھی تو ہم نے خواہ مخواہ کی ٹکریں کیوں ماریں اور مکتی خانہ سے نکالے جانے کے وقت ضرور مضمون اس شعر کا رو رو کر پڑھتے ہوں گے۔

اب تو کچھ سمجھ کے جان تجھ پہ کریں گے قربان ہم تو اس روز کو پچھتاتے ہیں جب دل ہی دیا

سو خدائی کے کام وہ ہیں نہ یہ اور چارہ سازی اور بندہ نوازی اس کو کہتے ہیں نہ اس کو۔ بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ویؔد کے رو سے اس ناکارہ اور ناقص مکتی کا ملنا بھی آپ لوگوں کے لئے محال ہے اور آپ کے پرمیشر نے محض ٹالنے کی

غرض سے مکتی کے ملنے میں ایسی دشواریاں ڈال دیں ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ آپ لوگ ﴿۱۰۵﴾
ان سے مخلصی پاسکیں بھلا جب ایک گناہ کے لئے ایک لاکھ اور کئی ہزار جون کی سزا ٹھہری
اور ایک طرفۃ العین یعنی ایک پلکارہ بھی خدائے تعالیٰ سے غافل ہونا گناہ ٹھہرا تو پھر مکتی
پانے کی کون سی راہ باقی رہی۔ سو اگر آپ لوگ حقیقت حال کو سوچیں تو اپنی نو امیدی کی
حالت کو دیکھ کر ماتم کریں اور سوگ میں بیٹھیں کیونکہ پرمیشر نے تو ایک طرح سے مکتی
دینے سے آپ لوگوں کو جواب دے دیا ہے کیونکہ نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ کیا
اس زندگی موجودہ میں کوئی شخص آپ لوگوں میں سے دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں نے کبھی کسی
قسم کا گناہ نہیں کیا نہ صغیرہ نہ کبیرہ اور نہ کبھی جھوٹ زبان پر آیا۔ اور نہ کبھی کسی کو زبان یا
ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے ستایا اور نہ کبھی مال ناجائز کھایا اور نہ کبھی ایک سیکنڈ بھی اپنے پرمیشر
کو بھلایا اور نہ کسی اور قسم کا گناہ یا بدخیال دل میں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا دعویٰ کرنا
ممکن ہی نہیں تو پھر کسی آئندہ جون کا بھی اسی پر قیاس کر لیجئے کیونکہ اس دارالغفلت
دنیا میں گناہ انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے اور جیسے فطرتی خواص اس موجودہ زندگی
میں آپ سے الگ نہیں ہو سکے ایسا ہی کسی آئندہ جون میں دنیا میں آکر ان فطرتی
خواص کا بکلی دور ہو جانا ممتنع اور محال ہے۔ بعض موٹی سمجھ کے آدمی جن کو بہ باعث
اپنی نادانی اور نقصان علمی کے گناہ کی فلاسفی معلوم نہیں وہ شاید بوجہ اپنے کمال درجہ کی
سادہ لوحی کے ایسا خیال کرتے ہوں گے کہ گویا گناہ انہیں دو چار باتوں کا نام ہے کہ
انسان ارتکاب زنا یا خون یا شہادت دروغی پر دلیری کرے یا کسی جگہ سیندہ لگاوے یا
کسی کی گانٹھ کُتر لے اور پھر جب ان چند معدود اور مشہود جرائم کو چھوڑ دے تو پھر
گناہ سے بکلّی پاک اور صفا ہو گیا اور اپنے پرمیشر کو کہہ سکتا ہے کہ اب تیرے حقوق
سب میں نے ادا کر دیئے اور جو کچھ کرنا میرے پر واجب تھا سب کچھ میں کر گزرا لیکن
درحقیقت یہ خیال سراسر غلط بلکہ بھاری گناہ ہے جو انسان اپنے تئیں بے گناہ اور

﴿۱۰۶﴾ خدائے تعالیٰ کے سارے حقوق کو ادا کرنے والا خیال کر لے اسی وجہ سے راست بازوں اور مقدسوں نے طریق تواضع اور فروتنی اور استغفار کو لازم پکڑا اور کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں بکلی نیک اور بے گناہ ہوں حضرت مسیح علیہ السلام کو کسی نے کہا کہ اے نیک استاد تو آپ نے یہ پیارا اور دلکش جواب دیا کہ میں نیک نہیں ہوں یعنی ایک گنہگار آدمی ہوں مجھے تو کیوں نیک کہتا ہے۔ سبحان اللہ معرفت الٰہی انہیں پاک لوگوں کے حصّہ میں آئی تھی جنہوں نے کیسے ہی تقدس کی حالت میں بھی اپنے تئیں بے گناہ اور نیک نہیں سمجھا اور حقیقت میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں کہ اپنے تئیں بے گناہ خیال کیا جائے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ گناہ انسان کی سرشت کو ایک لازم غیر منفک ہے جس کا تدارک صرف رحمت اور مغفرت الٰہی کر سکتی ہے نہ کوئی اور چیز اور اگر خدائے تعالیٰ ہر یک گناہ پر سزا دینے لگے اور استغفار اور توبہ قبول نہ ہو اور فضل شامل حال نہ ہو تو بندہ کبھی نجات نہیں پا سکتا مثلاً اگر یہ سزا ہندوؤں کے اصول کے طور پر دی جائے یعنے جونوں میں ڈالا جائے تو اگر ہندوؤں کا پرمیشر قطع نظر ایک لاکھ جون کے ایک گناہ کے عوض میں صرف ایک جون کی سزا پر ہی کفایت کرے تب بھی اس بے انتہا سلسلہ کا انقطاع محال ہے چہ جائیکہ ایک گناہ کے بدلے میں دو لاکھ کے قریب جون بھگتنی پڑے اور پھر اس گناہ سے فراغت ہو کر دوسرے گناہ کی سزا نئے سرے سے شروع ہو اور ایک طرف بندہ سزائیں پاتا جائے اور ایک طرف نئے گناہ جو اس کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں اور ہر دم اور ہر لحظہ اس سے صادر ہو رہے ہیں انبار کے انبار جمع ہوتے جائیں۔ پس جبکہ حقیقت گناہ یہ ہے اور اس سے مخلصی پانا عندالعقل محال ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر مکتی پانا اسی بات پر موقوف ہے کہ کسی قسم کا گناہ باقی نہ رہے اور کسی نوع سے خطا صادر نہ ہو سکے تو آریوں کے مکتی پانے کے کوئی لچھن نظر نہیں آتے۔ اور فرض کے طور پر اگر مان بھی لیں کہ کوئی آریہ ان سب شرائط کو پورا کر کے کسی زمانہ

میںؔ مکتی پا جائے گا تو پھر بھی مکتی پا نا نہ پانا اس کا برابر ہوگا کیونکہ صرف تھوڑے عرصہ تک ﴿۱۰۷﴾
مکتی خانہ میں پتھر کی طرح پڑا رہے گا۔ اور پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں پرمیشر اپنی
تلوّن مزاجی سے اس پر ناحق ناراض ہوکر سخت ذلیل اور رسوا کر کے اس کو باہر نکال دے گا
اور چوروں کی طرح ہاتھوں میں اس کے مجبوری کی ہتھکڑی ہوگی اور پاؤں میں روک کا زنجیر
اور گردن میں پرمیشر کی خفگی کا ایک بڑا لمبا رسّا ہوگا اور پھر اس نیک بخت کو خواہ وہ اوتار ہو یا
کوئی ایسا رشی ہو جس پر کوئی وید اترا ہے یا کوئی دوسرا رکھی منی یا بھگت غرض کوئی ہو اس کو کھینچتے
کھینچتے دنیا کے اسی گڑھے میں الٹا کر پھینک دیں گے جس سے وہ بیچارہ کروڑوں برس بلکہ
ہزاروں ارب تک جان مار کر اور رو پیٹ کر اتفاقاً نکل آیا تھا یہ آپ لوگوں کا پرمیشر ہے اور
یہ اس کی مکتی ہے اور یہ اس کا انعام و اکرام ہے اور یہ اس کا ابتدا و انجام ہے۔ سو ایسے پرمیشر
کو دور سے ہی سلام ہے۔ ایسے پرمیشر کے یہ شعر مطابق حال ہے۔

با دوستاں چہ کردی کہ کنی بدیگراں ہم حقا کہ واجب آمد زِ تو احتراز کردن

اور اگر ماسٹر صاحب کا اعتراض سے یہ مطلب ہے کہ اسلامی بہشت میں صرف دنیوی نعمتوں کا ذکر ہے وصال الٰہی اور روحانی لذات کا کہیں ذکر نہیں تو ہم اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کے لئے یہ عمدہ طریق سمجھتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کسی اخبار کے ذریعہ سے پُختہ طور پر ہم کو یہ اطلاع دیں کہ ہاں میری یہی رائے ہے کہ قرآن شریف میں وصالِ الٰہی اور لذاتِ روحانی کا کہیں ذکر نہیں مگر وید میں ایسا بہت کچھ ذکر ہے تو اس صورت میں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ صرف تین یا چار ہفتہ تک ایک مستقل رسالہ اسی بارہ میں بغرض مقابلہ وید و قرآن طیّار کر کے جہاں تک ہو سکے بہت جلد چھپوا دیں گے اور سو روپیہ بطور انعام ایک نامی اور فاضل برہمو صاحب کے پاس جو آریوں کے بھائی بند ہیں امانت رکھ دیں گے پھر اگر ماسٹر صاحب بپابندی اپنے چاروں ویدوں کی سنگتا کے جن کو وہ الہامی

﴿۱۰۸﴾ سمجھتے ہیں روحانی لذّات اور وصال ربّانی کے بارے میں جو نجات یابوں کو حاصل ہوگا۔ قرآن شریف کا مقابلہ کر کے دکھلاویں اور وہ برہمو صاحب اس کی تائید اور تصدیق کریں تو وہ سو روپیہ ماسٹر صاحب کا ہوگا ورنہ بجائے اس سو روپیہ کے ہم ماسٹر صاحب سے کچھ نہیں مانگتے صرف یہی شرط کرتے ہیں کہ مغلوب ہونے کی حالت میں ایسے وید سے جو بار بار انہیں ندامت دلاتا ہے دست بردار ہوکر اسلام کی سچی راہ کو اختیار کرلیں۔ (یار غالب شو کہ تا غالب شوی) اور اگر ماسٹر صاحب اس رسالہ کی اشاعت کے بعد ایک ماہ تک خاموش رہے اور ایسا مضمون کسی اخبار میں اور نہ اپنے کسی رسالہ میں شائع کیا تو اے ناظرین آپ لوگ سمجھ جائیں کہ وہ بھاگ گئے۔

رہا یہ اعتراض کہ شراب جو دنیا میں بھی ممنوعات اور محرمات میں سے ہے وہ کیونکر بہشت میں روا ہوجائے گی۔ اس کا جواب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے کہ بہشتی شراب کو اس دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا۔[1] اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ـ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔[2] یعنی جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے ان کا خدا ان کو ایک ایسی پاک شراب پلائے گا جو ان کو کامل طور پر پاک کردے گی۔ نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے یعنی ان کے دل وہ شراب پی کر غیر کی محبت سے بکلّی ٹھنڈے ہوجاویں گے۔ وہ کافوری شراب ایک چشمہ ہے جس کو اسی دنیا میں خدا کے بندے پینا شروع کرتے ہیں۔ وہ اس چشمہ کو ایسا رواں کردیتے ہیں کہ نہایت آسانی سے بہنے لگتا ہے اور وسیع اور فراخ نہریں ہوجاتی ہیں یعنی ریاضاتِ عشقیہ سے سب روکیں ان کی دور ہوجاتی ہیں اور نشیب و فراز بشریت کا صاف اور ہموار ہوجاتا ہے اور جناب الٰہی کی طرف انقطاع کلی میسر آکر معارف الٰہیہ میں وسعت تامہ پیدا ہوجاتی ہے اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ـ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ـ[3]

[1] الدھر: ۲۲ [2] الدھر: ۶، ۷ [3] الواقعہ: ۱۹، ۲۰

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ۔ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۔ ^۱ وُجُوْهٌ ﴿۱۰۹﴾
یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔^۲ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ
فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۔^۳ اورشراب صافی کے پیالے جو آب زُلال کی طرح مصفی ہوں گے بہشتیوں کو دیئے جائیں گے۔ وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ دردسر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو۔ بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے میں نہیں آئے گی اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائے گی بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت اور خوشی کی نشانی ہے سننے میں آئے گا۔ اس دن مومنوں کے مونہہ تر وتازہ اور خوبصورت ہوں گے اور وہ اپنے رب کو دیکھیں گے اور جو شخص اس جہان میں اندھا ہے وہ اس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی گیا گزرا۔ اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ وہ بہشتی شراب دنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں سے مبائن اور مخالف ہے اور کسی جگہ قرآن شریف میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ دنیوی شرابوں کی طرح انگور سے یا قندسیاہ اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی جائے گی بلکہ بار بار کلام الٰہی میں یہی بیان ہوا ہے کہ اصل تخم اس شراب کا محبت اور معرفت الٰہی ہے جس کو دنیا سے ہی بندہ مومن ساتھ لے جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ وہ روحانی امر کیونکر شراب کے طور پر نظر آ جائے گا۔ یہ خدائے تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں پر مکاشفات کے ذریعہ سے کھلتا ہے اور عقلمند لوگ دوسری علامات وآثار سے اس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ روحانی امور کا جسمانی طور پر متمثل ہو جانا کئی مقامات قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی لکھا ہے کہ تسبیح اور تقدیس الٰہی کی باتیں پھلدار درختوں کی طرح متمثل ہوں گی۔ اور نیک اعمال پاک اور صاف نہروں کی طرح دکھلائی دیں گے اسی کی طرف دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ

^۱ الواقعة :۲۶،۲۷ ^۲ القیامة :۲۳،۲۴ ^۳ بنی اسرائیل:۷۳

﴿۱۱۰﴾ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۔ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ [1] یعنی پاک کلمات پاک درختوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کی جڑھ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں اور ہمیشہ اور ہر وقت تر و تازہ پھل دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مقام میں اللہ تعالیٰ نے امور ایمانیہ کو باغات سے تشبیہہ دی ہے اور اعمال صالحہ کو نہروں سے جو اس باغ کے نیچے بہتی ہیں اور اس کی جڑوں کو پانی پہنچا کر اس کو تر و تازہ رکھتی ہیں۔ اور ایک جگہ قرآن شریف میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ جب عارف لوگ بہشت میں کسی قسم کی لذت حسّی طور پر پائیں گے تو ان کو یقین ہوگا کہ یہ لذات انہیں روحانی لذّات سے مشابہ ہیں جن کو ہم دنیا میں عشق اور محبت الٰہی کی وجہ سے پاتے تھے ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں مقامات میں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ عالم آخرت میں جو جسمانی طور پر لذّات بہشتیوں کو دی جائیں گی حقیقت میں وہ سب روحانی لذات کے اظلال و آثار ہوں گے اگر وہ سب مقامات قرآنی بحوالہ آیات اس جگہ لکھے جائیں تو اس رسالہ میں بہت سا طول ہو جائے گا۔ سو ہم جیسا کہ وعدہ کر چکے ہیں ماسٹر مرلیدھر صاحب کی درخواست سے یہ سب امور مفصّل طور پر کسی الگ رسالہ میں تحریر کریں گے۔ اور واضح رہے کہ لذّات روحانی کا جسمانی طور پر متمثّل ہونا جو بہشت کی نسبت بیان کیا گیا ہے کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کو جدید اور دور از فہم خیال کیا جائے۔ دیکھنا چاہئے کہ عالم رویا یعنی عالم خواب میں بھی (جو اس دوسرے عالم سے بشدت مشابہ ہے گویا اس کی دوسری شاخ ہے) کیسے امور معقولہ محسوس طور پر مشہود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر یک عقلمند انسان اپنے ذاتی تجربہ سے عالم رویا میں معقولات کا محسوسات کے پیرایہ میں متمثّل ہونا بخوبی جانتا ہوگا بارہا ہم تم اپنے سرور اور خوشی کی حالت میں جو ایک روحانی امر ہے عالم وریا☆ میں ایک نہایت سرسبز باغ دیکھتے ہیں جس میں ہم سیر کر رہے ہیں یا عمدہ میووں کا مشاہدہ کرتے ہیں جن کو ہم کھا رہے ہیں سو حقیقت میں یہ وہی روحانی خوشی اور راحت ہوتی ہے جو جسمانی طور پر ہم کو نظر آجاتی ہے۔ ایسا ہی کبھی غم کی حالت سانپ یا بچھو یا صاعقہ یا کسی

[1] ابراھیم : ۲۶،۲۵ ☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’رؤیا‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

درندہ یا زلزلہ کی شکل میں دکھائی دیتی ہے یا ناقص اور مکروہ چیزوں کی صورت میں جیسے پیاز یا ﴿۱۱۱﴾
مولیاں یا مرچیں یا بدبودار چیزیں یا نجاست آمیز کیچڑ وغیرہ کے رنگ میں نمودار ہوتی ہیں
غرض یہ بات محقّقین اور مجرّبین کے مشاہدات کثیرہ متواترہ سے ثابت ہو چکی ہے جس سے
فلسفیوں نے بھی اتفاق کر لیا ہے کہ عالم رویا اور عالم آخرت مرایا متقابلہ کی طرح واقعہ ہیں
جو کچھ فطرت اور قدرت الٰہی نے عالم خواب میں خواص عجیبہ رکھے ہیں اور جس عجیب طور
سے روحانی امور محسوس و مشہود طور پر اس عالم میں دکھائی دیتے ہیں بعینہٖ یہی حال
عالم آخرت کا ہے یا یوں کہو کہ عالم خواب عالم آخرت کے لئے اس عکسی آئینہ کی طرح ہے
جو ہو بہو فوٹو گراف اتار دکھائے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت اور خواب دو حقیقی بہنیں
ہیں جن کا حُلیہ اور شکل اور لوازم اور خواص قریب قریب ہیں اور اگر ہم اسی زندگی دنیا
میں عالم آخرت کے کچھ اسرار بغیر ذریعہ الہام اور وحی کے دریافت کر سکتے ہیں تو بس
یہی ایک ذریعہ عالم رویا کا ہے سو دانشمندوں کو چاہئے کہ اگر اس عالم کی کیفیت کچھ
دریافت کرنا چاہیں تو عالم رویا پر بہت غور اور توجہ کریں کیونکہ جن عجائبات سے یہ عالم رویا
بھرا ہوا ہے اسی قسم کے عجائبات عالم آخرت میں بھی ہیں اور جس طور کی ایک خاص
تبدیل وقوع میں آ کر عالم رویا پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس میں یہ عجائبات کھلتے ہیں
عالمِ آخرت میں بھی اسی کے مشابہ تبدیل ہے سو جبکہ خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت
عالمِ رویا میں یہی ہے کہ وہ روحانیات کو جسمانیات سے متمثّل کرتا ہے اور معقولات کو
محسوسات کا لباس پہناتا ہے سو وہی قانون قدرت دوسرے عالم میں بھی سمجھنا چاہئے اور
یہ خیال آریوں کا کہ عالم آخرت میں صرف روح اکیلی رہ جائے گی اور اس کے ساتھ جسم
نہیں ہوگا اور لذّتیں بھی صرف روحانی اور معقولی طور پر ہوں گی یہ سراسر تحکّم ہے جس پر
کوئی دلیل نہیں یہ بات نہایت صاف اور بدیہی الثبوت ہے کہ انسان ترقیات غیر متناہیہ کے
لئے پیدا کیا گیا ہے اور ذریعہ ان ترقیات کا اس کی وہ جسمی ترکیب ہے جس کو قادر مطلق

نے ایسی حکمت کاملہ سے صورت پذیر کیا کہ تکمیل نفس ناطقہ انسان کے لئے عجیب آثار اس ﴿۱۱۲﴾
سے مترتب ہوئے گویا حکیم مطلق نے روح انسان کو اپنے مراتب عالیہ تک پہنچنے کے لئے
ایک ضروری سیڑھی عطا کردی سو جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ ان مراتب عالیہ کی کوئی انتہا نہیں ایسا
ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سیڑھی کی بھی ہمیشہ کے لئے ضرورت ہے اور یہ کیونکر ہو سکے کہ وہ
ذریعہ ترقیات جس کی ہمیشہ کے لئے روح کو ضرورت ہو اس سے الگ کیا جائے ماسوا اس
کے ترقیات تو ایک طرف رہیں علوم حاصل کردہ بھی بغیر شمول جسم کے محفوظ نہیں رہ سکتے
کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جسم کے ماؤف ہونے کے ساتھ ہی انسانیت کے افعال میں فتور
پڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر سر پر کوئی چوٹ لگ جائے تو جس مقام پر اس چوٹ کا صدمہ پہنچے اس
مقام کی دماغی قوت ساتھ ہی خلل پذیر یا معطّل ہو جاتی ہے اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کر کے
دیکھ لے پس جبکہ صدور افعال انسانیت کے لئے جسم کی صحت و درستی نہایت ضروری ہے
اور جسمی اختلال کو روحانی اختلال لازم پڑا ہوا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ
ہماری روح بغیر شمول جسم کے انسانی لوازم اور کمالات اور حفظ کمالات کا مظہر و مصدر نہیں
ہو سکتی ہم دنیا میں صریح دیکھتے ہیں کہ جسم کے آفت زدہ ہونے سے روحانی کاروبار میں
ابتری واقع ہو جاتی ہے۔ مجانین یعنی سودائیوں اور پاگلوں کی جب جسمی حالت درست
نہیں رہتی اور دماغی اعتدال میں کچھ فرق واقع ہو جاتا ہے تو مجرد روح کے ہونے سے
افعال انسانیت ہرگز ان سے صادر نہیں ہو سکتے۔ بعض آدمیوں کو دماغی فتوروں سے اس
قدر متاثر دیکھا گیا ہے کہ تمام علوم یک دفعہ ان کو بھول گئے ہیں یاں تک کہ اپنا نام بھی یاد
نہیں رہا اور بار بار دوسروں سے پوچھتے ہیں کہ میرا نام کیا ہے۔ اب جبکہ ایک تھوڑے
سے جسمی خلل سے انسانی افعال میں اس قدر آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ہم کس طور سے
یقین کر لیں اور کونسی دلیل ہمارے ہاتھ میں ہے جس سے ہم اس بات کے باور کرنے
کے لئے بکلی تیار ہو جائیں کہ جب روح جسم سے قطعی طور پر الگ ہو جائے گی

تبؔ اس مفارقت تامہ سے کوئی ضرر انسانی کمالات کے عائد حال نہیں ہوگا ہم جانتے ہیں کہ ضرور ہوگا تجارب طبّی ہمارے لئے دلیل کافی ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اختلال جسمانی اختلال روحانی کا موجب ہے اور جسمانی صحت یا مرض کو روحانی صلاح یا فساد پر ایک قوی اثر ہے اب جو شخص اس بدیہی دلیل کے برخلاف رائے رکھتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسانیت کاملہ کے خواص بلاترکیب جسم جیسا کہ چاہیے کہ مجرد روح سے صادر ہو سکتے ہیں تو بارِ ثبوت اسی کی گردن پر ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا کیونکہ محققین کے تجارب اس بات کی تائید میں انتہا تک پہنچ گئے ہیں کہ صدور افعال کاملہ انسانیت کے لئے ترکّبِ جسم مع الروح ضروری ہے اور جب جسم آیا تو جسمانی لوازم بھی ساتھ آئیں گے۔ ہاں چونکہ وہ بہشتی جسم ایک لطیف اور نورانی بدن ہوگا اس لئے اس کے لوازم بھی لطیف اور نورانی ہی ہوں گے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ قریب بقیاس اور قانون قدرت کے موافق اور دلائل طبعیہ اور طبّیہ سے تائید یافتہ اور ثابت شدہ وہ بہشت ہے جس کو قرآن شریف نے نہایت پاکیزگی سے بیان کیا ہے اور براہین شافیہ سے اس کا ثبوت دیا ہے یا وہ وہمی اور خلاف قیاس اور منحوس مکتی خانہ جس کا وید میں ذکر ہے یعنی یہ کہ مجرّد روحیں پتھر کی طرح پڑی رہیں گی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مکتی خانہ سے باہر نکالی جائیں گی۔ کیا انسان کی انتہائی سعادت یہی ہے کہ وہ مجرد روح رہ کر ان بابرکت اور نہایت مفید حواس کو کھو بیٹھے جو اس کی غیر متناہی ترقیات کا موجب ہیں اور پھر اس پر بھی کفایت نہیں بلکہ مصیبت پر مصیبت یہ کہ انجام کار مکتی خانہ سے ذلیل کر کے نکالا جائے انصاف کرنا چاہیے کہ کیا ایسی نامعقول مکتی پر کوئی فلسفی برہان قائم ہوسکتی ہے اور کیا اس جہان میں اور اس زندگی میں کوئی شافی دلیل ہم کو اس بات پر مل سکتی ہے کہ افعال کاملہ انسانیت جو قویٰ ظاہری و باطنی سے وابستہ اور دماغی حواسوں سے ظہور پذیر ہیں وہ مجرد روحوں سے صادر ہوسکتے ہیں اگر کسی آریہ کے نزدیک کوئی ایسی ۱۱۳

دلیل پائی جاتی ہے جس سے یہ ثبوت مل سکے تو کس وقت کے لئے مخفی رکھی ہے واجب و ﴿۱۱۴﴾
لازم ہے کہ پیش کریں۔ خاص کر ماسٹر مرلیدھر صاحب جو وید کے غایت درجہ کے ثنا خوان ہیں اور بقول شخصے کہ دیکھا نہ بھالا صدقے گئی خالہ۔ پہلے اس سے کہ ویدوں کی حقیقت معلوم کریں یوں ہی وید وید کر رہے ہیں۔ ان پر تو فرض ہے کہ ضرور اس جگہ وید کا فلسفہ پیش کریں۔ تا وید کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا کوئی گوشہ باقی رہ جائے۔

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

قولہ ۔مرزا صاحب اپنے اعتراض کی تفصیل اس طرح فرماتے ہیں کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی اور غیر مخلوق مانا جائے تو اس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ ان کے ایک تو یہ کہ خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ جس حالت میں ارواح یعنے جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزاء صغار بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے سے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدائے تعالیٰ کا منکر ہے عذر پیش کرسکتا ہے کہ جس حالت میں تم نے دو چیزوں کا خود بخود ہونا بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ جن کو نہ تو روح کی ہی کیفیت معلوم ہے کہ وہ کیا ہے اور نہ مادہ کی ہی کیفیت کہ وہ کیا چیز ہے۔

اقول ۔واہ کیا عمدہ جواب دیا ہے۔ اگر ماسٹر صاحب کسی عدالت کے جج ہوں تو خوب ہی پُربہار فیصلہ لکھیں ماسٹر صاحب کی عقل عجیب کے نزدیک جو لوگ خداوند ذوالجلال قادر مطلق کو جمیع عالم کا صانع سمجھتے ہیں اور ہر یک فیض کا مبدء اور ہر یک وجود کا موجد و قیوم اور ہر یک سلسلہ کا منتہا اسی کو قرار دیتے ہیں اور بغیر اس کے ظاہر کرنے کے کسی چیز کا ظہور خود بخود نہیں مانتے اور بغیر اس کے پیدا کرنے کے کسی چیز کا اپنے آپ ہی پیدا ہو جانا تسلیم نہیں کرتے بلکہ سب چیزوں کا مبدء و مرجع اسی کو جانتے ہیں اور جمیع اجزاء

عالَم کی نسبت یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اسی کی ایجاد سے موجود اور اسی کے سہارے سے ﴿۱۱۵﴾
قائم اور اسی کے رشحاتِ فیض سے پرورش یاب ہے اُن کو نہ روح کی کچھ کیفیت معلوم ہے
نہ مادہ کی بلکہ بقول ماسٹر صاحب یہ معرفت روح اور مادہ کی انہیں لوگوں کے حصہ میں
آ گئی ہے کہ جو اپنی روحوں اور اپنے جسمی مادہ کو خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور اپنے
اپنے وجود کے آپ ہی خدا خیال کرتے ہیں۔ اے لالہ صاحب؟ اگر آپ غیر مخلوق ہو کر
اپنے پرمیشر سے مساوی ہیں تو پھر اپنی خدائی کچھ دکھلایئے یا اپنی روح کے غیر متناہی
زمانوں کی کوئی کہانی ہی سنایئے ورنہ اگر نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے تو پھر اس فضول گوئی کا
ثبوت کیا ہوا۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ گیان آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اگر وید کی
یہی تعلیم ہے تو پھر منادی کیوں نہیں کرا دیتے کہ آریوں کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر
قادر نہیں۔ افسوس آپ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ خدا ایسا چاہیے جو اپنی خدائی کے کام
چلانے میں کسی غیر کے اتفاقی وجود کا محتاج نہ ہو بلکہ جن چیزوں پر وہ خدائی کرتا ہو وہ
سب اسی کے ہاتھ سے نکلی ہوں۔ ہائے تم پر افسوس تم کیوں نہیں سمجھتے کہ جس کے مقابل
پر کروڑ ہا وجود خود بخود چلے آتے ہیں وہ کاہے کا خدا ہے اور کون سی خدائی اس میں ہے۔
اے نادانوں اور سمجھ کے ناقصو خدا کی کامل اور پوری خوبی کس بات میں ہے آیا اس میں کہ
وہ اپنی قدرت سے کچھ نہ کر سکے اور اس کی خدائی دوسروں کے سہارے سے چلتی ہو یا اس
بات میں کہ وہ سب کچھ کرتا ہو اور اس کی خدائی اسی کی غیر متناہی طاقتوں سے چلتی ہو۔ ذرا
اکیلے بیٹھ کر سوچو؟ اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے ایک خالص فکر کو اس کے گہراؤ تک لے جاؤ؟
کہ خدا کی ضرورتیں کہاں سے اور کہاں تک ہیں؟ بعض آریہ سماج والے ارواح کے
غیر مخلوق اور اپنے وجود کے آپ خدا ہونے کے بارے میں یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں کہ
اگر ارواح کسی وقت معدوم تھیں اور پھر خدائے تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئیں تو
گویا نیست سے ہست ہو گیا اور نیستی سے ہستی ہونا ایسی دور از فہم بات ہے کہ کوئی عقلمند

اُسؔ کو نہیں مانے گا مگر میں کہتا ہوں کہ یوں تو فاسد اور ناقص عقل کے مارے ہوئے ﴿۱۱۶﴾
خدائے تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے لیکن جس شخص کی عقل سلیم ہے اس کو تو خدائے تعالیٰ کے
ماننے کے ساتھ ہی اس کی وہ تمام صفات بھی ماننی پڑیں گی جو مدار اس کی خدائی اور
الوہیت کی ہیں اور جو شخص خدائے تعالیٰ کی اس نہایت ضروری صفت کو مان لے گا کہ وہ
قادر مطلق اور بے انتہا طاقتوں کا مالک ہے تو پھر ہرگز اس کی قدرتوں کو اپنی عقل ناقص
کے ساتھ موازنہ نہیں کرے گا اور خدائے غیر محدود کی قادرانہ قوتوں کو کسی حدّ خاص میں
محدود نہیں جانے گا۔ اور نیز جب ایک عقلمند دیکھے گا کہ خدائے تعالیٰ ایسا اپنی ذات میں
مظہر العجائب و بلند تر از احاطۂ فکر و قیاس ہے جو بغیر اسباب آنکھوں کے دیکھتا ہے اور بغیر
اسباب کانوں کے سنتا ہے اور بغیر اسباب زبان کے بولتا ہے اور بغیر حاجت معماروں و
مزدوروں و نجاروں و آلات عمارت سازی و فراہمی اینٹوں و پتھروں وغیرہ کے صرف
اپنے ارادہ اور حکم کے اشارہ سے ایک طرفۃ العین میں زمین و آسمان بنا سکتا ہے تو
بے شک اس بات کا یقین بھی کرے گا کہ وہ قادر خدا نیستی سے ہستی بھی کر سکتا ہے یہی تو
خدائی ہے اسی وجہ سے تو وہ سرب شکتی مان اور قادر مطلق اور غیر متناہی قدرتوں کا مالک
کہلاتا ہے۔ اگر اس کے کام بھی انسانی کاموں کی طرح محتاج باسباب و مواد و اوقات
ضروریہ ہوں تو پھر وہ کاہے کا خدا ہوا اور اس کی خدائی کیونکر چل سکے۔ کیا اس کے تمام کام
بالاتر از عقل نہیں ہیں؟ کیا اس کی عجائب قدرتیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر نظر ڈال کر عقل
ناقص انسانی خیرہ رہ جاتی ہے؟ تو پھر کیسی جہالت ہے کہ جو بات اس کی خدائی کا مدار اور اس
کی الوہیت کی حقیقت ہے اسی پر اعتراض کیا جائے۔ اگر اس قسم کے جاہلانہ وہم دل سے
اٹھ نہیں سکتے تو پھر ایسے ناکارہ اور عاجز پرمیشر کو ماننا ہی کیا ضرورت ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ
کی قدرتوں کے باریک بھیدوں پر عقل انسانی محیط ہو سکتی تو گویا خدائی کی ساری کیفیت و کُنہ
معلوم ہو جاتی اگر عقلِ انسانی کی نظر ناقص کسی صفت ربّانی کے اوّل آخر پر پھر جائے تو وہ

صفت محدود ہو جائے گی اور صفت کا محدود ہونا ذات باری کے محدود ہونے کو مستلزم ہے۔ ﴿۱۱۷﴾
بھلا وہ خدا کیسا ہوا جس کی ساری قدرتوں پر ایک ذرّہ مخلوق محیط ہو جائے۔ اور ایسا پرمیشر کس بات کا پرمیشر ہے کہ اگر وہ کسی اپنے امر متخیّل کو کہے کہ ہو جا تو کچھ بھی نہ ہو۔ خدا تو اسی ذات عجیب القدرت کا نام ہے کہ جو اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے کسی امر مقصود کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فی الفور اس کی قدرت کاملہ سے نقش وجود پکڑ جاتا ہے یہ راز نہایت دقیق معرفت کا نکتہ ہے کہ سب مخلوقات کلمات الٰہیہ ہیں۔ عیسائیوں نے جب اپنی نادانی سے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں یعنی ان کی روح کلمہ الٰہی ہے جو متشکل بروح ہوگئی ہے تو خدائے تعالیٰ نے اس کا یہ حقّانی جواب دیا کہ کوئی بھی ایسی روح نہیں جو کلمۃ اللہ نہ ہو اور مجرد الٰہی حکم سے نہ نکلی ہو قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ [1] اسی کی طرف اشارہ ہے اور یہ بات جو کلمات اللہ بصورت ارواح و دیگر مخلوق جلوہ گر ہو جاتی ہیں یہ خالقیّت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اور اسرار الٰہیہ میں سے ایک باریک نکتہ ہے جس کی طرف کسی انسانی عقل کو خیال نہیں آیا اور خدائے تعالیٰ کے پاک اور کامل کلام نے اس کو اپنے الٰہی نور سے منکشف کیا ہے اور اگر ایسا نہ مانا جائے کہ خدائے تعالیٰ اپنے ہی کلمہ اور امر سے ارواح اور اجسام کو وجود پذیر کر لیتا ہے تو پھر آخر یہ ماننا پڑے گا کہ جب تک باہر سے اجسام اور روحیں نہ آویں پرمیشر کچھ بھی نہیں کر سکتا مگر کیا ایسا کم بخت پرمیشر ہو سکتا ہے کہ جو درحقیقت اپنے گھر سے تو دیوالیہ اور مفلس اور تہیدست ہے لیکن کسی عارضی اتفاق سے اس کی خدائی کا دھندا چل رہا ہو۔ اگر پرمیشر ایسا ہی ہے تو سب امیدیں خاک میں مل گئیں اور ایسے پرمیشر پر بھروسہ کرنا بھی بڑا معرض خطر ہوگا۔

اور یہ کہنا کہ خدائے تعالیٰ کی وہی قدرت قابل تسلیم ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کا نام جہالت رکھیں یا تعصّب یا دیوانگی۔ اگر خدائے تعالیٰ کی قدرتوں میں یہ بھی شرط ہے کہ انسان کے اندازۂ فہم سے زیادہ نہ ہوں تو بس پھر اس کی قدرتیں

[1] بنی اسرائیل : ۸۶

ہوچکیں۔ قدرت ربّانی تو اسی کا نام ہے کہ عقل انسانی اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکے۔ اگر ہم ﴿۱۱۸﴾
تم الٰہی قدرتوں کے تمام وکمال حقیقت پر احاطہ کر سکتے ہیں تو گویا ہم نے خدا پر ہی احاطہ کرلیا۔ اے عقل کے نوخریدار و آریو؟ تم کیوں بے فائدہ ان مسائل کے ساتھ سر ٹکراتے ہو جو تمہارے ذہن کی رسائی سے اونچے ہیں۔ ہم اگر عقلمند ہیں تو ہماری عقلمندی یہی ہے کہ ہم خدائے تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں صرف اتنا کریں کہ کلی طور پر اس بات کو تحقیق کر کے دیکھ لیں کہ آیا خدائے تعالیٰ کے ان کاموں پر نظر کر کے جو اب تک اس نے کئے ہیں اس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے یا نہیں کہ اس کے عجائب کام اور اس کی غرائب قدرت ہماری عقول ناقصہ کے دائرہ سے باہر ہیں اور جس طور سے اس کی ربوبیت اور لایدرک طاقت نے صرف اوقات و حاجت انصار و آلات سے غنی اور بے نیاز ہوکر یہ عالم بنا ڈالا ہے اس طرف خیال دوڑانے سے ہماری عقلوں کے پر جلتے ہیں سو ہماری دانشوری یہی ہے کہ ہم اسی کلّی طور کی تحقیق سے سبق حاصل کرلیں اور جزئیات عالم کے ان پیچ در پیچ رازوں کو جو ہمارے اندازۂ عقل اور فہم سے بالاتر ہیں حل کرنے کے لئے اپنے تئیں ناپیدا کنار سمندر میں ڈال کر ہلاک نہ کریں۔

بعض اشخاص یہ کہا کرتے ہیں کہ اگر عقل ہماری اسرار قدرت کو (جو ماخذ علم و حکمت ہیں) سمجھ نہیں سکتی تو پھر وہ کس کام کی ہے اور جا بجا ہم قدرت پر ہی ایمان لا کر اور فکر کو معطّل چھوڑ کر علوم حکمیہ کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ان کو سمجھ کا پھیر لگا ہوا ہے۔ تقریر مذکورہ بالا سے ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بکلی تحقیق و تفتیش سے مونہہ پھیر کر ہر جگہ **آمنّا و صدّقنا** پر ہی کفایت کرنی چاہیے اور نظر اور فکر کو کہیں اور کسی جگہ کام میں نہیں لانا چاہیے بلکہ ہمارا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ایسے امور کی موشگافی اور تہ بینی کی امید سے اپنی عقلوں اور فکروں کو آوارہ مت کرو جو تمہاری بساط سے باہر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ بہتیرے ایسے لوگ ہیں کہ ناجائز فکروں میں پڑ کر اپنی اس معین اور مقرر وسعت سے

﴿۱۱۹﴾ جو قدرت نے ان کو دے رکھی ہے باہر چلتے جاتے ہیں اور اپنی محدود عقل سے کل کائنات کے عمیق در عمیق رازوں کو حل کرنا چاہتے ہیں سو یہ افراط ہے جیسے بکلی تحقیق و تفتیش سے مونہہ پھیر لینا تفریط ہے اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَ اقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ [1] یعنی اپنی چال میں توسط اختیار کر۔ نہ ایسا فکر کو منجمد کر لینا چاہیے کہ جو ہزارہا نکات و لطائف الٰہیات قابل دریافت ہیں ان کی تحصیل سے محروم رہ جائیں اور نہ اس قدر تیزی کرنی چاہیے کہ ان فکروں میں پڑ جائیں کہ خدائے تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے اور یا اس نے اس قدر ارواح اور اجسام کس طرح بنا لئے ہیں اور یا اس نے کیونکر اکیلا ہونے کی حالت میں اس قدر وسیع عالم بنا ڈالا ہے۔

اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ ارواح کا حادث اور مخلوق ہونا قرآن شریف میں بڑے بڑے قوی اور قطعی دلائل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ برعایت ایجاز و اجمال چند دلائل ان میں سے نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔

اول یہ بات بہ بداہت ثابت ہے کہ تمام روحیں ہمیشہ اور ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی ماتحت اور زیر حکم ہیں اور بجز مخلوق ہونے کے اور کوئی وجہ موجود نہیں جس نے روحوں کو ایسے کامل طور پر خدائے تعالیٰ کی ماتحت اور زیر حکم کر دیا ہو سو یہ روحوں کے حادث اور مخلوق ہونے پر اول دلیل ہے۔

دوم یہ بات بھی بہ بداہت ثابت ہے کہ تمام روحیں خاص خاص استعدادوں اور طاقتوں میں محدود اور محصور ہیں جیسا کہ بنی آدم کے اختلاف روحانی حالات و استعدادات پر نظر کر کے ثابت ہوتا ہے اور یہ تحدید ایک محدد کو چاہتی ہے جس سے ضرورت محدث کی ثابت ہو کر (جو محدد ہے) حدوث روحوں کا بہ پایۂ ثبوت پہنچتا ہے۔

سوم یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ تمام روحیں عجز و احتیاج کے داغ سے آلودہ ہیں اور اپنی تکمیل اور بقا کے لئے ایک ایسی ذات کی محتاج ہیں جو کامل اور قادر اور

[1] لقمان : ۲۰

﴿۱۲۰﴾ عالم اور فیّاض مطلق ہو اور یہ امر ان کی مخلوقیت کو ثابت کرنے والا ہے۔

چہارم یہ بات بھی ایک ادنیٰ غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری روحیں اجمالی طور پر ان سب متفرق الٰہی حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہیں جو اجرام علوی و سفلی میں پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے دنیا باعتبار اپنے جزئیات مختلفہ کے عالم تفصیلی ہے اور انسان عالم اجمالی کہلاتا ہے یا یوں کہو کہ یہ عالم صغیر اور وہ عالم کبیر ہے پس جبکہ ایک جزئی عالم کے بوجہ پائے جانے پر حکمت کاموں کے ایک صانع حکیم کی صنعت کہلاتی ہے تو خیال کرنا چاہیے کہ وہ چیز کیونکر صنعت الٰہی نہ ہوگی جس کا وجود اپنے عجائبات ذاتی کے رو سے گویا تمام جزئیات عالم کی عکسی تصویر ہے اور ہر یک جزئی کے خواص عجیبہ اپنے اندر رکھتی ہے اور حکمت بالغہ ایزدی پر بوجہ اتمّ مشتمل ہے۔

ایسی چیز جو مظہر جمیع عجائبات صنعتِ الٰہی ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر نہیں رہ سکتی بلکہ وہ سب چیزوں سے اول درجہ پر مصنوعیت کی مہر اپنے وجود پر رکھتی ہے اور سب سے زیادہ تر اور کامل تر صانع قدیم کے وجود پر دلالت کرتی ہے سو اس دلیل سے روحوں کی مخلوقیت صرف نظری طور پر ثابت نہیں بلکہ درحقیقت اجلیٰ بدیہات ہے۔ ماسوا اس کے دوسری چیزوں کو اپنی مخلوقیت کا علم نہیں مگر روحیں فطرتی طور پر اپنی مخلوقیت کا علم رکھتی ہیں ایک جنگلی آدمی کی روح بھی اس بات پر راضی نہیں ہوسکتی کہ وہ خودبخود ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى [1] یعنی روحوں سے میں نے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب (پیدا کنندہ) نہیں ہوں تو انہوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں یہ سوال و جواب حقیقت میں اس پیوند کی طرف اشارہ ہے جو مخلوق کو اپنے خالق سے قدرتی طور پر متحقق ہے جس کی شہادت روحوں کی فطرت میں نقش کی گئی ہے۔

پنجم جس طرح بیٹے میں باپ اور ماں کا کچھ کچھ حلیہ اور خوبو پائی جاتی ہے اسی طرح

[1] الاعراف : ۱۷۳

روحیں جو خدائے تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں اپنے صانع کی سیرت وخصلت سے اجمالی طور پر کچھ حصہ رکھتی ہیں اگرچہ مخلوقیت کی ظلمت وغفلت غالب ہو جانے کی وجہ سے بعض نفوس میں وہ رنگ الٰہی کچھ پھیکا سا ہو جاتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر یک روح کسی قدر وہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے اور پھر بعض نفوس میں وہ رنگ بداستعمالی کی وجہ سے بدنما معلوم ہوتا ہے مگر یہ اس رنگ کا قصور نہیں بلکہ طریقہ استعمال کا قصور ہے۔ انسان کی اصلی قوتوں اور طاقتوں میں سے کوئی بھی بری قوت نہیں صرف بداستعمالی سے ایک نیک قوت بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر وہی قوت اپنے موقع پر استعمال کی جائے تو وہ سراسر نفع رسان اور خیر محض ہے اور حقیقت میں انسان کو جس قدر قوتیں دی گئی ہیں۔ وہ سب الٰہی قوتوں کے اظلال وآثار ہیں۔ جیسے بیٹے کی صورت میں کچھ کچھ باپ کے نقوش آجاتے ہیں ایسا ہی ہماری روحوں میں اپنے رب کے نقوش اور اس کی صفات کے آثار آگئے ہیں جن کو عارف لوگ خوب شناخت کرتے ہیں اور جیسے بیٹا جو باپ سے نکلا ہے اس سے ایک طبعی محبت رکھتا ہے نہ بناوٹی۔ اسی طرح ہم بھی جو اپنے رب سے نکلے ہیں اس سے فی الحقیقت طبعی محبت رکھتے ہیں نہ بناوٹی اور اگر ہماری روحوں کو اپنے رب سے یہ طبعی و فطرتی تعلق نہ ہوتا تو پھر سالکین کو اس تک پہنچنے کے لئے کوئی صورت اور سبیل نہ تھی سو اگرچہ دلائل مخلوقیت ارواح جن کو اللہ جلّ شانہٗ نے آپ قرآن شریف میں معقولی طور پر بیان کیا ہے اس کثرت سے ہیں کہ اگر وہ سب اس جگہ لکھے جائیں تو خود انہیں دلائل کی ایک بڑی کتاب ہو جائے گی مگر ہم بالفعل اسی قدر پر کفایت کرتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ ﴿۱۲۱﴾

اب ہم اس جگہ ماسٹر صاحب کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں کہ ہم نے روحوں کی مخلوقیت جس سے ان کی کیفیت بکلی ظاہر ہوتی ہے دلائل مندرجہ قرآن شریف کے رو سے

بقدر کفایت بیان کردی ہے اگر ماسٹر صاحب کا وید بھی کچھ علم الٰہی سے حصہ رکھتا ہے تو انہیں لازم ہے کہ اس وقت بمقابلہ قرآن شریف کے وید کے وہ دلائل عقلیہ پیش کریں جن کی رو سے غیر مخلوق اور غیر محدث ہونا روحوں کا ثابت ہوتا ہے بلکہ اس جگہ ہم مکرر گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ بہتر یوں ہے کہ ماسٹر صاحب بغرض مقابلہ وموازنہ فلسفہ وید وقرآن شریف ہم کو اجازت دیں کہ تا ہم ایک علیحدہ رسالہ روحوں کی مخلوقیت اور ان کی خواص اور قوتوں اور طاقتوں کے بارے میں اور دیگر نکات اور لطائف علم روح کے متعلق اس شرط سے لکھیں کہ کسی بات اور کسی دلیل کے بیان کرنے میں بیانات قرآنی سے باہر نہ جائیں یعنے وہی دلائل و براہین مخلوقیت ارواح پیش کریں جو قرآن شریف نے آپ پیش کئے ہیں اور وہی دقائق ومعارف علم روح لکھیں جو قرآن شریف نے خود لکھے ہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس ماسٹر صاحب بھی بمقابل ہمارے ایسا ہی کریں یعنی وہ بھی روحوں کی غیر مخلوقیت بدلائل عقلیہ ثابت کرنے اور علم روح کے بیان کرنے میں وید ہی کی شرتیوں کے پابند رہیں اور وہی دلائل وغیرہ تحریر میں لاویں جو وید نے پیش کئے ہیں اور ہم دونوں فریق صرف حوالہ آیت یا شرتی پر کفایت نہ کریں بلکہ اس آیت یا شرتی کو بتمامہ مع ترجمہ وپتہ ونشان وغیرہ تحریر بھی کردیں۔ اس طور کے مباحثہ وموازنہ سے غالب اور مغلوب میں صاف فرق کھل جائے گا اور جو ان دونوں میں سے حقیقت میں خدا کا کلام ہے وہ کامل طور پر ان باتوں میں عہدہ برا ہوگا اور اپنے حریف کو شکست فاش دے گا اور اس کی ذلّت اور رسوائی ظاہر کرے گا لیکن ہم بطور پیشگوئی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایسا مقابلہ وید سے ہونا ہرگز ممکن ہی نہیں کیونکہ وید اپنے بیانات میں سراسر غلطی پر ہے اور وہ بوجہ انسانی خیالات ہونے کے یہ طاقت اور قوت بھی نہیں رکھتا کہ خداوند علیم وحکیم کی پاک وکامل کلام کا مقابلہ کرسکے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے علی التساوی یہ شرط پیش کی ہے یعنے اپنے نفس کے لئے اس طرز کے مقابلہ میں کوئی ایسا فائدہ مخصوص نہیں رکھا جس سے فریق ثانی منتفع نہ ہوسکتا ۱۲۲

ہو پس اگر اب بھی ماسٹر صاحب کنارہ کر گئے تو کیا یہ اس بات پر دلیل کافی نہیں ہوگی کہ ﴿۱۲۳﴾
ان کا ویدان کمالات اور خوبیوں اور پاک سچائیوں سے بکلّی عاری اور خالی ہے۔

قولہ ۔مرزا صاحب اور سب اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے اور قرآن میں آیا ہے کہ جب آنحضرت (محمدؐ صاحب) سے لوگوں نے پوچھا کہ روح کیا چیز ہے تو آپ کچھ نہ بتلا سکے اور اس وقت آیت نازل ہوئی کہ اے محمدؐ کہہ دے کہ روح ایک امر ربّی ہے سو مسلمانوں نے تو روح کو کیا سمجھا ہوگا خدا نے ان کے ہادی پر بھی روح کی کیفیت ظاہر نہیں کی اور خدا کا بھی کیا جواب عمدہ ہے کہ روح امر ربی ہے کیا اور چیزیں امر ربّی نہیں۔

اقول اس وقت ماسٹر صاحب کی خوبیٔ فہم اور جلد بازی کا تصور کر کے مجھے ایک حکایت یاد آ گئی ہے کہ ایک ایسا شخص کسی شہر میں تھا جو ہمیشہ چپ رہا کرتا تھا آخر اس کی خاموشی سے لوگ اس وہم میں پڑ گئے کہ یہ کوئی بڑا فاضل اور دانشمند ہوگا۔ اسی خیال سے ایک جماعت کثیر اس کی خدمت میں حاضر رہنے لگی۔ ایک دن اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے اپنی عقلمندی ظاہر کرنے کے لئے کچھ بولنا چاہیے سو جب اس نے دو چار باتیں ہی مونہہ سے نکالیں تو تمام لوگ سمجھ گئے کہ اگر اس شہر میں کوئی اور نادان بھی ہے تو اس سے بڑھ کر کبھی نہ ہوگا۔ تب اس کے اردگرد سے سب بھاگ گئے اور ساری جماعت متفرق ہوگئی اور وہ اکیلا رہ کر بہت دردمند ہوا۔ بڑی مصیبت سے ایک رات کاٹی صبح ہوتے ہی اس شہر سے کہیں کو چلا گیا اور جاتے وقت ایک دیوار پر لکھ گیا کہ اگر میں پہلے اپنی شکل کو آئینہ میں دیکھ لیتا تو نادانی سے اپنا پردہ فاش نہ کرتا۔

اسی طرح ماسٹر صاحب نے بھی اچھا نہیں کیا کہ لاعلمی اور ناواقفیت اور ناسمجھی کی حالت میں اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولی۔ لالہ صاحب میں آپ کی غلطیوں کی کہاں تک اصلاح کرتا جاؤں آپ نے یہ کس سے سن لیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم روح نہیں دیا گیا تھا اور آپ نے

قرآن شریف میں کس جگہ اور کہاں دیکھ لیا کہ حضرت ممدوح روح کے علم سے بے خبر تھے۔ میں ﴿۱۲۴﴾
جانتا ہوں کہ آپ کو اپنی عقل ناتمام کی شامت سے اس آیت کے سمجھنے میں دھوکا لگا ہے جو
قرآن شریف میں وارد ہے اور وہ یہ ہے وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ
اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا [1] الجزو ۱۵ سورہ بنی اسرائیل اور کفار
تجھ سے (اے محمدؐ) پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے اور کس چیز سے اور کیونکر پیدا ہوئی ہے۔ ان کو
کہہ دے کہ روح میرے ربّ کے امر میں سے ہے اور تم کو اے کافرو علم روح اور علم اسرار
الٰہی نہیں دیا گیا مگر کچھ تھوڑا سا۔ سو اس جگہ اے ماسٹر صاحب آپ کو اپنے نقصان فہم
سے یہ غلطی لگی کہ آپ نے اس عبارت کا مخاطب (کہ تم کو علم روح نہیں دیا گیا)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لیا حالانکہ لفظ مَآ اُوْتِیْتُمْ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم کو نہیں
دیا گیا جمع کا صیغہ ہے جو صاف دلالت کررہا ہے جو اس آیت کے مخاطب کفار ہیں
کیونکہ ان آیات میں جمع کے صیغہ سے کسی جگہ آنحضرت کو خطاب نہیں کیا گیا بلکہ
جابجا واحد کے صیغہ سے خطاب کیا گیا ہے اور جمع کے صیغہ سے کفار کی جماعت کو بیان کیا
گیا ہے کہ وہ ایسا سوال کرتے ہیں سو اگر کوئی نرا اندھا نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں
آیتوں میں دو جمع کے صیغے وارد ہیں۔ اوّل یَسْئَلُوْنَ یعنی سوال کرتے ہیں۔ دوم
مَا اُوْتِیْتُمْ یعنی تم نہیں دیئے گئے اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یَسْئَلُوْنَ کے صیغہ جمع سے مراد
کافر ہیں جنہوں نے روح کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ
مَا اُوْتِیْتُمْ کے صیغہ جمع سے بھی مراد کافر ہی ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی
جگہ جمع کے صیغہ سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ اوّل مجرّد کاف سے جو واحد پر دلالت کرتا
ہے خطاب کیا گیا یعنی یہ کہا گیا کہ تجھ سے کفار پوچھتے ہیں یہ نہیں کہا گیا کہ تم سے کفار
پوچھتے ہیں۔ پھر بعد اس کے ایسا ہی لفظ واحد سے فرمایا کہ ان کو کہہ دے یہ نہیں فرمایا
کہ ان کو کہہ دو برخلاف بیان حال کفار کے کہ ان کو دونوں موقعوں پر جمع کے صیغے سے
بیان کیا ہے سو آیت کے سیدھے سیدھے معنے جو سیاق سباق کلام سے سمجھے جاتے

[1] بنی اسرائیل : ۸۶

ہیں اور صاف صاف عبارت سے نکلتے ہیں یہی ہیں کہ اے محمدؐ کفار تجھ سے روح کی کیفیت پوچھتے ہیں کہ روح کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا ہوئی ہے سو ان کو کہہ دے کہ روح امر ربی ہے یعنی عالم امر میں سے ہے اور تم اے کافرو کیا جانو کہ روح کیا چیز ہے کیونکہ علم روح حاصل کرنے کے لئے ایماندار اور عارف باللہ ہونا ضروری ہے مگر ان باتوں میں سے تم میں کوئی بھی بات نہیں۔ ﴿۱۲۵﴾

اب ہریک منصف سمجھ سکتا ہے کہ نادانی اور شتاب کاری کی آمیزش سے کیا کیا ندامتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ ان آیات شریفہ متذکرہ بالا کا کیسا مطلب صاف صاف تھا کہ کفار کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا کہ روح کیا چیز ہے تب ایسی جماعت کو جیسا کہ صورت موجودہ تھی بصیغہ جمع مخاطب کر کے جواب دیا گیا کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنی کلمۃ اللہ یا ظلّ کلمہ ہے جو بحکمت و قدرت الٰہی روح کی شکل پر وجود پذیر ہو گیا ہے اور اس کو خدائی سے کچھ حصہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت حادث اور بندہ خدا ہے اور یہ قدرت رّبانی کا ایک بھید دقیق ہے جس کو تم اے کافرو سمجھ نہیں سکتے ☆ مگر کچھ تھوڑا سا جس کی وجہ سے تم مکلّف بایمان ہو۔

☆ **حاشیہ** یہ ایک سرِّ ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقات الٰہی پیدا ہو جاتی ہے اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہریک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات کلمات الٰہی کے اظلال و آثار ہیں یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلمات الٰہی ہی ہیں جو بقدرت الٰہی مخلوقیت کے رنگ میں آ جاتے ہیں کلام الٰہی کی عبارت ان دونوں معنے کے سمجھنے کے لئے وسیع ہے اور بعض مواضع قرآن کی ظاہر عبارت میں مخلوقات کا نام کلمات اللہ رکھا گیا ہے جو تجلّیات ربوبیّت سے بقدرت الٰہی لوازم و خواص جدیدہ حاصل کر کے حدوث کے کامل رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں اور درحقیقت یہ ایک سر ان اسرار خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتے اور عوام

﴿۱۲۶﴾ تمہاری عقلیں بھی دریافت کرسکتی ہیں۔ اس کھلے کھلے مطلب کے سمجھنے میں ماسٹر صاحب نے کتنی بڑی غلطی کھائی ہے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا یہ خطاب لاعلمی کیفیت روح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے لاحول ولا قوۃ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر کاش ماسٹر صاحب نے کچھ تھوڑی سی عربی پڑھی ہوتی یا کچھ تھوڑا سا قاعدہ نحو صرف کا ہی دیکھا ہوتا اے صاحب ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ روح کی کیفیت پوچھنے والے کون لوگ تھے۔ وہ تو آپ کے ہی بھائی بند یعنی منکرین دین اسلام تھے انہیں کو تو یہ جواب دیا گیا تھا کہ روح عالم امر میں سے ہے اور تم ان الٰہی بھیدوں کو اے کافرو کیا جانو ایمان لاؤ تا تمہیں روح کی کیفیت اور اس کے علوم معلوم ہوں اور یہ جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے جس پر ماسٹر صاحب نے اپنی خوش فہمی سے جھٹ پٹ اعتراض بھی کر دیا یہ ایک بڑی بھاری صداقت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ربوّبیتِ الٰہی دو طور سے ناپیدا چیزوں کو پیدا کرتی ہے اور

﴿۱۲۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

کے لئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ ہوگیا اور سب کچھ اسی کا پیدا کردہ اور اسی کی مخلوق اور اسی کے دست قدرت سے نکلا ہوا ہے لیکن عارفوں پر کشفی طور سے بعد مجاہدات یہ کیفیت حدوث کھل جاتی ہے اور نظر کشفی میں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ارواح و اجسام کلمات اللہ ہی ہیں جو بحکمت کاملہ الٰہی پیرایہ حدوث و مخلوقیت سے متلبس ہوگئے ہیں مگر اصل محکم جس پر قدم مارنا اور قائم رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ ان کشفیات و معقولات سے قدر مشترک لیا جائے یعنی یہ کہ خدائے تعالیٰ ہریک چیز کا خالق اور مُحدث ہے اور کوئی چیز کیا ارواح اور کیا اجسام بغیر اس کے ظہور پذیر نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ کلام الٰہی کی عبارت اس جگہ درحقیقت ذوالوجوہ ہے اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ہریک چیز خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر

﴿۱۲۷﴾ دونوں طور کے پیدا کرنے میں پیدا شدہ چیزوں کے الگ الگ نام رکھے جاتے ہیں۔ جب خدائے تعالیٰ کسی چیز کو اس طور سے پیدا کرے کہ پہلے اس چیز کا کچھ بھی وجود نہ ہو تو ایسے پیدا کرنے کا نام اصطلاح قرآنی میں امر ہے اور اگر ایسے طور سے کسی چیز کو پیدا کرے کہ پہلے وہ چیز کسی اور صورت میں اپنا وجود رکھتی ہو تو اس طرز پیدائش کا نام خلق ہے خلاصہ کلام یہ کہ بسیط چیز کا عدم محض سے پیدا کرنا عالم امر میں سے ہے اور مرکب چیز کو کسی شکل یا

بقیہ حاشیہ

﴿۱۲۷﴾ ہوئی ہے اور کوئی چیز بغیر اس کے پیدا نہیں ہوئی اور نہ خود بخود ہے سو اس قدر اعتقاد ابتدائی حالت کے لئے کافی ہے پھر آگے معرفت کے میدانوں میں سیر کرنا جس کو نصیب ہوگا اس پر بعد مجاہدات خود وہ کیفیت کھل جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا [1] یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے ہم ان کو وہ اپنی خاص راہیں آپ دکھلا ویں گے جو مجرّد عقل اور قیاس سے سمجھ میں نہیں آسکتیں اور درحقیقت خدائے تعالیٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصہ پر منقسم کر رکھا ہے۔

(۱) عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواس ظاہری کے ذریعہ اور آلات خارجی کے توسل سے محسوس ہوسکتا ہے۔

(۲) عالم باطن جو عقل اور قیاس کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۳) عالم باطن در باطن جو ایسا نازک اور لایدرک وفوق الخیالات عالم ہے جو تھوڑے ہیں جو اس سے خبر رکھتے ہیں وہ عالم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی گئی مگر ظن محض۔ اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے نہ اور کسی ذریعہ سے اور جیسی عادت اللہ بدیہی طور پر ثابت اور متحقّق ہے کہ اس نے ان دو پہلے عالموں کے دریافت کرنے کے لئے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے انسان کو طرح طرح کے حواس و قوتیں عنایت کی ہیں۔ اسی طرح اس

[1] العنکبوت : ۷۰

﴿۱۲۸﴾ ہیئتِ خاص سے متشکل کرنا عالم خلق سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[1] یعنی بسائط کا عدم محض سے پیدا کرنا اور مرکبات کو ظہور خاص میں لانا دونوں خدا کا فعل ہیں اور بسیط اور مرکب دونوں خدائے تعالیٰ کی پیدائش ہے اب ماسٹر صاحب! دیکھا کہ یہ کیسی اعلیٰ اور عمدہ صداقت ہے جس کو ایک مختصر آیت اور چند معدود لفظوں میں خدائے تعالیٰ نے ادا کر دیا۔ اس کے مقابلہ پر اگر آپ وید کے عقیدہ کو

﴿۱۲۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

تیسرے عالم کے دریافت کرنے کے لئے بھی اس فیاضِ مطلق نے انسان کے لئے ایک ذریعہ رکھا ہے اور وہ ذریعہ وحی اور الہام اور کشف ہے جو کسی زمانہ میں بکلّی بند اور موقوف نہیں رہ سکتا بلکہ اس کے شرائط بجالانے والے ہمیشہ اس کو پاتے رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے چونکہ انسان ترقیات غیر محدودہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی عیب بخل و امساک سے بکلّی پاک ہے۔ پس اس قوی دلیل سے ایسا خیال بڑا ناپاک خیال ہے جو یہ سمجھا جائے جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے دل میں تینوں عالموں کے اسرار معلوم کرنے کا شوق ڈال کر پھر تیسرے عالم کے وسائل وصول سے بکلّی اس کو محروم رکھا ہے۔ پس یہ وہ دلیل ہے جس سے دانشمند لوگ دائمی طور پر الہام اور کشف کی ضرورت کو یقین کر لیتے ہیں اور آریوں کی طرح چار رشیوں پر الہام کو ختم نہیں کرتے جن کی مانند کوئی پانچواں اس کمال تک پہنچنا ان کی نظر عجیب میں ممکن ہی نہیں بلکہ عقلمند لوگ خدائے تعالیٰ کے فیاض مطلق ہونے پر ایمان لا کر الہامی دروازوں کو ہمیشہ کھلا سمجھتے ہیں اور کسی ولایت اور ملک سے اس کو مخصوص نہیں رکھتے ہاں اس صراط مستقیم سے مخصوص رکھتے ہیں جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے یہ برکات حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ہر یک چیز کے حصول کے لئے یہ لازم پڑا ہوا ہے کہ انہیں قواعد

[1] الاعراف : ۵۵

﴿۱۲۹﴾ سوچیں تو جتنا شرمندہ ہوں اتنا ہی تھوڑا ہے اسی وجہ سے تو ہم نے آپ کو ایک خاموش درویش کا قصہ سنایا اگر آپ ایسے ایسے فضول اور خام شبہات کے پیش کرنے سے زبان بند رکھتے تو ہمیں آپ کی حیثیت علمی پر وہ شک نہ پڑتا جواب پڑ گیا ہے۔ بالآخر ہم یہ بھی لکھا چاہتے ہیں کہ اگر ماسٹر صاحب کے دل میں یہ خیال ہے کہ قرآن شریف میں علم روح بیان نہیں کیا گیا اور وید میں بیان کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیفیت روح سے

بقیہ حاشیہ

﴿۱۲۹﴾ اور طریقوں پر عمل کیا جائے جن کی پابندی سے وہ چیز مل سکتی ہے۔ غرض عقلمند لوگ عالم کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جوادِ مطلق نے عالم اول کے ادنیٰ ادنیٰ امور کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو حواس و طاقتیں عنایت کی ہیں وہ تیسرے عالم کے معظم اور عالی شان امور کے دریافت سے جس سے حقیقی اور کامل تعلق خدائے تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے اور سچی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اسی دنیا میں انوار نجات نمایاں ہو جاتے ہیں کیوں انسان کو محروم رکھتا بے شک یہ طریق بھی دوسرے دونوں طریقوں کی طرح کھلا ہوا ہے اور صادق لوگ بڑے زور سے اس پر قدم مارتے ہیں اور اس کو پاتے ہیں اور اس کے ثمرات حاصل کرتے ہیں عجائبات اس عالم ثالث کے بے انتہا ہیں اور اس کے مقابل پر دوسرے عالم ایسے ہیں جیسے آفتاب کے مقابل پر ایک دانہ خشخاش۔ اس بات پر زور لگانا کہ اس عالم کے اسرار عقلی طاقت سے بکلّی منکشف ہو جائیں یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان آنکھوں کو بند کر کے مثلاً اس بات پر زور لگائے کہ وہ قابل رؤیت چیزوں کو قوت شامّہ کے ذریعہ سے دیکھ لے بلکہ عجائبات عالم باطن در باطن سے عقل ایسی حیران ہے کہ کچھ دم نہیں مار سکتی کہ یہ کیا بھید ہے۔ روحوں کی پیدائش

﴿۱۳۰﴾ کچھ خبر نہ تھی مگر وید کے چاروں رشیوں کو خبر تھی تو اس بات کا تصفیہ نہایت سہل اور آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ ماسٹر صاحب مقابلہ کرنے کے عہد پر ہم کو اجازت دیں تا ہم علم روح کو جو قرآن شریف میں لکھا ہے جس سے معرفت کاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و کمالیت قرآن شریف ثابت ہوتی ہے ایک مستقل رسالہ میں مرتب کر کے بحوالہ آیات قرآنی شائع کر دیں اور جب یہ رسالہ ہماری طرف سے چھپ کر شائع ہو جائے تو اس وقت ماسٹر صاحب

﴿۱۳۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

پر انسان کیوں تعجب کرے اسی دنیا میں صاحبِ کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کی کُنہ کو سمجھنے میں بکلی عقل عاجز رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہٖ تعالیٰ اس کی آواز بھی سن لیتا ہے اور اس سے زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اس کی آواز سن لیتا ہے جس کی صورت اس پر منکشف ہوئی ہے۔ بعض اوقات صاحبِ کشف اپنے عالمِ کشف میں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے ارواح گزشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور عام طور پر ملاقات ہر یک نیک بخت روح یا بد بخت روح کے کشف قبور کے طور پر ہو سکتی ہے چنانچہ خود اس میں مؤلّف رسالہ ہذا صاحب تجربہ ہے اور یہ امر ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کی بیخ کنی کرنے والا ہے اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحب کشف اپنی توجہ اور قوت تاثیر سے ایک دوسرے شخص پر باوجود صدہا کوسوں کے فاصلہ کے باذنہٖ تعالیٰ عالم بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا وجود عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے سو وہ محال اس عالم ثالث میں ممکن الوقوع ہو جاتا ہے اسی طرح صدہا عجائبات کو عارف

پر واجب و لازم ہوگا کہ اس کے مقابل پر وید کی شرتیوں کے ساتھ ایک رسالہ مرتب کریں، ﴿۱۳۱﴾
جس میں روح کے بارے میں وید کی فلاسفی بیان کی گئی ہو کہ وہ کیونکر غیر مخلوق اور خدا کی طرح قدیم اور خدا سے الگ چلی آتی ہے اور اس کے خواص کیا کیا ہیں مگر ہم دونوں فریقوں پر لازم ہوگا کہ اپنی اپنی کتاب سے باہر نہ جائیں اور کوئی خود تراشیدہ خیال پیش نہ کریں۔ بلکہ وہی بات پیش کریں جو اپنی کتاب الہامی نے پیش کی ہے اور اس آیت یا شرتی کو بہ پتہ

بقیہ حاشیہ

﴿۱۳۱﴾ بچشم خود دیکھتا ہے اور ان کور باطنوں کے انکار سے تعجب پر تعجب کرتا ہے۔ جو اس عالم ثالث کے عجائبات سے قطعاً منکر ہیں۔ راقم رسالہ ہذا نے اس عالم ثالث کے عجائبات اور نادر مکاشفات کو قریب پانچ ہزار کے بچشم خود دیکھا اور اپنے ذاتی تجربہ سے مشاہدہ کیا اور اپنے نفس پر انہیں وارد ہوتے پایا ہے۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بڑی بھاری کتاب تالیف ہوسکتی ہے۔ ان سب عجائبات میں سے ایک بڑی عجیب بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ بعض کشفی امور جن کا خارج میں نام ونشان نہیں محض قدرت غیبی سے وجود خارجی پکڑ لیتے ہیں اگرچہ صاحبِ فتوحات وفصوص ودیگر اکثر اکابر متصوفین نے اس بارے میں بہت سے اپنے خود گذشت قصّے اپنی تالیفات میں لکھے ہیں لیکن چونکہ دید وشنید میں فرق ہے اس لئے مجرد ان قصوں کی سماعت سے ہم کو وہ کیفیت یقینی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ جو اپنے ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ میں نے عالم کشف میں دیکھا کہ بعض احکام قضاء وقدر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہوگا اور پھر اس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مطلق جلّ شانہٗ کے سامنے پیش کیا ہے (اور یاد رکھنا چاہئے کہ مکاشفات اور رویا صالحہ میں اکثر

﴿۱۳۲﴾ خاصؔ معہ ترجمہ لکھ بھی دیں تا کہ ناظرین رائے لگا سکیں کہ آیا وہ بات اس سے نکلتی ہے یا نہیں۔ سو اگر اس شرط سے ماسٹر صاحب مقابلہ کر دکھائیں یا کوئی اور شخص جو آریوں کے ممتاز علماء میں سے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو خواہ ماسٹر صاحب ہوں یا منشی اندرمن صاحب مرادآبادی یا منشی جیونداس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور یا کوئی اور صاحب جو اس گروہ میں مسلم العلم ہوں سو روپیہ نقد بطور انعام دوں گا اور یہ روپیہ

﴿۱۳۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

ایسؔا ہوتا ہے کہ بعض صفات جمالیہ یا جلالیہ الٰہیہ انسان کی شکل پر متمثّل ہو کر صاحبِ کشف کو نظر آجاتے ہیں اور مجازی طور پر وہ یہی خیال کرتا ہے کہ وہی خداوند قادر مطلق ہے اور یہ امر ارباب کشوف میں شائع و متعارف و معلوم الحقیقت ہے جس سے کوئی صاحب کشف انکار نہیں کرسکتا) غرض وہی صفت جمالی جو بعالم کشف قوت متخیّلہ کے آگے ایسی دکھلائی دی تھی جو خداوند قادر مطلق ہے اس ذات بے چون و بے چگون کے آگے وہ کتاب قضاء و قدر پیش کی گئی اور اس نے جو ایک حاکم کی شکل پر متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اس سرخی کو اس عاجز کی طرف چھڑکا اور بقیہ سرخی کا قلم کے مونہہ میں رہ گیا اس سے اس کتاب پر دستخط کر دیئے اور ساتھ ہی وہ حالت کشفیہ دور ہوگئی اور آنکھ کھول کر جب خارج میں دیکھا تو کئی قطرات سرخی کے تازہ بہ تازہ کپڑوں پر پڑے چنانچہ ایک صاحب عبداللہ نام جو سنور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور اس وقت اس عاجز کے پاس نزدیک ہو کر بیٹھے ہوئے تھے دو یا تین قطرہ سرخی کے ان کی ٹوپی پر پڑے۔ پس وہ سرخی جو ایک امر کشفی تھا وجود خارجی پکڑ کر نظر آ گئی۔ اسی طرح اور کئی مکاشفات میں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے مشاہدہ کیا گیا ہے اور اپنے ذاتی تجارب سے ثابت ہو گیا جو بلاشبہ امور کشفیہ کبھی کبھی باذنہٖ تعالیٰ وجود خارجی پکڑتے ہیں یہ امور عقل

﴿۱۳۳﴾ فریق مخالف کی تسلی خاطر کے لئے پہلے ہی کسی فاضل برہمو صاحب کے پاس جیسے بابو نوبین چندر رائے صاحب و پنڈت شیو نارائن صاحب اگنی ہوتری ہیں بطور امانت جمع کرایا جائے گا اور انہیں اختیار ہوگا کہ اگر وہ اپنی رائے میں دیکھیں کہ حقیقت میں آریہ صاحب نے وید کا مقابلہ کر دکھایا تو خود بخود بغیر اجازت ایں جانب وہ روپیہ اس آریہ صاحب کے حوالہ کردیں لیکن اگر اس مضمون کو پڑھ کر پھر بھی ماسٹر صاحب یا ان کے کوئی دوسرے

﴿۱۳۳﴾ **بقیہ حاشیہ**

کے ذریعہ سے ہرگز ذہن نشین نہیں ہو سکتے بلکہ جو شخص عقل کے گھمنڈ اور غرور میں پھنسا ہوا ہے وہ ایسی باتوں کو سنتا ہی نہایت تکبر سے کہے گا کہ یہ سراسر محال اور خیال باطل ہے اور ایسا کہنے والا یا تو دروغگو ہے یا دیوانہ یا اس کو سادہ لوحی کی وجہ سے دھوکا لگا ہے اور بہ باعث نقصان تحقیق بات کی تہ تک پہنچنے سے محروم رہ گیا ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ان عقلمندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ وہ امور جن کی صداقت پر ہزارہا عارف و راستباز اپنے ذاتی تجارب سے شہادتیں دے گئے ہیں۔ اور اب بھی دیتے ہیں اور صحبت گزین پر ثابت کر دینے کے لئے بفضلہٖ تعالیٰ اپنی ذمہ داری لیتے ہیں کیا وہ ایسے خفیف امور ہیں جو صرف منکرانہ زبان ہلانے سے باطل ہو سکتے ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ عالم کشف کے عجائبات تو ایک طرف رہے جو عالم عقل ہے یعنی جس عالم تک عقل کی رسائی ہونا ممکن ہے اس عالم کا بھی ابھی تک عقل نے تصفیہ نہیں کیا اور لاکھوں اسرار الٰہی پردہ غیب میں دبے پڑے ہیں جن کی عقلمندوں کو ہوا تک نہیں پہنچی۔ ایک فصلی مکھی جو پلید اور ناپاک زخموں پر بیٹھتی ہے اور اکثر گدھے یا بیل وغیرہ جو زخمی اور مجروح ہوں ان کو ستاتی ہے اس کے اس عجیب خاصہ پر کوئی فلسفی دلیل عقلی نہیں بتلا سکتا کہ وہ اکثر برسات میں تکون کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی اولاد صرف کیڑے ہوتے ہیں کہ جو ایک ایک

﴿۱۳۴﴾ باعلم بھائی خاموش رہے اور مجھ کو بوعدہ مقابلہ ایسے رسالہ کی تالیف کے لئے تحریک نہ کی تو پھر تمام ناظرین کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی سب آوازیں طبل تہی ہیں اور صادقوں کے طریق پر وہ چلنا چاہتے ہی نہیں۔ بھلا یہ کیا اوباشانہ طریق ہے اوّل خدائے تعالیٰ کی پاک کلام اور اس کے کامل نبی کی نسبت ہتک اور توہین کے کلمات مونہہ پر لائیں اور جب مقابلہ وید و قرآن کے لئے کہا جائے تو پھر ایسے چپ ہوں کہ گویا دنیا سے کوچ کر گئے۔ ناظرین

﴿۱۳۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

سیکنڈ میں دس دس بیس بیس تیس تیس اس کے اندر سے نکلتے جاتے ہیں کیا یہ عقل کے برخلاف ہے یا نہیں کہ مادہ اور نَر دونوں نوع واحد میں داخل ہوں اور ان کے بچے ایسے ہوں کہ اس نوع سے بکلّی خارج ہوں۔ ایسا ہی اگر چھپکلی کو (جس کو پنجاب میں کرلی کہتے ہیں) درمیان سے کاٹا جائے تو اس کا نیچےاور اوپر کا دھڑ دونوں الگ الگ تڑپتے ہیں اور مضطربانہ حرکت کرتے ہیں اگر بقول پنڈت دیانند صاحب روح بھی جسم کی قسم ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو گیا ہو اور اگر روح کو جسم اور جسمانی ہونے سے منزہ خیال کریں اور اس کا تعلق جسم سے ایسا ہی مجہول الکیفیت و برتر از عقل وفہم خیال کریں جیسے روح کا حدوث برتر از عقل وفہم ہے تو پھر البتہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ہاں پنڈت دیانند کا مذہب جڑھ سے اکھڑتا ہے۔ اسی طرح عقلمندوں کی عقل ناقص کی تراش وخراش پر بہت اعتراض اٹھتے ہیں اور ان کو آخر کار نہایت شرمساری سے مونہہ کے بَل گرنا پڑتا ہے اور پھر انجام کار بہت خوار اور ذلیل ہو کر اسی بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی بے انتہا عجیب و غریب قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کا کام نہیں۔

ہر چہ دانا کند کند نادان لیک بعد از کمال رسوائی

منہ

سوچ لیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا صفائی کی بات ہوگی کہ ہم مغلوب ہونے کی حالت ﴿۱۳۵﴾
میں سو روپیہ نقد دینا وعدہ کرتے ہیں اور غالب ہونے کی حالت میں ہم کچھ بھی نہیں مانگتے صرف یہ امید رکھتے ہیں کہ کوئی روح بے راہی کے طریق سے نادم ہوکر سچائی کا طریق اختیار کرے۔ سو اب ہم منتظر رہیں گے کہ کب لالہ مرلیدھر صاحب یا ان کے کوئی اور آریہ بھائی جو اپنی قوم میں امتیاز علمی رکھتے ہوں ایسی درخواست کریں گے۔

تا سیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد۔

قولہ۔ اسی طرح اسلام نے مادہ کی کیفیت کو بھی نہیں سمجھا اور نہ مادی دنیا کو ہی معلوم کیا کہ زمین و سورج و چاند وغیرہ کیا بستو ہیں زمین جو کہ کرہ ہے اس کی حقیقت اور گردش و کشش وغیرہ جو ہے ان سب کے خلاف ہے سارے مسائل اسلام کے ہیں۔

اقول۔ آپ اس خیال پُر اختلال میں بھی سراسر غلطی پر ہیں اور یہ آپ کا قول بالکل جھوٹ اور افترا یا بے خبری یا بے علمی کا تقاضا ہے جو آپ تعلیم قرآنی کی نسبت ایسا خیال کر رہے ہیں بلکہ تعلیم قرآنی میں جیسی واقعی اور حقّانی طور پر کیفیت روح اور اس کے خواص بیان کئے گئے ہیں ایسا ہی زمین و سورج و چاند وغیرہ مادی اشیا کی نسبت قرآن شریف میں صحیح صحیح اور واقعی بیان مندرج ہے اور ایسے بلند و عمیق اسرار طبعی و ہیئت و طبابت و دیگر لطائف فلسفہ اس میں پائے جاتے ہیں جن کی طرف کسی حکیم یا فلسفی کا ذہن سبقت نہیں لے گیا۔ اگر آپ اس میں بھی کچھ آزمائش کرنا چاہیں تو حسب تحریک آپ کے ہم ایک ہی رسالہ میں جیسا کہ قول گزشتہ میں ہم وعدہ کر چکے ہیں بمراد مقابلہ وید و قرآن یہ دونوں طور کے مسائل یعنی مسائل علم روح و مسائل علم اشیائے مادی قرآن شریف سے لے کر بیان کر سکتے ہیں مگر اسی شرط متذکرہ بالا کے رو سے یعنی یہ کہ جس طرح ہم اپنے بیان میں قرآن شریف سے باہر نہ جائیں ایسا ہی بمقابل ہمارے آپ بھی کر دکھائیں اور آپ یاد رکھیں کہ آپ کی ساری باتیں فضول اور نری دعویٰ ہی دعویٰ ہیں ورنہ وید تو خالق اور مخلوق میں بھی فرق نہیں کر سکا پھر دوسری صداقتیں کیا بیان کرے گا۔ ایک وید کا

دعوٰی تناسخ ہی دیکھیں یعنی جونوں کا مسئلہ کہ کس قدر مخالف طبعی و طبابت و ہیئت ہے ﴿۱۳۶﴾
بموجب قرارداد وید کے جو لوگ نہایت درجہ کے ذلیل گناہ کرتے ہیں وہ کیڑے مکوڑے اورحشرات الارض بنتے ہیں اور انسان کی جون انہیں کو ملتی ہے جن کا گناہ کچھ خفیف ہو۔ اب ایک محقّق عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس سے لازم آتا کہ کیڑوں مکوڑوں کا کثرت سے پیدا ہونا ہمیشہ کثرت گناہوں کے تابع ہو حالانکہ یہ بات بہ بداہت نظر سراسر باطل معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت صاف صاف یہی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر کیڑے مکوڑے اور مینڈکیں اور چھوٹے چھوٹے پَردار اور دوسرے جانور موسم برسات میں ہی پیدا ہوتے ہیں تو کیا اب یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ خلقت خدا کی برسات کے دنوں میں ہی کثرت سے گناہ کرتی ہے کسی اور دنوں میں نہیں کرتی۔ دیکھو یہ عقیدہ کس قدر علم طبعی کے برخلاف ہے۔ ایسا ہی جمیع اطباء کی تحقیقات سے اکثری طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد اور عورت کی دو منیوں کے ملنے سے لڑکا لڑکی پیدا ہوتا ہے مگر دیانند صاحب فرماتے ہیں کہ وید کے رو سے صرف عورت کا نطفہ موجب حمل ہو جاتا ہے اور روح شبنم کی طرح کسی بوٹی پر گرتی ہے اس کو کوئی عورت کھا کر حاملہ ہو جاتی ہے دیکھو یہ کس قدر منافی مسائل طبابت ہے۔ ایسا ہی وید میں یہ بھی لکھا ہے کہ اندر نے ایک رشی کی لڑکی کو حمل کر دیا بلکہ آپ ہی اس کے پیٹ سے پیدا ہو گیا۔ آپ لوگوں کے بزرگ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ بعض رشی کان کی راہ سے بعض مونہہ کی راہ سے بعض کسی اور دوسرے حیوان کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں ایسا ہی آپ کا وید بہت سے ایسے خواص چاند اور سورج کی طرف منسوب کرتا ہے جن کی زمانہ حال کی نئی تحقیق نے صاف صاف بکمال ثبوت تکذیب کی ہے۔ اگر ہم اس وقت وید سے نقل کر کے جو ہمارے سامنے رکھا ہے ان سب باتوں کو جو خلاف مسائل ثابت شدہ طبعی و طبابت و ہیئت اس میں بھری پڑی ہیں لکھیں تو یہ رسالہ ایک بڑی کتاب ہو جائے گی اس لئے بالفعل ہم ان تمام امور کو اس مستقل رسالہ پر موقوف رکھتے ہیں۔

جسؔ کا ہم بشرائط متذکرہ بالا وعدہ کر چکے ہیں۔ ﴿۱۳۷﴾

قولہ ۔ آج تک مسلمانوں کو چاند وغیرہ کی حقیقت معلوم نہیں کہ کب نکلتا ہے اور کب چھپتا ہے ایک عید ہی آتی ہے تو سب مسلمان شُبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ چاند کون سے دن نکلتا ہے۔

اقول۔ بھلا غنیمت ہے کہ چاند وغیرہ کی حقیقت آپ لوگوں نے تو اچھی طرح سمجھ لی ہے۔ اے ماسٹر صاحب میں نہیں جانتا کہ اس قسم کی بیہودہ اور بے اصل باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ اگر اس نکتہ چینی سے آپ کا مدعا یہ ہے کہ عوام مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ علوم طبعی و ہیئت سے بے خبر ہیں تو میں کہتا ہوں کہ اس وصف کے عوام الناس کس قوم میں نہیں پائے جاتے بلکہ ہندوؤں کے عوام پر تو گویا سادہ لوحی و ہم پرستی عجائب پرستی ختم ہے ابھی کسی اخبار میں لکھا تھا کہ ایک ہندو صاحب نے ریل کو دیکھ کر جھک کر اسے سجدہ کیا کہ تیرا دھن بل ہے تو ماتا دیوی ہے کیا ان لوگوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان کو بھی طبعی یا فلاسفی کی بو پہنچی ہے بھلا آپ ہی فرمایئے کہ ایسے خیالات کے مالک قریب قریب حیوانات کے ہیں یا نہیں۔ کیا جو لوگ آفتاب اور ماہتاب سے لے کر زمین کے تمام عناصر بلکہ پتھروں اور بوٹیوں تک بھی پرستش کرتے ہیں ان کو اس فلسفہ حقّہ پر کچھ اطلاع ہے کہ یہ سب چیزیں مخلوق اور ایک صانع قادر کے قبضۂ قدرت میں ہیں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کچھ نقصان کر سکتی ہیں ایسا ہی جابجا آریہ صاحبوں کے عوام کیا بلکہ خواص بھی علوم فلسفیہ سے بکلّی بے خبر اور غافل محض پائے جاتے ہیں۔ دیکھو ایک طرف آریہ لوگوں کی فلاسفی یہ بتلاتی ہے کہ گائے جو ایک حیوان ہے مسئلہ اواگون کے رو سے کسی زمانہ میں برہمن کی قوم میں سے یعنی ایک برہمنی تھی اور پھر کسی پلید اور بُرے کام کے ارتکاب سے بعض کہتے ہیں کہ زنا کے باعث سے سزایاب ہو کر گائے کی جون میں آئی۔ اور پھر دوسری طرف دیکھو کہ اسی مجرمہ فاسقہ عورت کی ہندوؤں

کے خیالات میں کس قدر تعظیم وتکریم جمی ہوئی ہے کہ گویا اسی کی دم پکڑ کر پار ہو جانا ہے۔ ﴿۱۳۸﴾
یاں تک اس کی بزرگی تسلیم کی جاتی ہے کہ اس کے عوض میں کسی انسان کا خون کرنا ان کے نزدیک کچھ بھی گناہ نہیں بلکہ ثواب کی بات ہے اگرچہ ایسی ایسی حرکات کبھی کبھی اب بھی ہندو لوگ شوخی کی راہ سے کر بیٹھتے ہیں چنانچہ کوکوں کا بمقام امرتسر کئی قصابوں کو بے رحمی سے قتل کرنا ایک ایسا تازہ واقعہ ہے جس میں کچھ زیادہ مدّت نہیں گزری لیکن سکھوں کے عہد حکومت میں تو بڑے زور وشور سے بحکم حکّام ایسی وارداتیں ہوتی تھیں۔ سکھوں کا دور حکومت پنجاب میں پچاس برس کے اندر اندر شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا اس زمانہ کی تحریروں اور واقف کاروں کے بیانات تائیدی سے یہ پُردرد ماجرا معلوم ہوتا ہے کہ اس حیوان کے کسی اتفاقی زخم لگ جانے پر یا کبھی کبھی کسی فاقہ کش کے ہاتھ سے ذبح کئے جانے پر چار ہزار سے کچھ زیادہ مسلمان متفرق مقامات اور دفعات میں زمانہ عملداری سکھوں میں نہایت دردانگیز اور بے رحمی کے طریقوں سے قتل کئے گئے اور جلائے گئے اور پھانسی دیئے گئے اور اس سکھاں شاہی میں ہمیشہ اس منحوس جانور کی حمایت میں ہندوؤں سے ایسی ایسی ہی ظالمانہ حرکتیں ہوتی رہیں یاں تک کہ آخر مظلوموں کی فریاد جناب الٰہی میں سنی گئی اور اس جانور اور اس کے حامیوں پر منعم حقیقی کا غضب بھڑکا اور اس نے عنانِ حکومت ہمیشہ کے لئے ہریک زمان ومکان سے ان کے ہاتھ سے چھین لی اور ایک ایسی مہذب قوم کو ابر رحمت کی طرح دور سے لایا جس میں انسان اور حیوان میں فرق کرنے کی لیاقتیں موجود تھیں اور جس کو قابلیت رعیّت پروری و مُلک داری وقدر شناسی اشرف المخلوقات حاصل تھی اس قومِ فاتح اور قابلِ شکر (یعنی گورنمنٹ برطانیہ) کی حکومت پنجاب میں قائم ہونے سے سب مسلمان اس عذاب سے رہائی پا گئے کہ جو بنی اسرائیل کی طرح ایک مدّت مدید سے سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھ سے اٹھاتے تھے اور وہ ہزارہا شریف انسانوں کے خون جو اس ایک حیوان کے عوض میں اس پر ظلم

حکومتیں بہائے گئے تھے اسی طرح ان ظالم سرداروں کا نام ونشان بھی نہ رہا اور آخر ان کے خونوں سے بھی زمین سرخ ہوگئی اور گائے پر بھی جو کچھ یہ غضب الٰہی وارد ہوا اور اب تک ہمیشہ کے لئے وارد ہو رہا ہے اس کے بیان کرنے کی تو کچھ حاجت ہی نہیں۔ تا دل مردان حق نامد بدرد + ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد۔ اب دیکھو کہ ایک لایعقل حیوان کو انسان سے بہتر جاننا اور پہلے آپ ہی اس حیوان کو ایک فاسقہ عورت کی بگڑی ہوئی جون قرار دینا اور پھر اس کی ایسی عزّت کرنا کہ اس کے ادنیٰ زخم پر ہزارہا انسانوں کے خون کرنے کو تیار ہو جانا یہ کس قسم کی فلاسفی ہے۔ اگر تلاش کرو تو تمام دنیا میں ایسا وحشیانہ جوش ایک حیوان کے لئے کسی قوم میں ہرگز پایا نہیں جائے گا جیسا کہ ہندوؤں کو گائے کے لئے ہے۔ بعض متعصب برہمنوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ اصل میں گائے کا جرم تو خفیف ہی تھا مگر پرمیشر نے اس کو کسی مصلحت سے سخت سزا دے دی۔ شاید یہ پردہ پوشی اور پرمیشر کو ظالم ٹھہرانا اس خیال سے ہے کہ ان کے مجنونانہ زعم میں گائے دراصل انہیں کی بہن یعنی برہمنی ہے اور برہمن ویدوں کے رو سے ایک ایسی چیدہ قوم ہے کہ کئی قسم کے گناہ بھی ان کو معاف ہیں اور اگر کوئی شودر ہو کر برہمن کی نسبت کوئی بُرا لفظ کہے تو منوسمرت میں لکھا ہے کہ اس کی زبان چھیدنی چاہیے اور اگر ہندوؤں میں سے بجز برہمن کسی دوسری قوم کا آدمی بے اولاد ہو تو شاستروں کا حکم ہے کہ اپنی عورت کو برہمن کے پاس بھیج دے اور وہ اس سے ہم صحبت ہو کر اس کے حاملہ ہو جانے کا فکر کرے گا۔ ایسا ہی قریب بتیس کے عجیب عجیب حقوق برہمنوں کے ہیں جن کو شاستروں نے کھیوٹ بندوبست کی طرح برہمنوں کے لئے قائم کر رکھا ہے چنانچہ منو شاستر اور دوسرے شاستروں کے پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ یہ سب باتیں وید سے لی گئیں ہیں اور وید میں درج ہیں اور باوا نانک صاحب تو سب پورانوں اور شاستروں کو وید کی طرح ایشر کرت ہی یعنی خدا کا کلام ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے گرنتھ میں لکھتے ہیں۔ ﴿۱۳۹﴾

﴿۱۴۰﴾ **قدرت بید پوران کتیاں قدرت سرب بچار**۔ یعنے بید پوران شاستر سب خدا کا کلام ہی ہے سو وہ لوگ جو سکھ ہو کر آریہ سماج میں داخل ہیں اور دو دو ہاتھ کے برابر کیس سر پر رکھے ہوئے ہیں ان پر تو واجب ہے کہ اپنے گورونانک صاحب کے شبد پر عمل کر کے سب پورانوں کو ایشر کا کلام ہی سمجھیں۔ غرض جب منوسمرت اور پرانوں کے رو سے ایسی عزّت اور ایسے حقوق برہمن کو حاصل ہیں تو پھر درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر نے بہت بے جا کام کیا کہ ایک برہمنی کو ایک ادنیٰ گناہ سے سخت سزا دے دی۔ درحقیقت ایسی سخت سزا دینے سے پرمیشر کی عدالت پر بڑا دھبہ لگتا ہے کہ اس نے ایسی سنگین اور سخت سزا دی کہ غریب برہمنی کو اپنی اصلی صورت سے مسخ کر کے قیدیوں کی طرح سخت اور خود غرض لوگوں کے حوالہ کر دیا۔ جن میں سے کوئی تو اس کے بچہ کو بھوکا چھوڑ کر اس کا دودھ پی جاتا ہے اور کوئی اس کی ہڈیوں اور چمڑہ کے فکر میں رہتا ہے اور کوئی اس کے بچوں پر جوا رکھ کر دن رات ان کی جان کو مارتا ہے اور کوئی باربرداری سے ان کو ریش اور مجروح کرتا ہے غرض کوئی کسی طرح سے اور کوئی کسی طرح سے ان پر ظلم کرتا ہے۔ یاں تک کہ خود آریہ لوگ بھی اس پر رحم نہیں کرتے اور غلاموں کی طرح اس کی خرید اور فروخت جاری رکھتے ہیں اور ہمیشہ قید رکھ کر سختی پر سختی کرتے رہتے ہیں۔ سو اگر گائے کے ان پُر درد واقعات کو بمقابل جنگلی چرندوں اور پرندوں کے دیکھا جائے یا دریا کے جانوروں کے مقابل پر وزن کیا جائے تو حقیقت میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پرمیشر نے گائے کو بڑی سخت سزا دی ہے اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر نے اس لئے یہ سخت سزا دی کہ تا آئندہ کوئی برہمنی ایسا بُرا کام نہ کرے تو یہ جواب بھی پوچ ہے کیونکہ اگر پرمیشر کا یہی مطلب ہوتا تو گائے کو انسان کی طرح زبان گویائی دیتا تا وہ برہمنوں کے گھر جا کر اپنی بہنوں کو سمجھاتی کہ اے بہنو! میرا حال دیکھو اگر تم ایسا کرو گی تو تم بھی ایسا ہی پاؤ گی یا ایسا کرتا کہ پھر جب کبھی گائے آدمی کی جون میں آجاتی تو وہ تمام مصیبتیں

گائے بننے اور دکھ درد اٹھانے کی اس کو یاد دلا دیتا تا وہ پھر کبھی ایسا بُرا کام نہ کرتی۔ سو ﴿۱۴۱﴾
جبکہ پرمیشر نے ایسی سخت سزا تو دی مگر کبھی ایک دفعہ ایسا نہ کیا کہ گائے کو زبان گویائی دیتا یا اسے آدمی کی جون میں آنے کے بعد اس پہلی پُر مصیبت جون کی اطلاع کر دیتا تو یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اب تک گائے کی جون کا انسداد نہیں ہوا بلکہ اس گناہ کے نا معلوم رہنے کی وجہ سے اس حیوان کی نسل نے ایسی ترقی کی ہے کہ کروڑ ہا گائیں زمین پر پھیل گئی ہیں۔ اگر پرمیشر سے یہ بدانتظامی ظہور میں نہ آتی تو اس نابکار حیوان کی اس قدر ترقی کیوں ہوتی بلکہ گائیوں کا زمین پر نام ونشان نہ رہتا مگر اب بھی اس منحوس جون کے کاٹنے کے لئے ایک عمدہ تجویز خیال میں گزرتی ہے اگر آریہ صاحبان اس کو پسند کرلیں تو ان کی کوشش سے یہ لائق رحم برہمنی اس منحوس جون سے مخلصی پا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کی تمام گائیوں اور بیلوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر کے ایک ہی دفعہ کسی تدبیر سے اس جہان فانی سے زاویہ عدم میں بھیجا جاوے اگر پھر بھی ہندوؤں کا پرمیشر کسی برہمنی کو ایسی سخت سزا دینے کی جرأت کرے تو اس کے ہم ذمّہ وار ہیں بشرطیکہ کسی اور ملک سے کوئی جوڑہ بیل اور گائے کا جدید طور پر نسل جاری کرنے کے لئے منگوایا نہ جاوے کیونکہ اگر آریہ صاحبان ایسا کریں تو گویا پھر خود ان کی مرضی ہے کہ اس منحوس جون سے کبھی برہمنوں کو نجات نہ ملے۔ غرض ہم نے ایک نسخہ بتا دیا ہے آئندہ اس کا کرنا نہ کرنا آریہ صاحبوں کے اختیار میں ہے۔

اب ذرا عقلمند آریوں کو شرمندہ ہونا چاہیے کہ ان کے وید کی فلاسفی نے کس درجہ کے مجنونانہ خیالات تک ان کو پہنچا دیا ہے کیا ویدودیا کی یہی تعلیم ہے کہ اول ایک حیوان کو بلا دلیل وحجّت ایک فاسقہ عورت قرار دینا اور پھر اسی پلید اور نابکار جانور کے دودھ پینے کے لئے رغبت دلانا۔ اے بھائیو آریو خدا تمہیں سمجھ اور ہدایت بخشے تمہیں ذرّہ غیظ اور غضب کو الگ کر کے سوچنا چاہئے اور عالمانہ اعتراض کا عالمانہ جواب دینا چاہیے کہ اگر حقیقت

﴿۱۴۲﴾ میں گائے ایک نابکار اور سزا یافتہ عورت ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اس کو متبرک اور قابل تعظیم سمجھا جائے بلکہ اس کی شکل دیکھنے سے بیزار ہونا چاہیے اور ڈرنا چاہیے اور دور سے توبہ توبہ کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کو بابرکت خیال کر کے صبح اٹھ کر پہلے اسی کا درشن کریں اور مرنے کے وقت وہی برہمن کو بھی سنکلپ کر کے دی جائے اور اگر کسی آدم زاد کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک ادنیٰ زخم بھی اس کو پہنچ جائے تو جب تک اس آدمی کے ٹکڑہ ٹکڑہ نہ کرلیں صبر نہ آوے کیا آپ کے وید کا یہی فلسفہ ہے کیا ویدودیا اسی کا نام ہے کیا اسی مشیخت سے مسلمانوں کے عوام پر آپ نے اعتراض کیا ہے کہ سورج اور چاند کی انہیں کیفیت معلوم نہیں بھلا آپ ایماناً بتلاویں کہ قانون انصاف کا جاننا اور سمجھنا زیادہ تر مقدم ہے یا چانداور سورج کا۔ آپ کے وید کے مسائل ایسے ہیں کہ انہوں نے نہ آپ کے پرمیشر کی کچھ عزّت بحال رکھی اور نہ انسان اور حیوان کا فرق قائم رکھا اور نہ قانون انصاف میں سے آپ کو کوئی حرف پڑھایا۔ جہاں دیکھو بے انصافی ہے۔ جس طرف نظر ڈالو ناحق پرستی پائی جاتی ہے اول خدائے تعالیٰ کو خالق اور رحیم اور کریم ہونے سے جواب دیا پھر اس کے بندوں کو ہمیشہ کی نجات سے محروم رکھا الہام کو خواہ نخواہ چار رشیوں میں محدود کر دیا الہامی کتاب کا نازل ہونا اسے آریہ دیس کا حق ٹھہرایا گیا۔ سنسکرت پرمیشر کی زبان مقرر کی گئی تمام مجاہدین اور عابدین کو خواہ وہ کیسے اخلاص سے ہی عبادت و بندگی کریں ان چار وید کے رشیوں کی طرح ملہم اور عارف باللہ ہونے سے ہمیشہ کے لئے جواب دیا گیا کیا یہ باتیں قانون انصاف سے نکلی ہیں۔ کیا ان تعلیموں کا بانی مبانی منصف مزاج کہلا سکتا ہے۔ کیا کسی عقلمند کے نزدیک یہ بات شانِ فیّاضی الٰہی سے مناسبت رکھتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنی نبوت اور الہام یابی کا آریہ دیس کے چار رشیوں کو ہی ٹھیکہ دے رکھے اور باقی تمام بندگان خدا اس کے وسیع اور آباد ملکوں کے ہمیشہ کے لئے اس سے محروم رہیں سو جس کتاب نے قانون انصاف یہ بتلایا ہے اس سے دوسری صداقتوں کی کیا امید رکھیں۔ تمام عارفوں کے نزدیک سورج چاند

اور دوسرے اجرام و اجسام کی شناخت سے اصلی غرض یہ ہے کہ تا ان مصنوعات پر غور کرنے ﴿۱۴۳﴾
سے صانع حقیقی کی طرف خیال رجوع کر جائے لیکن جس مذہب میں خدائے تعالیٰ کو
صانع کامل ہونے سے ہی جواب دیا گیا اگر اس مذہب میں کوئی شخص طبعی اور ہیئت یا
دوسرے علوم سے کسی قدر بہرہ بھی حاصل کر لے تو اسے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ یہ برکات
قرآنِ شریف میں ہی ہیں کہ اس نے ان تمام علوم طبعی و طبابت و ہیئت وغیرہ سے خداشناسی
کے لئے خدمت لی ہے سو حقیقت میں یہ علوم مسلمانوں کے کام آتے ہیں نہ آریوں کے
جنہوں نے خدا کو ہی خدائی سے جواب دے رکھا ہے۔

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ اب تک ہم نے ماسٹر مرلی دھر صاحب کے قول کی رد میں صرف عوام مسلمانوں کے مقابل پر عوام ہنود کے خیالات علمی کو بغرض مقابلہ و موازنہ پیش کیا ہے لیکن اگر ماسٹر صاحب کا اپنی نکتہ چینی سے یہ مطلب ہے کہ عموماً کل مسلمان علوم طبعی و ہیئت سے بے بہرہ ہیں اور یہ سب علوم ہندوؤں کی وراثت ہے تو اس چھیڑ چھاڑ سے اور بھی ماسٹر صاحب کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اہل اسلام وہ قوم ہے جن کو جابجا قرآن میں یہی رغبت دی گئی ہے کہ وہ فکر اور خوض میں مشق کریں اور جو کچھ عجائبات صنعت زمین و آسمان میں بھرے پڑے ہیں ان سے واقفیت حاصل کریں۔ مومنوں کی تعریف میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ [۱] یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو خدائے تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں اور جو کچھ زمین و آسمان میں عجائب صنعتیں موجود ہیں ان میں فکر اور غور کرتے رہتے ہیں اور جب لطائف صنعت الٰہی ان پر کھلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدایا تو نے ان صنعتوں کو بیکار پیدا نہیں کیا یعنی وہ لوگ جو مومن خاص ہیں صنعت شناسی اور ہیئت دانی سے دنیا پرست لوگوں کی طرح صرف اتنی ہی غرض نہیں رکھتے

[۱] آل عمران : ۱۹۲

﴿۱۴۴﴾ کہ مثلاً اسی پر کفایت کریں کہ زمین کی شکل یہ ہے اور اس کا قطر اس قدر ہے اور اس کی کشش کی کیفیت یہ ہے اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں سے اس کو اس قسم کے تعلقات ہیں بلکہ وہ صنعت کی کمالیت شناخت کرنے کے بعد اور اس کے خواص کھلنے کے پیچھے صانع کی طرف رجوع کر جاتے ہیں اور اپنے ایمان کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا[1] یعنی خدائے تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔ پس دیکھنا چاہیے کہ ان آیات میں مسلمانوں کو کس قدر علم و حکمت حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ یعنی علم کا طلب کرنا ہر یک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ہاں یہ سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے احکام دین سہل و آسان کرنے کی غرض سے عوام الناس کو صاف اور سیدھا راہ بتلایا ہے اور ناحق کی دقتوں اور پیچیدہ باتوں میں نہیں ڈالا مثلاً روزہ رکھنے کیلئے یہ حکم نہیں دیا کہ تم جب تک قواعد ظنّیہ نجوم کے رو سے یہ معلوم نہ کرو کہ چاند انتیس کا ہوگا یا تیس کا۔ تب تک رؤیت کا ہرگز اعتبار نہ کرو اور آنکھیں بند رکھو کیونکہ ظاہر ہے کہ خواہ نخواہ اعمال دقیقہ نجوم کو عوام الناس کے گلے کا ہار بنانا یہ ناحق کا حرج اور تکلیف مالایطاق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حسابوں کے لگانے میں بہت سی غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں سو یہ بڑی سیدھی بات اور عوام کے مناسب حال ہے کہ وہ لوگ محتاج منجم و ہیئت دان نہ رہیں اور چاند کے معلوم کرنے میں کہ کس تاریخ نکلتا ہے اپنی رویت پر مدار رکھیں صرف علمی طور پر اتنا سمجھ رکھیں کہ تیس کے عدد سے تجاوز نہ کریں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حقیقت میں عندالعقل رویت کو قیاساتِ ریاضیہ پر فوقیت ہے۔ آخر حکمائے یورپ نے بھی جب رویت کو زیادہ تر معتبر سمجھا تو اس نیک خیال کی وجہ سے بتائید قوت باصرہ طرح طرح کے آلات دوربینی وخوردبینی

[1] البقرۃ: ۲۷۰

ایجاد کئے اور بذریعہ رویت تھوڑے ہی دنوں میں اجرام علوی و سفلی کے متعلق وہ صداقتیں ﴿۱۴۵﴾
معلوم کرلیں کہ جو ہندوؤں بیچاروں کو اپنی قیاسی اٹکلوں سے ہزاروں برسوں میں بھی معلوم نہیں ہوئی تھیں اب آپ نے دیکھا کہ رویت میں کیا کیا برکتیں ہیں انہیں برکتوں کی بنیاد ڈالنے کے لئے خدائے تعالیٰ نے رویت کی ترغیب دی ذرہ سوچ کر کے دیکھو کہ اگر اہل یورپ بھی رویت کو ہندوؤں کی طرح ایک ناچیز اور بے سود خیال کر کے اور صرف قیاسی حسابوں پر جو کسی اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھ کر لکھے گئے مدار رکھتے تو کیونکر یہ تازہ اور جدید معلومات چاند اور سورج اور نئے نئے ستاروں کی نسبت انہیں معلوم ہو جاتے سومکرر ہم لکھتے ہیں کہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ رؤیت میں کیا کیا برکات ہیں اور انجام کار کیا کیا نیک نتائج اس سے نکلتے ہیں۔

ماسوائے اس کے خود یہ خیال کہ اہل اسلام تحصیل علوم طبعی و ہیئت وغیرہ سے بکلّی بے بہرہ چلے آتے ہیں ایسا متعصّبانہ خیال ہے جس سے اگر ماسٹر صاحب ذرا انصاف پر آویں تو انہیں بہت شرمندہ اور نادم ہو جانا چاہیئے ہمیں اس جگہ کچھ ضرورت نہیں کہ بات کو طول دے کر اہل اسلام کے علمی فضائل کا ثبوت دیں بلکہ اس مقام میں ہم صرف ان چند سطروں کا لکھنا مناسب سمجھتے ہیں جو اف جون دیون بورٹ صاحب☆ نے اپنی کتاب میں جس کا ترجمہ ہو کر مؤید الاسلام نام رکھا گیا ہے لکھیں ہیں سو وہ یہ ہیں۔

صفحہ ۹۲ سے تا صفحہ ۹۸ عبارت کتاب جان بورٹ صاحب

مشم❁ صاحب کا قول ہے کہ مُؤرّخان معتبر کے نزدیک یہ بات قرار پاگئی ہے کہ دسویں صدی میں یوروپ غایت درجہ کی جہالت میں پڑا ہوا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب (یعنی اہل اسلام نے) ملک ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے مدرسے جاری کئے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طلباء عیسائی عربی فارسی اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو مدارس اسلام سے لاکر عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے۔

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ''جان ڈیون پورٹ JOHN DAVENPORT '' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

❁ MOSHEIM

﴿۱۴۶﴾ ہمیں اس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ تمام قسم کے علم یعنی طبّ وطبعیات وفلسفہ وریاضی جو دسویں صدی سے یورپ میں جاری ہوئے ہیں یہ سب اصل میں اہل عرب مسلمانوں کے فلسفی مدارس سے سیکھے گئے تھے خصوصاً ہسپانیہ کے اہل اسلام بانی فلسفہ یورپ خیال کئے جاتے ہیں اہل اسلام کو علمی ترقی بھی ایسی ہی جلدی حاصل ہوئی جیسے ان کو ملکوں پر فتحیں حاصل ہوئی تھیں۔ سول سے اصفہان تک اہل عرب کا علم بہت جلد پھیل گیا اور بغداد اور کوفہ اور قاہرہ اور بصرہ اور فیز[۱] اور مراکو اور گوردووا اور گرینڈا اور وین شیا[۲] اور سول[۳] میں اہل عرب کی حکمت نے بہت جلد رواج پایا۔ حقیقت میں اہل عرب مسلمانوں نے تمام علوم کو نئے سرے ترقی دی اور یونان اور روما کے علوم میں دوبارہ جان ڈالی۔ نویں صدی سے چودھویں صدی تک عرب کے علم وفضل سے یہ نور حاصل ہوتا رہا اور اہل یورپ کو تاریکی جہالت سے روشنی علم وعقل میں لایا۔ اگر آٹھواں خلیفہ عبدالرحمٰن ہسپانیہ میں مدرسے اور مکتب خانے جاری نہ کرتا تو ہمیں بے شک اہلِ عرب کے علم وفضل سے مطلق فائدہ نہ ہوتا کیونکہ بغداد اور بخارا اور بصرہ کے مدارس بہت مشہور تھے مگر وہ اس قدر دور تھے کہ طلباء یورپ کو واں جانے میں بہت دقت پڑتی تھی۔ مذہب اسلام اپنی ترقی کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ اپنی ابتدائی حالت میں ہی اور مذہبوں کی نسبت علم کی طرف بہت مائل تھا۔ آنحضرت نے خود فرمایا ہے کہ جس آدمی میں علم نہ ہو وہ قالب بے روح ہے۔ یہ تمام عبارت جان بورٹ صاحب کی ہے جس کو ہم نے ماسٹر صاحب اور ان کے دوستوں کے ملاحظہ کے لئے اس جگہ تحریر کیا ہے اس سے منصفین کو ایک محکم شہادت ملتی ہے کہ اہل اسلام ایک علم دوست قوم ہے جن کی فطرت وخمیر میں علم چلا آتا ہے اور جن کی شاگردی کے اہل یورپ باوصف ہمہ فضائل علمی اقراری ہیں پھر دیکھنا چاہیے کہ یہی صاحب دیون بورٹ اپنے رسالہ مذکورہ کے صفحہ ۲۷ سے صفحہ ۸۳ تک قرآن شریف کی بدیں الفاظ تعریف ومدح کرتے ہیں۔ چنانچہ اصل عبارت ان کی لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

[۱] تا [۳] اصل انگریزی کتاب سے شہروں کے نام بالترتیب حسب ذیل ہیں۔
فیض (Fez) ویلنشیا (Valantia) اور سولی (اشبیلیہ Sevelle)۔ ناشر

مسلمان قرآن شریف کی ایسی عظمت کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے اپنی انجیل کی کبھی ایسی تکریم ہوتے نہیں دیکھی قرآن شریف میں صرف احکام مذہبی وتہذیب اخلاق ہی کا ذکر نہیں بلکہ گبن [1] صاحب کا قول ہے کہ اوقیانوس سے گنگا تک قرآن شریف مجموعہ قوانین مانا جاتا ہے۔ قرآن میں قوانین دیوانی وفوجداری وسلوک باہمی پائے جاتے ہیں اور وہ مسائل نجات روح وحقوق عامہ وحقوقِ شخصی ونفع رسانی خلائق وغیرہ پر حاوی ہے منجملہ محاسن وخوبیوں قرآن کے جس پر اہل اسلام کو ناز کرنا بجا ہے دو باتیں نہایت عمدہ ہیں اوّل قرآن شریف کی وہ خوش بیانی جس میں خدائے تعالیٰ کا ذکر ہے اور جس کے سننے سے آدمی کے دل پر ایک طرح کا اثر پیدا ہوتا اور خوف آتا ہے۔ دوسرے قرآن تمام ان خیالات سے مبرّا ہے جو خلاف تہذیب خیال کئے جاسکتے ہیں اور اس کے تمام اصول ایسے ہیں جو کوئی ان میں سے خلاف عقل نہیں مگر افسوس کہ یہ عیب یہودیوں کی مقدس کتابوں میں اکثر واقعہ ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں سب کو اتفاق ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی مان لینی پڑے اور سمجھ میں نہ آوے فقط۔ ﴿۱۴۷﴾

یہ بیان قرآن شریف کی نسبت تو **جان بورٹ صاحب** کا ہے اور ایسا ہی **کارلل** [2] **صاحب** اپنی کتاب کی جلد ۶ صفحہ ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ صادق کا کلام ہے اور صداقت سے پُر ہے۔ اب دیکھئے کہ یوروپ کے بڑے بڑے فلاسفر جن کے گھر میں گویا آج طبعی اور ہیئت نے جنم لیا ہوا ہے اور جو سورج اور چاند وغیرہ کی کیفیت آپ لوگوں سے بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں وہ کس قدر قرآن شریف کے معقولانہ مسائل کے قائل اور مداح ہیں اور کیسی اپنی صاف طینتی کی وجہ سے صاف اقرار کرتے ہیں کہ قرآن شریف کے مسائل علومِ عقلیہ کے خلاف نہیں ہیں اور کوئی اس میں ایسا اعتقاد نہیں جو زبردستی ماننا پڑے پس جس حالت میں ایسے لوگ جو فلاسفی

[1] Gibbon [2] Thomas Carlyle

﴿۱۴۸﴾ کے پتلے خیال کئے جاتے ہیں۔قرآن شریف کے حکیمانہ طور وطریق کی کھلی کھلی شہادتیں دیتے ہیں تو پھر اگر آپ اے ماسٹر صاحب یا آپ کا کوئی اور بھائی جن کی آنکھیں انہیں لوگوں کے علوم پڑھنے سے کچھ کچھ کھلی ہیں اور یہی لوگ آپ کے معلم اور استاد ہیں فضائل قرآنی سے انکاری رہیں تو اس سے قرآن شریف کا کیا نقصان ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر یورپ اور ایشیا کے تمام مخالف فضائل قرآنیہ سے انکار کرتے تو بھی کچھ نقصان کی بات نہ تھی آفتاب بہرحال آفتاب ہی ہے چاہے کوئی اس کی روشنی کا اقراری ہو یا نہ ہو مگر یورپ کے فاضل اور صاحب علم لوگ اس قدر قابل تحسین ہیں کہ انہوں نے بیسوں کتابیں تالیف کر کے قرآن شریف کے بارہ میں شہادت حقّہ کو ادا کر دیا ہے اور باستثناء نیم ملاں پادریوں کی جو تنخواہیں پا کر اسلام سے عناد رکھتے ہیں باقی جس قدر واقعی دانا اور فلاسفر ہیں ان کے دلوں میں دن بدن محبت اسلام کی پیدا ہوتی جاتی ہے لیکن آپ لوگوں کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں کہ ناحق بے موجب سراسر عناد اور بخل کی راہ سے نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور حقیقت میں آپ لوگوں کے اعتراض اسی رنگ کے ہیں کہ جیسے ایک شخص قوافی سے ناواقف عروض سے جاہل تقطیع سے بے خبر ربط معانی والفاظ سے بے تمیز درستی وزن وزحافات کی شناخت سے ناآشنا محض بلکہ زباندانی سے محروم مطلق یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ سعدیؔ و حافظؔ شیرازی و ظہیرؔ فاریابی و فردوسیؔ و طوسیؔ و انوریؔ و سنائیؔ وغیرہ شعرائے نامدار بالکل سخن گوئی و سخن فہمی سے ناواقف و محروم مطلق تھے اور اس پر دلیل یہ پیش کرے کہ میں ان کے اشعار کو سمجھ نہیں سکتا پس آپ لوگوں کا یہی حال ہے خدائے تعالیٰ رحم فرماوے۔

قولہ۔ جو لوگ روح اور مادہ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سرشتی کرم جس کو مرزا صاحب بہت ہی جھوٹے اور حقارت کے لفظوں میں جوڑنا جاڑنا تحریر فرماتے ہیں اتنا بڑا اور عالی شان کام ہے کہ اس کو سوائے اس سچدانند سربگہ اور دانائی کامل کے کوئی

نہیں بنا سکتا بنانا تو درکنار اس کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بابت کہ یہ کس طرح بنی لاکھ ﴿۱۴۹﴾
کاریگروں میں سے ایک لاکھواں حصہ بھی نہیں سمجھ سکتا اگر یہ ایسا حقیر کام ہے جس کو صرف
جوڑنا جاڑنا کہا ہے تو مرزا صاحب یا کوئی اور شخص جو دعویٰ رکھتا ہو یا مرزا صاحب کی سمجھ میں
بڑا طاقت والا ہو تو بڑی چیزوں سیارات وغیرہ کو تو کیا بناوے گا ایک دانہ گندم یا باجرہ کا ہی
بنا کر دکھلاوے یا کچھ تھوڑے بہت اس کی کاریگری کے اصول ہی سمجھاوے۔

اقول ۔ ہائے اے ماسٹر صاحب آپ کدھر کو کھسک گئے ذرا اول غور کر کے میرے سوال کو تو سمجھا ہوتا سخن فہمی بھی تو آپ ہی پر ختم ہے میں نے آپ کو کب اور کس وقت کہا تھا کہ خدائے قادر مطلق کی مانند کوئی دوسرا شخص بھی کوئی صنعت بنا سکتا ہے یا بجز اس کے کوئی صنعت کا کام اس کے کاموں سے مشابہ ہو سکتا ہے یہ اعتقاد تو آپ لوگوں کا ہی ہے جس پر میں نے اعتراض کیا تھا یعنی آپ لوگ ہی تو یہ بات کہتے ہیں کہ جو جو صنعتیں عالم غیب سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں جن کو دانشمند لوگ کسی ناقص کی طاقت سے برتر سمجھ کر ایک صانع کامل اور قادر اور حکیم اور حیّ قیوم کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تمام صنعت کے کام بزعم آپ لوگوں کے اس خداوند کامل اور قادر کے ہاتھ سے نہیں نکلے بلکہ ان میں سے صرف جوڑنا جاڑنا اس کا کام ہے اور باقی سب حکمت اور صنعت کے کام اور طرح طرح کے خواص عجیبہ جو ارواح اور اجسام کی ذات میں پائے جاتے ہیں وہ سب بقول آپ کے قدیم سے خود بخود چلے آتے ہیں جن کا کوئی موجد اور خالق نہیں اور نہ خالق کی ان کو کچھ حاجت و ضرورت ہے سو آپ کے اسی عقیدہ پر میں معترض ہوا تھا اور اسی وجہ سے میں نے آپ کو جواب لکھنے کی تکلیف دی تھی کہ جس حالت میں آپ نے روحوں کے وجود کو جن میں ایسی عجیب صنعتیں اور خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو اجمالی طور پر تمام دنیا کے عجائبات پر مشتمل ہیں خود بخود بغیر حاجت پرمیشر کے مان لیا ہے ایسا ہی آپ نے اجسام کو اور ان کے تمام خواص کو جو ان میں پائے جاتے ہیں خود بخود تسلیم کر لیا ہے تو پھر صرف جوڑنے

جاڑنے کے لئے جو ایک ادنیٰ کام ہے کیوں پرمیشر کے وجود کی ضرورت ٹھہری سو آپ ﴿۱۵۰﴾
سوچیں کہ کیا اس سوال کے جواب میں یہی لکھنا مناسب تھا جو آپ نے لکھا میں متعجب ہوں
کہ آپ اس سوال کے جواب پر کس غرض اور کس خیال سے یہ بحث لے بیٹھے کہ ایک دانہ
گندم یا باجرہ بھی کوئی دوسرا شخص بغیر پرمیشر کے نہیں بنا سکتا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ
اگر کوئی دوسرا شخص گندم یا باجرہ کے دانہ بنانے سے عاجز ہے تو کیا ایسا شخص ان عجائب
حکمت وصنعت کے کام کرنے پر قادر ہوسکتا ہے جو روحوں میں پائے جاتے ہیں پھر جس
حالت میں کوئی شخص ان عجائب حکمت وغرائب صنعت کے کاموں پر جو روحوں یا اجسام میں
پائے جاتے ہیں مقابلہ کرنے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتا تو پھر اگر آپ تالیف اجسام یعنی
خدائے تعالیٰ کے جوڑنے جاڑنے کو بوجہ بے نظیر ہونے اس فعل کے صانع کے وجود کی
دلیل ٹھہراتے ہیں اور اسی دلیل سے یعنی تالیف اجسام سے ایک مؤلف کی ضرورت سمجھتے
ہیں تو پھر روحوں میں بھی بوجہ اولیٰ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس جگہ بھی ایک موجد کی ضرورت
ہے کیونکہ جب دو چیزیں ایک ہی صورت اور شکل کی ہوں تو جو احکام ایک پر صادر ہوں وہی
احکام دوسری پر بھی صادر کرنے پڑیں گے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور جب ایک
جگہ آپ اس بات کو روا رکھ لیں گے کہ اگرچہ یہ کام بے نظیر اور انسانی طاقتوں سے بالاتر
ہے مگر پھر بھی خودبخود ہے اور پرمیشر کے بنانے کی اس میں ضرورت نہیں پڑی تو پھر اسی
صورت اور شکل کے کام کی نسبت دوسری جگہ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پرمیشر کی
خواہ نخواہ ضرورت پڑ گئی ہے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر پرمیشر کے وجود کی ضرورت
ہے تو دونوں طور کے کاموں میں ہوگی نہیں تو ان میں سے کسی کام کے لئے بھی اس کی
ضرورت ماننی نہیں چاہیے یہ کیسا مکابرہ ہے اور کس قسم کی منطق ہے کہ آپ تالیف اجسام
میں تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ سے جوڑنا جاڑنا ظہور میں آیا ہے وہ
بے نظیر ہے اور انسان اس کی مثل بنانے پر قادر نہیں اس لئے اس تالیف سے ایک مؤلف

کی ضرورت ثابت ہوتی ہے لیکن جب آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ وہی ﴿۱۵۱﴾
بےنظیری اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہونا ان عجائبات قدرت میں بھی پایا جاتا ہے جو
روحوں میں ہیں تو تب آپ اس طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں اب کوئی آپ کی اس سمجھ پر
رووے یا ہنسے کہ آپ دو چیزوں کے مشترک استحقاق کو دیکھ کر ایک چیز کو پرمیشر کی مصنوعیت
سے باہر رکھ لیتے ہیں اور دوسری چیز کو جو ایک ادنیٰ اور عارضی کام ہے اپنے پرمیشر پر تھاپتے
ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوسکتا اور کسی طور کی حجت آپ کے اس مطلب کی تائید نہیں کرسکتی کہ
تمام عالم میں سے آدھا دھڑ خود بخود اور آدھا پرمیشر کا محتاج ہے۔ اور یہ جو میں نے ابھی لکھا
ہے کہ اجسام کو جوڑنا جاڑنا ایک ادنیٰ کام ہے یہ میں نے اس لئے لکھا کہ درحقیقت جوڑنے
جاڑنے سے کوئی نئی خوبی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہی خواص ارواح و اجسام جو روحوں اور
جسموں میں چھپے ہوئے تھے کھلے کھلے طور پر نظر آجاتے ہیں جیسے ایک تصویر کو جب ایک
مصفّا شیشہ کے اندر رکھا جائے تو نہایت صفائی اور خوبی سے نقوش اس تصویر کے ظاہر
ہوجاتے ہیں سو یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ تصویر کو آئینہ میں رکھنے سے خود آئینہ کوئی ایسا
نقش اس میں زیادہ کردیتا ہے جو پہلے اس میں موجود نہ تھا بلکہ وہی نقوش جو پہلی تصویر
میں موجود تھے اور مصوّر کے ہاتھ سے نکلے تھے انہیں کو آئینہ نہایت عمدگی اور صفائی
سے نمایاں کردیتا ہے سو میں کہتا ہوں کہ اگر اجزاءِ صغار اجسام میں بطور خود وہ کشش
اتصال کی خاصیت نہ ہوتی جس سے وہ اکٹھے رہ سکتے ہیں تو آپ کا پرمیشر جو خالق
اشیاء وخواص اشیاء نہیں ہے کیا کرسکتا تھا اور اگر آفتاب کے باریک ٹکڑوں میں جو بقول
آپ کے خود بخود ہیں اپنی ذات میں ہی روشن ہونے کی خاصیت نہ پائی جاتی تو کیونکر
اور کس قوت سے پرمیشر ان سب کو اکٹھا کرکے نیّر اعظم بنالیتا۔ سو جاننا چاہیے کہ اگر
خدائے تعالیٰ میں ایجادی قدرت نہیں یعنی اس نے تمام چیزوں اور ان کے خواص کو عدم
محض سے پیدا نہیں کیا تو صرف بعض بعض ترکیبیں نکال کر خواص موجودہ سابقہ سے کام

﴿۱۵۲﴾ لینا کوئی بڑی بات نہیں انسانوں میں سے بھی تو صنّاع لوگ اپنے علم خواص کے مطابق طرح طرح کی ترکیبیں اور صنعتیں نکالتے رہتے ہیں۔☆ ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ جس کو علم خواص اشیاء زیادہ ہوا اس نے زیادہ ترکیبیں نکالیں اور جس کو کم ہوا اس نے کم نکالیں بہرحال بنی آدم نے بھی بلاشبہ حیرت ناک کام کر دکھائے ہیں اور جہاں کہیں ان کو کوئی خاصّہ جدیدہ اشیاء مادی اور ان کی اشکال واوضاع یا ان کے باہم اختلاط وامتزاج کا مل گیا ہے وہیں انہوں نے اسی ذریعہ سے کوئی کَل یا آلہ بنا ڈالا ہے چنانچہ سارا جہان انسان کی عجیب عجیب دستکاریوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے اگر تم گھر میں بیٹھے ہوئے اپنے گھر کی تمام ضروریات واسباب خانہ داری پر نظر ڈالو اور جائیداد غیر منقولہ سے لے کر ایک ایک چیز منقولہ پر نظر اٹھا کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ سب چیزیں جو تمہارے امور معیشت میں کام آتی ہیں انسان کی دستکاریاں ہیں۔ ایسا ہی برّی و بحری سفروں میں جو کچھ انسان نے اپنی فکر و غور سے

☆ **حاشیہ** اب تک دانشمند لوگوں نے کچھ کچھ خواص ارواح وخواص اجسام واوضاع پر اطلاع پا کر اور علوم طبعی وہندسہ سے مدد لے کر صدہا عمدہ عمدہ شکلیں و ترکیبیں نکالی ہیں اور جیسے جیسے انسان کا علم وسیع ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ صنعت سازی میں یدطولیٰ حاصل کرتا جاتا ہے۔ ریل کا بخاری طاقت سے چلانا تار کا بنانا چھاپہ کی ترکیبیں ایجاد کرنا کیسی کیسی مفید صنعتیں ہیں جن سے گویا تمام بنی آدم کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ایسا ہی انسان نے دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں صدہا طور کی کلیں ایجاد کر لی ہیں ہر قسم کی عمدہ عمدہ گھڑیاں جو خودبخود وقت بتلاتی ہیں۔ سینے کی مشین۔ آٹا پیسنے کی کل۔ کپڑا بننے کی کَلیں۔ برف بنانے کی کل۔ دودھ میں پانی کی آمیزش شناخت کرنے کا آلہ۔ بجلی کا صندوقچہ۔ خودبخود چلنے والا پنکھا۔ طاؤس جو چابی دینے سے مثل زندوں کے چلتا اور پھرتا اور ناچتا ہے۔ مرغی کرک جو کنجی دینے سے چلتی ہے۔ بکرا و کتا جو کنجی دینے سے چلتا ہے۔ باجہ دار کرسیاں جن کو کنجی دینے

﴿۱۵۳﴾ صنعتیں ایجاد کی ہیں وہ سیّاحوں اور واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں ہے اب ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر میں بھی صرف اتنی ہی خوبی ہے کہ مادی وغیر مادی اشیاء کے خواص جو اسے معلوم ہیں انہیں میں دست اندازی کر کے اور بعض اشیاء کو بعض سے جوڑ کر صنعتیں نکالتا ہے تو یہ کچھ بڑی بات نہیں اور اس صورت میں تو ہمیں اس کی ساری خدائی کی حقیقت معلوم ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ اس میں اور انسان میں صرف علم کی کمی بیشی کا کچھ فرق ہے اور ممکن ہوگا کہ انسان بھی اپنے معلومات میں ترقی کرتا کرتا کسی وقت پرمیشر ہی بن جاوے۔ جس حالت میں شہد کی مکھی میں بھی یہ ہنر پایا جاتا ہے کہ وہ ایسی عقل مندی سے شہد بناتی ہے کہ کوئی انسان اس کی نظیر بنانے پر قادر نہیں پھر اگر

بقیہ حاشیہ

﴿۱۵۳﴾ سے چند عرصہ تک باجا بجتا رہتا ہے ایسا ہی صد ہا اور کلیں چھوٹی بڑی ہیں جو حال کے صناعوں نے طیار کری ہیں اور بمبئی اور کلکتہ اور اکثر دیگر مقامات میں سوداگروں کی دکان پر مل سکتی ہیں اور یورپ کے اکثر کاریگر دانتوں کی جگہ دانت اور آنکھ کی پتلی کی جگہ آنکھ کی پتلی اور ٹانگوں کی جگہ ٹانگ اور بالوں کی جگہ مصنوعی بال لگا کر گزارہ چلا دیتے ہیں۔ بعض حکیموں نے چاند بنا کر اور چڑھا کر محدود حد تک اس کی روشنی سے کام لیا ہے بعض نے پرند بنا کر کنجی دینے سے ایک حد تک انہیں اڑا کر دکھلا دیا ہے اور بعض نے مینہہ برسنے کی ترکیب نکالی اور کسی حد کے اندر اندر مینہہ برسا دیا ایسا ہی قسم قسم کے پھول اور پھل اور موتی و دیگر جواہرات ایسے بنائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو حیران کر دیا ہے اور ابھی انسان کی صانعیت کی کچھ انتہا نہیں کیونکہ وہ ترقیات غیر محدود کے لئے پیدا کیا گیا ہے جن کی تحصیل کے لئے وہ فطرتاً مشغول ہے۔ منہ۔

﴿۱۵۴﴾ ہنؔدوؤں کے پرمیشر میں ایجادی قدرت نہیں تو اگر اس شہد کی مکھی کی طرح صرف جوڑنا جاڑنا اس کا بے نظیر بھی ہوا تو بھلا یہ کیا کمال ہوا۔ اس جگہ کوئی انجان یہ دھوکا نہ کھائے کہ آریہ سماج والے تو اس بات کو مانتے ہیں کہ گو پرمیشر پیدا کرنے پر قادر نہیں لیکن وہ اجسام اور ارواح کے جوڑنے جاڑنے سے طرح طرح کی مفید چیزیں تو بناتا ہے جیسے اس نے چاند بنایا سورج بنایا زمین کو عمدگی سے بچھایا انسان کو آنکھیں دیں کان دیئے قوت ناطقہ شامہ بخشی سو کیا ایسے ایسے عجائب کاموں سے اس کی قدرت ثابت نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ علمی وسعت پر موقوف ہے ایجادی قدرت جو کسی شے اور اس کے خاصہ کو عدم سے پیدا کرنے کو کہتے ہیں وہ اسی قدر فعل سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ وہ تب ہی ثابت ہوتی ہے کہ جب ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ صرف اشیاء کا جوڑنے جاڑنے والا نہیں بلکہ وہ ان تمام اشیاء اور ان کے جمیع خواص کو پیدا کرنے والا بھی ہے کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے اور خدائے تعالیٰ کا صرف اسی قدر اختیار و اقتدار سمجھا جائے کہ وہ بعض اشیاء کو بعض سے پیوند کر کے ان کے اصلی خواص کو متجلّی کر کے دکھا دیتا ہے تو اس سے صرف اس کے معلومات کی فراخی ثابت ہوتی ہے نہ قادریت کاملہ۔ وجہ یہ کہ جب جمیع اشیاء خود بخود قدیم سے موجود مان لی جائیں تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان اشیاء کے خواص بھی جو بحالت بساطت مخفی طور پر ان میں پائے جاتے ہیں یا بحالت ترکیب کھلے کھلے طور پر ان سے ظہور میں آتے ہیں وہ بھی سب قدیم ہی ہیں گو ہم ان پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نے جو آنکھوں کو نہایت عجیب طور سے بنایا ہے سو اس میں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنکھوں کی صرف مجموعی ترکیب کے پیدا ہونے کے بعد خاصہ رؤیت اس میں پیدا ہوگیا ہے بلکہ صحیح فلاسفی اس میں یہ ہے کہ جو کچھ مجموعی ترکیب میں رؤیت پیدا ہونے کا نتیجہ نکلا ہے وہ نتیجہ مخفی طور پر ان تمام اجزا میں پایا جاتا تھا۔ جو پیچھے سے رطوبات و طبقات اور

عصبہ مجوفہ وغیرہ کی شکل پر متشکل ہو گئے جن کو آریہ لوگ قدیم اور انادی اور پرمیشر کے ﴿۱۵۵﴾
دست قدرت سے بالاتر خیال کرتے ہیں چنانچہ اس بات کو پنڈت دیانند صاحب بھی اپنے
وید بھاش میں مانتے ہیں اور اپنا اعتقاد یہی ظاہر کرتے ہیں کہ نیستی سے ہستی کبھی نہیں ہوتی
جو ہے وہی ظہور میں آتا ہے اور جو نہیں وہ کبھی ظہور میں نہیں آسکتا۔ پس اس جگہ انہوں نے
آپ ہی تسلیم کر لیا ہے کہ ترکیب اشیاء یعنے جوڑنے جاڑنے میں کوئی ایسی نئی بات پیدا نہیں
ہوتی جو پہلے نیست محض ہو اور پھر نیستی سے اس کی ہستی ہو گئی ہو بلکہ وہی خواص قدیمہ ظہور
میں آتے ہیں کہ جو اول میں سے ہی الگ الگ جزوں میں مخفی طور پر موجود تھے اب جب
کہ یہ ثابت ہو گیا کہ ترکیب اشیاء میں انہیں خواص کا ظہور و بروز ہوتا ہے جو پہلے ہی سے
الگ الگ ہونے کی حالت میں ان اشیاء میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں تو اس صورت میں
ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مثلاً پرمیشر نے انسان کے جسم کی آنکھ بنائی اور جو اجزاء کارآمد
آنکھ کے الگ الگ موجود تھے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر کے کام لیا تو ایسے بنانے میں اس کی
کون سی بڑی بھاری خوبی ثابت ہو گئی کیونکہ دراصل سب اجزاء جن سے آنکھ بن سکتی تھی
پہلے ہی سے موجود تھے۔ ہاں ظہور اس خاصیت کا اس خاص ترکیب اور وضع پر موقوف تھا سو
پرمیشر نے اپنی علمی وسعت سے اس خاص وضع وشکل پر اطلاع پا کر اس خاصۂ قدیم کو جو بغیر
حاجت پرمیشر کے پایا جاتا تھا ظاہر کر کے دکھلا دیا پس اگر پرمیشر کا اتنا ہی منصب اور اسی
قدر اس میں لیاقت ہے کہ وہ خواص اشیاء پر وسیع اطلاع ہونے کی وجہ سے تراکیب مختلفہ
میں ان خواص کو ظاہر کرتا رہتا ہے تو اس میں اور دوسرے صنّاعوں میں کون سا بڑا فرق رہا
صرف اتنا ہوا کہ وہ کچھ ہنر میں زیادہ اور دوسرے اس کے چھوٹے بھائی ہوئے۔

قولہ۔ رہا مادہ سو وہ چیز ہے جس کو ہندی میں جڑ پدارتھ کہتے ہیں جس میں ارادہ یا
طاقت ہلنے جلنے کی نہیں غرض دونوں چیزیں (روح و مادہ) جو دنیا میں موجود ہیں جن کو

مرزا صاحب نے ایک دہریہ کی طرف سے پیش کیا تھا ایسی ثابت ہوئیں کہ مرزا صاحب ﴿۱۵۶﴾
کے جوڑنے جاڑنے سے بالکل عاجز و بے خبر ہیں اور انادی ہونے کی صورت میں خودبخود
ان کا جوڑ جاڑ نہیں ہوسکتا سو اس سے کسی تیسرے بڑی شان والے اور جوڑنے والے کی
ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ وہ وہی ہے جس کو میں سچدانند سروپ اور مرزا صاحب
خدائے تعالیٰ کہہ رہے ہیں۔

اقول۔ اے ماسٹر صاحب آپ کی سمجھ اور فہم کی نسبت کیا کہوں اور کیا لکھوں۔ کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر۔ صاحب من میرا سوال تو یہ تھا کہ جس حالت روح اور جسمی مادہ جن کے ذاتی خواص سے فلسفہ میں کتابیں بھری پڑی ہیں بقول آپ لوگوں کے خودبخود ہیں تو پھر دوسری چیزیں جو اپنی مصنوعیّت میں روح اور مادہ کے عجائب اور پرحکمت وجود سے کچھ زیادہ نہیں ہیں کیوں محتاج صانع سمجھی جائیں آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ جوڑنا جاڑنا بجز پرمیشر کے خودبخود نہیں ہوسکتا تو گویا آپ کا یہ مذہب ہوا کہ پیدا ہونا بجز خدا کے خودبخود ہوسکتا ہے مگر جوڑنا جاڑنا بغیر اس کے ممکن نہیں سو اسی مذہب پر میں اعتراض کررہا ہوں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا بڑا بھارا کام پیدا کرنا ہے یا جوڑنا۔ ظاہر ہے کہ پیدا کرنا ہی بڑا بھارا کام ہے سو جب آپ لوگوں کی عقل عجیب نے اس بات کو روا رکھ لیا کہ تمام ارواح و مواد معہ جمیع خواص و عجائبات اپنے کے بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے خودبخود قدیم سے ہیں تو آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ بعض اشیاء کا بعض سے خودبخود جوڑے جانا بھی روا رکھ لیں کیونکہ جوڑنا جاڑنا اصل ایجاد اشیاء کی نسبت ایک ناکارہ کام ہے سو وہ بوجہ اولیٰ خودبخود ہونا چاہئے۔ میرا تو یہ مذہب نہیں ہے کہ جوڑے جانا یا پیدا ہونا خودبخود ہوسکتا ہے تا مجھے آپ بار بار کہیں کہ کوئی دانۂ گندم یا دانۂ باجرہ ہی بنا کر دکھلاؤ میں تو آپ کے ہی مذہب پر رورہا ہوں کہ جس حالت میں ایک دانہ گندم یا ایک دانہ باجرہ نہ خودبخود بن سکتا ہے نہ اس کو

﴿۱۵۷﴾ کوئی دوسرا بنا سکتا ہے تو کروڑ ہا اور بے شمار روحیں اور بے شمار جسم کے ٹکڑے کیونکر خود بخود سمجھے جائیں آپ سوچ کر دیکھ لیں کہ آپ نے اتنے ورق تو سیاہ کئے مگر ان چیزوں کے خود بخود ہونے پر دلیل کون سی پیش کی اور جب کہ آپ نے کل پُرحکمت وجودوں کا جو عالم میں پائے جاتے ہیں خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے ہونا بغیر دلیل کے مان لیا ہے تو پھر یہی فتویٰ تالیف اجسام یعنے جوڑنے جاڑنے پر کیوں نہیں لگایا۔ بے شک واقعی امر تو یہی ہے اور کسی عقل مند کا دل اس بات سے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے کام بے نظیر ہیں مگر آپ لوگ کب انہیں بے نظیر سمجھتے ہیں۔ آپ لوگوں کے وید پر یہ بات سیاہ سے سیاہ دھبہ سے بڑھ کر ہے کہ جو ذات کل فیضوں کا مبدء ہونا چاہیے اس کو ایسا گھٹاتے گھٹاتے نکما کر دیا کہ بس خاک میں ملا دیا۔ سوچو اے آریہ صاحبو سوچو! کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہیں کہ جو ذرّہ دل کو آلائش تعصب سے پاک کر کے سوچے۔ اس سوال پر غور کرو کہ وہ چیز جسے ربوبیت کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ اس بات کو ذرہ دل لگا کر جانچو کہ خدا کس بات کا نام ہے؟ قوم کیا ہے برادری کیا چیز ہے کوئی کسی کا نہیں آؤ خدا سے ڈرو اور ایسی باتیں مُنہ پر مت لاؤ جن میں اس بے انتہا طاقتوں والے کی توہین ہے کیا تمہیں یہ بات کہتے کچھ بھی شرم نہیں آتی کہ ہماری روحیں بھی بلکہ ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ پرمیشر کی طرح خود بخود ہی حق ظاہر ہو گیا اور مخلوق ہونے کی تم پر ڈگری ہو چکی اب خدا کا بندہ ہونے سے مت بھاگو۔

قولہ۔ کوئی دہریہ یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کی طرف سے نہیں بلکہ اتفاقی طور سے ہو گیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اتفاقی طور پر خود بخود باہم مل جانا پرکرتی کا سبھاؤ نہیں ہے کیونکہ اس میں حرکت کرنے کی طاقت نہیں۔ رہا جیو یہ اگر اتفاقی طور پر مل سکے تو کہیں اس کا نمونہ ظاہر ہونا واجب ہے اور اگر لوگ موجودہ طریقہ ہی اپنا ثبوت پیش کریں (یعنی یہ کہیں کہ پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کس نے دیکھا ہے جو کچھ ہو رہا ہے طبعی

﴿۱۵۸﴾ طور پر خود بخود ہو رہا ہے سو یہی نمونہ کے لئے کافی ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ گو پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کسی نے نہیں دیکھا مگر اتفاقی طور پر ملنے والی چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضروریہ نہیں ہوا کرتے جواب موجود ہیں لہٰذا ثابت ہے کہ ان چیزوں کا جوڑے جانا خود بخود نہیں بلکہ ان کا جوڑنے جاڑنے والا بڑا منتظم کامل قدرت والا ہے۔

اقول ۔ ماسٹر صاحب آپ دہریہ یعنی خدائے تعالیٰ کے منکروں سے کیوں جھگڑا لے بیٹھے درحقیقت آپ لوگ تو تمام ارواح اور اجسام کے ذرّہ ذرّہ کی نسبت یہی مانتے ہیں کہ ان کا وجود اتفاقی طور سے ہے یہ نہیں کہ کسی وقت پرمیشر نے ان کو پیدا کیا ہے سو جبکہ آپ نے روحوں اور اجسام کے ذرّہ ذرّہ کا ہونا خود ہی اتفاقی طور سے مان لیا تو پھر آپ تو دہریوں کے ایسے مددگار ہوئے جن کا انہیں شکر کرنا چاہیے تو پھر ان سے جھگڑا کرنے کا کیا موجب اور بحث مباحثہ کی کیا وجہ؟ یار صادق اور دوست موافق سے بھی کوئی لڑتا جھگڑتا ہے؟

کسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص ایک جگہ سے زنا کر کے یا شراب پی کر نکلا اور نکلتے ہی اس نے شیطان پر لعنت بھیجی شیطان بھی اس وقت پاس کھڑا تھا اس نے بہت محبت اور نرمی کی راہ سے کہا کہ اے بھائی تو درپردہ بکلّی میرے موافق اور میرا مددگار اور فرمانبردار اور میری مرضی کے موافق کام کرنے والا ہے تو پھر کیا وجہ کہ بظاہر میرے پر لعنت بھیجتا ہے اور مجھ سے ناراض ہوتا ہے۔ اسی طرح آریہ سماج والوں کی حالت ہے کہ درحقیقت وہ لوگ دہریہ مذہب پھیلانے کے لئے بڑی کوشش کر رہے ہیں اور ان کوششوں کے لحاظ سے دہریوں کے بڑے لائق خدمت گزار انہیں سمجھنا چاہیے لیکن بظاہر دہریوں سے ناراض ہیں یہ ناراضگی اس قسم کی ہے جو ہم نے مثال مذکورہ بالا میں بیان کی ہے بھلا جس حالت میں جو بات دہریوں کے عین مدعا اور مراد تھی یعنی کوئی چیز خدا کی پیدا کردہ نہیں سب چیزیں خدا کی طرح قدیم اور غیر مخلوق ہیں وہ بات تو ان لوگوں نے آپ ہی مان لی اور اپنے مذہب کی

بنیاد قرار دی تو پھر باقی کیا رہ گیا اونٹ تو نکلا گیا اب اگر دم باقی رہ گئی ہے تو اس کے اندر ﴿۱۵۹﴾
جانے میں کون سی مشکلات ہیں ہاں آپ کو اپنے دہریوں بھائیوں سے مل کر موجد حقیقی
کے ماننے والوں کے ساتھ بحث کرنی چاہیے اور ان کو بطور مددگار رلانا چاہئے اور دیکھا
بھی گیا ہے کہ بعض آریہ ناچار ہوکر دہریوں سے مشورہ لیتے ہیں تا کسی طرح خودبخود اور
غیرمخلوق ہونے پر کوئی دلیل نکل آوے مگر اے ماسٹر صاحب آپ لوگ ہزار مخلوق ہونے
سے کنارہ کش ہوں ہم تو آپ کو بندہ خدا بنا کر چھوڑیں گے آپ کب تک بھاگیں گے
اور کدھر بھاگیں گے اور کہاں جائیں گے بھلا اس تقریر سے جو مقولہ متذکرہ بالا میں
آپ نے کی ہے کونسا اثر ہمارے اعتراض پر پڑا بجز اس کے کہ آپ اپنے ہی قول سے
آپ ہی قائل ہوگئے کہ جن چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضروریہ پائے
جاتے ہیں وہ خودبخود نہیں ہوسکتیں پس دیکھو اجزاء لا یتجزیٰ میں جن کو ہندی میں پرکرتی
کہتے ہیں خاصیت کشش اتصال پائی جاتی ہے تب ہی تو بجز قسر قاسر کسی جسم کے اجزائے
متفرق نہیں ہوسکتے اور کشش اتصال تعلقات ضروریہ کی جڑ ہے۔ کیونکہ اگر جز لایتجزی
یعنی پرکرتی میں قوتِ کششِ اتصال نہ پائی جاتی تو پھر جسم کے اجزاء میں باہمی تعلقات
پیدا ہونا اور بعض جزوں کا بعض سے مل جانا اور ملے رہنا ممتنع اور محال ہوتا۔ اور روحوں
کے وجود میں جس قدر صنعت صانع اور کاری گری پائی جاتی ہے وہ تو ہم کسی قدر بیان
کر چکے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ کسی موقع پر بیان کریں گے اور جیسے خدائے تعالیٰ
نے اجزاء لایتجزی میں کشش اتصال رکھی ہے ایسا ہی روحوں میں قبولیت تعلق جسم کے
لئے ایک قوت اور استعداد رکھی ہے یعنی روحوں میں بھی اجسام کی کشش اتصال کی طرح
قبولیت تعلق جسم کی ایک قوت پائی جاتی ہے جس سے وہ بلا نفرت و کراہت جسم سے ایسے
طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتے ہیں جیسے ایک محبّ اپنے محبوب سے یا ایک عاشق اپنے معشوق
سے تعلق پکڑ لیتا ہے جس تعلق کا صدمہ موت سے چھوڑنا اور مفارقت اختیار کرنا ان پر

بالطبع شاق اور ناگوار گزرتا ہے سو یہ انتظامی امر ہے جو حکیم مطلق نے روح اور جسم کے باہم ملانے کے لئے پہلے سے قائم کر دیا ہے اگر روحیں اتفاقی ہوتیں اور کوئی ان کا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ بے شمار اور کروڑ ہا روحوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہ پائی جاتی جو مناسبت تعلق با لجسم سے خالی اور اس کے برخلاف ہوتی پھر اگر اتفاق سے یہ مصیبت پیش آ جاتی کہ پرمیشر کو سب روحیں ایسی ہی ملتیں جن میں قوت قبولیت تعلق جسم پائی نہ جاتی تو اس صورت میں پرمیشر کیا کر سکتا کس کاریگر کو کہتا کہ ان تمام روحوں کو توڑ کر نئے سرے مجھے ایسی روحیں بنا دے جن میں تعلق بالا جسام کی قوت پیدا ہو جائے سو اب لیجئے وہ سب باتیں کاریگری و انتظام وغیرہ کی جو آپ نے ابھی بیان کی تھیں وہ روحوں اور جسم کے ٹکڑوں میں پائی گئیں جس سے بقول آپ کے واجب ہوا کہ ان کا کوئی موجد ضرور ہو۔ سو لو صاحب اب تو آپ پر اقبالی ڈگری ہو گئی۔ ﴿۱۶۰﴾

اخیر پر ہم آپ کو یہ بھی اطلاع دے دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کا یہ دعویٰ جو آپ کہتے ہیں کہ اگر تمام ارواح اور جسمی مادوں کو معہ جمیع عجائب و غرائب خواص ان کے کے خود بخود بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے سمجھ لیں جیسے اصول آریہ سماج کا ہے یعنی یہ خیال کر لیں کہ ارواح و مواد اجسام معہ جمیع خواص اپنے کے خود بخود ہیں تو اس سے اثبات صانع میں کوئی حرج عائد نہیں ہو سکتا بلکہ جوڑنا جاڑنا جس کے آریہ سماج والے قائل ہیں اثبات صانع کے لئے کافی ہے یہ تقریر آپ کی صاف ثابت کر رہی ہے کہ آپ میں فطرتی طور پر مادہ ثبوت غیر ثبوت کی شناخت کرنے کا نہایت ہی کم ہے میں نے آپ کی غلطی اقوال متذکرہ بالا میں کھول دی ہے دانشمند کے لئے تو اسی قدر کافی ہے لیکن میں محض خیرخواہی کے رو سے آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو بحث مباحثہ کا شوق ہے تو کسی سے ایک رسالہ منطق کا ضرور پڑھ لیجئے۔ یہ کام مباحثات مناظرات کا بڑا نازک کام ہے اس کے اِنصرام کے لئے صرف جوش مذہبی کافی نہیں ہے اتنا تو ہو کہ انسان دعویٰ اور دلیل میں فرق معلوم کر سکے اور بیہودہ

دعووں کو دلیل کے محل پر استعمال نہ کرے۔ بھلا خیال فرماویں کہ میرے اعتراض کے ﴿۱۶۱﴾
جواب میں جو آپ نے لکھا ہے کہ گو ارواح و اجزاء صغار اجسام یعنی جیو اور پرکرتی اور
ان کے تمام خواص اور تمام کاریگری کی باتیں جو ان میں پائی جاتی ہیں وید کے رو سے
سب غیر مخلوق اور انادی ہیں جن کو پرمیشر کا ہاتھ بھی نہیں لگا مگر تاہم فقط جوڑنے جاڑنے
سے پرمیشر کا پرمیشر پن ثابت ہوتا ہے یہ کس قسم کی تقریر ہے اگر اس کو قوانین استدلال
کی طرف رد کیا جائے تو کون سی شکل صحیح منطقی اس سے پیدا ہوسکتی ہے اگر کچھ یاد ہے تو
بھلا پیش تو کریں۔ ماسٹر صاحب آپ کو یہ بات بُری نہ لگے آپ مدلّل غیر مدلّل کی
شناخت سے بکلّی بے خبر ہیں آپ کے منہ سے کوئی معقول بات کیا خاک امید رکھیں
آپ تو خواہ نخواہ اپنی قوم کو شرمندہ کر رہے ہیں تو ہم ہی روحوں کے مخلوق ہونے پر شکل
اول جو بدیہی الانتاج ہے بنا کر سناتے ہیں اس پر غور کرو اور اپنے بے جا دعووں سے باز
آؤ اور وہ شکل یہ ہے۔ **موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں
ہزارہا عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں اور کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں
میں سے جن میں عجائب قدرت و حکمت پائے جائیں ان کا ایک موجد قادر و کامل و
حکیم ہونا ضروری ہے نتیجہ یہ نکلا کہ روحوں کا ایک موجد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری**
ہے۔ ثبوت مفہوم صغریٰ کا یعنی اس بات کا کہ موجودات عالم میں سے روحیں ایسی
چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں اس طرح پر ہوتا ہے کہ
نقیض اس کی یعنی یہ کہ روحوں میں کوئی اُعجوبہ حکمت و قدرت کا نہیں پایا جاتا بدیہی البُطلان
ہے اور دنیا کی ذِی علم قوموں میں سے کوئی قوم بھی اس بات کی قائل نہیں کہ ارواح
عجائبات قدرت و صنعت الٰہی سے خالی ہیں بلکہ علم الٰہیات کے جاننے والے اس باریک صداقت
تک پہنچ گئے ہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں جو خواص متفرقہ ہیں وہ سب روحوں کے وجود

میںؔ یکجائی طور پر پائے جاتے ہیں پس صغریٰ اس شکل کا نہایت بیّن الثبوت ہے۔ ثبوت کبریٰ کا یعنی اس قضیہ کا جو کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت وحکمت پائے جائیں ان کا ایک موجد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری ہے اس طرح پر ہے کہ اگر بعض چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جو عجائب قدرت وحکمت سے بھری ہوئی ہیں ایسی بھی ہوں جن کا کوئی موجد ہونا ضروری نہیں تو پھر کسی چیز کو کسی موجد کی ضرورت نہیں رہے گی کیونکہ اس بات کی صحت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کہ ہم ایسی چند چیزوں میں سے کہ اپنی وجوہ احتیاج موجد میں بکلّی ہم رنگ اور مساوی ہیں بعض چیزوں کو بلا دلیل مستغنی عن الموجد قرار دے دیں اور دوسری بعض چیزوں کو بلا دلیل اپنے وجود میں موجد کی محتاج سمجھ لیں بلکہ ہم پر لازم ہوگا کہ اگر عالم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی یہ حکم دیں کہ وہ بوجہ پُرحکمت کاموں کے جو اس کے وجود میں پائے جاتے ہیں کسی موجد کی محتاج ہے تو یہی حکم اس کی باقی ہم شکل چیزوں کی نسبت بھی جو عالم میں پائی جاتی ہیں صادر کریں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی پس بالضرورت شکل ہذا کے کبریٰ کا مفہوم بھی سچا ماننا پڑا جس سے صداقت اس نتیجہ کی کھل گئی کہ روحوں کا ایک موجد کامل وقادر وحکیم ہونا ضروری ہے اور یہی مطلب تھا۔ جاننا چاہیے کہ یہ دلیل مخلوقیّت ارواح دہریہ کے مقابل پر نہیں بلکہ آریہ سماج والوں کے ملزم اور لاجواب کرنے کے لئے ہے کہ جو عالم کے ہم رنگ وہم خاصیت چیزوں میں سے بعض کو جو صرف جوڑنا جاڑنا ہی ایک صانع قادر وحکیم کا فعل خیال کرتے ہیں اور بعض دیگر کو جو اس فعل سے بڑھ کر قدرت و حکمت الٰہی پر دال ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر سمجھتے ہیں لیکن دؔہریہ کے مقابل پر الگ دلائل ہیں جو ہماری کتاب براہین میں اپنے موقع پر مندرج ہیں اس جگہ تو صرف آریہ سماج والوں کو ان کی مونہہ زوری پر متنبہ کرنا ہے۔☆ کہ وہ کیسے طریقہ مستقیمہ ﴿۱۶۲﴾

☆ **حاشیہ** اس جگہ اگر کوئی آریہ بطور نقض کے یہ عذر پیش کرے کہ خود خدائے تعالیٰ کی ذات

﴿۱۶۳﴾ دلائل منطقیہ سے بے راہ چل رہے ہیں اور وید کی محبت میں ایسے مست و مدہوش ہوگئے کہ خداداد عقل اور فہم کو یک لخت کھو بیٹھے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اب وید پر چلنے چلانے کا زمانہ نہیں ہے اب ان باتوں پر زور دینے سے کہ ہم قدیم سے خود بخود ہیں ہمارے روحوں اور ہمارے جسمی مادہ کا کوئی ربّ نہیں جلد تر وید پر وبال آئے گا۔ حال کی ذریت ایسی موٹی عقل کی نہیں کہ ان کو ان تعلیموں پر طفل تسلی دے سکیں

بقیہ حاشیہ

﴿۱۶۳﴾ بھی عجائب قدرت وحکمت پر مشتمل ہے تو کیا اس کے لئے بھی کسی موجد کی ضرورت ہے اس کا جواب یہی ہے کہ ہم ابھی شکل اوّل کے دونوں مقدمات میں جن سے مخلوقیت روحوں کی ثابت ہوتی ہے موجودات کے لفظ کو اسی لحاظ سے عالم کے لفظ سے مشروط اور مقید کر چکے ہیں یعنی موجودات عالم کا لفظ لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دلیل فقط موجودات عالم کے متعلق ہے یعنی ان چیزوں کے متعلق ہے جو عالم میں داخل ہیں لیکن خدائے تعالیٰ عالم سے باہر ہے اور خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ اس کی ذات میں بھی طرح طرح کی طاقتیں اور قوتیں اور عجائب صفتیں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کا بھی کوئی موجد چاہیے۔ یہ خیال انہیں لوگوں کے دلوں میں اٹھتا ہے جن کو معرفتِ الٰہی سے ایک ذرہ بھی حصہ نہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کے وجود کی نسبت یہ تو پہلے ہی سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے کہ جس کی ذات اور ذاتی طاقتیں اور قوتیں اور کامل صفتیں غیر محدود اور غیر متناہی ہیں جو کسی تحدید اور کسی دائرہ عقلی یا قیاسی یا وہمی میں نہیں آ سکتیں اور یہ بھی ابتدا ہی سے قبول کیا جاتا ہے کہ اس کا وجود سب وجودوں پر غالب اور سب وجودوں سے افضل اور سب وجودوں سے اول اور اس کی طاقتیں سب طاقتوں سے بڑھ کر ہیں اور اس کی قوتیں سب قوتوں سے زیادہ تر اور اس کی کامل

۱۶۴ کہ بغیر دخل مالک الملک کے تمام روحیں اور ذرّہ ذرّہ اجسام کا خود بخود قدیم سے چلا آتا ہے بلکہ وہ تو پورا پورا فیصلہ کرلیں گے یا تو اپنے باپ دادوں کے خیالات کو کسی ٹھکانہ لگا کر ٹھیک ٹھیک دہریہ بن جائیں گے اور یا اگر سعادت مند ہوئے تو ربّ العٰلمین پر ایمان لائیں گے اور اپنی مخلوقیت کا اقرار کرلیں گے مگر دونوں صورتوں میں وید کے پنجہ سے نکل جائیں گے وہ وقت گزر گئے جب لوگ وید کے کہے کہائے سے چاند سورج کی

بقیہ حاشیہ

صفتیں سب صفتوں سے اکمل اور اتم ہیں اور یہ بجائے خود ثابت کیا گیا ہے کہ تمام ایسے وجودوں کے لئے جو محدود اور مقید اور ناقص اور ناتمام ہیں ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جس کو من کل الوجوہ کمالِ تام ہو اور حدود اور قیود سے پاک اور برتر ہو۔ پس جبکہ اس کو کامل تام اور غیر متناہی اور غیر محدود اور سب برتروں سے برتر مان لیا گیا اور تمام ناقصوں کا مبدء فیوض اس کو ٹھہرایا گیا تو پھر اُس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس کا بھی کوئی موجد ہونا چاہیے یہ غایت درجہ کی وحشیانہ جہالت اور بُرے طور کی نادانی ہے کیونکہ اگر وہ کسی اور موجد کا محتاج ہے تو پھر وہ اس صورت میں نہ کامل رہ سکتا ہے نہ غیر محدود حالانکہ اس کی خدائی کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کو کمال تام حاصل ہو اور اس کی ذات حدود اور قیوّد سے منزہ اور پاک ہو غرض اس بات کا قائل ہو کر کہ وہ غیر متناہی اور سب طاقتوں سے بڑھ کر اور کامل تام ہے پھر یہ خیال کرنا کہ باایں ہمہ اس کو کسی موجد کی بھی ضرورت ہے گویا نقیضین کو جمع کرلینا ہے کیونکہ جب پہلے ہی اس کی ذات پر ایمان لانے کے وقت صحت ایمان اسی بات پر موقوف ہے کہ اس کو اکمل واتم اور بے انتہا اور ہر یک ضعف اور نقصان سے خالی سمجھا جائے تو پھر یہ خیال کہ اس کا کوئی موجد ہونا چاہیے اس صفت ایمان سے بکلّی انکار اور کنارہ کشی ہے اور نیز یہ

﴿۱۶۵﴾ پوجا کرتے تھے اور اگنی کے آگے ہاتھ جوڑتے تھے اور ہندوستان کے تمام عجائبات کو معبود بنا رکھا تھا اب وید کا نیک وقت شاید اس زمانہ میں آوے کہ جب پھر لوگ ویسی ہی موٹی عقل کے ہو جائیں کہ جیسے وہ وید کے زمانہ میں تھے مگر پھر اس تنگ و تاریک حالت کی طرف زمانہ کا پلٹا کھانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا اس زمانہ میں بڑے بڑے بوڑھے پنڈت یہ خیال کرتے تھے کہ کوہ ہمالہ کے پرے اور کوئی ملک ہی نہیں

بقیہ حاشیہ

مخلوق کی نسبت خالق کا اعلیٰ ہونا لازم ہے اور جب کہ ہم اُسی ذاتِ اکمل واتم کو خدا کہتے ہیں جس سے اعلیٰ کوئی نہیں تو اس کو خودبخود ماننا پڑا اغرض انتہائی درجہ کا کامل خیال کرنا تحقق خدائی کے لئے واجب ہے اور انتہائی درجہ کے کمال کو خودبخود ہونا لازم پڑا ہوا ہے۔ یہ قاعدہ کہ ہم پر حکمت چیز کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کی عجائب صفتیں پائی جاتی ہیں ایک صانع حکیم کا ایجاد اس کو سمجھتے ہیں یہ تو ان اشیاء عالم سے متعلق ہے جن کا ناقص ہونا اول ہم ثابت کر لیتے ہیں اور جن کا محدود اور مقید ہونا اور اپنی تکمیل ذات کے لئے غیر کی طرف محتاج ہونا دلائل کاشفہ سے ہم پر کھل جاتا ہے تب جو جو کاریگری کے کام ایسے ناقص وجودوں میں پائے جاتے ہیں ان کی نسبت بطور یقین اور قطع کے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ان عجائب کاموں کا کرنے والا ضرور در پردہ موجود ہے جو قادر و حکیم و کامل ہے اور یہ بھی ہر یک پر واضح ہے کہ ہم عالم کی چیزوں میں سے جتنی چیزوں کے وجود پر نظر ڈال کر ایک موجد کامل و قادر کا انہیں محتاج پاتے ہیں یا ان کی نسبت حکم صادر کرتے ہیں کہ ان موجودات کا کوئی موجد چاہیے وہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کسی نہ کسی طور سے بلا واسطہ وسائل دیگر ہماری نظر اور فکر کے آگے محسوس اور معلوم الوجود ہوتے ہیں بجز ایک ذات پروردگار جل شانہٗ کے جو ہم اس کے وجود کو بغیر ذریعہ وحی یا مصنوعات کے جو اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں

﴿۱۶۶﴾ اور یہ اعتقاد کیا گیا تھا کہ چونکہ ہمگی وتمامی جائیداد پرمیشر کی یہی آریہ دیس ہے اس لئے پرمیشر کو اس اپنی جاگیر سے بڑی محبت ہے اور اس نے ہمیشہ کے لئے آریوں کو ٹھیکہ دے رکھا ہے کہ ہمیشہ میرا کلام تم میں ہی اترے گا سنسکرت میری زبان ہوگی آریہ دیس میرا دیس ہوگا اور وید میرا ہمیشہ کلام ہوگا اَوروں سے مجھے کیا غرض اور کیا واسطہ لیکن اس زمانہ میں ایک دس برس کا بچہ بھی کچھ تھوڑا سا جغرافیہ پڑھ کر معلوم کرسکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ

بقیہ حاشیہ

اور کسی طرح شناخت ہی نہیں کرسکتے سو درحقیقت اس کا وجود اور چیزوں کے وجود کی طرح معلوم التعین نہیں تا اس کے موجد اور تعین کنندہ کا خیال دل میں گزر سکے بلکہ وہ تمام مصنوعات پر غور کرنے کا ایک ضروری نتیجہ ہے جو اپنی ذات میں خیال اور قیاس اور گمان اور وہم سے بلند تر و برتر ہے۔ غرض اس کا وجود اور چیزوں کی طرح نہیں بلکہ اس کے وجود سے مراد وہ آخری وجود ہے جو تمام چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد اس کی ضرورت ثابت ہوتی ہے سو جس خاص طور سے اس کا وجود تمام عالم کے اطوار شناخت سے الگ پڑا ہوا ہے وہی طور خاص اس بات کو سمجھا دیتا ہے کہ اس کے لئے موجد کا ہونا ممتنع اور خلاف عقل ہے اور بجز اسی کی ذات کامل اور غنی مطلق وغیر محدود کے اور کسی چیز کو ہم ایسی نہیں دیکھتے جو داغ نقصان اور احتیاج الی الغیر سے خالی ہو اور دوسری طرف ہم اس کی غیر میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کیا ارواح اور کیا اجسام اپنی ذات اور صفات میں طرح طرح کے پُر حکمت خواص اپنے وجود کے اندر رکھتے ہیں اس لئے ہم کو ایسے مصنوعات پر نظر ڈال کر بضرورت ماننا پڑتا ہے کہ کسی صانع قدیم وحکیم وقادر کامل کے ہاتھ سے یہ سب چیزیں نکلی ہیں لیکن خدائے تعالیٰ کی نسبت جو اپنی ذات میں کامل اور احتیاج غیر سے منزہ اور غیر محدود اور غیر متناہی طاقتوں والا ہے یہ خیال پیدا نہیں ہوتے کیونکہ غیر متناہی سے بڑھ کر اور کون ہوگا جو

کی زمین کیسی کیسی آبادیوں پر مشتمل ہے اور کیونکر کروڑ ہا رنگا رنگ کی مخلوقات پردۂ زمین پر آباد ہو رہی ہے اور خدائے تعالیٰ نے کیسی ان کو عقل میں فہم میں دنیا میں دین میں آریوں کی نسبت بہت زیادہ ترقیات بخشی ہیں کیا اتنے بڑے جہان کا مالک ایک خسیس اور بخیل آدمی کی طرح ہمیشہ کے لئے ایک خاص ملک تک اپنے فیوض الہامی محدود رکھ سکتا ہے پھر وہ الہام جس پر اس قدر ناز ہے یعنی وید عجیب قسم کا الہام ہے کہ اول سے ﴿۱۶۷﴾

بقیہ حاشیہ

اُسے پیدا کرنے والا ہوگا اس لئے عالم کی چیزوں کے ساتھ اس کا قیاس نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تو لایُدرک ذات ہے جو تمام عالم کی چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد ضروری طور پر ماننا پڑتا ہے نہ احاطہ عقلی یا رؤیت کے طور پر سو جو اس طرح لایُدرک طور پر مانا گیا ہے اسی کامل برتر از عقل و فہم کا نام خدا ہے سوائے اس کے تمام موجودات کی ایجاد کی نسبت تو وہ اپنے الہام کے ذریعہ سے آپ دعویدار ہوگیا اور پاک ملہموں کی روح میں ہو کر اس نے کلام کیا کہ جو کچھ نظر آتا ہے جو خالی نقصان سے نہیں اُس سب کا موجد میں ہی ہوں جو کامل ہوں اور یہ ملہم لوگ ایسے نادر الوجود نہیں جو صرف چار ہی ہوں اور کوئی پانچواں نہ ہو بلکہ بے شمار ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہمیشہ الہامات کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ہر یک شخص صراط مستقیم پر قدم مارنے سے جو قانون تحصیل مرضیات الٰہی ہے حسب دائرہ حوصلہ و استعداد اپنے کے الہامات کو پا سکتا ہے اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مستفیض ہو سکتا ہے غرض جس حالت میں خدائے تعالیٰ بذریعہ اپنے الہام کے قدیم سے انا الخالق کا دعویٰ کرتا چلا آیا ہے اور ہر یک روح بوجہ اپنے نقصان ذاتی اور احتیاج ایک ربّ کے جو تدارک اس نقصان کا کرے اپنے نفس میں اس کی ضرورت بھی پاتی ہے۔ تو اس صورت میں اس ذات کامل الصفات کا خالق ہونا بدیہی الثبوت ہے لیکن اس خالق حقیقی کے

آخر تک بجز مخلوق پرستی کے بات نہیں کرتا پنڈت دیانند نے تاویلات میں بہت کوشش کی مگر ﴿۱۶۸﴾
کوئی کج کو سیدھا ظاہر کرنے میں کہاں تک ٹکریں مارے آخر کچھ بھی نہ ہوسکا وید کی تعلیم
مخلوق پرستی کے ایک آدھ مقام میں تو نہیں کہ چھپ سکے وہ تو سارا اانہی خیالات سے بھرا ہوا
ہے۔ تمام دنیا کے پردے میں گھوم آؤ تمام قوموں کو پوچھ کر دیکھ لو کوئی قوم ایسی نہ پاؤ گے کہ
جو وید کو پڑھے اور اس کو موحدانہ تعلیم سمجھے ہم سچ سچ کہتے ہیں اور زیادہ باتوں میں وقت کھونا
نہیں چاہتے کہ جو کچھ قرآن شریف کے دس ورق سے توحید کے معارف آفتاب عالمتاب
کی طرح ظاہر ہوتے ہیں اگر کوئی شخص وید کے ہزار ورق سے بھی نکال کر دکھلاوے تو ہم
پھر بھی مان جائیں کہ ہاں وید میں توحید ہے اور جو چاہے حسب استطاعت ہم سے شرط
کے طور پر مقرر بھی کرالے ہم قسمیہ بیان کرتے ہیں اور خدائے واحد لاشریک کی قسم کھا کر
کہتے ہیں کہ ہم بہرحال ادائے شرط مقررہ پر جس طور سے فیصلہ کرنا چاہیں حاضر ہیں لیکن
ناظرین خوب یاد رکھیں اور اے آریہ کے نوعمرو نو گرفتارو! تم بھی یاد رکھو کہ وید میں ہرگز
توحید محض نہیں ہے وہ جا بجا مشرکانہ تعلیم سے مخلوط ہے ضرور مخلوط ہے کوئی اس کو بری نہیں
کرسکتا اور زمانہ آتا جاتا ہے کہ اُس کے سارے پردے کھل جائیں سو تم لوگ اس خدا سے
ڈرو جس کی عدالت سے کسی ڈھب روپوش نہیں ہوسکتے۔

آریہ سماج والوں میں نانک صاحب کے چیلے بھی کچھ کچھ داخل ہیں انہیں ہم بطور

بقیہ حاشیہ

لئے کوئی اور خالق تب تجویز کیا جائے جب اول کوئی اس کے سر پر دعویدار اٹھے کہ اس کا
میں خالق ہوں اور اُس کو مغلوب اور محکوم کر کے دکھلاوے مگر جب کہ ان تمام باتوں میں
سے کوئی بات بھی ثابت نہیں اور من کل الوجوہ خدائے تعالیٰ کامل الذّات والصفات اور
اپنی ذات میں واحد لاشریک اور درحقیقت سب برتروں سے برتر ہے تو پھر ایسا خیال
سراسر دیوانگی اور حماقت ہے۔ منه۔

خاص نصیحت کرتے ہیں کہ تمہارے گرو صاحب نے جابجا وید سے مخالفت کی ہے اور جہاں ﴿۱۶۹﴾
تک ان کی علمی حیثیت تھی انہوں نے دین اسلام کے عقائد کو پسند کیا ہے بلکہ ایک صاحب
نرائن سنگھ نام گرنتھ خوان واعظ نے ایک سو سے زیادہ آدمیوں کے مجمع میں ہمارے روبرو
بیان کیا کہ وہ بعض اوقات اعمال عبادت بھی اسلام کے طور پر بجالاتے تھے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ در پردہ حق کے قبول کرنے کے لئے بہت کچھ تیار ہو گئے تھے۔ وہ اپنے گرنتھ
میں فرماتے ہیں کہ جو ہمیشہ خود بخود بغیر کسی کے پیدا کرنے کے چلا آیا ہے وہی پرمیشر ہے
جیسے ان کا یہ شبد ہے۔ ’’تھا پیا نہ جا کیتا نہ ہو۔ آپے آپ نرنجن سو‘‘۔ یعنی جو بغیر کسی کے پیدا
کرنے کے خود بخود قدیم سے چلا آیا ہے وہی خدا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر روحوں کو قدیم اور
خود بخود مانا جائے تو اس تعریف کے رو سے ان سب روحوں کا خدا ہونا لازم آتا ہے تو پھر یہ
پرمیشر کی کیا تعریف ہوئی جس میں سارا جہان داخل ہے۔ اور اگر ہم اس تعریف کو غلط اور
خلاف عقائد ہنود سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ نانک صاحب نے بوجہ نہ ہونے علم وید کے
اپنے پرمیشر کی ایسی تعریف کر دی ہے جو صریح وید کے اصولوں کے برخلاف ہے تو اس میں
نانک صاحب کی کسر شان ہے کیونکہ وہ اپنے گرنتھ کے کئی مقامات میں صاف صاف
لکھتے ہیں کہ میں نے وید پڑھا ہوا ہے اور چاروں ویدوں کی تعلیمیں مجھ سے پوشیدہ نہیں
اور میں خوب جانتا ہوں کہ وید تناسخ کو مانتا ہے جس کی بنیاد روحوں کا غیر مخلوق ہونا ہے
پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ وید کی تعلیم کو اس جگہ نانک صاحب نے قبول نہیں کیا اور
جابجا یہ بھی جتلا دیا کہ میں ویدوں کی تعلیم سے ناواقف نہیں اور نہ بے علم ہوں بلکہ
چاروں ویدوں کو میں نے پڑھا اور خوب کنٹھ کیا ہوا ہے سو اتنے بڑے دعویٰ سے نانک
صاحب کا وید کے اس اصل الاصول سے دست بردار ہو جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ
نانک صاحب ویدوں کے اس بھاری عقیدہ سے جو مدار تناسخ ہے اپنی زندگی میں بیزار
ہو چکے تھے اور ہادی مطلق نے ان کے دل کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ یہ تحریر ویدوں

﴿۱۷۰﴾ کی بالکل جھوٹی اور غلط ہے پس جب کہ نانک صاحب حسب تعلیم قرآن شریف خدائے تعالیٰ کے خالق اور ربّ العالمین ہونے پر ایمان لے آئے تھے اور ویدوں کی ایسی ایسی تعلیموں کو انہوں نے یک لخت چھوڑ دیا تھا اس لئے ان صاحبوں کی خدمت میں جو نانک صاحب کے سکھ ہوکر اور کشن سنگھ بشن سنگھ نارائن سنگھ بھگوان سنگھ وغیرہ نام رکھوا کر پھر اپنے گورو کے گرنتھ سے باہر چلے جاتے ہیں باادب تمام عرض کیا جاتا ہے کہ وہ بھی وید کی ایسی ایسی تعلیموں سے دست کش ہوجائیں ورنہ اگر نانک صاحب سے روحانی موافقت نہیں تو پھر خواہ نخواہ ایک ٹوکرا کیسوں کا سر پر اٹھائے رکھنا اور حرارت اور عفونت کی تکلیفیں اٹھانا ضرورت ہی کیا ہے۔ نانک صاحب روحوں کے مخلوق ہونے کے بارے میں اپنے گرنتھ میں کافی شہادت دے گئے ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ **ایتی کیتی ہور کرے۔ تا آکھ نہ سکے کئی کے۔** یعنی اگر اس قدر ارواح اور اجسام جو پہلے خدائے تعالیٰ پیدا کر چکا ہے اور پیدا کرے تو وہ کرسکتا ہے اور اس کی قدرتوں کے مقابل اور ہم قدم تعریفیں چل نہیں سکتیں۔ یہ مقولہ نانک صاحب کا بالکل قرآن شریف کی ایک آیت کا گویا ترجمہ ہے اور سراسر اس کے مطابق ہے چونکہ نانک صاحب اکثر دلی اخلاص سے علماء اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور دینی باتیں سنتے تھے اس لئے کسی مولوی صاحب کی زبانی انہوں نے یہ مضمون آیت کا سن لیا ہوگا کیونکہ مسلمانوں سے اکثر ان کی صحبت رہتی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ بعض اوقات وہ نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد ان کا یہ شبد ہے جو نیچے لکھا جاتا ہے۔ **جے وڈ بھاوے تے وڈ ہو۔ نانک جانے ساچا سو۔** آفرین اے نانک آفرین یہ شبد بھی قرآن شریف کی اس آیت کے سراسر مطابق زبان سے نکل گیا ہے اور آیت یہ ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** یعنی تمام محامد اور تمام کمالات اور تمام تعریفیں اور تمام بزرگیاں اور خوبیاں جو مرتبہ جلیلہ خدائی کے لئے ضروری ہیں وہ سب اللہ جلّ شانہٗ کو حاصل اور اس کی ذات میں جمع

ہیں جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی اور وہ تمام عالمین کا رب اور پیدا کنندہ ﴿۱۷۱﴾
ہے پس اسی آیت شریفہ کے مطابق نانک صاحب کا شبد ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ جو بزرگی اور عظمت اور قدرت خدائے تعالیٰ کو چاہیئے وہ سب اسے حاصل ہے۔ اے نانک جو اس بات کو جانتا ہے وہی صادق ہے۔ افسوس اس بات کو وید کیوں نہیں جانتا آریہ لوگ کیوں نہیں جانتے دیانند صاحب کیوں جانے بغیر کوچ کر گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشنا ایک کمال ہے جو بڑی تعریف کے لائق ہے اور خدا وہ ہونا چاہیے جس میں سب کمالات اور سب تعریف کی باتیں پائی جائیں مگر وید کے پرمیشر پر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی کہ وہ اس بھاری درجہ کے کمال سے کہ جو تمام کارخانہ خدائی کی کنجی ہے بے نصیب رہ گیا۔ دیکھو اے کیسوں والے آریو! جو نانک صاحب کے چیلہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو کہ نانک صاحب صاف قرآنی آیت کی تصدیق کر کے کہتے ہیں کہ صادق وہی ہے کہ جو ان سب بزرگیوں اور تعریفوں کا قائل ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کو اپنے کمال تام کے لئے مطلوب ہیں ورنہ جھوٹا اور دروغگو ہے۔ سو تم اب تو وید کا پیچھا چھوڑو کہ تمہارے گورو صاحب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں اور اپنے شبد تمہیں سنا رہے ہیں اور پھر دیکھو کہ وہ مخالفوں پر ناراض ہو کر آگے کیا فرماتے ہیں۔ **جے کو آکھے بول بگاڑ۔ تا لکھی سر گواراں گوار**۔ یعنی اگر کوئی یہ بات تسلیم نہ کرے اور اس کا مخالف کچھ منہ پر لاوے تو اس کو جاہلوں کا سردار لکھنا چاہیے۔ اے نانک صاحب آپ کہاں اور کدھر ہو اب تو آپ ہی کے چیلے آریہ سماج میں بیٹھ کر بول بگاڑ رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں بلکہ وہ تو وید کی شرتیوں کو سچ مچ درست سمجھ کر خدائے تعالیٰ کا خالق اور ربّ العالمین ہونا غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اگر کسی کے منہ سے بھولے سے یہ نکل بھی جائے کہ میری روح کا رب اور پیدا کنندہ پرمیشر ہے تو اس کو مہان پاپی خیال کرتے ہیں اور اپنے پرمیشر کو صرف اس قدر

﴿۱۷۲﴾ طاقت والا جانتے ہیں کہ اس کو فقط جوڑنا جاڑنا آتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ آپ نے تو قرآن شریف کے مطابق انہیں یہ سبق پڑھایا تھا کہ وہ تمام انتہائی درجہ کی قدرتیں اور عظمتیں اور تعریفیں جو ذہن میں آ سکتی ہیں اور وہ سب کمالات اعلیٰ سے اعلیٰ جو خدا ہونے کے لئے زیبا و شایان ہیں وہ سب پرمیشر کو حاصل ہیں مگر آپ کے چیلے تو چار دن آریہ سماج میں بیٹھ کر اور ویدوں کی ملحدانہ شرتیوں کو سن کر آپ کے اس گورمنتر کو چھوڑ بیٹھے اور وہ پٹڑی ہی بھول گئے جس پر آپ نے انہیں جمایا تھا اب اور تعریفیں پرمیشر کی تو طاق پر رہیں انہوں نے تو وہ پہلا حرف ہی جس سے نام پرمیشر کا دنیا میں ظاہر ہوتا ہے یعنی پیدا کرنا اپنے لوح دل سے ایسا مٹا دیا ہے کہ گویا کبھی سنا ہی نہیں تھا۔

ان کو سودا ہوا ہے ویدوں کا ان کا دل مبتلا ہے ویدوں کا
آریو اس قدر کرو کیوں جوش کیا نظر آ گیا ہے ویدوں کا
نہ کیا ہے نہ کر سکے پیدا سوچ لو یہ خدا ہے ویدوں کا
عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو کیوں بھروسا کیا ہے ویدوں کا
بے خدا کوئی چیز کیوں کر ہو یہ سراسر خطا ہے ویدوں کا
ناستک مت کے وید ہیں حامی بس یہی مدعا ہے ویدوں کا
(دہریہ مذہب)
ایسے مذہب کبھی نہیں چلتے کال سر پر کھڑا ہے ویدوں کا

اور واضح رہے کہ یہ تعلیم ویدوں کی کہ دنیا خود بخود چلی آتی ہے کوئی اس کے سر پر پیدا کنندہ و مالک نہیں ہے صرف ایک ادھورا سا جوڑنے جاڑنے والا ہے یہ ایک ایسا ناقص اعتقاد ہے جس کے ماننے سے بہ مجبوری یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس جوڑنے جاڑنے والے کو یا تو اپنے ممالک مقبوضہ کا کچھ بھی

﴿۱۷۳﴾ علم نہیں اور یا شاید کچھ ہے تو ایک ناقص اور نا تمام سا علم ہے جیسے ایک موتیا بند والے کو جس کی آنکھوں پر نزول الماء اتر آیا ہو کچھ کچھ اوّل دھندلا سا نظر آتا ہے۔☆ اور پھر آخرکار پورا پورا اندھا ہو جاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی خراب تعلیم کو جس کے ایسے ایسے خراب نتائج ہیں کسی صاف دل ہندو کی روح بھی قبول نہیں کرسکتی بلکہ پنڈت دیانند کے دل نے بھی اس کو قبول نہیں کیا لالہ شرم پت ایک آریہ اسی جگہ قادیان کے

﴿۱۷۳﴾ ☆ **حاشیہ** یہ ایک نہایت باریک صداقت ہے کہ علم باری تعالیٰ جس کی کاملیت کی وجہ سے وہ ذرہ ذرہ کے ظاہر و باطن پر اطلاع رکھتا ہے کیونکر اور کس طور سے ہے اگرچہ اس کی اصل کیفیت پر کوئی عقل محیط نہیں ہوسکتی مگر پھر بھی اتنا کہنا سراسر سچائی پر مبنی ہے کہ وہ تمام علم کے قسموں میں سے جو ذہن میں آسکتے ہیں اشد و اقویٰ و اتم و اکمل قسم ہے۔ جب ہم اپنے حصول علم کے طریقوں کو دیکھتے ہیں اور اس کے اقسام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اپنے سب معمولی علموں میں سے بڑا یقینی اور قطعی وہی علم معلوم ہوتا ہے جو ہم کو اپنی ہستی کی نسبت ہے کیونکہ ہم اور ایسا ہی ہر ایک انسان کسی حالت میں اپنی ہستی کو فراموش نہیں کرسکتا اور نہ اس میں کوئی شک کرسکتا ہے سو جہاں تک ہماری عقل کی رسائی ہے ہم اس قسم کے علم کو اشد و اقویٰ و اتم و اکمل پاتے ہیں اور یہ بات ہم سراسر خدائے تعالیٰ کی ذات کامل سے بعید دیکھتے ہیں کہ جو اس درجہ اور اس قسم کے علم سے اس کا علم اپنے بندوں کے بارہ میں کمتر ہو کیونکہ یہ بڑے نقص کی بات ہے کہ جو اعلیٰ قسم علم کی ذہن میں آسکتی ہے وہ خدائے تعالیٰ میں نہ پائی جائے اور اعتراض ہوسکتا ہے کہ کس وجہ سے خدائے تعالیٰ کا علم اعلیٰ درجہ کے علم سے متنزّل رہا آیا اس کے اپنے ہی ارادہ سے یا کسی قاسر کے قسر سے اگر کہو کہ اس کے

﴿۱۷۴﴾ رہنے والے نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے روحوں کی پیدائش کے بارے میں دیانند جی سے دریافت کیا تو لگے باتیں بنانے اور فرمایا کہ پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا آئندہ اگر پرمیشر پیدا کرتا ہی چلا جائے تو اتنا بڑا وسیع مکان کہاں سے لائے جن میں روحیں رہا کریں اب دیکھو کہ اس تقریر میں ناچار ہو کر دیانند نے اس قدر مان لیا کہ اوّل پرمیشر نے ضرور روحوں کو پیدا کیا تھا لیکن آئندہ اس خوف سے پیدا کرنے سے دست کش ہے کہ کوئی

﴿۱۷۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

اپنے ہی ارادہ سے تو یہ جائز نہیں کیونکہ کوئی شخص اپنے لئے بالارادہ نقصان روا نہیں رکھتا تو پھر کیونکر خدائے تعالیٰ جو بذات خود کمالات کو دوست رکھتا ہے ایسے ایسے نقصان اپنی نسبت روا رکھے اور اگر کہو کہ کسی قاسر کی قسر سے یہ نقصان اس کو پیش آیا تو چاہیے کہ ایسا قاسر اپنی طاقتوں اور قوتوں میں خدائے تعالیٰ پر غالب ہو تا وہ زیادت قوت کی وجہ سے اس کو اس کے ارادوں سے روک سکے اور یہ خود ممتنع اور محال ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ پر اور کوئی قاسر نہیں جس کی مزاحمت سے اس کو کوئی مجبوری پیش آوے پس ثابت ہوا کہ ضرور خدائے تعالیٰ کا علم کامل تام ہے اور پہلے ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ علم کی تمام قسموں میں سے کامل وتام وہ علم ہے کہ جو ایسا ہو جیسے ایک انسان کو اپنی ہستی کی نسبت علم ہوتا ہے سو ماننا پڑا کہ خدائے تعالیٰ کا علم اپنی مخلوقات کے بارہ میں اسی علم کی مانند اور اسی کے مشابہ ہے گو ہم اس کی اصل کیفیت پر محیط نہیں ہو سکتے لیکن ہم اپنی عقل سے جس کی رو سے ہم مکلّف ہیں یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بڑا قطعی اور یقینی علم یہی ہے جو عالم اور معلوم میں کسی نوع کا بعد اور حجاب نہ ہو سو وہ قسم علم کی یہی ہے اور جس طرح ایک انسان کو اپنی ہستی پر مطلع ہونے کے لئے دوسرے وسائل کی ضرورت نہیں بلکہ جاندار ہونا

﴿۱۷۵﴾ ایسا بڑا امکان اسے نہیں ملتا۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت دیانند کو اپنی عمر کے آخری حصہ میں وید کی ایسی ایسی تعلیموں کی نسبت بہت کچھ شکوک اور شبہات پڑ گئے تھے بلکہ رسالہ دھرم جیون پندرھویں جولائی ۱۸۸۶ء میں لکھا ہے کہ پنڈت دیانند صاحب جاتے وقت اشاروں کنایوں سے بعض معزز برہموصاحبوں کو سمجھا گئے کہ اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں کہ پنڈت صاحب تو پنڈت صاحب ہی تھے

بقیہ حاشیہ

﴿۱۷۵﴾ اور اپنے تئیں جاندار سمجھنا دونوں باتیں ایسی باہم قریب واقع ہیں کہ ان میں ایک بال کا فرق نہیں سو ایسا ہی جمیع موجودات کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا علم ہونا ضروری ہے یعنی اس جگہ بھی عالم اور معلوم میں ایک ذرّہ فرق اور فاصلہ نہیں چاہیے اور یہ اعلیٰ درجہ علم کا جو باری تعالیٰ کو اپنے تحقّق الوہیت کے لئے اس کی ضرورت ہے اسی حالت میں اس کے لئے مسلم ہوسکتا ہے کہ جب پہلے اس کی نسبت یہ مان لیا جائے کہ اس میں اور اس کے معلومات میں اس قدر قرب اور تعلق واقع ہے جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور یہ کامل تعلق معلومات سے اسی صورت میں اس کو ہوسکتا ہے کہ جب عالم کی سب چیزیں جو اس کی معلومات ہیں اس کے دستِ قدرت سے نکلی ہوں اور اس کی پیدا کردہ اور مخلوق ہوں اور اس کی ہستی سے ان کی ہستی ہو یعنی جب ایسی صورت ہو کہ موجود حقیقی وہی ایک ہو اور دوسرے سب وجود اس سے پیدا ہوئے ہوں اور اس کے ساتھ قائم ہوں یعنی پیدا ہو کر بھی اپنے وجود میں اس سے بے نیاز اور اس سے الگ نہ ہوں بلکہ درحقیقت سب چیزوں کے پیدا ہونے کے بعد بھی زندہ حقیقی وہی ہو اور دوسری ہر ایک زندگی اسی سے پیدا ہوئی ہو اور اس کے ساتھ قائم ہو اور بے قید حقیقی وہی

﴿۱۷۶﴾ ایسے ویدوں پر کسی منصف مزاج کا ایمان نہیں رہ سکتا بلکہ کون آدمی ایسا دل کا اندھا ہے جس کو یہ موٹی بات بھی سمجھ میں نہ آ سکے کہ جس پرمیشر کو پیدا کرنا بھی نہیں آتا اور یوں ہی جائیداد مستعار سے کام چلا رہا ہے وہ کس بات کا پرمیشر ہے اور جس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر روحیں اور مواد نہ ہوں تو پھر اس کا سب پرمیشر پن طاق پر رکھا رہ جائے ایسے نالائق کو کون پرمیشر کہہ سکتا ہے۔ یہ بات ایسی صاف صاف اور انسان کے فطرتی تقاضا

﴿۱۷۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

ایک ہو اور دوسری سب چیزیں کیا ارواح اور کیا اجسام اس کی لگائی ہوئی قیدوں میں مقید اور اس کے ہاتھ کے بندوں سے بندھے ہوئے اور اس کی مقرر کردہ حدوں میں محدود ہوں اور وہ ہر چیز پر محیط ہو اور دوسری سب چیزیں اس کی ربوبیت کے نیچے احاطہ کی گئی ہوں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کے ہاتھ سے نہ نکلی ہو اور اس کی ربوبیّت کا اس پر احاطہ نہ ہو یا اس کے سہارے سے وہ چیز قائم نہ ہو غرض اگر ایسی صورت ہو تب خدائے تعالیٰ کا تعلق تام جو علم تام کے لئے شرط ہے اپنے معلومات سے ہوگا اسی تعلق تام کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن شریف میں ارشاد فرمایا جیسے وہ فرماتا ہے۔ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[1] یعنی ہم انسان کی جان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ تر نزدیک ہیں ایسا ہی اس نے قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ فرمایا ہے ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی حقیقی حیات اسی کو ہے اور دوسری سب چیزیں اس سے پیدا اور اس کے ساتھ زندہ ہیں یعنی درحقیقت سب جانوں کی جان اور سب طاقتوں کی طاقت وہی ہے لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ وہ قدیم سے الگ کا الگ چلا آتا ہے اور اس کی ربوبیت کا کسی چیز پر احاطہ نہیں اور کوئی چیز اس سے ظہور پذیر نہیں ہوئی تو اس صورت میں علم کائنات

[1] قٓ: ۱۷

﴿۱۷۷﴾ ؔکے موافق ہے کہ ہریک پاک دل آدمی بلاتردّد اس کے شہادت اپنے دل میں پاتا ہے اور خود ہندو لوگ بھی ہرگز پسند نہیں کرتے کہ ان کا پرمیشر ایسے نقصانوں میں مبتلا ہو مجھے یاد ہے کہ ہوشیارپور کے بحث میں جب میں نے لوگوں کو سنایا کہ آریہ سماج والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے سے عاجز ہے تو کئی معزز ہندو جو میرے پاس بیٹھے تھے وہ یہ سن کر توبہ توبہ کرنے لگ گئے کہ یہ کیسا خراب

بقیہ حاشیہ

﴿۱۷۷﴾ تؔو اسے کیا ہوگا بلکہ محدود چیزوں میں سے وہ بھی ایک چیز ہوگی جس کا کوئی اور محدد تلاش کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو چیز غیر مخلوق فرض کی جائے اس کی نسبت یہ تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو اس چیز کا علم تام جو اس سے الگ اور غیر مخلوق اور قدیم ہے کسی طور سے نہیں ہوسکتا اور با ایں ہمہ اس چیز کے نفس وجود پر نظر ڈالنے سے اس قدر بھی لازم نہیں آتا کہ خواہ نخواہ کسی درجہ کا ناقص علم بھی اس کے بارہ میں خدائے تعالیٰ کو حاصل ہو اور کوئی دلیل اس بات پر قائم نہیں ہوسکتی کہ کیوں حاصل ہو ہاں جو چیز ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی ہے وہ ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ کو معلوم ہو اور علم الٰہی سے باہر نہ ہو کیونکہ جو چیز نامعلوم ہے عطائے وجود اس کے لئے ممکن نہیں پس علم ممکنات قبل وجود ممکنات خدائے تعالیٰ کے لئے ہونا ضروری ہے اور اس سے بالضرور ثابت ہے کہ ممکنات باسرہا معلومات الٰہیہ میں داخل ہیں لیکن جس چیز کو ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی تسلیم نہ کیا جائے اور ذات علت العلل کا اس کو معلول اور محاط نہ ٹھہرایا جائے ، اس پر کوئی برہان عقلی قائم نہیں ہوسکتی کہ کیوں وہ علم الٰہی سے باہر نہیں۔ مثلاً اگر روح کو مخلوق اور حادث تسلیم نہ کیا جائے تو اس بات کے

﴿۱۷۸﴾ اعتقاد ہے اور جب لالہ مرلی دھر صاحب اس اعتراض کا جواب لکھنے بیٹھے تو وہ چند ہندو صاحب اٹھ کر چلے گئے کہ ہم ہرگز ایسا بیہودہ جواب جس میں پرمیشر کی نندیا یعنی توہین ہے سننا نہیں چاہتے۔ ایسا ہی ایک صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ امرتسر کے مقام میں کوئی آریہ صاحب کسی جگہ بازار میں بکھیان کے طور پر یہ ذکر کر رہے تھے کہ پرمیشر کا پرمیشر پن صرف جوڑنے جاڑنے تک ختم ہے اور اس سے آگے اسے کچھ طاقت نہیں اس پر کسی دوسرے ہندو نے کچھ بحث کرنا شروع کیا تب وہ لالہ صاحب بات کرتے کرتے گرم ہو کر کہنے لگے کہ ویدوں میں صاف لکھا ہے کہ جیو پرکرتی انادی یعنی روح و مادہ خودبخود قدیم سے چلے آتے ہیں جن کو کسی نے پیدا نہیں کیا یہ بات سنتے ہی اس

﴿۱۷۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک بے تعلق شخص جو فرضی طور پر پرمیشر کے نام سے موسوم ہے روح کی حقیقت سے کچھ اطلاع رکھتا ہے اور اس کا علم اس کی تہ تک پہنچا ہوا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کی نسبت پورا پورا علم رکھتا ہے تو البتہ اس کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور اگر قادر نہیں ہوسکتا تو اس کے علم میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اور اگر پورا علم نہ ہو تو قطع نظر بنانے سے متشابہ چیزوں میں باہم امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سو اگر خدائے تعالیٰ خالق الاشیاء نہیں تو اس میں صرف یہی نقص نہیں ہے کہ اس صورت میں وہ ناقص العلم ٹھہرا بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ کروڑہا روحوں کے امتیاز اور تمیز اور شناخت میں روز بروز دھوکے بھی کھایا کرے اور بسا اوقات زید کی روح کو بکر کی روح سمجھ بیٹھے کیونکہ ادھورے علم کو ایسے دھوکے ضرور لگ جایا کرتے ہیں اور اگر کہو کہ نہیں لگتے تو اس پر کوئی دلیل پیش کرنی چاہیے۔ منہ

ہندو کو بھی جو بمقابل اس آریہ کے بات کر رہا تھا ایسا جوش آ گیا کہ بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا کہ اگر پرمیشر ایسا ہی عاجز ہے تو وہ پھر تیری ایسی تیسی کا پرمیشر ہے چنانچہ اس بات پر ان دونوں میں ہاتھو پائی اور دست بگریباں ہونے کی نوبت پہنچ چلی تھی مگر لوگوں نے درمیان میں ہو کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا پس ان عام نفرتوں سے ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے تعصّبات کو الگ کر کے سوچے تو وہ اس صاف اور بدیہی اور کھلی کھلی سچائی تک نہ پہنچ سکے کہ خدائے تعالیٰ کو اگر اس کی خوبیوں اور قدرتوں سے الگ کیا جائے تو پھر خود اس کو اپنی خدائی سے الگ ہونا پڑتا ہے کیا بجز اس کے کہ خدائے تعالیٰ ہر ایک وجود کا موجد ہے کوئی اور بھی بات چھپی ہوئی ہے جس کے رو سے خدا کو خدا کہا جاتا ہے۔ ﴿۱۷۹﴾

قولہ ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ارواح کے غیر مخلوق اور خود بخود ماننے میں دوسری قباحت یہ ہے کہ ایسا اعتقاد خدائے تعالیٰ کو خدائی سے جواب دے رہا ہے۔ کیونکہ جو لوگ علم نفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر روحوں میں عجائب و غرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً روحوں میں ایک کشفی قوت ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات باذنہٖ تعالیٰ دریافت کر سکتے ہیں اور ایک قوت ان میں عقلی ہے جس سے وہ امور عقلیہ کو معلوم کر لیتے ہیں ایسا ہی ایک قوت محبت بھی ان میں ہے جس سے وہ خدائے تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بلا ایجاد کسی موجد کے مان لیا جائے تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزت ہے گویا یہ کہنا پڑے گا کہ جو عمدہ اور اعلیٰ کام تھے وہ تو خود بخود ہیں اور جو ادنیٰ اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب کام پائے جاتے ہیں وہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ پرمیشر بھی ان سے حیران ہے غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی خدائی

پر بڑا صدمہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا اور نیز اس کے وجود پر بھی کوئی ﴿۱۸۰﴾
عقلی دلیل قائم نہیں ہو سکے گی۔ میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ مرزا صاحب خدا کی خدائی قائم رکھنے کے لئے ان لوگوں کو شاہد مقرر کرتے ہیں جو خواص روح سے واقفیت رکھتے ہوں مگر اسلام میں تو روح کے خواص خدا نے ظاہر ہی نہیں کئے جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں پھر ان کو اس کی کیا خبر ہے۔

اقول ۔ اے لالہ صاحب اگر قرآن شریف نے روح کے خواص بیان نہیں کئے تو پھر کس نے کئے۔ وید تو صرف اتنا ہی بول کر چپ ہوگیا کہ میرے مصنف کا روحوں پر کچھ دعویٰ نہیں اور روح غیر مخلوق اور خود بخود ہونے میں اس سے کچھ کم نہیں ہیں لیکن قرآن شریف کے نازل کرنیوالے نے روحوں کو اپنی ملکیت ٹھہرائی اور ان کی مخلوق اور بندہ ہونے کی نسبت دعویٰ کیا اور پچاس سے زیادہ عقلی دلیلوں کے ساتھ آپ ثابت کیا کہ تمام بنی آدم اور دوسرے حیوانوں کی روحیں مخلوق اور بندہ خدا ہیں اور پھر کھول کر مفصل طور پر سنایا کہ کیا کیا طاقتیں اور استعدادیں اور خاصیتیں ان میں رکھی گئی ہیں۔ یہ قرآن شریف ہی نے نہایت باریک صداقت بیان کی ہے کہ جو کچھ متفرق طور پر عالم علوی و سفلی میں خواص عجیبہ پائے جاتے ہیں وہ سب انسانی روح کے وجود میں جمع ہیں لیکن وید کے رو سے تو روح کچھ چیز ہی نہیں اور اس کے خواص بھی ایسے ناکارہ ہیں کہ جن کا عدم وجود مساوی ہے چنانچہ اس بات کا خود آپ کو اقرار ہے اور آگے چل کر ابھی وہ عبارت ناظرین پڑھ لیں گے۔ اب فرمایئے کہ جس حالت میں آپ وید ہی اقرار کرتا ہے کہ ارواح غیر مخلوق ہیں تو پھر وید کے مصنف کو جو اُن سے بالکل بے تعلق ہے ان کی اندرونی حقیقت کیا معلوم ہوگی یہ بات تو ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ بنانے والے کو جیسی اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز کی خبر ہوتی ہے دوسرے کو جو اس کے بنانے والا نہیں اور بالکل بے تعلق ہے ہرگز ایسی خبر نہیں ہوسکتی یہ صداقت نہایت ہی صاف اور روشن ہے اور جب تک کوئی

شخص نرا جاہل اور عقل سے بیگانہ نہ ہوتب تک اس صداقت میں کچھ شک نہیں کرسکتا۔ اس ﴿۱۸۱﴾
جگہ کم سے کم آریہ صاحبوں کو اس قدر اقرار تو ضرور کرنا پڑے گا کہ جس قدر ان کے پرمیشر کو
اپنے ہاتھ کے کام کی جو جوڑنا جاڑنا ہے اندرونی حقیقت معلوم ہے یہ حقیقت روحوں کی
کیفیت وجود کی نسبت جن سے وہ بالکل بے تعلق ہے ہرگز اس کو حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ جو
کام اپنے ہاتھ سے کیا جاتا ہے اس کے جزئیات دقیقہ ہرگز مخفی نہیں رہ سکتے لیکن جو کام اپنے
ہاتھ سے نہ کیا جائے اس کو اگرچہ دوسرے کے ہاتھ سے ہوتے بھی دیکھ لیں تب بھی اس کا
کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن وید کے مصنف کو روحوں کی حقیقت اور ان کے خواص کیونکر معلوم
ہوسکیں اس نے نہ تو آپ کوئی روح بنائی اور نہ کسی اور کاریگر کو بناتے دیکھا پس ہندوؤں
کے پرمیشر کا یہ اقرار کہ میں روح بنانے پر قادر نہیں صاف اس دوسرے اقرار پر بھی مشتمل
ہے کہ روحوں کی اندرونی حقیقت بھی مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ
کسی چیز کی نسبت علم کامل اور وسیع اس چیز کے بنانے پر قادر ہونے کا موجب ہے یعنے
جب کسی چیز کی حقیقت پر علم اکمل واتم حاصل ہوجائے اور جن امور سے ایک چیز کا وجود
ظہور پذیر ہے ان امور مخفیہ پر اطلاع کلی ہوجائے تو ساتھ ہی اس چیز کے بنانے پر بھی
قدرت حاصل ہوتی ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں روحوں کی مخلوقیت پر
منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل بھی پیش کی ہے اور یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ کسی
چیز کے بنانے سے عاجز ہونا ہمیشہ بوجہ نقصان علم ہوا کرتا ہے جب تم ایک چیز کی نسبت
پورا پورا علم حاصل کرلو گے اور اس کی کنہہ تک پہنچ جاؤ گے اور کوئی حجاب درمیان باقی
نہیں رہے گا تو فی الفور تم اس کے بنانے پر قادر ہو جاؤ گے اور اگر وہ اسباب تمہیں میسر
آجائیں گے جو بنانے کے لئے ضروری ہیں تو بلاشبہ وہ چیز تم اپنے ہاتھ سے بنا سکو گے
ہاں جب تک تمہارے علم میں کچھ نقصان ہے اور ہنوز ایسے امور بھی باقی ہیں جو تمہاری

نظر سے چھپے ہوئے ہیں تب تک تم اس چیز کے بنانے پر قادر نہیں ہو سکتے سو ہندوؤں کا ﴿۱۸۲﴾ پرمیشر جو روحوں کو بنا نہیں سکتا تو اس عجز اور ناتوانی کی درحقیقت یہی وجہ ہے کہ وہ علم کیفیّت ارواح اور ان کے خواص سے بالکل بے بہرہ ہے۔☆ سو جبکہ ہندوؤں کا پرمیشر علم روح سے آپ ہی بے بہرہ ہے تو پھر وہ دوسروں کو روح کا علم کیا سکھائے گا۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پس اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ الزام عدم علم روح جو محض عناد کی راہ سے ماسٹر صاحب اسلام پر اور قرآن شریف پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں وہ درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر اور اس کے وید پر عائد حال ہوتا ہے بلکہ خود وید نے ضمنی طور پر اس الزام کو اپنے مصنّف کے ذمّہ مان لیا ہے۔ کیونکہ وید میں صاف اس بات کا اقرار پایا جاتا ہے کہ اس کا فرضی پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے سے بکلّی عاجز اور مجبور ہے پس جبکہ خود وید کے اقرار سے روح غیر مخلوق ہوئی

☆ **حاشیہ** شاید کسی دل کو اس جگہ یہ وسوسہ پکڑے کہ اگر کسی شے پر پورا پورا علمی احاطہ ہونے سے وہ شے مخلوق ہو جاتی ہے تو علم حق سبحانہ تعالیٰ جو اپنی ذات سے متعلق ہے وہ بھی بہرحال کامل ہے تو کیا خدائے تعالیٰ اپنی ذات کا آپ خالق ہے یا اپنی مثل بنانے پر قادر ہے اس میں اعتراض کے پہلے ٹکڑے کا تو یہ جواب ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اپنے وجود کا آپ خالق ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ اپنے وجود سے پہلے موجود ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی شے اپنے وجود سے پہلے موجود نہیں ہو سکتی ورنہ **تقدّم الشیء علٰی نفسہٖ** لازم آتا ہے بلکہ خدائے تعالیٰ جو اپنی ذات کا علم کامل رکھتا ہے تو اس جگہ عالم اور علم اور معلوم ایک ہی شے ہے جس میں علیحدگی اور دوئی کی گنجائش نہیں تو پھر اس جگہ وہ الگ چیز کون سی ہے جس کو مخلوق ٹھہرایا جائے سو ذاتی علم خدائے تعالیٰ کا جو اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے

﴿۱۸۳﴾ اور پرمیشر کی ان میں کسی نوع سے مداخلت نہ ہوئی اور روحوں کے پیدا کرنے سے پرمیشر قطعاً عاجز ہوا تو اسی سے دانشمند سمجھ سکتا ہے کہ جس کو روحوں کے پیدا کرنے کا علم یاد نہیں اس کو روحوں کی نسبت اور دوسرا علم کیا یاد ہوگا۔ ایک چیز کا پیدا کر لینا اور اس چیز کی حقیقت کامل طور پر جان لینا درحقیقت لازم ملزوم پڑا ہوا ہے بلکہ اگر زیادہ تر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انتہائی درجہ کا کامل علم اور پیدا کر لینا درحقیقت ایک ہی بات ہے۔ اس صداقت سے شائد وہ ابلہ مزاج انکار کرے جو ایک ناقص علم کو کامل سمجھ بیٹھے لیکن ایک دانا جس کا خیال اس باریک دقیقہ تک پہنچ جائے کہ کامل علم کسے کہتے ہیں اور کس حالت میں کسی علم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ کامل ہے وہ ضرور انشراحِ قلب سے یقین کرلے گا کہ ضرور علم تام اور عمل میں تلازم بلکہ اتحاد واقعہ ہے غرض یہ بات ہندوؤں کے پرمیشر کے لئے بالکل غیر ممکن ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ مجھے کامل طور پر علم روح

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۳﴾ دوسری چیزوں پر اس کا قیاس نہیں کر سکتے۔ غرض علم ذاتی باری تعالیٰ میں جو اس کی ذات سے متعلق ہے عالم اپنے معلوم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے تا ایک خالق اور ایک مخلوق قرار دیا جاوے ہاں اس کے وجود میں بجائے مخلوق کہنے کے یہ کہنا چاہیے کہ وہ وجود کسی دوسرے کی طرف سے مخلوق نہیں بلکہ ازلی ابدی طور پر اپنی طرف سے آپ ہی ظہور پذیر ہے اور خدا ہونے کے بھی یہی معنے ہیں کہ خود آئندہ ہے۔ دوسرا ٹکڑا اعتراض کا کہ تقریر مذکورہ بالا سے خدائے تعالیٰ کا اپنی مثل بنانے پر قادر ہونا لازم آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی صرف ان چیزوں کی طرف رجوع کرتی ہے جو اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کی منافی اور مخالف نہ ہوں بے شک یہ بات توصیح اور ہر طرح سے مدلل اور معقول ہے کہ جس چیز کا علم خدائے تعالیٰ کو کامل ہو اس چیز کو اگر چاہے تو پیدا

﴿۱۸۴﴾ حاصل ہے اور یا کامل طور پر روح کے خواص کی مجھے خبر ہے بلکہ یہ دعویٰ تو سراسر قرآن شریف کے اتارنے والے کو (جو ربّ العٰلمین ہے) پہنچتا ہے اور اسی کو زیبا ہے کیونکہ وہ خالق ارواح ہے اور اس کو اپنے پیدا کردہ کی اندرونی حقیقت بخوبی معلوم ہے۔ جس نے پیدا کیا وہی جانے۔ دوسرا کیونکر اس کو پہچانے۔ غیر کو غیر کی خبر کیا ہو۔ نظر دور کارگر کیا ہو۔ چونکہ درحقیقت وہ روحوں کا خالق ہے اس لئے اس نے اپنے علم ذاتی اور تعلق خالقیت کی وجہ سے روحوں کی حقیقت اور ان کے خواص اس قدر بیان کئے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں کہ اس بارہ میں اس کا مقابلہ کر سکے اور وید تو خود کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ناظرین انصافاً شہادت دے سکتے ہیں کہ آیا روحوں کے علم سے بے خبر ہونا کس کے مناسب حال ہے کیا فی الحقیقت جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں ایسے پرمیشر کے مناسب حال ہے جس نے آپ اقرار کر دیا ہے کہ میں روحوں کے بنانے سے عاجز

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۴﴾ بھی کر سکتا ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح اور ضروری نہیں ہے کہ جن باتوں کے کرنے پر وہ قادر ہو ان سب باتوں کو بلا لحاظ اپنی صفات کمالیہ کے کر کے بھی دکھاوے بلکہ وہ اپنی ہر ایک قدرت کے اجرا اور نفاذ میں اپنی صفات کمالیہ کا ضرور لحاظ رکھتا ہے کہ آیا وہ امر جس کو وہ اپنی قدرت سے کرنا چاہتا ہے اس کی صفات کاملہ سے منافی ومبائن تو نہیں مثلاً وہ قادر ہے کہ ایک بڑے پرہیزگار صالح کو دوزخ کی آگ میں جلاوے لیکن اس کے رحم اور عدل اور مجازات کی صفت اس بات کی منافی پڑی ہوئی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اس لئے وہ ایسا کام کبھی نہیں کرتا۔ ایسا ہی اس کی قدرت اس طرف میں رجوع نہیں کرتی کہ وہ اپنے تئیں ہلاک کرے۔ کیونکہ یہ فعل اس کی صفت حیات ازلی ابدی کی منافی ہے۔ پس اسی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے جیسا خدا

﴿۱۸۵﴾ اور ان کے طریق پیدا کرنے سے محض بے خبر ہوں یا اس قادر مطلق ربّ العٰلمین کے مناسب حال ہوسکتا ہے جو ذرّہ ذرّہ کے پیدا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر یک روح کا وجود اور ہر یک جان کی ہستی اپنی قدرتِ کاملہ کا نقش قرار دیتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ سب دانشمند یہی شہادت دیں گے کہ جس کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں اس کو غیر مخلوق چیزوں کی اندرونی حقیقت کا بھی کچھ علم نہیں بلکہ یہ علم کامل اور تام طور پر اسی کامل القدرت کو حاصل ہے جس کو روحوں کے پیدا کرنے کی طاقت و قدرت ہے پس اس بیان سے تو ہندوؤں کے پرمیشر اور ان کے وید کی ساری حقیقت کھل گئی اور جو کچھ وید کے مصنّف کی نسبت آریہ لوگ علم روح کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھانڈا بیک بارگی پھوٹ گیا۔ اب بھی اگر ماسٹر صاحب کو وید کے زیادہ تر پردہ ظاہر کرانے کا شوق ہے اور نہیں چاہتے کہ اس کے عیوب عام لوگوں سے چھپے رہیں تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہی طریق عمدہ ہے کہ اس نہایت دقیق اور لطیف بحث کے بارہ میں الگ الگ رسالے لکھے جائیں یعنی میں الگ ایک رسالہ مستقلہ علم روح کے بارہ میں لکھوں اور ماسٹر صاحب الگ لکھیں اور ہم دونوں فریق جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اپنی اپنی الہامی کتابوں کی ہر یک دلیل اور دعویٰ کے بیان کرنے میں پابند رہیں اور میں قسمیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ماسٹر صاحب کی تحریک پر **رسالة الروح** لکھنے کو طیار اور مستعد ہوں مگر انہیں

بقیہ حاشیہ

﴿۱۸۵﴾ بھی نہیں بناتا کیونکہ اس کی صفت احدیت اور بے مثل اور مانند ہونے کی جو ازلی ابدی طور پر اس میں پائی جاتی ہے اس طرف توجہ کرنے سے اس کو روکتی ہے۔ پس ذرّہ آنکھ کھول کر سمجھ لینا چاہیے کہ ایک کام کے کرنے سے عاجز ہونا اور بات ہے لیکن باوجود قدرت کے بلحاظ صفات کمالیہ امر منافی صفات کی طرف توجہ نہ کرنا یہ اور بات ہے۔ ہاں اس طرح پر وہ

﴿۱۸۶﴾ شرائط سے جو اس رسالہ میں اندراج پا چکی ہیں ماسٹر صاحب برا نہ مانیں میں سچ سچ کہتا ہوں بالکل سچ جس میں ذرا مبالغہ کی آمیزش نہیں کہ قرآن شریف نے جس قدر خوبی اور عمدگی اور صفائی اور سچائی سے روحوں کے خواص اور ان کی قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں اور ان کے دیگر کوائف عجیبہ بیان کئے ہیں اور پھر ان سب بیانات کا ثبوت دیا ہے وہ ایسا عالی اور باریک اور پُرحکمت بیان ہے اور ایسے کامل درجہ کی وہ صداقتیں ہیں کہ اگر وید کے چاروں رشی دوبارہ جنم لے کر بھی دنیا میں آویں اور جہاں تک ممکن ہو خوض اور فکر سے زور لگاویں تب بھی یہ مقام وسعتِ علمی اور یہ معارف عالیہ انہیں میسر نہیں آ سکتے اگرچہ فکر کرتے کرتے مر ہی جاویں۔ غصہ منانے کی کیا بات ہے اور ناراض ہونے کا کونسا محل۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ آؤ وید اور قرآن کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ ان دونوں کتابوں کی طاقت علمی آزمالیں۔ دیکھو ہم محض سچائی کی راہ سے دونوں فریق میں سے اس فریق پر لعنت کرتے ہیں کہ جو اب حق پوشی کی راہ سے اس بحث سے گریز کر جائے اور اِدھر اُدھر کے بہانوں سے یا بے جا عذروں سے بات کو ٹال دے۔ مگر یاد رہے کہ اس بحث میں کسی دلیل یا دعویٰ میں وید کی شرتی سے باہر نہ جانا ہوگا۔ جیسا کہ ہم بھی آیات قرآن شریف سے باہر نہ جائیں گے اور یہ بھی آپ پر لازم ہوگا کہ ہر یک شرتی ٹھیک ٹھیک سنسکرت کی زبان میں مگر فارسی خط میں معہ اسکے لفظی

﴿۱۸۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

اپنی ذات بے مثل و مانند کا نمونہ پیدا کرتا ہے کہ اپنی ذاتی خوبیاں جن پر اس کا علم محیط ہے عکسی طور پر بعض اپنی مخلوقات میں رکھ دیتا ہے اور کمالات کا انتہائی درجہ جو حقیقی طور پر اس کو حاصل ہے ظلّی طور پر اس مخلوق کو بھی بخش دیتا ہے جیسا کہ اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ بھی ہے وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[1] اس جگہ صاحب درجات رفیعہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں

[1] البقرة : ۲۵۴

﴿۱۸۷﴾ ترجمہ و پتہ ونشان کے تحریر کریں اور انہیں باتوں کا التزام آیات قرآنی کے بیان کرنے میں ہم پر بھی واجب ہوگا۔

قولہ۔ایک دوخواص مرزا صاحب نے روحوں کے لکھے ہیں مثلاً پوشیدہ باتوں کے دریافت کرنے کی طاقت پیدا کرلینا جس کا مرزا صاحب خود بھی دعویٰ کرتے ہیں اور آج تک کوئی نہیں دکھلایا۔

اقول۔ یہ برکات مکاشفات ومکالمہ ومخاطبہ الٰہی وغیرہ خوارق صراط مستقیم پر چلنے سے بے شک خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرمانبردار روحوں کو اصفٰی واجلیٰ طور پر عطا کی جاتی ہیں اور جو کچھ راقم رسالہ ھٰذا پر پیشگوئیاں منجانب اللہ ظاہر ہوئی ہیں ان میں سے قریب ستر پیشگوئیوں کے گواہ تو خود آریہ سماج والے ہیں جو آپ کے بھائی بند قادیان میں رہتے ہیں بلکہ آپ بھی تو انہیں میں داخل ہیں **دلیپ سنگھ** کے ابتلا کا حال جو آپ نے پیش از وقوع اشتہار ۲۰رفروری ۱۸۸۶ء میں پڑھ لیا تھا اور پھر میری زبانی بھی ایک مجمع عام میں جس میں کئی ہندو صاحب آپ کے رفیق بھی شامل تھے سن لیا تھا۔ یہ تازہ ماجرا امید نہیں کہ اس قدر جلد تر عرصہ میں آپ کو بھول گیا ہو اب آپ ذرا بیدار ہو کر دیکھیں کہ یہ پیشگوئی کیسی ہو بہو پوری ہوگئی اور دلیپ سنگھ کو قصد سفر پنجاب میں کیا کچھ غم وغصہ و تلخی ورنج اٹھانا پڑا اور کیسے وہ ناکامی سے خفیف کرکے واپس لٹایا گیا۔ کیا آپ حلف

﴿۱۸۷﴾ **بقیہ حاشیہ**

جن کو ظلّی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات جو کمالات الوہیت کے اظلال وآثار ہیں بخشے گئے اور وہ خلافت حقہ جس کے وجود کامل کے تحقق کے لئے سلسلہ بنی آدم کا قیام بلکہ ایجاد کل کائنات کا ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے اپنے مرتبہ اتم واکمل میں ظہور پذیر ہو کر آئینہ خدانما ہوئے۔ یہ بحث معارف الٰہیہ میں سے نہایت باریک بحث ہے اور ہمارے مخالفین جو اِن

﴿۱۸۸﴾ اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پیش از وقوع دلیپ سنگھ کے ابتلا کی خبر نہیں دی گئی۔ کیا آپ قسم کھا کر بیان کر سکتے ہیں کہ آپ کو جلسہ عام میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ فقرہ اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء جس میں لکھا ہے کہ ایک امیر نو وارد پنجابی الاصل کی نسبت متوحش خبریں اس سے مراد دلیپ سنگھ ہے ایسا ہی یہ خبر جا بجا صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو جو پانچ سو سے کسی قدر زیادہ ہی ہوں گے کئی شہروں میں پیش از وقوع بتلائی گئی تھی اور اشتہارات ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء بھی دور دور ملکوں تک تقسیم کئے گئے تھے پھر آخرکار جیسا کہ پیش از وقوع بیان کیا گیا اور لکھا گیا تھا وہ سب باتیں دلیپ سنگھ کی نسبت پوری ہوگئیں اور یہ پیش گوئی ایسے وقت میں یعنی ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء میں لکھی گئی اور شہرت دی گئی کہ جب دلیپ سنگھ کی پنجاب میں بالضرور آ جانے کی ایک دھوم مچی ہوئی تھی اور بعض دوست اور بھائی بند اس کی اسی خیالی خوشی میں پیشوائی کے لئے بمبئی تک بھی جا پہنچے تھے۔ سو یہ پیشگوئی کروڑہا شخصوں کے خیالات کے مخالف اور حالات موجودہ کے برعکس کی گئی اور سب نے دیکھ لیا کہ کیسی ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئی۔ اب فرمایئے آپ کا یہ کہنا کہ آج تک کوئی پیشگوئی ہم نے نہیں دیکھی جھوٹ ہے یا نہیں۔ اسی طرح صاحب اخبار عام لاہور کی خدمت میں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنے پرچہ ۲۱؍جولائی ۱۸۸۶ء میں اس پیشگوئی کے انکار میں لکھا ہے اس کے پڑھنے سے ہمیں ان کے تعصب اور نافہمی پر بہت ہی افسوس آتا ہے وہ

﴿۱۸۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

نازک نکات عرفانی سے بیگانہ اور اس کو چہ اسرارِ الوہیت سے ناآشنا محض ہیں وہ تعجب کریں گے کہ کیونکر کروڑہا اور بے شمار مخلوقات میں سے صرف ایک ہی شخص کو مرتبہ کاملہ خلافت تامہ حقہ کا جو ظل مرتبہ الوہیت ہے حاصل ہوسکتا ہے سو اگرچہ اس بحث کے طول دینے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن تاہم اس قدر بیان کر دینا طالب حق کے سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ عادت اللہ یا

فرماتے ہیں کہ ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء سے بہت عرصہ پہلے دلیپ سنگھ صاحب کا عزم ﴿۱۸۹﴾
ہندوستان کے خاص و عام میں مشہور ہو چکا تھا مگر افسوس کہ انہوں نے نہیں سمجھا کہ اس مشہوری سے پیشگوئی کے مضمون کو کیا تعلق ہے بلکہ پیش گوئی کا مضمون تو صرف اس بات سے مخصوص ہے کہ دلیپ سنگھ صاحب کو قصد پنجاب میں نا کامی ہے اور ان کی عزت یا جان یا آسائش پر اس سفر میں صدمہ پہنچے گا۔ اب منصفین خیال کریں کہ اخبار عام لاہور کی یہ نکتہ چینی پیشگوئی پر کیا اثر پہنچا سکتی ہے اور ان کا انصاف اور فہم جو منصب اخبار نویسی کے لئے ایک ضروری شرط ہے کس درجہ کا ہے افسوس کہ بہت لوگ حسد اور عناد کے اشتعال میں پڑ کر حقیقت حال کو نہیں سوچتے جیسا کہ انہیں پیشگوئیوں کے متعلق ایک صاحب پنڈت لیکھرام نے ناحق اپنا اندرونی بخل اور ناانصافی اور ہٹ دھرمی ظاہر کرنے کے لئے جابجا اشتہارات شائع کئے اور اس جانب پر یہ الزام رکھا کہ گویا ہم نے کسی اشتہار میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ لڑکا موصوف بصفات جس کا اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء میں ذکر ہے ضرور حمل موجودہ میں ہی پیدا ہو جائے گا ہرگز اس سے تخلف نہیں کرے گا وہ ظہور میں نہیں آئی حالانکہ ایسا اور ان شرائط سے کوئی اشتہار اس طرف سے شائع نہیں ہوا اور اگر ہے تو کیوں پیش نہیں کیا۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ آنکھوں کی نابینائی کچھ ضرر نہیں کر سکتی بلکہ دلوں کی نابینائی جو تعصب کے بخارات سے پیدا ہوتی ہے وہی ضرر کرتی ہے یہ شخص

﴿۱۸۹﴾ **بقیہ حاشیہ**

تم یوں ہی سمجھ لو کہ اس کا قانون قدرت جو اس کی صفت وحدت کے مناسب حال ہے یہی ہے کہ وہ بوجہ واحد ہونے کے اپنے افعال خالقیت میں رعایت وحدت کو دوست رکھتا ہے۔ جو کچھ اس نے پیدا کیا ہے اگر ہم اس سب کی طرف نظر غور سے دیکھیں تو اس ساری مخلوقات کو جو اس دست قدرت سے صادر ہوئی ہے ایک ایسے سلسلہ وحدانی اور باترتیب رشتہ میں منسلک پائیں گے

﴿۱۹۰﴾ جسؔ کا نام ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس نے چالیس دن تک بھی ہماری آزمائش کے لئے ہماری صحبت میں رہنا منظور نہیں کیا حالانکہ ان پنڈت صاحب کو تنخواہ دینا بھی قبول کیا گیا تھا۔ ان صاحبوں کو بجز دشنام دہی اور بدزبانی اور آلائش کی باتوں کے جوان کے اندر بھری ہوئی ہیں اور کوئی حرف صلاحیت و معقولیت یاد نہیں۔ اگر اب بھی یہ صاحب چالیس دن تک ہمارے پاس رہنا منظور کریں اور ہم الہامی پیشگوئیوں میں جھوٹے نکلیں تو جو ذلیل تر سزا تجویز کی جائے اسی کی ہم لائق ہیں ورنہ چوٹی کٹانا اور مسلمان ہونا ان پر واجب ہوگا۔ ماسوا اس کے جو کچھ ہمارا دعویٰ پیشگوئیوں کی نسبت ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک دو پیش گوئیوں سے اس کا ثبوت دیا جاتا ہے بلکہ اس دعویٰ کے اثبات کے بارے میں عنقریب رسالہ **سراج منیر** بفضل خداوند قدیر چھپ کر شائع ہونے والا ہے اور وہ تمام رسالہ الہامی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے تب سب لوگ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ ہمارے مخالفین ہماری نسبت طرح طرح کی رائیں لگاتے ہیں ان کی کیا اصلیت وحقیقت ہے۔ ہم اس رسالہ میں **مرزا امام الدین** جو ہماری برادری میں سے ہے اور دین اسلام سے مرتد ہے اور اب آریہ سماج میں داخل ہوگیا ہے اس کی نسبت بھی کئی پیشگوئیاں لکھیں گے۔ ہم پر آج بھی جو تیسری اگست ۱۸۸۶ء ہے منجانب اللہ اس کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اُس کی بے راہیوں

﴿۱۹۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

کہؔ گویا وہ ایک خط مستقیم ممتد محدود ہے جس کی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے اس طرح پر

طرف ارتفاع
|
طرف انخفاض

اس قدر بیان میں تو ایک موٹی سمجھ کا آدمی بھی میرے ساتھ اتفاق رائے کرسکتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور دائرۂ انسانیت میں بہت سی متفاوت اور کم و بیش استعدادیں پائی جاتی ہیں کہ اگر کمی بیشی

﴿۱۹۱﴾ کا وبال جلد تر اسے درپیش ہے اور اگر یہ معمولی رنجوں میں سے کوئی رنج ہو تو اس کو پیشگوئی کا مصداق مت سمجھو لیکن اگر ایسا رنج پیش آیا جو کسی کے خیال گمان میں نہیں تھا تو پھر سمجھنا چاہیے کہ یہ مصداق پیشگوئی ہے لیکن اگر وہ باز آنے والا ہے تو پھر بھی انجام بخیر ہوگا یا تنبیہ کے بعد راحت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ دعویٰ ہمارا بالکل صحیح اور نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے سے طالب صادق الہام الٰہی پا سکتا ہے کیونکہ اول تو اس پر تجربہ ذاتی شاہد ہے ماسوائے اس کے ہر یک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی معرفت الٰہی کا اعلیٰ رتبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے ربّ کریم جل شانہٗ سے ہم کلام ہو جائے۔ یہی درجہ ہے جس سے روحیں تسلی پاتی ہیں اور سب شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں اور اسی درجہ صافیہ پر پہنچ کر انسان اس دقیقہٗ معرفت کو پالیتا ہے جس کی تحصیل کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اور دراصل نجات کی کنجی اور ہستی موہوم کا عقدہ کشا یہی درجہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ خالق حقیقی کو اپنی مخلوق ضعیف سے کس قدر قرب واقعہ ہے۔ اس درجہ تک پہنچنے کی خبر ہمیں اسی نور نے دی ہے۔ جس کا نام قرآن ہے وہ نور صاف عام طور پر بشارت دیتا ہے کہ الہام کا چشمہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی مشرق کا رہنے والا یا مغرب کا باشندہ دلی صفائی سے خدائے تعالیٰ کو ڈھونڈھے گا اور اس سے پوری پوری صلح کر لے گا

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۱﴾ کے لحاظ سے ان کو ایک باترتیب سلسلہ میں مرتب کریں تو بلا شبہ اس سے ایک اسی خط مستقیم ممتد محدود کی صورت نکل آئے گی جو اوپر ثبت کیا گیا ہے۔ طرف ارتفاع کے اخیر نکتہ پر اس استعداد کا انسان ہوگا جو اپنی استعداد انسانی میں سب نوع انسان سے بڑھ کر ہے اور طرف انخفاض میں وہ ناقص الاستعداد روح ہوگی جو اپنے غایت درجہ کے نقصان کی وجہ سے حیوانات لایعقل کے

﴿۱۹۲﴾ اور درمیان کے حجاب اٹھائے گا تو ضرور اسے پائے گا اور جب واقعی اور سچے اور کامل طور پر پائے گا تو ضرور خدا اس سے ہم کلام ہوگا مگر ویدوں نے انسان کے اس درجہ تک پہنچنے سے انکار کیا ہے اور صرف چار رشیوں تک جو ویدوں کے مصنف ہیں (بقول آریہ سماج والوں کے) اس درجہ کو محدود رکھا ہے یہ ویدوں کی ایسی ہی غلطی ہے جیسے اور بڑی بڑی غلطیوں سے وہ پُر ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ سب بنی آدم متحد الفطرت ہیں اور جو بات ایک آدمی کے لئے ممکن ہے وہ سب کے لئے ممکن ہے اور جو قرب و معرفت ایک فرد بشر کے لئے جائز ہے وہ سب کے لئے جائز ہے کیونکہ وہ سب اصل طینت میں ایک ہی جوہر سے ہیں ہاں کمالات میں کمی بیشی ہے مگر جنس کمالات میں سرے سے جواب تو نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ اس میں تحصیل کمالات انسانی کی ایک ذرّہ بھی استعداد نہ ہو تو وہ خود انسان ہی نہیں ہوسکتا۔ غرض تھوڑے بہت کا تو انسانی استعدادوں میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر انسان ہو کر یکلخت فقدان استعداد نہیں ہوسکتا۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ ہندوؤں کے ایشر کو ویدوں کے اتارنے سے مقصد اور علت غائی کیا ہے اگر یہ مقصد ہے کہ تا لوگ ویدوں کو پڑھ کر اور ان کے ٹھیک ٹھیک پابند ہو کر اپنے کمال مطلوب تک پہنچ جائیں تو پھر اس کمال تک پہنچنے کا راہ کیوں آپ ہی بند کرتا ہے۔ اگر اُن رشیوں کا وجود جن پر وید نازل ہوئے تھے بطور نمونہ کے نہیں تھا کہ تا لوگ اُسی نمونہ

﴿۱۹۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

قریب قریب ہے اور اگر سلسلہ جمادی کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں تو اس قاعدہ کو اور بھی اس سے تائید پہنچتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے چھوٹے سے چھوٹے جسم سے جو ایک ذرّہ ہے لے کر ایک بڑے سے بڑے جسم تک جو آفتاب ہے اپنی صفت خالقیت کو تمام کیا ہے اور بلاشبہ خدائے تعالیٰ نے اس جمادی سلسلہ میں آفتاب کو ایک ایسا عظیم الشان اور نافع اور ذی برکت وجود

کےؔ موافق ویدوں پر چلنے سے اپنے وجودوں کو بنالیں تو ایسے رشیوں کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہ بات ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کتابیں اور خدائے تعالیٰ کے نبی اسی غرض اور مدعا سے آیا کرتے ہیں کہ تا وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نمونہ کی طرح ہو کر ان کو یہ ترغیب و تحریک دیں کہ جو شخص ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے طریق میں محو ہو جائے وہ آخر انہیں کا روپ ہو جائے گا اور انہیں کے رنگ میں آ جائے گا لیکن اگر ہندوؤں کے پرمیشر نے ایسا ارادہ ہی نہیں کیا کہ ان چار رشیوں کے رنگ سے جو نمونہ کے طور پر بھیجے گئے تھے کوئی طالب حق رنگین ہو جائے تو پھر یہ کام ان کے پرمیشر کا سراسر بیہودہ اور فضول ہوگا۔ اس جگہ اس سوال کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر نے ویدوں کو تکمیل نفوس ناقصہ کے لئے بھیجا تھا تو ویدوں نے نازل ہو کر کس قدر خلقت کو کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے کیونکہ اس بارے میں ہندو لوگ آپ ہی قائل ہیں کہ کسی شخص کو ویدوں نے مرتبہ کمال تک نہیں پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ کیفیت و حقیقت کمال کی ہندوؤں کے پرمیشر کے نزدیک بھی وہی ہے جس کا نمونہ اس نے ویدوں کے رشیوں میں قائم کیا تھا اور وہ یہی ہے کہ بزعم آریہ لوگوں کے ان رشیوں کو الہام الٰہی سے سرفراز فرمایا گیا اب جب کہ کمال معرفت کی حقیقت یہ ٹھہری اور دوسری طرف ان کے پرمیشر نے یہ بھی صاف صاف سنا دیا کہ کوئی شخص ابدالاباد تک بجز چار رشیوں کے ﴿۱۹۳﴾

بقیہ حاشیہ

پیداؔ کیا ہے کہ طرف ارتفاع میں اس کے برابر کوئی دوسرا ایسا وجود نہیں ہے سو اس سلسلہ کے ارتفاع اور انخفاض پر نظر ڈال کر جو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے روحانی سلسلہ جو اسی ہاتھ سے نکلا ہے اور اسی عادت اللہ سے ظہور پذیر ہوا ہے خود بلا تامل سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بھی بلا تفاوت اسی طرح واقعہ ہے اور یہی ارتفاع اور انخفاض اس میں بھی موجود ہے ﴿۱۹۳﴾

﴿۱۹۴﴾ الہام نہیں پاسکتا تو یہ عجیب اوباشانہ کارروائی ہے بھلا اگر کوئی ان چار رشیوں کی پیروی سے ان کا رنگ وبوئے حاصل نہیں کرسکتا تو پھر ایک عقلمند ویدوں کے ماننے اوران پر عمل کرنے میں کیوں ناحق کی ٹکریں مارے یہ کس قسم کی رندانہ حرکت ہے جو ہندوؤں کے پرمیشر سے ظہور میں آئی کہ اول چار رشیوں کونمونہ کے طور پر بھیجا تا لوگ اس نمونہ کے موافق چل کر ان رشیوں کے ہمرنگ ہوجائیں اور وہی نعمت حاصل کرلیں جو ان کو دی گئی تھی اور پھر دوسری طرف یہ بھی سنادیا کہ یہ بات ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص ان رشیوں کے رنگ میں آکر الہام پانے کا لائق ٹھہر جائے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر وید کمال مطلوب تک کسی کو نہیں پہنچا سکتے تو پھر ان کا بھیجا جانا بالکل عبث اور بیہودہ ہوا اور بجز اس بداثر کے کہ کروڑہا آدمیوں کو ان کی پُرشرک تعلیم نے مشرک بنادیا اور کون سا نیک ثمرہ ہے جو ان کے آنے سے مترتب ہوا اور وہ چار آدمی جن پر آریوں کے خیال میں وید نازل ہوئے وہ بھی درحقیقت ویدوں کے ممنون احسان نہیں ہوسکتے بلکہ وہ بقول آریہ لوگوں کے کسی پہلے جنم کے اعمال کے باعث الہام پانے کے لائق ٹھہر گئے تھے۔

قولہ ۔ رہا باقی دوسری صفات کا ذکر بے شک وہ جیو میں بیج کی طرح موجود ہیں جو بغیر خدائے تعالیٰ کی کاریگریوں کے (جن کا مرزا صاحب جوڑنا جاڑنا نام رکھتے ہیں)

﴿۱۹۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

کیونکہ خدائے تعالیٰ کے کام یک رنگ اور یکساں ہیں اس لئے کہ وہ واحد ہے اور اپنے اصدار افعال میں وحدت کو دوست رکھتا ہے پریشانی اور اختلاف اس کے کاموں میں راہ نہیں پاسکتا اور خود یہ کیا ہی پیارا اور موزوں طریق معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کام باقاعدہ اور ایک ترتیب سے مرتب اور ایک سلک میں منسلک ہوں۔

﴿۱۹۵﴾ بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اقـــــول ۔ میں کہتا ہوں کہ جو خاصیتیں اور قوتیں باقرار ماسٹر صاحب روحوں میں ضرور موجود ہیں گو بزعم ان کے بیج کی طرح ہی سہی مگر وہ موجود ہو کر معدوم کے برابر کیوں ہیں اس کی وجہ بھی تو کوئی بیان کی ہوتی کیا وہ قوتیں اور خاصیتیں روحوں میں بے فائدہ طور پر ہیں جن کے وجود سے پرمیشر کو جوڑنے جاڑنے کے وقت کچھ مدد نہیں ملی۔ ظاہر ہے کہ پرمیشر کو ان خاصیتوں اور عجیب قوتوں سے جوڑنے جاڑنے کے وقت بڑی بھاری مدد ملی جس نے پرمیشر کا نام رکھ لیا اور اس کا پرمیشر پَن ثابت کر دکھایا اور اگر وہ خاصیتیں روحوں میں نہ ہوتیں تو بتلاؤ کہ پرمیشر کر کیا سکتا تھا کون سی روحانی خاصیت اپنے گھر سے لاتا اور کیونکر ایک بے جان جسم کو ایک زندہ انسان بنا کر دکھلاتا بھلا ننگی نہاتی کیا اور نچوڑتی کیا۔ یہ تو روحوں کا اس پر سراسر احسان ہے جو بنے بنائے اور گھڑے گھڑائے معہ تمام اپنی عجیب خاصیتوں اور قوتوں کے اس کے ہاتھ آ گئے قسمت اچھی تھی مفت کا نام ہو گیا پرمیشر بن بیٹھا ورنہ غور کرنے والی عقلوں پر ظاہر ہے کہ جوڑنا جاڑنا بغیر ان عجیب خواص اور طاقتوں کے جو روحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں کچھ چیز نہیں ہیں بلکہ اگر وہ خواص روحوں اور مادوں میں پائے نہ جاویں تو ممکن ہی نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر سے جوڑنے جاڑنے کا کام بھی انجام پذیر ہو سکے مثلاً اگر جسموں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ایک

﴿۱۹۵﴾ **بقیہ حاشیہ**

اَب جب کہ ہم نے ہر طرح سے ثبوت پا کر بلکہ بہ بداہت دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے اس قانون قدرت کو مان لیا کہ اس کے تمام کام کیا روحانی اور کیا جسمانی پریشان اور مختلف طور پر نہیں ہیں جن میں یوں ہی گڑبڑ پڑا ہو بلکہ ایک حکیمانہ ترتیب سے مرتب اور ایک ایسے باقاعدہ سلسلہ میں بندھے ہوئے ہیں جو ایک ادنیٰ درجہ سے شروع ہو کر انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے اور یہی طریق

﴿۱۹۶﴾ اتصالی قوت نہ پائی جائے جس کو قوت کشش اتصال کہتے ہیں تو ہندوؤں کے پرمیشر کو ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ کم سے کم دو ذرّوں میں بھی پیوند کر کے دکھلاوے اسی طرح جو جوڑنے جاڑنے میں روحانی خواص نمایاں ہوتے ہیں ان میں بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی ہرگز مجال نہیں ہے کہ بغیر حمایت و مدد روحوں اوران کی عجیب خاصیتوں اور صفتوں کے جن کو ماسٹر صاحب ہیچ کی طرح خیال کرتے ہیں کوئی صنعت بنا کر دکھلا سکے۔ یہ بات تو نہایت درجہ پر ظاہر ہے کہ ایسے پرمیشر کی جس نے نہ روحوں اور نہ ان کے خواص کو پیدا کیا اور نہ ذرّاتِ اجسام اوران کی خاصیتوں کو خلعت وجود بخشا صرف جوڑنے جاڑنے میں کچھ بھی ہنگ پھٹکری خرچ نہیں آتی بلکہ خواص پہلے ہی جدا جدا چیزوں میں کچھ پوشیدہ تھے وہ باہم روح اور جسم کے ملنے سے خود بخود نمایاں طور پر نظر آجاتے ہیں کیونکہ ان میں پہلے ہی سے یہ خاصیت چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ باہم ملنے سے خواہ نخواہ ان کا ظہور ہو جاتا ہے جیسے دنیا کی لاکھوں چیزوں میں یہی خاصہ پایا جاتا ہے کہ ان کے باہمی امتزاج اور اختلاط سے ایک عجیب قسم کا خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو الگ الگ ہونے کی حالت میں مخفی و محجوب ہوتا ہے۔ سو یہ بات ہرگز نہیں کہ جو شخص ان دو چیزوں کو باہم ملاتا ہے وہ اپنے گھر سے ایک خاصّہ لا کر ان میں ڈال دیتا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے وہ دونوں چیزیں الگ الگ طور پر وہ خاصہ اپنے اندر رکھتی ہیں جو ان کے اکٹھے ہو جانے

﴿۱۹۶﴾ **بقیہ حاشیہ** وحدت اسے محبوب بھی ہے تو اس قانون قدرت کے ماننے سے ہمیں یہ بھی ماننا پڑا کہ جیسے خدائے تعالیٰ نے جمادی سلسلہ میں ایک ذرّہ سے لے کر اس وجود اعظم تک یعنی آفتاب تک نوبت پہنچائی ہے جو ظاہری کمالات کا جامع ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی جسم جمادی نہیں ایسا ہی روحانی آفتاب بھی کوئی ہوگا جس کا وجود خط مستقیم مثالی میں ارتفاع کے اخیر نقطہ پر واقع ہوا ب

﴿۱۹۷﴾ سے وہ ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً گھی اور شہد اور سوہاگہ میں یہ خاصیت ہے کہ ان تینوں کے ملانے سے یہ خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کشتہ زَر یا نُقرہ وغیرہ کو جو بالکل خاکستر و خاک ہو گیا ہو اس میں رکھ کر بوتہ میں آگ دی جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے یعنی اپنی اصلی صورت سونا چاندی یا جو کچھ ہو قبول کر لیتا ہے پس یہ خاصیت جو ان تینوں جزوں کی ترکیب سے کشتہ کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسی خاصیت ہے کہ خواہ ہندوؤں کا پرمیشر ان تینوں چیزوں کو باہم ملا وے اور خواہ ایک دس برس کا بچہ ان کو باہم مخلوط کرے دونوں کے ہاتھوں سے یہ خاصیت پیدا ہو گی یہ نہیں کہ ضرور پرمیشر کے ہاتھ سے ہی پیدا ہو اور دوسرے کسی شخص کے ہاتھ سے پیدا نہ ہو سکے۔ روحوں میں بہت سے خواص اور عجیب طاقتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں جن کو قرآن شریف نے استیفا سے ذکر کیا ہے مثلاً ان میں چند قوتیں اور استعدادیں یہ ہیں جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

۱۔ علوم اور معارف کی طرف شائق ہونے کی ایک قوت۔

۲۔ علوم کو حاصل کرنے کی ایک قوت۔

بقیہ حاشیہ

﴿۱۹۷﴾ تفتیش اس بات کی کہ وہ انسان کامل جس کو روحانی آفتاب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے یہ ایسا کام نہیں ہے جس کا تصفیہ مجرد عقل سے ہو سکے کیونکہ بجز خدائے تعالیٰ کے یہ امتیاز کس کو حاصل ہے اور کون مجرد عقل سے ایسا کام کر سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کروڑہا اور بے شمار بندوں کو نظر کے سامنے رکھ کر اور ان کی روحانی طاقتوں اور قوتوں کا موازنہ کر کے سب سے بڑے کو الگ کر کے دکھلا وے بلاشبہ عقلی طور پر کسی کو اس جگہ دم مارنے کی جگہ نہیں ہاں ایسے بلند اور عمیق دریافت کے لئے کتب الہامی ذریعہ ہیں جن میں خود

﴿۱۹۸﴾ ۳۔ علوم حاصل کردہ کے محفوظ رکھنے کی ایک قوت۔
۴۔ محبت الٰہی کی ایک قوت۔
۵۔ لذت وصال الٰہی اٹھانے کی ایک قوت۔
۶۔ مکاشفات کی ایک قوت۔
۷۔ مؤثر اور متاثر ہونے کی یا یوں کہو کہ باہم عامل اور معمول ہونے کی ایک قوت۔
۸۔ تعلق اجسام قبول کرنے کی ایک قوت۔
۹۔ تخلق باخلاق اللہ کی ایک قوت۔
۱۰۔ مورد الہام الٰہی ہونے کی ایک قوت۔
۱۱۔ بسطی وقبضی حالت پیدا ہونے کی ایک قوت۔
۱۲۔ معارف غیر متناہیہ کے قبول کرنے کی ایک قوت۔
۱۳۔ رنگین برنگ تجلی الوہیت ہونے کی ایک قوت۔
۱۴۔ عقلی قوت جس سے امتیاز حسن وقبح ان پر ظاہر ہوتا ہے۔
۱۵۔ القائے اثر وقبول اثر کی ایک قوت بمقابلہ اپنے اجسام متعلقہ کے۔

﴿۱۹۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

خدائے تعالیٰ نے پیش از ظہور بلکہ ہزارہا برس پہلے اس انسان کامل کا پتہ ونشان بیان کر دیا ہے پس جس شخص کے دل کو خدائے تعالیٰ اپنی توفیق خاص سے اس طرف ہدایت دے گا کہ وہ الہام اور وحی پر ایمان لاوے اور ان پیش گوئیوں پر غور کرے کہ بائبل میں درج ہیں تو اسے ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ انسان کامل جو آفتاب روحانی ہے جس سے نقطہ ارتفاع کا پورا ہوا ہے اور جو دیوار نبوت کی آخری اینٹ ہے وہ حضرت **محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** ہیں۔
جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اب بھی مکرر ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کامل

﴿۱۹۹﴾ ۱۶؁۔اقرار بوجود خالق حقیقی کی ایک قوت۔

۱۷۔ اجسام کے ساتھ اوران کے اشکال خاصہ کے ساتھ مل کر بعض نئے خواص کے ظاہر کرنے کی قوت۔

۱۸۔ ایک قوت کشش باہمی جس کو مقناطیسی قوت کہنا چاہیے۔

۱۹۔ ابدی طور پر قائم رہنے کی ایک قوت۔

۲۰۔ جسم مفارق کی خاک سے ایک خاص تعلق رکھنے کی قوت جو کشفی طور پر ارباب کشف قبور پر ظاہر ہوتی ہے۔

ایسا ہی اور بھی بہت سی ایسی قوتیں ہیں جن کا مفصل بیان نہایت لطافت اور خوبی سے قرآن شریف میں مندرج ہےاور ہم کو اگر شرطی رسالہ کے لکھنے کا موقع ملا تو ہم ان سب قوتوں اور روحانی خواص کو بحوالہ آیات بینات قرآنی معقول اور مفصل اور مدلل طور پر اسی رسالہ میں جو ویداور قرآن کے موازنہ کی غرض سے ہوگا درج کریں گےاب اس جگہ ہم مکرّر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کا یہ بیان کہ یہ سب قوتیں روحوں میں بیج کی طرح موجود ہیں اور جب تک جسم کا روح کے ساتھ تعلق نہ ہوتب تک

﴿۱۹۹﴾ **بقیہ حاشیہ** خدؔائے تعالیٰ کی ذات کا نمونہ ہے۔خدائے تعالیٰ دوسرا خدا ہرگز نہیں پیدا کرتا کہ یہ بات اس کی صفت احدیت کے مخالف ہے ہاں اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ پیدا کرتا ہے اور جس طرح ایک مصفا اور وسیع شیشہ میں صاحب رؤیت کی تمام وکمال شکل منعکس ہو جاتی ہے ایسا ہی انسان کامل کے نمونہ میں الٰہی صفات عکسی طور پر آجاتے ہیں سو خدائے تعالیٰ کا اس طرح پر اپنی مثل قائم کرنا معترض کی تسلی کے لئے کافی ہے۔اس جگہ واضح رہے کہ اس انتہائی کمال کے وجود باجود کو خدائے تعالیٰ کی کتابوں میں مظہر تام الوہیت قرار دیا گیا ہے اور

﴿۲۰۰﴾ انؔ کا عدم و وجود برابر ہے اس بیان میں ماسٹر صاحب نے بڑا دھوکا کھایا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ روحوں اور جسموں کے ملنے کے بعد روحانی اور جسمانی خاصیتیں وجود انسان میں چمکتی ہیں وہ گویا ان کے پرمیشر کی کاری گری سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور نا معقول ہے جو موٹی سمجھ سے پیدا ہوا ہے بلکہ اصل بات تو وہی ہے جس کو ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ جو مخفی طور پر روحوں اور جسموں میں الگ الگ خواص پائے جاتے ہیں وہی باہم ترکیب اور امتزاج سے نمایاں ہو جاتے ہیں اور حالت تعلق جسم و روح تک قائم رہتی ہے۔ یہ بات فی الحقیقت سچ اور راست راست ہے جس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جو خواص بعد ترکیب اور تعلق ارواح و اجسام ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ سب خواص نہ مجرد اجسام سے کھلے کھلے طور پر مترتب ہو سکتے ہیں نہ مجرد ارواح سے بلکہ ان کا ظہور و بروز کامل طور پر اجسام اور ارواح کے باہمی تعلق پر موقوف ہوتا ہے اور اسی وجہ سے میں اس رسالہ میں اس سے پہلے تحریر کر آیا ہوں کہ ارواح کو اپنی سعادت تامہ تک پہنچنے کے لئے عالمِ آخرت میں کوئی ابدی جسم ملنا ضروری ہے تا اس تعلق جسم کی وجہ سے وہ خواص کامل طور پر ظاہر ہو جائیں کہ جو مجرد روحوں میں بدیں صفائی و کمال ظاہر

﴿۲۰۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

چونکہؔ اس مطلب کو کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا موجب افادہ طالبین ہے اس لئے ہم کسی قدر اور تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اوّل ہم بیان کر چکے ہیں کہ صاحب انتہائی کمال کا جس کا وجود سلسلہ خط خالقیت میں انتہائی نقطہ ارتفاع پر واقعہ ہے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ان کے مقابل پر وہ خسیس وجود جو انتہائی نقطہ انحطاط پر واقعہ ہے اسی کو ہم لوگ شیطان سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر شیطان کا وجود مشہود و محسوس نہیں لیکن اس سلسلہ خط خالقیت پر نظر ڈال کر اس قدر تو

﴿۲۰۱﴾ نہیں ہوسکتی مگر افسوس کہ اس ابدی تعلق جسم وروح کو وید نہیں مانتا اور صرف روح کو جس میں بقول ماسٹر صاحب بجز تعلق جسم کوئی روحی خاصہ نمایاں طور پر جلوہ پذیر نہیں ہوسکتا لذات کاملہ نجات ووصال الٰہی کے اٹھانے کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ حالانکہ ابھی بیچارہ ماسٹر صاحب اقرار کر چکا ہے کہ روحانی صفات بجز تعلق موجودہ جسم کے کسی قسم کی کمالیت ظاہر نہیں کرسکتیں اب وید کو کون سمجھاوے اور دیانند کی روح تک اس خبر کو کون پہنچاوے تا وہ ماسٹر صاحب سے سبق لے کر اپنے وید بھاش کی غلطیوں کو درست کردیں۔

میں نے پہلے سے اسی رسالہ میں درج کردیا ہے کہ جو جو صفات خداوند کریم جل شانہٗ نے ارواح میں رکھے ہیں یا جو جو خاصیتیں ذرّات اجسام میں مودع کی ہیں وہ اگرچہ بجائے خود الگ الگ بھی ثابت و متحقق ہیں مگر ان کا ظہور بین اس وقت ہوتا ہے اور ان کے فوائد اس وقت بطور اتم و اکمل کھلتے ہیں جس وقت جسم اور روح کا باہم تعلق ہوتا ہے اس کی مثال بھی اسی پہلے موقع میں مَیں نے یہ دی تھی کہ جیسے تصویر کو آئینہ میں رکھنے میں تصویر کا رنگ وروپ زیادہ تر نظر آجاتا ہے یہ بات ہرگز نہیں ہے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۱﴾ عقلی طور پر ضرور ماننا پڑتا ہے کہ جیسے سلسلہ ارتفاع کے انتہائی نقطہ میں ایک وجود خیر مجسم ہے جو دنیا میں خیر کی طرف ہادی ہو کر آیا اسی طرح اس کے مقابل پر ذوالعقول میں انتہائی نقطہ انحطاض میں ایک وجود شر انگیز بھی جو شر کی طرف جاذب ہو ضرور چاہیے اسی وجہ سے ہریک انسان کے دل میں باطنی طور پر بھی دونوں وجودوں کا اثر عام طور پر پایا جاتا ہے پاک وجود جو روح الحق اور نور بھی کہلاتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پاک اثر بجذباتِ قدسیہ و توجہات باطنیہ ہر ایک دل کو
﴿۲۰۲﴾ خیر اور نیکی کی طرف بلاتا ہے۔ جس قدر کوئی اُس سے محبت اور مناسبت

کہ آئینہ تصویر میں کوئی نقش بڑھا کر دکھا دیتا ہے بلکہ نقوش تو وہی ہوتے ہیں جو ہیں ہاں البتہ آئینہ میں وہ سب نقوش صاف طور پر نظر آ جاتے ہیں ایسا ہی جو خواص ارواح میں ہیں ان کا آئینہ جسم اور جسمی شکلیں ہیں اور جو خواص ذرّات اجسام میں ہیں ان کا آئینہ ترکیب جسمی اور وہ روحیں ہیں جو ان کے ساتھ تعلق پکڑتی ہیں اور درحقیقت ان چیزوں کا باہم آئینہ کا کام دینا یہ بھی ایک فطرتی خاصہ ہے اور اگر خدائے تعالیٰ ارواح اور ذرات اور اجسام کا خالق نہیں تو اس کو اس خاصہ کے پیدا کرنے میں ذرا دخل نہیں کیونکہ خواص اشیاء کے تو خواہ نخواہ اپنے موقع پر ظہور میں آ جاتے ہیں اور درحقیقت یہ خاصہ بھی انہیں خواص ارواح و اجسام میں سے ہے جن کو آریہ لوگ غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں۔ لیکن اب ماسٹر صاحب اپنے پرمیشر کی پردہ پوشی کے لئے اس پر یہ احسان کرنا چاہتے ہیں کہ تا اس خاصہ کی پیدائش اس کی طرف منسوب کی جائے سو یہ کسی طرح منسوب نہیں ہوسکتی پنڈت دیانند صاحب اپنے وید بھاش اور ستیارتھ پرکاش میں صاف اقرار کر چکے ہیں کہ نیستی سے ہستی نہیں ہوسکتی جو ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں وہ پیچھے سے کبھی نہیں ہوسکتا۔ سو اگر یہ خاصہ پہلے الگ الگ دو چیزوں میں مخفی طور پر موجود نہیں تھا تو پھر ﴿۲۰۲﴾

بقیہ حاشیہ

پیدا کرتا ہے اسی قدر وہ ایمانی قوت پاتا ہے اور نورانیت اس کے دل میں پھیلتی ہے یہاں تک کہ وہ اُسی کے رنگ میں آ جاتا ہے اور ظلی طور پر ان سب کمالات کو پا لیتا ہے جو اس کو حاصل ہیں اور جو وجود شرانگیز ہے یعنی وجود شیطان جس کا مقام ذوالعقول کے قسم میں انتہائی نقطہ انحصاض میں واقع ہے اس کا اثر ہر یک دل کو جو اس سے کچھ نسبت رکھتا ہے شرک کی طرف کھینچتا ہے جس قدر کوئی اس سے مناسبت پیدا کرتا ہے اسی قدر بے ایمانی اور خباثت کے خیال اس کو سوجھتے ہیں یہاں تک کہ جس کو مناسبت تام ہو جاتی ہے وہ اسی کے رنگ اور روپ میں آ کر پورا پورا شیطان ہو جاتا ہے

﴿۲۰۳﴾ بعد میں کہاں سے آ گیا دنیا میں صدہا صورتیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اوّل دو چیزوں میں کوئی خاصیت چھپی ہوئی موجود ہوتی ہے اور پھر ان دو چیزوں کے باہم ملا دینے سے وہی خاصیت بڑی تیزی اور شوخی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ دو دواؤں کی ترکیب سے ایک نئے مزاج اور خاصہ کی دوا نکل آتی ہے مگر در حقیقت وہ مزاج اور خاصہ کچھ نیا نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں دواؤں میں الگ الگ طور پر مخفی ہوتا ہے۔ ایسا ہی دو رنگوں کے ملانے سے ایک نیا رنگ نکل آتا ہے مگر وہ در حقیقت نیا نہیں ہوتا بلکہ ان دونوں رنگوں میں اس حالت علیحدگی میں چھپا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی دو مختلف مزہ کے طعام کو ملا کر تیسرا مزہ جو نیا دکھائی دیتا ہے نکل آتا ہے مگر وہ بھی در حقیقت نیا نہیں ہوتا۔ سو میں کہتا ہوں کہ اگر انہیں اجزاءِ متفرقہ وخواص متفرقہ کو ملا کر کوئی مشترک خاصہ پیدا کرنا جو حقیقت میں پہلے ہی مخفی تھا پرمیشر ہونے کی نشانی ہے تو پھر آریہ لوگ انگریزوں اور دوسرے یورپ کے صنّاع لوگوں کو کیوں سجدہ نہیں کرتے اور ان کو اپنا ایشر کیوں نہیں سمجھتے کیا ان لوگوں کے کام ایسے پرمیشر کے مشابہ نہیں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی طرح خواص متفرقہ اشیاءِ عالم پر اطلاع پا کر صدہا صنعتیں

﴿۲۰۳﴾ **بقیہ حاشیہ**

اور ظلّی طور پر ان سب کمالات خباثت کو حاصل کر لیتا ہے جو اصلی شیطان کو حاصل ہیں اسی طرح اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان اپنی اپنی مناسبت کی وجہ سے الگ الگ طرف کھینچے چلے جاتے ہیں اور وجود خیر مجسم جس کا نفسی نقطہ انتہائی درجہ کمال ارتفاع پر واقع ہے یعنی حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقام معراج خارجی جو منتہائے مقام عروج (یعنی عرش ربّ العالمین ہے) بتلایا گیا ہے یہ در حقیقت اسی انتہائی درجہ کمال ارتفاع کی طرف اشارہ ہے جو اُس وجود باجود کو حاصل ہے گویا جو کچھ اس وجود خیر مجسم کو عالم قضاء وقدر

﴿۲۰۴﴾ نہیں نکالیں بلاشبہ نکالی ہیں اور اب تک ہر یک پیشہ اور کارخانہ کے متعلق ہزارہا جدید صنعتیں نکالتے جاتے ہیں سو اگر ہندوؤں کے پرمیشر کا بھی اتنا ہی کام ہے کہ علم خواص اشیاء حاصل کر کے طرح طرح کی صنعتیں بمنصہ ظہور لاوے تو پھر ان لوگوں اور ایسے پرمیشر میں صرف کمی بیشی علم کا فرق ہوگا اگر ان لوگوں کو وہ اعلیٰ قسم کا علم معلوم ہو جائے تو یہ بھی ایک طور کے پرمیشر بن جائیں گے۔

قولہ۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ خود بخود ہونے والا کام پرمیشر کے کاموں سے بڑھ کر ہے تو اگر ایسا ہوا تو پرمیشر کی اس میں کون سی ہتک ہوئی۔

اقول۔ سچ ہے آپ کے پرمیشر کی عزّت بڑی پکی ہے کسی قسم کی ہتک سے دور نہیں ہوسکتی۔ یہ ہمیں آج ہی معلوم ہوا کہ آپ کا پرمیشر اس قسم کی درویشانہ سیرت رکھتا ہے کہ اگرچہ کروڑہا چیزیں اس کے کاموں اور صنعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہوں تب بھی اس کو اپنی کسرِشان کی کچھ پرواہ نہیں یہ خوب پرمیشر ہے اور آپ لوگوں کا وید بھی خوب اور وید و دیا اور اس کا گیان بھی جس پر اتنا ناز تھا خوب ہی نکلا ہزار ہاتھ کنواں کھودا آخر چشمہ آب کی جگہ ایک مری ہوئی مینڈک نکلی اگر پرمیشر اسی حیثیت اور کرتوت کا مالک ہے تو پھر

﴿۲۰۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

میں حاصل تھا وہ عالم مثال میں مشہود و محسوس طور پر دکھایا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کریم کی شان رفیع کے بارہ میں فرماتا ہے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[۱] پس اس رفع درجات سے وہی انتہائی درجہ کا ارتقاع مراد ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور یہ وجود باجود جو خیر مجسم ہے مقربین کے تین قسموں سے اعلیٰ و اکمل ہے جو الوہیت کا مظہر اتم کہلاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ قرب الٰہی کی تین قسمیں تین قسم کی تشبیہ پر موقوف ہیں جن کی

[۱] البقرۃ : ۲۵۴

کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ خواہ نخواہ اس کے لئے تکلیفیں اٹھاوے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہتک ایک ایسا لفظ ہے جس کا اثر اس کے دل پر ضرور ہوتا ہے جس کو کچھ شرم و غیرت بھی ہو سو اگر آپ کے پرمیشر میں کچھ شرم اور غیرت ہوتی تو اس سے زیادہ ہتک ہونے کی اور کیا بات تھی کہ جن کاموں کے کرنے پر وہ فخر کرتا ہے اور اپنے پرمیشر ہونے کی انہیں دلیل ٹھہراتا ہے یعنی جوڑنا جاڑنا ان کاموں کی نسبت دوسرے کام جو خود بخود بغیر دست اندازی پرمیشر کے تسلیم کئے گئے ہیں ایسے اعلیٰ درجہ کے نکلے کہ پرمیشر کے کاموں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں پس اس صورت میں اگر پرمیشر کی ہتک نہیں ہوتی تو کیا اس سے عزت ہوگئی اور اگر یہ باتیں پرمیشر کی کسر شان کا موجب نہیں ہیں تو کیا اس کی عظمت اور جلال ظاہر ہونے کا باعث ہے سوچنا چاہیے کہ جس حالت میں تمام عجیب کام اور بے نظیر قدرتیں اور رنگا رنگ کے خواص خود بخود ہوئے تو کیا مجرد جوڑنے جاڑنے سے ایک بڑا درجہ پرمیشر ہونے کا ایسے ضعیف اور کمزور کو مل سکتا ہے بلکہ اگر غور کرو اور کچھ خداداد عقل کو کام میں لاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جوڑنا جاڑنا درحقیقت ارواح اور اجسام کے پیدا کرنے کی فرع ہے یعنی جوڑنا جاڑنا بھی اسی قادر مطلق کے ہاتھ سے ﴿۲۰۵﴾

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۵﴾ تفصیل سے مراتب ثلاثہ قرب کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اوّل قسم قرب کی خادم اور مخدوم کے تشبّہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [1] یعنی مومن جن کو دوسرے لفظوں میں بندہ فرماں بردار کہہ سکتے ہیں سب چیز سے زیادہ اپنے مولیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جیسے ایک نوکر با اخلاص و باصفا باوفا بوجہ مشاہدہ احسانات متواترہ وانعامات متکاثرہ وکمالات ذاتیہ اپنے آقا کی اس قدر محبت و اخلاص و یک رنگی میں ترقی کر جاتا ہے جو بوجہ ذاتی محبت کے جو اس کے دل میں

[1] البقرۃ:۱۶۶

﴿۲۰۶﴾ انجام پذیر ہوسکتا ہے جو عدم سے وجود بخشنے پر قادر ہو اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ایک ایسے کمزور اور نکمے کے ہاتھ سے جوڑنا جاڑنا ممکن ہے جس نے نہ کسی روح کو پیدا کیا اور نہ کسی مادہ کو اور نہ وہ صدہا خواص اور طاقتیں اور استعدادیں جو روحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں اس کی پیدا کردہ ہیں تو پھر مجرد جوڑنا جاڑنا اس کو قابل تعریف بنا نہیں سکتا بلکہ یہ سب تعریفیں روحوں اور ذات☆ اجسام کی طرف عائد ہوں گی۔ اور اس صورت میں پرمیشر پر لازم و واجب ہوگا کہ روحوں اور مادوں کا شکر گزار اور ثنا خواں ہو جنہوں نے مفت میں اس کو نیک نامی دلائی۔ **گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا ناؤ۔**

قولہ۔ پرمیشر کی اس صورت میں ہتک ہوتی کہ جب اس سے زیادہ تر کاریگر پیش کیا جاتا۔

اقول۔ لو صاحب اب تو آپ کے پرمیشر کی آپ ہی کے منہ سے ہتک ثابت ہوگئی کیونکہ آپ کے خیالی اور وہمی اور فرضی پرمیشر سے اور زیادہ تر کاریگر نکل آیا جس کے وجود کے

بقیہ حاشیہ ﴿۲۰۶﴾

پیدا ہو جاتی ہے اپنے آقا سے ہم طبیعت و ہم طریق ہو جاتا ہے اور اس کی مرادات کا ایسا ہی طالب اور خواہاں ہوتا ہے جیسے آقا خود اپنی مرادات کا خواہاں ہے اسی طرح بندہ وفادار کی حالت اپنے مولیٰ کریم کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ بھی اپنے خلوص اور صدق و صفا میں ترقی کرتا کرتا اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنے وجود سے بکلی محو و فنا ہو کر اپنے مولیٰ کریم کے رنگ میں مل جاتا ہے۔

آنجا کہ محبتے نمک میریزد ہر پردہ کہ بود از میان برخیزد
ایں نفس دنی کہ صد ہزارش دہن است خاموش شود چو عشق شور انگیزد
چوں رنگ خودی رود کسی را از عشق یارش زِ کرم برنگ خویش آمیزد

سو ایسا خادم جو ہم رنگ اور ہم طبیعت مخدوم ہو رہا ہے طبعی طور پر اُن سب

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ”ذرات“ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

﴿۲۰۷﴾ سامنے آپ کے وہمی پرمیشر کا وجود حقیقت میں معدوم اور بے نشان ہے کیونکہ آپ کا پرمیشر تو بوجہ اپنی کمزوری اور ناطاقتی اور ناداری اور لاچاری کے آریہ دیس میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اور انہیں لوگوں سے اپنے کلام کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور باہر قدم رکھنے سے ڈرتا تھا اور اپنے مُنہ سے قائل تھا کہ میں اپنی ذات سے کچھ نہیں کرسکتا دوسروں کے سہارے سے میرا کام چل رہا ہے سو آریہ لوگ اسی فرضی پرمیشر پر کہ دراصل ایک چور تھا نہ پرمیشر خوش ہورہے تھے اتنے میں آفتاب صداقت ان پر چمکا اور اس سچے کامل خدا کا کلام جس سے آریہ لوگ ناواقف تھے یعنی قرآن شریف آریہ دیس میں جلوہ گر ہوا اور کروڑہا آریوں کو سچائی کی طرف کھینچ لایا سو اس طرح پر اس نے اپنے قادر اور کامل وجود سے ان کو اطلاع دے دی اور اپنی خدائی ان پر ظاہر کردی اور اپنے قوی ہاتھ سے اپنا قادر مطلق ہونا ثابت کردیا اور سب روحوں اور مادوں کی نسبت بیان کیا کہ یہ سب میرے ہی پیدا کردہ ہیں سو جن چیزوں کی نسبت آریہ لوگ اور ان کا ناکارہ پرمیشر حیران ہورہے تھے کہ یہ چیزیں کس نے پیدا کی ہیں پیدا کرنے والے نے اپنا کلام ان تک پہنچا کر اور اپنے روشن نشان دکھلا کر

بقیہ حاشیہ

﴿۲۰۷﴾ باتوں سے متنفر ہوجاتا ہے جو اس کے مخدوم کو بری معلوم ہوتی ہیں وہ نافرمانی کو اس جہت سے نہیں چھوڑتا کہ اس پر سزا مترتب ہوگی اور تعمیل حکم اس وجہ سے نہیں کرتا کہ اس سے انعام ملے گا اور کوئی قول یا فعل اس کا اپنے اخلاق کاملہ کے تقاضا سے صادر نہیں ہوتا بلکہ محض اپنے مخدوم حقیقی کی اطاعت کی وجہ سے جو اس کی سرشت میں رَچ گئی ہے صادر ہوتا ہے اور بے اختیار اسی کی طرف اور اس کی مرضیات کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال کا پھیرنا خواہ نخواہ واجب نہیں جانتا اور نہ طمانچہ کی جگہ طمانچہ مارنا اس کو لابُدًّا ضروری معلوم ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے یک رنگ دل سے فتویٰ پوچھتا ہے جو اس وقت خاص میں

﴿۲۰۸﴾ صاف بتلا دیا کہ ان کا پیدا کنندہ میں ہی ہوں۔ وہ کون ہے وہ وہی کامل اور قادر خدا منزل الفرقان ہے جس نے اپنے بے مثل الہام اور بے نظیر کام کے ذریعہ سے اپنی خدائی کو ثابت کر دکھایا ہے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی جس کی تعریف میں قرآن شریف میں جو اس کا کلام ہے یہ پاک حمد درج ہے کہ وہ مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مستجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا اور مرجع ہے ہریک چیز کا اور واحد لاشریک ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور معبودیت میں سو سچا اور کامل خدا یہی خدا ہے جس نے ہزاروں مقدس نبیوں کی روحوں میں اس تعلیم کا القا کیا۔ جس کا قول اور فعل دونوں برابر شہادت دے رہے ہیں کہ وہ ہریک قسم کی ناطاقتی اور نقصان اور ادھورپن سے پاک ہے غرض جس حالت میں ایک ذات کامل الصفات نے جس کے ماننے والے دنیا میں کروڑہا لوگ پائے جاتے ہیں اور جس کی برکات تعلیم اور آسمانی نشان تمام روئے زمین پر پھیل چکے ہیں اس نے اپنے پاک اور مقدس صحیفوں میں صاف دعویٰ کر دیا ہے کہ میں کامل اور قادر خدا ہوں اور روحوں اور ذرّہ ذرّہ جسم کا میں ہی خالق ہوں تو کیا اس صورت میں آپ لوگ

﴿۲۰۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

اس کے محبوب حقیقی کی مرضی کیا ہے اور اس بات کے لئے کوئی معقول وجہ تلاش کرتا ہے کہ کس طریق کے اختیار کرنے میں زیادہ تر خیر ہے جو موجب خوشنودی حضرت باری جل شانہٗ ہے آیا عفو میں یا انتقام میں سو جو عمل موجودہ حالت کے لئے قرین بصواب ہو اسی کو بروئے کار لاتا ہے اسی طرح اس کی بخشش اور عطا بھی سخاوت جمیلہ کے تقاضا سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت کامل کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسی اطاعت کے جوش سے وقت موجودہ میں خوب سوچ لیتا ہے کہ کیا اس وقت اس طرز کی سخاوت یا ایسے شخص پر احسان و مروّت مقرون بہ مرضی مولیٰ ہوسکتی ہے اور اگر نامناسب دیکھتا ہے تو ایک حبہ خرچ نہیں کرتا اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے

یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر پیش نہیں کیا گیا۔ جس نے ﴿۲۰۹﴾
خالق الارواح والاجسام ہونے کا دعویٰ کیا ہو سو اب اے ماسٹر صاحب آنکھ کھول کر دیکھیں
کہ وہ زیادہ تر کاریگر پیش تو کیا گیا اور اسی کی طرف تو ہم آپ کو دعوت کر رہے ہیں کہ آؤ
فرضی پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر اور اس سے زیادہ تر جاننے والا اپنے کامل نشانوں کے
ساتھ جلوہ گر ہوا ہے اس زیادہ تر عزّت و حکمت و قدرت والے پر ایمان لاؤ جس نے اپنی
عام قادریت ظاہر کی ہے جن چیزوں کو آپ لاوارث اور غیر مخلوق سمجھتے تھے ان کا وارث
ظاہر ہو گیا ہے سو ادھورے اور وہمی پرمیشر کو چھوڑ دو اور سچے اور کامل اور پورے قادر
کی فرمانبرداری اختیار کرو جس کی سچائی اس کی قدرتوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ آپ لوگوں
کا پہلا پرمیشر حقیقت میں پرمیشر نہیں ہے اور جوڑنے جاڑنے کی بھی دراصل اس کو طاقت
نہیں ہے بلکہ وہ کچھ بھی نہیں سچا پرمیشر یہی ہے جو تمام دنیا کا مالک ہے کسی خاص ملک سے
کوئی تعلق نہیں رکھتا ہر ایک ملک کے ڈھونڈنے والے اس کو پاتے ہیں سو آؤ دلی صدق سے
اس کی طرف رجوع کرو تا تم بھی ان برکات سے حصہ یاب ہو جاؤ جن سے صادق لوگ

بقیہ حاشیہ

ہرگز نہیں ڈرتا غرض احمقانہ تقلید سے وہ کوئی کام بھی نہیں کرتا بلکہ سچی اور کامل ﴿۲۰۹﴾
محبت کی وجہ سے اپنے آقا کا مزاج دان ہو جاتا ہے اور یک رنگی اور اتحاد کی
روشنی جو اس کے دل میں ہے وہ ہر ایک تازہ وقت میں تازہ طور پر اس کو سمجھا
دیتی ہے جو اس خاص وقت میں کیونکر اور کس طرز سے کوئی کام کرنا چاہیے جو
مخدوم حقیقی کے منشاء کے مطابق ہو اور چونکہ اس کو اپنے منعم حقیقی سے ایک تعلق
ذاتی پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اطاعت اور فرمانبرداری اس کے سر پر کوئی
آزار رساں بوجھ نہیں ہوتا بلکہ وہ فرمانبرداری اس کے ایک امر طبعی کے حکم
میں ہو جاتی ہے جو بالطبع مرغوب اور بلاتصنع و تکلف اس سے صادر ہوتی

﴿۲۱۰﴾ متمتّع ہوتے ہیں۔

قولہ۔خدائے تعالیٰ جو خود بخود ہونے والی چیز ہے خدا کے اپنے کاموں سے بہت بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک نہیں ہوتی۔

اقول۔بجز اس کے کیا کہوں کہ۔ بریں عقل و دانش ہزار آفرین۔ ہماری طرف سے تو اعتراض یہ تھا کہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان اصل پیدائشِ اشیاء خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔ بلکہ جمیع اشیاء مادی و غیر مادی معہ تمام خواص و عجائبات اپنے کے خود بخود ہیں تو اس میں پرمیشر کی بڑی ہتک عزت ہے یعنی یہ امر اس کی بزرگی اور جلال اور حیثیت خدائی کے کسر شان کرتا ہے کہ جو چیزیں اس کے زیر حکم اور ماتحت ہیں وہ سب اپنے وجود اور اپنے جمیع خواص میں جو اعلیٰ درجہ کے عجائبات قدرت سے بھرے ہوئے ہیں خود بخود ہوں اور جو ادنیٰ درجہ کا کام ہے جو پہلے کام کے سہارے سے چلتا ہے فقط وہی کام پرمیشر کے ہاتھ سے نکلا ہو اس کا جواب ماسٹر صاحب یہ دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ جو خود بخود ہونے والی چیز ہے

﴿۲۱۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

رہتی ہے اور جیسی اللہ جلّ شانہٗ کو اپنی خوبی اور عظمت محبوب بالطبع ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنا اس کے لئے محبوب بالطبع ہو جاتا ہے اور اپنے مخدوم حقیقی کی ہر ایک عادت و سیرت اس کی نظر میں ایسی پیاری ہو جاتی ہے کہ جیسی خود اس کو پیاری ہے۔سو یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔جن کے سینے محبت غیر سے بالکل منزہ و صاف ہو جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کی رضا مندی کو ڈھونڈنے کے لئے ہر ایک وقت جان قربان کرنے کو طیار رہتے ہیں۔ سینہ می باید تہی از غیر یار۔ دل ہمی باید پُر از یاد نگار۔ جاں ہمی باید براہ او فدا۔ سرہمی باید بہ پائے اونثار۔ ہیچ دانی چیست دین عاشقاں۔ گویمت گر بشنوی عشاق دار۔ از ہمہ عالم فروبستن نظر۔لوح دل شستن ز غیر دوستدار۔قرب کی دوسری قسم ولد اور والد کے

خدا کے اپنے کاموں سے بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک عزت نہیں ہوتی۔ سو ایسا ﴿۲۱۱﴾
ہی دوسری خود بخود ہونے والی چیزوں سے اس کی کوئی ہتک عزت نہیں۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جواب کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق ہے۔ یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات اس کے کاموں سے جو اس کی مخلوقات ہے بڑھ کر نہ ہوتی تو مخلوق اپنے خالق سے اور مملوک اپنے مالک سے مساوی ہو جاتا تو اس طرح پر ضرور خدائے تعالیٰ کی ہتک عزت ہوتی کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے برابر ہو جانا اور مملوک کا اپنے مالک سے ہم درجہ ہونا صریح موجب ہتک عزت مالک ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے جیسا خدا پیدا نہیں کرتا کہ یہ اس کی عزت ابدی وجلال ازلی اور وحدت قدیمی کے برخلاف ہے اب جب کہ یہ ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہتک عزت اس بات میں ہے کہ کوئی مخلوق و مملوک ہو کر اس کی ذات وصفات کے برابر ہو تو ظاہر ہے کہ جو امر اس کا نقیض ہے یعنی یہ کہ مخلوق اپنی ذات وصفات میں اپنے خالق سے کم ہو یہ امر موجب

بقیہ حاشیہ

تشبّہ سے مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴿۲۱۱﴾
كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[1] یعنی اپنے اللہ جل شانہ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غائت درجہ شدت واقع ہو جاتی ہے اور حب جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اس کی جز ہے تب جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادر زاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اس کی جز ہو جاتا ہے کہ سعی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے

[1] البقرة :۲۰۱

﴿۲۱۲﴾ ہتک عزت نہیں ہوسکتا کیونکہ اجتماع نقیضین محال و ممتنع ہے برخلاف اس کے جو چیزیں خدا تعالیٰ کے ماتحت وزیر حکم ہیں ان کو اس کے ماتحت قبول کر کے پھر اس کی حدود قدرت سے انہیں باہر رکھ لینا اور باوصف صدہا عجائب و غرائب خواص کے جو ان چیزوں کے اندر بھرے ہوئے ہیں جو ایک نا کارہ کام جوڑنے جاڑنے سے ہزارہا مراتب بہتر ہیں پھر بھی ان چیزوں کو خدائے تعالیٰ کی پیدائش اور ان کے ہاتھ کی صنعت ہونے سے الگ کا الگ رہنے دینا اور پرمیشر کو صرف جوڑنے جاڑنے والا جو اس کے پہلے کاموں سے قطع تعلق کی حالت میں ادنیٰ سا کام ہے خیال کرنا اگر ایسے خیال پُر اختلال سے بھی آپ کے پرمیشر کی عزت دور نہیں ہوتی تو یہ عزت بھی عجیب عزت ہے غرض یہ قیاس آپ کا بالکل قیاس مع الفارق ہے جو خدائے تعالیٰ کی ماتحت چیزوں کا اس کی ذات و صفات پر آپ کر رہے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس صاف صاف فرق کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہوں گے اور دل میں پچھتائیں گے کہ ایسی فضول باتیں منہ سے کیوں نکالیں ۔ بالآخر میں آپ کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ آپ

﴿۲۱۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حُلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اس کی رفتار اور کردار اور خو اور بو بصفائی تام اس میں پائی جاتی ہے علیٰ ھٰذا القیاس یہی حال اس میں ہوتا ہے اور اس درجہ اور قرب اوّل کے درجہ میں فرق یہ ہے کہ قرب اول کا درجہ جو خادم اور مخدوم سے تشبیہہ رکھتا ہے وہ بھی اگرچہ اپنے کمال کے رو سے اس درجہ ثانیہ سے نہایت مشابہ ہے لیکن یہ درجہ اپنی نہایت صفائی کی وجہ سے تعلق مادر زاد کے قائم مقام ہو گیا ہے اور جیسا باعتبار نفس انسانیت کے دو انسان مساوی ہوتے ہیں لیکن بلحاظ شدت وضعف خواص انسانی کے ظہور آثار میں متفاوت واقع ہوتی ہیں ایسا ہی

﴿۲۱۳﴾ اِس موقع کے پڑھنے کے وقت اس رسالہ کا وہ حاشیہ بھی پڑھ لیں کہ جو حاشیہ ملحقہ اس متن سے پہلے تحریر پا چکا ہے۔

قولہ ۔اس کے آگے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر سب روحیں غیر مخلوق اور خود بخود ہیں تو پھر خدا کسی روح سے بندگی کرانے کا مستحق نہیں رہے گا۔ کیونکہ سب روحیں اسے کہہ سکتی ہیں کہ جب کہ تو نے ہمیں پیدا ہی نہیں کیا اور نہ ہماری طاقتوں اور قوتوں اور استعدادوں کو تو نے بنایا تو پھر کس استحقاق سے ہم سے اپنی پرستش چاہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے پہلے قباحتوں کے جواب میں ثابت کر دیا ہے کہ بغیر پرمیشر کے جوڑنے جاڑنے کے تمام روحیں اور ان کی طاقتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس جس نے جوڑنے جاڑنے سے آرام اور سکھ میں ترقی کرنے کا سامان بخشا کیا وہ شکر گزاری اور عبادت کے لائق نہیں۔

اقول ۔افسوس کہ ہر چند اس ادھورے اور نکمّے پرمیشر کی وکالت میں آپ نے جہاں تک

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۳﴾ اِن دونوں درجوں میں تفاوت درمیان ہے غرض اس درجہ میں محبت کمال لطافت تک پہنچ جاتی ہے اور مناسبت اور مشابہت بال بال میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ خیال کرنا چاہئے کہ اگرچہ ایک شخص کمال عشق کی حالت میں اپنے معشوق سے ہمرنگ ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص اپنے باپ سے جس سے وہ نکلا ہے مشابہت رکھتا ہے اس کی مشابہت اور ہی آب و تاب رکھتی ہے۔

تیسری قسم کا قرب ایک ہی شخص کی صورت اور اس کے عکس سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جیسے ایک شخص آئینہ صاف و وسیع میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو تمام شکل اس کی معہ اپنے تمام نقوش کے جو اس میں موجود ہیں عکسی طور پر اس آئینہ میں دکھائی دیتی ہے ایسا ہی اس قسم ثالث قرب میں تمام صفات الٰہیہ صاحب قرب کے

﴿۲۱۴﴾ بن پڑا بڑا زور مارا بہت کچھ کوشش کی مگر چونکہ اس کا ادھورپن ایسا نہیں ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ سکے اس لئے بجز بار بار کی خجالت کے اور کچھ اس قیل وقال سے آپ کو حاصل نہیں ہوا۔ بھلا آپ ہی فرمائیں کہ آپ نے پہلی قباحتوں کے جواب میں کیا خاک ثابت کیا ہے۔ جس حالت میں آپ لوگ اپنے ہی منہ سے قائل ہیں کہ تمام روحیں خودبخود ہیں اور ان کے تمام خواص بھی خودبخود۔ ان کی تمام قوتیں بھی خودبخود ایسا ہی پرکرتی بھی خودبخود۔ جسم کا ہر ایک ذرّہ بھی خودبخود اور ان کے تمام خواص اور قوتیں خودبخود۔ ان کا ازلی وابدی ہونا بھی خودبخود۔ پرمیشر ہو یا نہ ہو وہ سب بذات خود قائم بذات خود واجب الوجود غرض سارا جہان اپنے دونوں ٹکڑوں کے ساتھ خودبخود ہے تو ان خواص اور قوتوں اور دائمی بقا میں جو روحوں کو خودبخود حاصل ہیں کون سی شکر گزاری کا پرمیشر مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ کیا ان چیزوں میں سے پرمیشر نے بھی اپنے گھر سے کچھ دیا ہے اور اس کی گرہ سے بھی کچھ خرچ آیا ہے۔ رہا یہ بار بار کا رونا جو پرمیشر نے

﴿۲۱۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

وجود میں بہ تمام تر صفائی منعکس ہو جاتی ہیں۔ اور یہ انعکاس ہر یک قسم کے تشبّہ سے جو پہلے اس سے بیان کیا گیا ہے اتم واکمل ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جیسے ایک شخص آئینہ صاف میں اپنا منہ دیکھ کر اس شکل کو اپنی شکل کے مطابق پاتا ہے وہ مطابقت اور مشابہت اس کی شکل سے نہ کسی غیر کو کسی حیلہ یا تکلّف سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ کسی فرزند میں ایسی ہو بہو مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ مرتبہ کس کے لئے میسر ہے اور کون اس کامل درجہ قرب سے موسوم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی کو میسر آتا ہے کہ جو الوہیت وعبودیت کے دونوں قوسوں کے بیچ میں کامل طور پر ہوکر دونوں قوسوں سے ایسا شدید تعلق پکڑتا ہے کہ گویا ان دونوں کا

روحوں اور جسموں کو باہم جوڑا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا نالائق پرمیشر ہرگز جوڑنے ﴿۲۱۵﴾
پر بھی قادر نہیں ہوسکتا اگر روحوں کی حقیقت کا اس کو پورا پورا علم ہوتا تو وہ بے شک ان کو بنا سکتا کیونکہ ایک چیز کا پورا پورا علم ہونا اس کے بنانے کو مستلزم ہے اور جب کہ وہ روحوں کے بنانے پر قادر نہیں تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اس کو روحوں کے خواص اور باطنی قوتوں اور کیفیتوں کا پورا پورا علم بھی نہیں اور جبکہ علم کامل نہیں تو ایسے ادھورے اور ناقص علم سے وہ جوڑنے جاڑنے پر کیونکر قادر ہوسکتا ہے اگر کوئی ثبوت ہے تو پیش کرنا چاہئے اور اگر بفرض محال یہ ثابت بھی ہوجائے کہ ایسا ادھورا اور نکما پرمیشر ارواح اور اجسام کو جوڑ سکتا ہے تو البتہ ایک ناقص جیسی شکرگزاری کے لائق ٹھہرے گا جس کا عدم وجود برابر ہے۔ مگر یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ ارواح جو بکلّی آزاد اور غیر مخلوق اور قدیم ہونے میں اس کے ہمسر اور انادی ہونے میں اس کے ہم پہلو اور واجب الوجود ہونے میں اس کے ہم رتبہ ہیں اس کو اپنا رب سمجھ لیں اور جو اپنے رب اور پیدا کنندہ کی پرستش اور عبادت کرنی چاہیے اس عالی شان عبادت کا اس کو مستحق ٹھہراویں سو یہی مطلب تھا جس کو ہم نے اعتراض میں لکھا اور آپ نے نہ اس کو غور کر کے سمجھا اور نہ اس کا کچھ جواب دیا۔

قولہ ۔سوائے اس کے خداوند کریم نہایت دیالو کرپالو ہے اس کی یہ ہدایت کہ پرستش کرنی چاہیے انسان کی بہتری کے لئے ہے نہ کہ خود خدا کی اس میں کوئی عزت بڑھتی ہے۔

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱۵﴾ عیؔن ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو بکلّی درمیان سے اٹھا کر آئینہ صاف کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ آئینہ **ذوجھتین** ہونے کی وجہ سے ایک جہت سے صورت الٰہیہ بطور ظلّی حاصل کرتا ہے اور دوسری جہت سے وہ تمام فیض حسبِ استعداد و طبائع مختلفہ اپنے مقابلین کو پہنچاتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے

﴿۲۱۶﴾ **اقول** ۔میں کہتا ہوں کہ گو بندگی وعبادت کرنے سے انسان کی اپنی ہی بہتری متصور ہے مگر پھر بھی خدائے تعالیٰ کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے اور جوش مارتی ہے کہ لوگ اس کی سیدھی راہ پر قدم مار کر اور نا کردنی کاموں سے بچ کر اور اس کی پرستش و اطاعت میں محو ہو کر اپنی سعادت مطلوبہ کو پالیں اور اگر اس راہ پر چلنا نہ چاہیں تو پھر نہ اپنے لئے بلکہ انہیں کے لئے اس کا غضب بھڑکتا ہے اور طرح طرح کی تنبیہوں میں انہیں مبتلا کرتا ہے اور جو لوگ پھر بھی نہ سمجھیں وہ بُعد اور حرمان کی آگ میں جلتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس کو یہ کہہ سکے کہ تجھے میرے نفع یا نقصان کی کیا فکر پڑی ہے اور کیوں بار بار ہم کو نصیحتیں کرتا ہے اور الہامی کتابیں بھیجتا ہے اور سزائیں دیتا ہے اگر ہم عبادت کریں گے تو اپنے لئے اور اگر نہیں کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔ تجھے کیوں ناحق کا جوش وخروش ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کہے بھی بلکہ اگر سب دنیا اور تمام آدم زاد متفق ہو کر اس کی خدمت میں یہ گزارش کریں کہ ہم کو آپ اپنی نصیحتوں اور حکموں اور الہامی کتابوں سے معاف رکھیں ہم آپ کا بہشت یا یوں کہو کہ مکتی خانہ لینا نہیں چاہتے ہم اسی دنیا میں گزارہ کرلیں گے آپ مہربانی فرما کر اسی جگہ ہمیشہ کے لئے ہمیں رہنے دیں آخرت کی ہم بڑی بڑی نعمتوں سے باز آئے آپ ہمارے اعمال میں ذرا دخل دیا نہ کریں اور جزا وسزا وغیرہ تجویزیں جو ہمارے واسطے آپ کرتے رہتے ہیں ان سب سے آپ دست بردار رہیں

﴿۲۱۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

فرمایا ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۔[۱] پھر نزدیک ہوا (یعنی اللہ تعالیٰ سے) پھر نیچے کی طرف اُترا (یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا) پس اسی جہت سے کہ وہ اوپر کی طرف صعود کر کے انتہائی درجہ قرب تام کو پہنچا اور اس میں اور حق میں کوئی حجاب نہ رہا اور پھر نیچے کی طرف اس نے نزول کیا اور اس میں اور خلق میں کوئی حجاب نہ رہا یعنی چونکہ

[۱] النجم:۹،۱۰

ہمارے نفع یا نقصان سے آپ کچھ تعلق نہ رکھیں تو یہ غرض ان کی ہرگز قبول نہیں ہوسکتی ﴿۲۱۷﴾
اگرچہ اس کے قبول کرانے کے لئے تمام عمر روتے پیٹتے رہیں پس اس سے صاف ثابت ہے کہ صرف یہی بات نہیں کہ بندہ اپنی حالت میں آزاد ہے اور اپنے لئے بندگی کرتا ہے اور پرمیشر کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ جلال اور عظمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ شرط بندگی بجالاوے اور نیک راہوں کو اختیار کرے اور اس کی الوہیت بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ اس کے آگے عبودیت کے آثار ظاہر ہوں اور اس کی کاملیت ذاتی جوش سے یہ چاہتی ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں ہے اس کے آگے تذلّل کرے یہی وجہ ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں اور ان سب کو جو شرارتوں پر ضد کرتے ہیں انجام کار اس کا عذاب پکڑتا ہے ورنہ اس بات پر کوئی وجہ قابل اطمینان پیدا نہیں ہوتی کہ بغیر پائے جانے کسی ذاتی قوت کے جو سزا جزا دینے کے لئے اس کی ذات بابرکات ازل سے رکھتی ہو کیوں خواہ نخواہ وہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ نیکی کرنے والوں کو نیک پاداش اور بدی کرنے والوں کو بد پاداش پہنچاوے بلکہ اگر کوئی قوت ذاتی جو جزا سزا دینے کے لئے محرک ہو اس میں نہ پائی جاوے تو یہ چاہیے تھا کہ خاموشی اختیار رکھتا اور جزا سزا کی چھیڑ چھاڑ سے بکلّی دست کش رہتا سو اگرچہ یہ بات تو صحیح ہے کہ انسان کے اعمال کا

بقیہ حاشیہ

وہ اپنے صعود اور نزول میں اتم و اکمل ہوا اور کمالات انتہائیہ تک پہنچ گیا اس لئے ﴿۲۱۷﴾
دو قوسوں کے بیچ میں یعنی وتر کی جگہ میں جو قُطر دائرہ ہے اتم و اکمل طور پر اس کا مقام ہوا بلکہ وہ قوس الوہیت اور قوس عبودیت کی طرف اس سے بھی زیادہ تر جو خیال و گمان و قیاس میں نہیں آسکتا نزدیک ہوا مثلاً صورت اُن دو قوسوں کی یہ ہے۔ اس شکل میں جو خط مرکز دائرہ کو قطع کرتا ہے یعنی جو قطر دائرہ ہے وہی قابَ قوسَین یعنی دونوں قوسوں کا وتر ہے۔

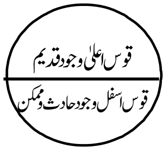

نفع نقصان اسی کی طرف عائد ہوتا ہے جو خدائے تعالیٰ کی عظمت وسلطنت نہ اس سے کچھ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے مگر یہ بات بھی نہایت صحیح اور محکم صداقت ہے کہ ربوبیت کا تقاضا بندوں کو ان کی حیثیت بندگی پر قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو شخص ذرا تکبر سے سر اونچا کرے تو اس کا سر فی الفور کچلا جاتا ہے غرض خدائے تعالیٰ کی ذات میں اپنی عظمت اپنی خدائی اپنی کبریائی اپنا جلال اپنی بادشاہی ظاہر کرنے کا ایک تقاضا پایا جاتا ہے اور سزا و جزا اور مطالبہ اطاعت وعبودیت و پرستش اسی تقاضا کی فرع پڑا ہوا ہے اسی اظہار ربوبیت اور خدائی کی غرض سے یہ انواع اقسام کا عالم اس نے پیدا کر رکھا ہے ورنہ اگر اس کی ذات میں یہ جوش اظہار نہ پایا جاتا تو پھر وہ کیوں پیدا کرنے کی طرف ناحق متوجہ ہوتا اور کس نے اس کے سر پر بوجھ ڈالا تھا کہ ضرور یہ عالم پیدا کرے اور ارواح کو اجسام کے ساتھ تعلق دے کر اس مسافر خانہ کو جو دنیا کے نام سے موسوم ہے اپنی عجائب قدرتوں کی جگہ بنا دے آخر اس میں کوئی قوت اقتضائے تھی جو اس بنا ڈالنے کی محرک ہوئی۔ اسی کی طرف اس کے پاک کلام میں جو قرآن شریف ہے اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے کل عالم کو اس غرض سے پیدا کیا کہ تا وہ اپنی خالقیت کی صفت سے شناخت کیا جائے اور پھر پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر رحم اور کرم کی بارشیں کیں تا وہ رحیمی اور کریمی کی صفت سے شناخت کیا جائے ایسا ہی اس نے سزا اور جزا دی تا اس کا ﴿۲۱۸﴾

بقیہ حاشیہ

جاننا چاہیے کہ دونوں قسم وجود واجب اور ممکن کے ایک ایسے دائرہ کی طرح ہیں کہ جو خط گذرندہ بر مرکز سے دو قوسوں پر منقسم ہو۔ وہی خط جو قطر دائرہ ہے جس کو قرآن شریف میں قاب قوسین سے تعبیر کیا ہے اور عام بول چال علم ہندسہ میں اس کو وتر قوسین کہتے ہیں وہ ذات مفیض اور مستفیض میں بطور برزخ واقع ہے کہ جو اپنے اخص کمال میں جو انتہائی درجہ کمالات کا ہے نقطہ مرکز دائرہ سے ﴿۲۱۸﴾

﴿۲۱۹﴾ منتقم اور منعم ہونا شناخت کیا جائے اسی طرح وہ مرنے کے بعد پھر اٹھائے گا تا اس کا قادر ہونا شناخت کیا جائے غرض وہ اپنے سب عجیب کاموں سے یہی مدعا رکھتا ہے کہ تا وہ پہچانا جائے اور شناخت کیا جائے سو جب کہ دنیا کے پیدا کرنے اور جزا سزا وغیرہ سے اصلی غرض معرفت الٰہی ہے جو لب لباب پرستش و عبادت ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ خود تقاضا فرماتا ہے کہ تا اس کی معرفت جس کی حقیقت کاملہ پرستش و عبادت کے ذریعہ سے کھلتی ہے اس کے بندوں سے حاصل ہو جائے جیسا کہ ایک خوبصورت اپنے کمال خوبصورتی کی وجہ سے اپنے حسن کو ظاہر کرنا چاہتا ہے سو خدائے تعالیٰ جس پر حسن حقیقی کے کمالات ختم ہیں وہ بھی اپنے ذاتی جوش سے چاہتا ہے کہ وہ کمالات لوگوں پر کھل جائیں پس اس تحقیق سے ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی عبادت جو مدار و ذریعہ شناخت ہے ضرور اپنے بندوں سے چاہتا ہے اور جو شخص اس کی اس خواہش کا مقابلہ کرے اور اس کی پرستش سے منکر اور منحرف ہو تو ایسے شخص کو نابود کرنے کے لئے اس کی کبریائی متوجہ ہوتی ہے اگر تم صفحہ دنیا پر غور کر کے دیکھو اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اب تک سرکشوں اور بے ایمانوں سے کیا ہے اور جو کچھ وہ قدیم سے جفا کاروں اور ستم کاروں سے کرتا چلا آیا ہے اس پر عمیق نگاہ سے نظر ڈالو تو تم پر نہایت صفائی سے کھل جائے گا کہ بلاشبہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ بالضرور خدائے تعالیٰ اپنے ذاتی تقاضا سے نیکی سے دوستی اور بدی سے نفرت اور

﴿۲۱۹﴾ **بقیہ حاشیہ**

جو وتر قوس کا درمیانی نقطہ ہے مشابہت رکھتا ہے یہی نقطہ تمام کمالات انسانِ کامل کا دل ہے جو قوس الوہیت و عبودیت کی طرف بخطوط مساویہ نسبت رکھتا ہے اور یہی نقطہ ارفع نقاط ان خطوط عمودیہ کا ہے جو محیط سے قطر دائرہ تک کھینچے جائیں۔ اگرچہ وتر قوسین اور بہت سے ایسے نقاط سے تالیف یافتہ ہے جو درحقیقت کمالات روحانیہ صاحب وتر کے صور محسوسہ ہیں لیکن بجز ایک

﴿۲۲۰﴾ عداؔوت رکھتا ہے اور یہی چاہتا ہے کہ لوگ بدی کو چھوڑ دیں اور نیکی کو اختیار کریں گو نیکی اور بدی کو جو انسان سے ظہور میں آتی ہے اس کے کارخانۂ سلطنت میں کوئی مفید یا مضر دخل نہیں ہے لیکن ذاتی تقاضا اس کا یہی ہے اب ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ نے روحوں کو پیدا نہیں کیا تو وہ کسی روح سے اس مطالبہ کرنے کا مستحق نہیں ہے کہ وہ کمال درجہ کی پرستش جو اپنے پیدا کنندہ کے لئے چاہیے کیوں اس سے صادر نہیں ہوئی۔

قولہ۔ اب رہی یہ بات کہ خداوند تعالیٰ اگر بنانے والا نہیں تو محیط بھی نہیں ہوسکتا یہ تو وہ شاید کہتا جو خدا کا بھی بنانے والا ہوتا کیونکہ خدا کی سب صفات اور طاقتیں اس سبب سے نہیں کہ وہ روحوں کے بنانے والا ہے بلکہ حقیقت میں وہ سب صفات اس میں موجود ہیں۔

اقول۔ آج ہمیں ماسٹر صاحب کے کمالات علمی پر نظر ڈالنے سے بڑا ہی سرور حاصل ہوا ہمیں تعجب ہے کہ آریہ لوگ صاحب موصوف کو دیانند کا کیوں قائم مقام نہیں بناتے۔ ماسٹر صاحب کی نظر میں جو شخص یہ بات کہے کہ خدائے تعالیٰ کا ہر یک چیز پر محیط ہونا اس کے خالق ہونے کو مستلزم ہے وہ اس قول سے خدا کے بنانے والا بن جاتا ہے۔ اب

﴿۲۲۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

نقطؔہ مرکز کے اور جس قدر نقاط وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء و رسل و ارباب صدق و صفا بھی شریک ہیں اور نقطہ مرکز اس کمال کی صورت ہے کہ جو صاحب وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ و ارفع و اخص و ممتاز طور پر حاصل ہے جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہاں اتباع و پیروی سے ظلی طور پر شریک ہوسکتا ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ دراصل اسی نقطہ وسطی کا نام حقیقت محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقائق عالم کا

ماسٹر صاحب کے اس قول کو اسی جگہ بطور امانت رکھ کر اصل مطلب پر نظر کرنی چاہیے ﴿۲۲۱﴾
کہ یہ بات نہایت بدیہی اور ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ کسی چیز پر محیط ہے تو اس کا علم بھی
اس پر محیط ہوگا اور اس کی قدرت کاملہ بھی اس پر محیط ہوگی کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات
اس کی صفات سے الگ نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ وہ محیط ہونے کے وقت اپنی صفات کو کسی
طاق پر جدا رکھ آتا ہے۔ اب جبکہ قدرت کاملہ اور علم کامل خدائے تعالیٰ کا ہریک چیز پر محیط
ہوا تو یہی حقیقت خالقیت ہے کیونکہ ہم کئی مقام میں پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ علم کامل کو
بشرط قدرت عمل مستلزم ہے اگر انسان کسی چیز کی نسبت علم کامل رکھتا ہو اور با ایں ہمہ ایسے
اسباب بھی اسے میسر ہوں جن سے اس کو قدرت وطاقت عمل پیدا ہو جائے تو اس چیز کو وہ
بنا سکتا ہے بلکہ ہزار ہا صنعتیں جو انسان بنا رہا ہے اور ابتدائی پیدائش سے بناتا چلا آیا ہے
ان کے بنائے جانے کی ضروری شرطیں یہ دو ہی ہیں اور اگر کسی چیز کا علم کامل ہو اور پھر اس
پر تصرف کرنے کی قدرت کامل بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ چیز بنانے سے رہ جائے پس
جب کہ انسان کا یہ حال ہے تو پرمیشر پر وہ نا معلوم پتھر کون سے پڑ گئے کہ ایک طرف
تو اس کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہریک چیز کے بارے میں اس کا علم کامل ہے
اور وہ اپنے علم کامل اور قدرت کامل کے ساتھ ہریک چیز اور ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے
اور ایک طرف اُس کو خالق اور پیدا کنندہ ہونے سے صاف جواب دیا جاتا ہے

بقیہ حاشیہ

منبع واصل ہے اور درحقیقت اسی ایک نقطہ سے خط وتر انبساط وامتداد پذیر ﴿۲۲۱﴾
ہوا ہے اور اسی نقطہ کی روحانیت تمام خط وتر میں ایک ہویت ساریہ ہے
جس کا فیضِ اقدس اس سارے خط کو تعین بخش ہوگیا ہے۔ عالم جس کو
متصوفین اسماء اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا اوّل واعلیٰ مظہر جس سے
وہ علیٰ وجہ التفصیل صدور پذیر ہوا ہے یہی نقطہ درمیانی ہے جس کو اصطلاحات

﴿۲۲۲﴾ جب کہ یہ بات بدیہی ثبوت ہے کہ خالق ہونا محیط ہونے کی فرع ہے تو پھر اصل صفت کو جو محیط ہونا ہے ذات باری جل شانہٗ میں تسلیم کر کے اس کی فرع کے ماننے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بات اجلیٰ بدیہات ہے کہ اصل کے ثبوت کو فرع کا ثبوت لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص طلوع آفتاب کا اقرار کر کے پھر رات ہونے پر ضد کر رہا ہے وہ اپنی بات کو اپنے ہی قول سے ردّ کرتا ہے اسی طرح جب تم نے اپنے منہ سے مان لیا کہ خدائے تعالیٰ اپنی ذات اور علم کامل اور قدرت کامل سے ذرّہ ذرّہ عالم پر ایسا محیط ہے کہ ہر یک چیز اس کے احاطہ تام میں معہ اپنی تمام کنہ و کیفیت کے مستغرق ہے تو تمہیں اس کی یہ فرع بھی ماننی پڑے گی کہ وہ ان چیزوں کا خالق بھی ہے کیونکہ علم تام کو عمل جو جو اس کی فرع ہے لازم پڑا ہوا ہے اور جس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے پہلے اول اس چیز کا علم ضروری ہے کہ وہ چیز اس طور اور اس طریق سے بنانی چاہیے اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی عمل پر قادر ہونے کے لئے یہی ایک طریق ہے کہ اس عمل کے متعلق علم تام حاصل ہو جائے۔ سو اگر خدائے تعالیٰ اعیانِ موجودات کی حقیقت سے جیسا کہ چاہیے واقف ہے تو بے شک وہ ان کے بنانے پر بھی قادر ہے وجہ یہ کہ علم تام اسی علم کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وجود اشیاء کی اصل حقیقت کما حقہ منکشف ہو جائے اور کوئی جز وجود کی غیر مکشوف نہ رہے۔ انسان کا علم جو ناقص ہے وہ اسی وجہ سے ناقص ہے

﴿۲۲۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

اہل اللہ میں نفسی نقطہ احمد مجتبیٰ و محمد مصطفیٰ نام رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی اصطلاحات میں عقل اول کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس نُقطہ کو دوسرے وتری نقاط کی طرف وہی نسبت ہے جو اسم اعظم کو دوسرے اسماء الٰہیہ کی طرف نسبت واقعہ ہے۔ غرض سر چشمہ رموزِ غیبی و مفتاح کنوزِ لاریبی اور انسان کامل دکھلانے کا آئینہ یہی نقطہ ہے اور تمام اسرار مبدء و معاد کی علت غائی اور ہر یک زیرو

کہ کنہ اشیاء تک نہیں پہنچتا بلکہ وہ کچھ تھوڑا ہی چل کر پھر آگے چلنے سے رہ جاتا ہے مثلاً ﴿۲۲۳﴾
انسان ایک حجری مومیائی کو دیکھ کر اس قدر تو کہہ سکتا ہے کہ یہ مومیائی بخارات لطیفہ پتھر میں سے نکلی ہے اور پھر پتھر پر غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر بالو یعنی ریت کی دہنیت دار اجزاء سے وجود پذیر ہوا ہے اور پھر بالو کی نسبت رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ وہ خاک کے بعض تغیرات سے پیدا ہوئی ہے لیکن اگر اس کے بعد یہ آخری سوال کیا جائے کہ خاک کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوگئی ہے۔ اور اس کے کنہ دریافت کرنے کی کیا فلاسفی ہے تو اس سوال کے حل کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور اپنے جہل اور عجز کا اقرار کرتا ہے ایسا ہی ہر یک چیز کے انتہائی سوال پر اس کو اپنی نادانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم لکھتے ہیں کہ اگر پرمیشر کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا علم بھی انسان کے علم کی طرح کسی حد پر آ کر ٹھہر جاتا ہے اور اس حد مقررہ پر آ کر اس کو اپنے جہل و نادانی و ناتوانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے تو بس پھر ہندوؤں کے پرمیشر کی ساری کیفیت معلوم ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ہندوؤں کا فرضی پرمیشر علاوہ اور نقصانوں کے جاہل اور عاجز بھی ہے۔ لیکن اگر اس کا علم غیر محدود اور غیر منقطع ہے اور اس درجہ کاملہ کنہ اشیاء تک پہنچا ہوا ہے جس درجہ پر کسی علم کا پہنچنا عامل ہونے کو

بقیہ حاشیہ

بالا کی پیدائش کی لمیت یہی ہے جس کے تصوّر بالکنہ و تصور بکنہ سے تمام ﴿۲۲۳﴾
عقول و افہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر یک حیات خدائے تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر یک وجود اس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر یک تعین اس کے تعین سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نقطہ محمدیہ جمیع مراتب اکوان اور خطائر امکان میں باذنہٖ تعالیٰ حسب استعدادات مختلفہ و طبائع متفاوتہ مؤثر ہے اور چونکہ یہ نقطہ جمیع مراتب الٰہیہ کا ظلّی طور پر اور جمیع مراتب کونیہ کا منبع و اصلی طور پر جامع بلکہ انہیں دونوں کا مجموعہ ہے اس لئے یہ ہر یک مرتبہ کونیہ پر جو عقول و نفوس کُلیہ و جزئیہ و مراتب طبعیہ

﴿۲۲۴﴾ مستلزم ہے تو خالقیت اس کی خود ثابت ہے۔

پھر بعد اس کے ماسٹر صاحب اپنی ایک اور دانائی دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کہ پرمیشر نے دنیا کا کل جوڑنا جاڑنا کیا تو کیا وہ محیط نہ ہوا۔ اے ناظرین کیا تم اب بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ماسٹر صاحب کس قدر عالم و فاضل ہیں۔ اے صاحب اگر آپ کا پرمیشر معہ اپنے علم تام وقدرت کاملہ کے جس سے وہ کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتا دنیا کی چیزوں پر احاطہ تام رکھتا اور ان کی کنہ تک اس کا علم پہنچا ہوا ہوتا اور ان کے خواص کی کیفیت اور ان کی قوتوں کی اصل ماہیت انتہائی درجہ پر اس کو معلوم ہوتی تو اس کی قدرت پر یہ پتھر کیوں پڑتے کہ صرف جوڑنے جاڑنے تک محدود رہتی۔ کیا انتہائی درجہ کا علم انتہائی درجہ کے عمل کو نہیں چاہتا؟ کیا دنیا میں کبھی کسی نے دیکھا یا سنا کہ جس درجہ پر علم ہے عمل اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اب واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کے اقوال فاسدہ کا خاتمہ بد اسی قول پر ہوگیا ہے جس کو ابھی ہم رد کر چکے ہیں۔ **والحمدللّٰہ علی مانصرنا و اخزی اعدائنا وظھر الحق وھم کارھون۔**

مختصر تقریر بطور خلاصہ مباحثہ

ناظرین اس رسالہ کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ ماسٹر مرلیدھر صاحب کا اعتراض شق القمر

﴿۲۲۴﴾ **بقیہ حاشیہ**

الٰی آخر تنزّلات وجود سے مراد ہے اجمالی طور پر احاطہ رکھتا ہے۔ ایسا ہی ظلّ الوہیت ہونے کی وجہ سے مرتبہ الٰہیہ سے اس کو ایسی مشابہت ہے جیسے آئینہ کے عکس کو اپنے اصل سے ہوتی ہے۔ اور امہات صفات الٰہیہ یعنی حیواۃ علم ارادہ قدرت، سمع بصر کلام مع اپنے جمیع فروع کے اتم واکمل طور پر اس میں انعکاس پذیر ہیں۔ اس نقطہ مرکز کو جو برزخ بین اللہ و بین الخلق ہے یعنی نفسی نقطہ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجرد کلمۃ اللہ کے مفہوم تک محدود نہیں

﴿۲۲۵﴾ پر کس قدر فضول اور دور از حق ہے کیونکہ اوّل تو یہ اعتراض اگر فرضی طور پر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ اس آیت قرآنی کے دوسرے طور پر معنے ہیں تو ایسا قرار دینے سے کوئی بد اثر اسلام پر نہیں پہنچ سکتا اگر کچھ اثر ہوگا تو صرف یہی کہ ہزارہا معجزات میں سے ایک معجزہ بہ پایۂ ثبوت نہ پہنچ سکا لیکن جس حالت میں صدہا شواہد قاطعہ حقیت اسلام پر موجود ہیں اور خود قرآن شریف اپنی ذات میں مجموعہ براہین و دلائل ہے تو پھر اگر عدم ثبوت شق القمر فرض بھی کرلیا جائے تو اس سے حرج یا نقصان کیا ہوا۔ کیا ان قرآنی معجزات کا کوئی کتاب جو الہامی کہلاتی ہے مقابلہ کرسکتی ہے جن سے ذاتی اعجاز قرآن شریف کا ثابت ہوتا ہے اور اس کے روحانی خواص بپایہ ثبوت پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف توحید کے کامل اور پرزور بیان میں اپنے اصول کو معقول اور مدلل طور پر ثابت کرنے میں، اخلاق فاضلہ کے تمام جزئیات کے لکھنے میں، اخلاق ذمیمہ کے معالجات لطیفہ میں، وصول الی اللہ کے تمام طریقوں کی توضیح میں، نجات کی سچی فلاسفی ظاہر کرنے میں، صفات کاملہ الٰہیہ کے اکمل واتم ذکر میں، مبدء ومعاد کے پرحکمت بیان میں روح کی خاصیتوں اور قوتوں اور طاقتوں اور استعدادوں کے بیان میں حکمت بالغہ الٰہیہ کے تمام وسائل پر احاطہ کرنے میں، تمام اقسام

﴿۲۲۵﴾ **بقیہ حاشیہ**

کر سکتے جیسا کہ مسیح کو اس نام سے محدود کیا گیا ہے کیونکہ یہ نقطہ محمدیہ ظلّی طور پر مستجمع جمیع مراتب الوہیت ہے اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں حضرت مسیح کو ابن سے تشبیہ دی گئی ہے بباعث اسی نقصان کے جو ان میں باقی رہ گیا ہے کیونکہ حقیقت عیسویہ مظہراتم صفاتِ الوہیت نہیں ہے بلکہ اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے برخلاف حقیقت محمدیہ کے کہ وہ جمیع صفات الٰہیہ کا اتم واکمل مظہر ہے جس کا ثبوت عقلی ونقلی طور پر کمال درجہ پر پہنچ گیا ہے سو اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں ظلّی طور پر خدائے قادر ذوالجلال سے آنحضرتؐ کو آسمانی کتابوں میں تشبیہ دی گئی ہے جو

﴿۲۲۶﴾ کی صداقتوں پر مشتمل ہونے میں۔ تمام مذاہب باطلہ کو عقلی طور پر رد کرنے میں۔ حقوق عباد اللہ کے قائم کرنے میں۔ تأثیرات وتنویرات روحانیہ میں اور پھر باایں ہمہ فصیح اور بلیغ اور رنگین عبارت میں۔ اس کمال کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ ہر یک حصہ اس کے بیان کا ان بیانات میں سے درحقیقت معجزہ عظیمہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی آریہ کر سکتا ہے نہ کوئی عیسائی اور نہ کوئی یہودی اور نہ کوئی اور شخص جو کسی مذہب کا پابند ہے۔ اس جگہ بید سراسر بے ثمر ہے اور توریت وانجیل سراسر بے اثر۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا جو قرآن شریف نے کیا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ [1] یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر سب جن وانس اس بات پر متفق ہو جائیں کہ قرآن کی کوئی نظیر پیش کرنی چاہیئے تو ممکن نہیں کہ کر سکیں اگرچہ بعض بعضوں

﴿۲۲۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

ابن کے لئے بجائے اَبْ ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا اضافی طور پر ناقص ہونا اور قرآنی تعلیم کا سب الہامی تعلیموں سے اکمل واتم ہونا وہ بھی درحقیقت اسی بناء پر ہے کیونکہ ناقص پر ناقص فیضان ہوتا ہے اور اکمل پر اکمل۔

اور جو تشبیہات قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلّی طور پر خداوند قادر مطلق سے دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہی آیت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۔[2] یعنی وہ (حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ترقیات کاملہ قرب کی وجہ سے دو قوسوں میں بطور وتر کے واقع ہے بلکہ اس سے نزدیک تر۔ اب ظاہر ہے کہ وتر کی طرف اعلیٰ میں قوس الوہیت ہے سو جب کہ نفس پاک محمدی اپنے شدتِ قرب اور نہایت درجہ کی صفائی کی وجہ سے وتر کی حد سے آگے بڑھا اور دریائے الوہیت سے نزدیک تر ہوا تو اس

[1] بنی اسرائیل :۸۹ [2] النجم :۹،۱۰

﴿۲۲۷﴾ کی مدد بھی کریں۔اور جو کچھ قرآن شریف کے ذاتی معجزات اس جگہ ہم نے تحریر کئے ہیں۔ اگر کسی آریہ وغیرہ کو اپنے دل میں کچھ گھمنڈ یا سر میں کچھ غرور ہو اور خیال ہو کہ یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ وید یا اس کی کوئی اور کتاب جس کو وہ الہامی سمجھتا ہے اس کا مقابلہ کر سکتی ہے تو اسے اختیار ہے کہ آزما کر دیکھ لے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی مخالف ممتاز اور ذی علم لوگوں میں سے ان معجزات قرآنیہ میں سے کسی معجزہ کا انکاری ہو اور اپنی کتاب الہامی میں زور مقابلہ خیال کرتا ہو تو ہم حسب فرمائش اس کے کوئی قسم اقسام معجزات ذاتیہ قرآن شریف میں سے تحریر کر کے کوئی مستقل رسالہ شائع کر دیں گے پھر اگر اس کی الہامی کتاب قرآن شریف کا مقابلہ کر سکے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ تمام معجزات قرآنی سے منکر ہو جائے اور جو شرط قرار دی جائے ہم سے پوری کر لے ورنہ صرف عناد اور کور باطنی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۲۷﴾ ناپیدا کنار دریا میں جا پڑا اور الوہیت کے بحرِ اعظم میں ذرّہ بشریت گم ہو گیا۔اور یہ بڑھنا نہ مستحدث اور جدید طور پر بلکہ وہ ازل سے بڑھا ہوا تھا اور ظلّی اور مستعار طور پر اس بات کے لائق تھا کہ آسمانی صحیفے اور الہامی تحریریں اس کو مظہر اتم الوہیت قرار دیں اور آئینہ حق نما اس کو ٹھہراویں پھر دوسری آیت قرآن شریف کی جس میں یہی تشبیہ نہایت اصفٰی و اجلٰی طور پر دی گئی ہے یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ [1] یعنی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔خدا کا ہاتھ ہے جو ان کے ہاتھوں پر ہے۔واضح ہو کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا کرتے تھے اور مردوں کے لئے یہی طریق بیعت کا ہے سو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے بطریق مجاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو اپنی ذات اقدس ہی قرار دے دیا

[1] الفتح :۱۱

﴿۲۲۸﴾ کی وجہ سے معجزہ شق القمر سے انکار کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جس سے اسلام کے ایک بال کو بھی ضرر پہنچ سکے جب معجزات موجودہ قرآنیہ کا مخالفین سے رد نہیں ہوسکتا تو موجود کو چھوڑ کر ان معجزات کی بحث چھیڑنا جواب آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں سراسر بے راہی ہے۔ ماسوا اس کے جس قدر ہم نے مقدمہ میں قانون قدرت کی تحقیقات میں لکھا ہے اس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ شق قمر کا استبعاد عقلی درحقیقت ایسا نہیں ہے جیسا کہ نادان نیم حکیم خیال کرتے ہیں ابھی تک کسی عقل نے خواص قمری و شمسی پر احاطہ نہیں کیا اور نہ یہ ثابت کیا کہ خدائے تعالیٰ ان چیزوں کو بنا کر بکلی بے تعلق ہوگیا ہے اور اب یہ چیزیں اس سے باغی ہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے دونوں ہاتھ محو اور اثبات کے ابدی طور پر کھلے ہیں اور اپنی بے انتہا اور ناپیدا کنار قدرتوں سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم علم سے

﴿۲۲۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ یہ کلمہ مقام جمع میں ہے جو بوجہ نہایت قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے اور اسی مرتبہ جمع کی طرف جو محبت تامہ دوطرفہ پر موقوف ہے اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [1] تو نے نہیں چلایا خدا نے ہی چلایا جب کہ تو نے چلایا ایسا ہی یہ اشارہ اس دوسری آیت میں پایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ [2] یعنی ان کو کہہ دے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا (یعنی ارتکاب کبائر کیا) تم خدا کی رحمت سے نومید مت ہو وہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا۔ اب ظاہر ہے کہ بنی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تو بندے نہیں ہیں بلکہ سب نبی و غیر نبی خدائے تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولیٰ کریم سے قرب اتم یعنی تیسرے درجہ کا

[1] الانفال:۱۸ [2] الزمر:۵۴

عدم شئے لازم نہیں آتا جس حالت میں کرۂ ارض میں خاصیت زلازل وانشقاق واتصال ﴿۲۲۹﴾
پائی جاتی ہے چنانچہ بعض گذشتہ زمانوں میں صدہا میل تک زمین منشق ہوکر تہ وبالا ہوگئی ہے
اوراب بھی ایسے حوادث ظہور میں آتے رہتے ہیں اوران حوادث سے اس کی گردش میں
کچھ بھی فرق نہیں آتا تو پھر حوادث قمری پر کیوں تعجب کیا جائے کیا ممکن نہیں کہ اس میں حکیم
مطلق نے انشقاق واتصال کی دونوں خاصیتیں رکھی ہوں جن کا ظہور اوقات مقررہ سے
وابستہ ہواور ازلی ارادہ سے وہی وقت ظہور مقرر ہو جب کہ ایک نبی سے ایسا ہی معجزہ مانگا
گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کی قوت قدسیہ کے اثر سے دیکھنے والوں کو کشفی آنکھیں عطا کی گئی
ہوں اور جو انشقاق قرب قیامت میں پیش آنے والا ہے اس کی صورت ان کی آنکھوں کے
سامنے لائی گئی ہو کیونکہ یہ بات محقق ہے کہ مقربین کی کشفی قوتیں اپنی شدت حدت کی وجہ

بقیہ حاشیہ

قربِ حاصل تھا سو یہ سخن بھی مقام جمع سے سرزد ہوا اور مقام جمع قاب قوسین کا ﴿۲۲۹﴾
مقام ہے جس کی تفاصیل کتب تصوف میں موجود ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے مقام
جمع کے لحاظ سے کئی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے رکھ دیئے ہیں جو
خاص اس کی صفتیں ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ رکھا ہے جس کا
ترجمہ یہ ہے کہ نہایت تعریف کیا گیا سو یہ غایت درجہ کی تعریف حقیقی طور پر خدائے
تعالیٰ کی شان کے لائق ہے مگر ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ایسا
ہی قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور جو دنیا کو روشن
کرتا ہے اور رحمت جس نے عالم کو زوال سے بچایا ہوا ہے آیا ہے اور
رؤف اور رحیم جو خدائے تعالیٰ کے نام ہیں ان ناموں سے بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پکارے گئے ہیں اور کئی مقام قرآن شریف میں اشارات
وتصریحات سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم الوہیت
ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام اور ان کا ظہور خدا کا ظہور اور ان کا

﴿۲۳۰﴾ سے دوسروں پر بھی اثر ڈال دیتے ہیں اس کے نمونے ارباب مکاشفات کے قصوں میں بہت پائے جاتے ہیں بعض اکابر نے اپنے وجود کو ایک وقت اور ایک آن میں مختلف ملکوں اور مکانوں میں دکھلا دیا ہے باذن اللہ تعالیٰ اور اس جگہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حال کی فلسفی تحقیقاتیں شہادت دے رہی ہیں کہ شق قمر نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ مخفی طور پر یہ انشقاق و اتصال ہمیشہ شمس وقمر میں جاری ہے کیونکہ اس زمانہ کی فلاسفی اپنی مستحکم رائے ظاہر کرتی ہے کہ شمس وقمر میں ایسی ہی آبادی حیوانات ونباتات وغیرہ ہے جیسی زمین پر ہے اور یہ امر انشقاق واتصال قمری کو ثابت کرنے والا ہے کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جس کرہ میں حیوانات ونباتات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں وہ اسی کرہ کا مادہ لے کر جسم پکڑتے ہیں یہ نہیں کہ کسی دوسرے کرہ سے گاڑیوں اور چھکڑوں پر وہ مادہ جاتا ہے اب جبکہ یہ ماننا پڑا کہ کرہ قمری میں جس قدر حیوانات اپنے حرکت ارادے سے چلنے والے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا جسمی مادہ وہی ہے جو کسی وقت جرم قمر سے اتصال رکھتا تھا تو اس سے یہ بھی ماننا پڑا کہ جرم قمر کو ہمیشہ انشقاق لازم ہے اور پھر ان حیوانات کے مرجانے سے انشقاق کے بعد اتصال بھی لازم پڑا ہوا ہے تو اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اصل صورت انشقاق و اتصال کی ہر وقت قمر میں بلکہ شمس میں بھی موجود ہے ہاں ایک

﴿۲۳۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

آنا خدا کا آنا ہے چنانچہ قرآن شریف میں اس بارے میں ایک یہ آیت بھی ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [1] کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل نے بھاگنا ہی تھا۔ حق سے مراد اس جگہ اللہ جل شانہٗ اور قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور باطل سے مراد شیطان اور شیطان کا گروہ اور شیطانی تعلیمیں ہیں سو دیکھو اپنے نام میں خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر شامل کرلیا اور آنحضرتؐ کا ظہور فرمانا خدا تعالیٰ

[1] بنی اسرائیل : ۸۲

﴿۲۳۱﴾ بزرگ نمونہ اس انشقاق و اتصال کا وہ واقعہ شق قمر ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے سو جب کہ خورد نمونہ کو فلسفی لوگ خود مانتے ہیں تو بزرگ سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے اصل بات تو فلسفیوں کے طریق پر بھی ثابت ہے کہ قمر اور شمس کی جرم میں انشقاق اور اتصال دونوں ہوتے رہتے ہیں اسی بنا پر تو ان دونوں کرہ میں حیوانات کی آبادی تسلیم کی گئی ہے تو پھر یہ کیسا جاہلانہ سیاپا ہے کہ پرمیشر شق قمر پر قادر نہیں۔ علاوہ اس کے ہم نے تاریخی طور پر مضبوط ثبوت دے دیا ہے کہ ضرور شق القمر وقوع میں آیا۔ یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ اگر قرآن شریف میں یہ معجزہ خلاف واقع لکھا جاتا اور خلاف واقعہ اس کی اشاعت ہوتی تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ مخالفین جن کی نسبت گواہ رؤیت ہونے کا الزام لگایا گیا چپ رہتے۔ ہم نے اس بحث میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کتاب مہا بھارت جس کی تالیف بیاس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ ایک زمانہ میں شق قمر ضرور ہوا تھا۔ اب ناظرین اپنی عقل و انصاف سے سوچ لیں کہ کیا یہ ثبوت جو ہم نے دیئے ہیں کچھ کم ہیں کیا تاریخی واقعات کے ثابت کرنے والے اس سے بڑھ کر ثبوت دیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے آریوں کے اصول و عقائد پر اعتراض کیا ہے وہ بھی ناظرین کے آگے ہے۔ وید کی یہ تعلیم کہ خدائے تعالیٰ روحوں اور مواد کا خالق نہیں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۱﴾ کا ظہور فرمانا ہوا ایسا جلالی ظہور جس سے شیطان معہ اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ہوگئیں اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست آئی۔ اسی جامعیت تامہ کی وجہ سے سورۃ آل عمران جز و تیسری میں مُفصل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالیت شان خاتم الرسل پر جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایمان لاؤ اور ان کی اس عظمت اور جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد

اوراس کی طرح ہر یک چیز خود بخود اور قدیم اور واجب ہے اور ہمیشہ کے لئے کسی کو نجات نہیں اس کے سب مفاسد ہم نے اس رسالہ میں بیان کر دیئے ہیں اور اس کی رد کے دلائل اپنے ہاتھ سے لکھ دیئے ہیں اور ہم ہر یک پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ نہایت بری تعلیم ہے کہ جو انسان کو اپنے خالق سے اصلی پیوند ہے اس کو بھی دور کرنا چاہتی ہے چہ جائیکہ اس کو دوسرے پیوند کی خوشخبری دے۔ ایسا ہی یہ لوگ وید کے بعد دنیا کے انتہا تک الہامات الٰہیہ کے منکر ہیں یہ کس قدر مفسدانہ خیال ہے۔ نبی کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا وہ اپنے ظہور سے نقطہ آخری ترقیات انسانیہ کا ظاہر کرے اور اپنے وجود سے دو طرفہ نمونہ صدق عبودیت و فضل ربوبیت قائم کر کے سالکین و مجاہدین کی کمر ہمت مضبوط کرے اور ان کو اسی انتہائی کمال تک اپنے تعطف سے پہنچانا چاہے جس پر عنایت ایزدی نے اس کو قائم کیا ہے لیکن یہ لوگ الہام کو جو کمالیت کی حقیقی علامت ہے ویدوں تک محدود رکھتے ہیں اور اگر کوئی آریہ ہمارے اس تمام رسالہ کو پڑھ کر پھر بھی اپنی ضد کو چھوڑنا نہ چاہے اور اپنے کفریات سے باز نہ آوے تو ہم خدائے تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر اس کو مباہلہ کی طرف ﴿۲۳۲﴾

بقیہ حاشیہ ﴿۲۳۲﴾

کرو۔ اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی و رسول گزرے ہیں وہ سب کے سب عظمت و جلالیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرتے آئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں یہ بات کہہ کر کہ خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر چمکا صاف جتلا دیا کہ جلالیت الٰہی کا ظہور فاران پر آ کر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور آفتاب صداقت کی پوری پوری شعاعیں فاران پر ہی آ کر ظہور پذیر ہوئیں اور وہی توریت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ فاران مکہ معظّمہ کا پہاڑ ہے جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جدامجد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونت پذیر ہوئے۔

﴿۲۳۳﴾ بلاتے ہیں۔ مذہب کی جڑھ خداشناسی اور معرفت نعماء الٰہی ہے اور اس کی شاخیں اعمال صالحہ اور اس کے پھول اخلاق فاضلہ ہیں اور اُس کا پھل برکات روحانیہ اور نہایت لطیف محبت ہے جو ربّ اور اس کے بندہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس پھل سے متمتع ہونا روحانی تقدس و پاکیزگی کا مثمر ہے۔

عشق را درماں بود عشق دگر ترکِ خوبی مے کناند خوب تر
می تواں آہن بآہن کوفتن شیر با شیرے نماید زور تن
رو بدریائے در آر و غوطہ زن گر غریق اندر نجاست ہاست تن

کمالیت محبت کمالیت معرفت سے پیدا ہوتی ہے اور عشقِ الٰہی بقدر معرفت جوش مارتا ہے اور جب محبت ذاتیہ پیدا ہو جاتی ہے تو وہی دن نئی پیدائش کا پہلا دن ہوتا ہے اور وہی ساعت نئے عالم کی پہلی ساعت ہوتی ہے لیکن وید خداشناسی کے بارے میں نہایت درجہ کا ناقص اور رہزن ہے اور نعماء الٰہی کے بیان کرنے میں بغایت درجہ قاصر ہے کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کے اصل رحم اور فضل سے بکلّی منکر ہے اور بجز ثمرۂ اعمال

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۳﴾ اور یہی بات جغرافیہ کے نقشوں سے بپایۂ ثبوت پہنچتی ہے اور ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ مکہ معظّمہ میں سے بجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی رسول نہیں اٹھا سو دیکھو حضرت موسیٰ۔ کیسی صاف صاف شہادت دی گئی ہے کہ وہ آفتاب صداقت جو فاران کے پہاڑ سے ظہور پذیر ہوگا اس کی شعاعیں سب سے زیادہ تیز ہیں اور سلسلہ ترقیات نور صداقت اسی کی ذات جامع برکات پر ختم ہے۔

اِسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت و عظمت کا اقرار کر کے زبور پینتالیس میں یوں بیان کیا ہے (۲) تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے لبوں میں نعمت بتائی گئی ہے اسی لئے خدا نے

﴿۲۳۴﴾ اسؔ کی کسی نعمت و رحمت کا قائل نہیں یاں تک کہ چاند اور سورج اور زمین وغیرہ اجزاء ضروریہ اولیہ عالم کی وید کے رو سے خدا تعالیٰ کی ذاتی واصلی رحمت نہیں بلکہ یہ بھی کسی آریہ کے نیک عمل کی وجہ سے ہر یک نئی دنیا میں خواہ نخواہ پرمیشر کو پیدا کرنی پڑتی ہیں غرض وید کے رو سے پرمیشر میں اپنی ذاتی رحمت کا نام ونشان نہیں جو کچھ آسمان و زمین میں نظر آتا ہے وہ آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے پیدا ہو گیا مگر پرمیشر کی اس میں بڑی بھاری غلطی یہ ہے کہ وہ زمین اور چاند و سورج وغیرہ کو پیدا تو کرے صرف آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے اور پھر دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اس ہندوؤں کے حق خاص میں شریک کر دے کیسا ظلم ہے؟ ایسا ہی وید نے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے بیان سے فراغت کر رکھی ہے آریہ لوگوں کے شتر بے مہار رہنے کی یہی وجہ ہے کہ عبودیت اور پرستش کے

بقیہ حاشیہ

﴿۲۳۴﴾ تجھ کو ابد تک مبارک کیا (۳) اے پہلوان تو جاہ وجلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا (۴) امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار ہو کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا (۵) بادشاہ کے دلوں میں تیرے تیر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں (۶) اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے (یہ فقرہ اسی مقام جمع سے ہے جو قرآن شریف میں کئی مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے) تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے (۷) تو نے صدق سے دوستی اور شر سے دشمنی کی اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تر تجھے معطر کیا۔ بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والی عورتوں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت **یسعیا** نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت و عظمت ومظہر تام الوہیت ہونے کے بارے میں اپنے صحیفہ کے باب بیالیس میں بطور

پاک طریقے اور تزکیہ نفس کی خالص تدبیریں وید میں ہرگز نہیں ہیں پرستش کی جڑھ ﴿۲۳۵﴾
تلاوت کلام الٰہی ہے کیونکہ محبوب کا کلام اگر پڑھا جائے یا سنا جائے تو ضرور سچے محبّ کے لئے محبت انگیز ہوتا ہے اور شورش عشق پیدا کرتا ہے۔ مگر آریہ لوگ اس سے کوسوں دور ہیں۔ اگر وید کو پڑھیں تو انہیں اس کی حقیقت بھی معلوم ہو۔ اب تو ان کی پرستش یہی ہے کہ وہ ناحق گھی وغیرہ چیزوں کو ہوم کے خیال سے آگ پر برباد کرتے ہیں اگر یہ چیزیں کسی کو کھانے کو دے دیں تب بھی کچھ بات ہو۔ برکات روحانیہ ومحبت دوطرفہ کا تو کیا ذکر کریں اس نعمت سے متمتع ہونا تو وید کے رشیوں کی نسبت بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کون تھے کیا نام تھا کس شہر میں رہا کرتے تھے اور کس عمر میں الہام پایا تھا اور ان کے ملہم ہونے کے کیا کیا ثبوت ہیں۔ یہ جو سنایا جاتا ہے کہ ان کا نام اگنی ووایو یعنی

بقیہ حاشیہ

پیشگوئی وحی پاکر یوں بیان کیا ہے۔ دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا میرا ﴿۲۳۵﴾
برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں پر راستی ظاہر کرے گا۔ وہ نہ گھٹے گا اور نہ تھکے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ بیابان اور اس کی بستیاں کیدار (یعنی عرب) کے آباد دیہات (جس سے مکہ معظّمہ وغیرہ مراد ہیں) اپنی آواز بلند کریں۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا (خداوند سے مراد ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ وہ مظہر اتم الوہیت اور درجہ سوم قُرب پر ہیں جیسا کہ کئی دفعہ ہم بیان کرچکے ہیں) وہ اپنے تئیں اپنے دشمنوں پر قوی دکھلائے گا۔ قدیم سے میں خاموش رہا ہوں اور ستایا اور آپ کو روکے گیا پر اب میں اس عورت کی طرح جو درد زِہ میں ہو چلاؤں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کرڈالوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وے نہیں جانتے لے جاؤں گا۔

﴿۲۳۶﴾ آگ وہوا وغیرہ تھا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جیسا کہ منشی اندرمن صاحب مرادآبادی بھی اپنے رسالہ آریو پرکاش میں اس کے قائل ہیں۔ ہندوؤں کو آگ وغیرہ اپنے دیوتاؤں سے بہت پیار رہا ہے اور رگوید کی پہلی شرتی اگنی سے ہی شروع ہوتی ہے سوجن چیزوں سے وہ پیار کرتے تھے انہیں چیزوں پر ویدوں کا نازل ہونا تھاپ دیا ورنہ ویدوں میں تو کہیں نہیں لکھا کہ حقیقت میں ایسے چار آدمی کسی ابتدائی زمانہ میں گزرے ہیں اور انہیں پر وید نازل ہوئے ہیں اور اگر لکھا ہے تو پھر آریوں پر واجب ہے کہ ویدوں کے رو سے ان کا ملہم ہونا اور ان کا سوانح عمری کسی رسالہ میں چھپوادیں۔ آریوں کا یہ اعتقادی مسئلہ ہے کہ ابتدائے دنیا میں نہ صرف ایک دو آدمی بلکہ کروڑہا آدمی مختلف ملکوں میں مینڈکوں کی طرح زمین کے بخار سے پیدا ہوگئے تھے ان میں سے آریہ دیس کے چار رشی ملہم اور باقی سب مخلوقات الہام سے بے نصیب اور ان ملہموں کے حوالے کردی گئی تھی۔ اس

﴿۲۳۶﴾ **بقیہ حاشیہ**

ایسا ہی یوحنا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے بطور پیشگوئی گواہی دی جو انجیل متی باب سوم میں اس طرح پر درج ہے۔ (۱۱) میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسما دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح قُدس اور آگ سے بپتسما دے گا۔ اس پیشگوئی پر محض نادانی کی راہ سے عیسائی لوگ خصومت کرتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے مگر یہ دعویٰ سراسر باطل وبے بنیاد ہے اوّل تو حضرت مسیح حضرت یوحنا کے ہم عصر تھے نہ کہ بعد میں آنے والے یا بعد میں ابنیت کا منصب پانے والے۔ ماسوا اس کے ہریک شخص آزما سکتا ہے کہ دائمی طور پر سچے طالبوں کو روح قُدس اور آتش محبت سے بپتسما دینے والا آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہے یعنی جناب سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے جلالِ تام کا حضرت مسیح اپنی پیش گوئیوں

صورت میں ضرور لازم آتا ہے کہ اپنے ملہموں کی تمیز و شناخت کیلئے پرمیشر نے ان ﴿۲۳۷﴾
رشیوں کو کوئی ایسے نشان دیئے ہوں جن سے دوسرے لوگ جو اسی زمانہ میں پیدا ہوئے
تھے ان کو شناخت کرسکیں اور اگر ایسے نشان دیئے تھے تو وید میں سے ثابت کرنی چاہیے
اور یقیناً سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی نری لاف ہے کہ وید کے رشی تمام ممالک کی اصلاح کے
لئے مامور ہوئے تھے اگر ایسا ہوتا تو وید میں ضرور یہ لکھا ہوتا کہ کبھی وہ رشی اپنی چار دیوار
آریہ دیس سے نکل کر کسی دور دراز ملک میں وعظ کرنے کیلئے گئے تھے وید میں امریکہ کا
کہاں ذکر ہے افریقہ کا نشان کہاں پایا جاتا ہے یوروپ کے مختلف ملکوں اور حصوں
سے وید کو کب خبر ہے بلکہ ایشیائی ملکوں کی اطلاع سے بھی وید غافل ہے اور اس کے
پڑھنے سے جا بجا صاف معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر کی ہمگی تمامی جائیداد ہندوستان یعنی

بقیہ حاشیہ

میں آپ اقرار کرتے ہیں اور اسی روح کے بپتسما کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف ﴿۲۳۷﴾
میں اشارہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ [1] یعنی
خدائے تعالیٰ مومنوں کو روح قدس سے تائید کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے۔
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً [2] یعنی یہ خدا کا بپتسما ہے اور
کون سا بپتسما اس سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو قوم روح القُدس سے کسی وقت تائید دی گئی
ہے وہ اب بھی دی جاتی ہے کیونکہ اب بھی وہی خدا ہے جو پہلے تھا اور قوم بھی
وہی ہے جو پہلے تھی سو اگر حضرات عیسائیوں کو اس بات میں کچھ شک ہو کہ اس
پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت مسیح نہیں ہیں تو
نہایت صاف اور سہل طریق فیصلہ کرنے کا یہ ہے کہ چالیس دن تک کوئی ایسے
پادری صاحب جو اپنی قوم میں نہایت بزرگ اور روح قدس کا بپتسما

---

[1] المجادلة : ۲۳ [2] البقرة : ۱۳۹

﴿۲۳۸﴾ آریہ دیس ہی ہے بھلا اگر ہم ان تمام باتوں میں سچے نہیں ہیں تو ویدوں کے رو سے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ کسی وید کے رشیوں نے آریہ دیس سے باہر قدم رکھ کر اور ویدوں کو اپنی بغل میں لے کر غیر ممالک کا بھی سفر کیا تھا یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی پنڈت دیانند بھی ثابت نہ کرسکا اب عجیب طور پر وید کے پرمیشر کا ظلم ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وید صاف اقراری ہے کہ دنیا کی ابتدا میں متفرق طور پر متفرق ممالک میں نوع انسان زمین سے پیدا ہوگئے تھے اور ان سب کی اصلاح کے لئے وید آئے تھے اور پھر دوسری طرف یہ عجیب وید کچھ ثبوت ہاتھ میں نہیں پکڑاتا کہ کب اور کس وقت ویدوں کے رشی دوسرے ملکوں میں سمجھانے کے لئے گئے تھے یا اپنے خط بھیجے تھے یا پیغام پہنچانے سے شرط تبلیغ پوری کی تھی یا وید میں وصیت کر گئے تھے کہ فلاں فلاں ملک اور بھی ہیں ان میں

﴿۲۳۸﴾ **بقیہ حاشیہ**

پانے کے لائق خیال کئے جاتے ہوں اور ان کی بزرگواری اور خدا رسیدہ ہونے پر اکثر عیسائیوں کو اتفاق ہو وہ اس امر کی آزمائش و مقابلہ کے لئے کہ روح قدس کی تائیدات سے کون سی قوم عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے فیض یاب ہے کم سے کم چالیس دن تک اس عاجز کی رفاقت اور مصاحبت اختیار کریں پھر اگر کسی کرشمہ روح القدس کے دکھلانے میں وہ غالب آجائیں تو ہم اقرار کرلیں گے کہ یہ پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے اور نہ صرف اقرار بلکہ اس کو چند اخباروں میں چھپوا بھی دیں گے لیکن اگر ہم غالب آگئے تو پادری صاحب کو بھی ایسا ہی اقرار کرنا پڑے گا اور چند اخباروں میں چھپوا بھی دینا ہوگا کہ وہ پیشگوئی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نکلی مسیح کو اس سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ اس تصفیہ کے لئے ہماری صحبت میں بھی رہنا کچھ ضروری نہیں ۔ یہ عاجز عنقریب اس رسالہ کے بعد رسالہ سراج منیر کو انشاء اللہ القدیر چھپوانے والا ہے

۲۳۹ جاؤ اور وید کی تعلیم کو ان ملکوں میں پھیلاؤ سو جب کہ ثابت ہے کہ ویدوں نے دوسرے ملکوں سے کبھی کچھ غرض نہیں رکھی سو اس سے آریوں کی زبان درازی کا اندازہ کر لینا چاہیے کہ وہ وید کے چار نا معلوم رشیوں کے مقابل خدائے تعالیٰ کے ہزار ہا پاک نبیوں کو جو مختلف ممالک میں ہوئے ہیں جن کی روشنی زمین پر آفتاب کی شعاع کی طرح پھیل گئی مکار

بقیہ حاشیہ

۲۳۹ وہ سب مضمون روح القدس کی تائید سے ہی بہم پہنچا ہے سو اب کوئی ایسا عیسائی جو قوم میں بزرگ وار اور واقعی نیک بخت ہو اس کا مقابلہ کر کے دکھاوے ورنہ کون دانا ہے جو بے امتحان ان کی روح القدس کے بپتسما کا قائل ہوگا۔

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روح قُدس   کہ مرا در دلِ شاں دیو نظرے آید
ایں مدد ہاست در اسلام چہ خورشید عیاں   کہ بہر عصر مسیحائی دِگرے آید

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ شانِ جلیل و عظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مظہر اتم الوہیت ہے جیسے تمام نبی ابتدا سے بیان کرتے آئے ہیں ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے اس شانِ عالی کا اقرار کیا ہے یہ اقرار جابجا انجیلوں میں موجود ہے بلکہ اسی اقرار کے ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام اقرار کرتے ہیں کہ میری تعلیم ناقص ہے کیونکہ ہنوز لوگوں کو کامل تعلیم کی برداشت نہیں مگر وہ روح راستی جو نقصان سے خالی ہے (یعنی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کا قرآن شریف میں بھی نام حق آیا ہے) وہ کامل تعلیم لائے گا اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا۔ انجیل برنباس میں تو صریح نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو محمد ہے درج ہے اور اس کے ٹالنے کے لئے یہ ناکارہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب برنباس میں درج کر دیا ہوگا یا خود کتاب تالیف کر دی ہوگی گویا مسلمان لوگ کسی رات کو

﴿۲۴۰﴾ اور فریبی اور ٹھگ کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھلا مانس یہ خیال نہیں کرتا کہ اول تو حکمت اور رحمت عامہ خدائے تعالیٰ سے یہ بہت بعید ہے کہ قدیم سے اور ازل سے ابد تک ایک خاص اور محدود جگہ سے بے وجہ تعلق پیدا کر کے ہزارہا ممالک وسیعہ کو اپنے الہام اور کلام سے اور براہ راست فیض یاب ہونے سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھے ماسوا اس کے

﴿۲۴۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

اتفاق کر کے مسیحی کتب خانوں میں جا گھسے اور اپنی طرف سے برنباس کی انجیلوں میں جابجا محمدؐ نبی نام درج کر دیا یا خود یونانی یا عبرانی زبانوں میں اپنی طرف سے انجیل برنباس بنا کر اور کئی ہزار نسخے اس کے لکھ کر پوشیدہ طور پر جبکہ عیسائی سوتے تھے وہ کتابیں ان کے کتب خانوں میں رکھ آئے لیکن ایک انگریز فاضل عیسائی جس نے کچھ تھوڑا عرصہ ہوا قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اس نے اپنے دیباچہ میں اس تقریب کے بیان میں کہ انجیل برنباس میں پیش گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موجود ہے یہ قصہ تحریر کیا ہے کہ برنباس کی انجیل پوپ پنجم کے کتب خانہ میں تھی اور ایک راہب جو اس پوپ کا دوست تھا اور مدت سے اس انجیل کی تلاش میں تھا۔ وہ پوپ کی الماری میں جبکہ پوپ سویا ہوا تھا اس انجیل کو پا کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ میری وہ مراد ہے جو مدت کے بعد پوری ہوئی اور اس انجیل کو اپنے دوست پوپ کی اجازت سے لے گیا اور نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلا کھلا انجیل میں لکھا ہوا دیکھ کر مسلمان ہو گیا پس اس فاضل انگریز☆ کی اس تحریر سے جو ہمارے پاس موجود ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہ کتاب پوپوں کے کتب خانوں میں چاروں انجیلوں میں شامل کر کے عزت کے ساتھ رکھی جاتی تھی تب ہی تو ایسے ایسے بزرگ اور فاضل راہب اس انجیل کو پڑھ کر مسلمان

☆ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حاشیہ در حاشیہ متعلق صفحہ ۲۳۰ سرمہ چشم آریہ

﴿۱﴾ اس انگریز کا نام جارج سیل صاحب ہے جو اکابر علماء عیسائیوں سے ہے ان کا ترجمہ قرآن شریف جوان کی طرف سے شائع ہوکر مطبع لنڈن فریڈرک وارن اینڈ کمپنی میں چھپا ہے اس کے پہلے دیباچہ میں مؤلف موصوف نے یہ عجیب تذکرہ کہ ایک بزرگ راہب انجیل برنباس پڑھ کر اور اس میں پیشگوئی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کھلے کھلے طور پر پاکر مسلمان ہوگیا تھا اس طور سے (جو نیچے لکھا جاتا ہے) بیان کیا ہے۔

فرامیرینو جو ایک عیسائی مانک یعنی ایک بزرگ راہب تھا وہ بیان کرتا ہے کہ اتفاقیہ مجھ کو ایک تحریر آیرنس صاحب کی (جو ایک فاضل مسیحیوں میں سے ہے) منجملہ اس کی اور تحریروں کے جن میں وہ پولوس کے برخلاف ہے نظر سے گزری اس تحریر میں آیرنس صاحب (جو پولوس عیسائی کے مخالف ہیں) اپنے بیان کی صداقت کی بابت انجیل برنباس کا حوالہ دیتے ہیں۔ تب میں اس بات کا نہایت شائق ہوا کہ انجیل برنباس کو میں بھی دیکھوں اور اتفاقاً تقریب یہ نکل آئی کہ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم نے پوپ پنجم کا مجھ سے اتحاد ودوستانہ کرادیا۔ ایک روز جبکہ پوپ موصوف کے کتب خانہ میں ہم دونوں اکٹھے تھے اور پوپ صاحب سو گئے تھے میں نے دل بہلانے کو ان کی کتابوں کا ملاحظہ کرنا شروع کیا سو سب سے پہلے جس کتاب پر میرا ہاتھ پڑا وہ وہی انجیل برنباس تھی جس کا میں متلاشی تھا۔ اس کے مل جانے سے مجھے نہایت درجہ کی خوشی پہنچی اور میں نے یہ نہ چاہا کہ ایسی نعمت کو آستین کے نیچے چھپا رکھوں۔ تب میں پوپ صاحب کے جاگنے پر ان سے رخصت ہوکر وہ آسمانی خزانہ اپنے ساتھ لے گیا جس کے پڑھنے سے مجھے دین اسلام نصیب ہوا۔ دیکھو صفحہ دہم ۱۰ سطر چہارم ۴ ترجمہ قرآن شریف جارج سیل صاحب۔

حاشیہ در حاشیہ متعلق صفحہ ۲۴۰ سرمہ چشم آریہ

﴿ب﴾

پھر صفحہ ۵۸ سطر ۲۴۔ اسی ترجمہ میں جارج سیل صاحب اپنے عیسائی تعصب کے جوش سے یہ بے دلیل اور مہمل رائے لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برنباس میں لفظ پیری قلیط (جس کا ترجمہ محمدؐ ہے) مسلمانوں نے داخل کر دیا ہوگا مگر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اصلی جعل مسلمانوں کا نہیں۔ یعنی مسلمانوں نے اس میں صرف اس قدر جعل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیش گوئی بتصریح نام اس میں لکھ دی ہے اور جعل یہ اس لئے ٹھہرا کہ یہ پیشگوئی صریح صریح اس میں موجود ہے جس کا ماننا حضرات عیسائیوں کو کسی طور سے منظور ہی نہیں اور لطف یہ کہ آپ ہی اقراری ہیں کہ اس پیش گوئی کو پڑھ کر بڑے بڑے نیک بخت اور فاضل راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں فتدبر۔ منه۔

====================

﴿۲۴۱﴾ یہ کس قدر سخت ظلم ہے کہ اس عجیب العقل پرمیشر نے تمام ہدایتوں کو وید میں محدود رکھ کر اور اپنے کلام اور الہام کو وید پر ختم کر کے پھر منہ کھول کر ان رشیوں کو یہ ہدایت نہ دی کہ دنیا میں میرے اور بندے بھی ہیں جن میں کوئی اور نبی میری طرف سے پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ خاص تم چاروں سے ہی ہمیشہ کے لئے میرا یارانہ ہے۔ سوتم ان ملکوں میں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۱﴾ ہوتے تھے۔ پادری صاحبوں نے مدت تک اپنی کتابوں میں جو ہندوستان میں آ کر اردو میں تالیف کیں اس انجیل کا کسی کتاب میں تذکرہ نہیں کیا اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جن کو یہ معلوم ہو گا کہ عیسائیوں کے پاس ان چار انجیلوں کے علاوہ پانچویں انجیل بھی ہے جس کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضل اور خدا ترس راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں لیکن اب پادری صاحبوں نے اس قدر اپنے منہ سے اقرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ محمد صاحب کا نام ہماری انجیل برنباس میں لکھا ہوا تو ضرور ہے مگر خیال کیا جاتا ہے کہ کسی مسلمان نے لکھ دیا ہوگا چنانچہ پادری **ٹھاکرداس** نے بھی اپنی اظہارِ عیسوی کے صفحہ ۳۳۲ میں کسی قدر عبارت انجیل برنباس کی جس میں نام آں حضرت صلی اللہ یعنی محمدؐ رسول اللہ ایک پیش گوئی حضرت مسیح میں لکھا ہوا ہے نقل کر کے آخر میں یہی ناکارہ اور فضول عذر پیش کر دیا ہے کہ یہ یا تو کسی عیسائی کا اور یا کسی مسلمان کا جعل ہے لیکن اب تک عیسائی لوگ مسلمانوں کے ان سوالات کے مدیون ہیں کہ وہ جعل کس مسلمان نے کیا اور کب کیا اور کس کس کے رُوبرو کیا اور کیوں وہ جعلی کتابیں پوپوں کے متبرک کتب خانوں میں الہامی کتابوں کے ساتھ بعزّت تمام تر رکھی گئیں اور کیوں بڑے بڑے راہب اور فاضل پادری ان کتابوں کو پڑھ کر اور فی الحقیقت

﴿۲۴۲﴾ بھی جاؤ اور وید کو ساتھ لے جاؤ سو نہ تو اس پرمیشر نے اپنے رشیوں کو یہ ہدایت دی اور نہ دوسرے ملکوں پر کبھی مستقل طور پر رحمت کی۔ ہزاروں اور لاکھوں ان میں مکار اور فریبی تو آئے مگر صادق منجانب اللہ ملہم ہوکر ایک بھی نہ آیا۔ کیا یہ ایسا خیال ہے کہ کسی راست باز کا نور قلب اس کو قبول کرسکتا ہے؟ کیا خدائے تعالیٰ جو رب العالمین ہے اس کی یہی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۲﴾ سچ سمجھ کر دین اسلام قبول کرتے رہے۔ اگر درخانہ کس است حرفے بس است۔

ایک بڑی پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی جو انجیل متی باب ۲۱ میں لکھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت تامہ اور مظہر تام الوہیت ہونے میں ان لوگوں کے لئے بڑا قوی ثبوت ہے جو ذرہ آنکھیں کھول کر اس پیشگوئی کو پڑھیں کیونکہ اس پیشگوئی میں جو آیت ۳۳ سے شروع ہوتی ہے ان تینوں قسموں کے قرب کی خوب ہی تصریح کی گئی ہے جن کا ثابت کرنا اس حاشیہ کا اصلی مدعا ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان نبیوں کو جو شریعت موسوی کی حمایت کے لئے ان سے پہلے آئے تمثیلی طور پر قرب کے درجہ میں بطور نوکروں کے بیان کیا ہے جو پہلا درجہ ہے۔ اور پھر اپنے لئے قرب کے دوئم درجہ کا اشارہ کر کے بیٹے کے لفظ سے اپنے اس مقام قرب کو ظاہر فرمایا ہے اور پھر تیسرا درجہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت ہے وہ شخص قرار دیا جو بیٹے کے مارے جانے کے بعد آئے گا جو باغ کا مالک اور نوکروں کا آقا اور اس بیٹے کا باپ مجازی طور پر ہے ☆

☆ حاشیہ در حاشیہ

بعض آثار میں آیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح علیہ السلام عالم آخرت میں زوجہ مطہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی یہ قول غالباً اسی مناسبت بیٹے اور باپ سے پیدا ہوا ہے کہ جب عالم تمثیل میں حضرت مسیح آنحضرتؐ کے بطور بیٹے کے ٹھہرے تو ان کی والدہ بطور زوجہ کے ہوئی۔ منہ۔

﴿۲۴۳﴾ سیرت وصفت ہونی چاہیے؟ دیکھو اس کے مقابل پر کیا ہی سچا اور پُر صداقت وانصاف قول ہے جو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ [1] یعنی کوئی ملک آباد نہیں جس میں پیغمبر اور مصلح نہیں گزرا۔ اور نیز فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا [2] یعنی عادت اللہ قدیم سے یہی جاری ہے کہ جب زمین مرجاتی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۳﴾ یہ بات نہایت صاف طور پر ظاہر ہے کہ جس طرح نوکروں کے آنے اور بیٹے کے آنے سے مراد وہ نبی تھے۔ جو وقتاً فوقتاً آتے گئے اسی طرح اس تمثیل میں مالک باغ کے آنے سے بھی مراد ایک بڑا نبی ہے جو نوکروں اور بیٹے سے بڑھ کر ہے جس پر تیسرا درجہ قرب کا ختم ہوتا ہے وہ کون ہے؟ وہی نبی ہے جس کا اسی انجیل متی میں فارقلیط کے لفظ سے وعدہ دیا گیا ہے اور جس کا صاف اور صریح نام محمدؐ رسول اللہ انجیل برنباس میں موجود ہے، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مسیح جیسا ایک نبی قرب کے تینوں درجوں کے بیان کرنے میں صرف دوٹکڑے اس میں سے بیان کرکے رہ جائے اور تیسرے ٹکڑہ کے مصداق کی طرف کچھ بھی اشارہ نہ کرے۔ بے شک ہریک عاقل اس پیشگوئی پر غور کرکے بہ یقین کامل سمجھ لے گا کہ یہ تین تمثیلیں تینوں قسم کے نبیوں کی طرف اشارات ہیں اور خود تین قسم کا قرب ایک ایسی ضروری اور شان دار صداقت ہے کہ بجز اس خاص شخص کے جس کی عقل کو طوفان تعصب بکلّی تحت الثرا میں لے گیا ہو ہریک فرقہ اور قوم کا آدمی معارف یقینیہ سے سمجھتا ہے۔

اور یہ بات کہ کیونکر اور کس طرح معلوم ہوا کہ انسان کامل جو سب کاملین سے اکمل اور مظہر اتم مراتب الوہیت اور حقیقی طور پر درجہ سوم قرب سے ممتاز ہے وہ درحقیقت تمام بنی آدم میں سے ایک ہی ہے جو حضرت سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ

[1] فاطر : ۲۵ [2] الحدید : ۱۸

۲۴۴ ہے تو اسے نئے سرے زندہ کرتا ہے یہ نہیں کہ ایک ہی بارش پر ہمیشہ کے لئے کفایت کرے۔ خیال کرنا چاہیے کہ یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے جو الہامات تازہ بتازہ کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا لیکن وید کے رو سے تو کروڑہا برس ہوئے کہ وہ بند ہو گیا اور اب اس کے پرانے کاغذات پنڈتوں کے چرکیں اور پر آلائش بستوں میں دبے پڑے ہیں

۲۴۴ **بقیہ حاشیہ**

علیہ وسلم ہیں اور باقی سب رسل و غیر رسل اس سے مراتب میں کم ہیں ہاں بعض طبائع ظلّی طور پر حسب اندازہ دائرہ استعداد اپنے کے اس کمال کو پاتے ہیں۔ مگر حقیقی واتم واکمل واشد واجلیٰ واصفیٰ وارفع واعلیٰ طور پر کمال مرتبہ ثالثہ اسی کو حاصل ہے اس سوال کے جواب میں ہم پہلے بھی کسی قدر تحریر کر آئے ہیں کہ وجدان صحیح اور دلائل معقولہ اس بات کو چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو واحد لاشریک ہے اور وحدت کو دوست رکھتا ہے وہ مصدر وحدت ہو یعنی اس کا طرز پیدائش متفرق اور پریشان طور پر نہ ہو بلکہ اس نے مخلوقات کے تمام افراد کو ایک احسن انتظام وحدت سے ظہور پذیر کیا ہو اور اسی پر ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی شہادت دے رہا ہے جب ہم چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے لے کر انسان تک نظر پہنچاتے ہیں یا ہم ایک ایسے آدمی سے جس کی علمی و عملی قوتیں نہایت ہی ضعیف یا پُرظلمت ہیں ایک اعلیٰ درجہ کی فطرت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو تمام سلسلہ مخلوقات کا ہمیں یوں نظر آتا ہے کہ گویا وہ ایک خط مستقیم عمودی ہے جس کی ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے۔ سو ہمیں اس خط پر نظر ڈالنے سے بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ یہ سلسلہ مخلوقات ادنیٰ مخلوق سے لے کر ایک اعلیٰ مخلوق تک پہنچتا ہے اور ایسی عمدہ ترتیب سے یہ سلسلہ اوپر کو چڑھتا جاتا ہے کہ بعض حیوان درمیان میں ایسے آ گئے ہیں کہ ان پر نظر ڈالنے سے معلوم

{۲۴۵} جن کو کچھ تو نفسانی تحریفوں کے کیڑے نے کھا لیا اور کچھ وہ پہلے ہی سے بودی اور سوراخ دار اور فطرتی عفونتوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔

اب ہم اپنی پہلی کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ وید برکات روحانیہ اور محبت الٰہیہ تک پہنچانے سے قاصر اور عاجز ہے اور کیونکر قاصر و عاجز نہ ہو وہ وسائل جن سے یہ نعمتیں حاصل

بقیہ حاشیہ

{۲۴۵} ہوتا ہے کہ گویا وہ انسان اور حیوان میں برزخ ہیں۔ مثلاً بندر۔

اور یہ دقیقہ کہ تمام کامل انسانوں میں سے ایک ہی اکمل واتم انسان پر اختتام سلسلہ کائنات ہوتا ہے یہ ایک ایسے دائرہ کے کھینچنے سے جو دو قوسوں پر مشتمل ہو سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وجود واجب و ممکن جس تناسب سے روحانی طور پر واقع ہے اگر اس امر معقول کو ایک صورت محسوسیہ میں دکھلایا جائے تو ایک ایسے دائرہ کی شکل نکل آئے گی جس کا انقسام دو قوسوں پر ہوگا جن میں سے ایک قوس اعلیٰ اور دوسرا قوس ادنیٰ ہوگا اس طرح

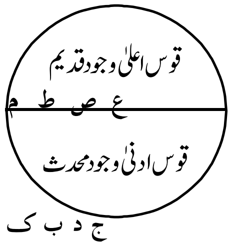

پر قوس اعلیٰ تقسیم و انقسام سے بکلّی منزہ اور درک عقل و فہم و قیاس و گمان سے بالاتر ہے لیکن قوس ادنیٰ جو موجودات ممکن الوجود کا قوس ہے وہ باعتبار شدت وضعف وزیادت نقصان مراتب متفاوتہ ومختلفہ پر مشتمل ہے۔ کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ انسانی ترقیات کا سارا سلسلہ وتر کے کسی ایک ہی نقطہ پر ختم نہیں ہوسکتا وجہ یہ کہ جس نقطہ فطرتیہ سے کوئی نفس اوپر کو ترقی کرنا شروع کرے گا اس کی سیدھی رفتار اسی نقطہ انتہائی تک ہوگی جو اس کی جبلت اور استعداد کے پیش رو پڑا ہوا ہے۔ اب فرض کرو کہ مثلاً نقاط ج د ب ک جو استعدادات مختلفہ انسانیہ کے فطرتی نقطے ہیں نقاط ع ص ط م تک جو ان کے پیش رو نقاط پڑے ہیں جن کی طرف

۲۴۶ ہوتی ہیں یعنی طریقہ حقہ خداشناسی و معرفت نعماء الٰہی و بجا آوری اعمال صالحہ و تحصیل اخلاق مرضیہ وتزکیہ نفس عن رذائل نفسیہ ان سب معارف کے صحیح اور حق طور پر بیان کرنے سے وید بکلی محروم ہے۔ کیا کوئی آریہ صفحہ زمین پر ہے کہ ہمارے مقابل پر ان امور میں وید کا قرآن شریف سے مقابلہ کر کے دکھلاوے؟ اگر کوئی زندہ ہو تو ہمیں اطلاع دے

بقیہ حاشیہ

۲۴۶ وہ بخط مستقیم قدم بڑھا سکتے ہیں۔ ترقی کریں تو یہ خطوط مستقیمہ ترقی کی اپنی عمودی حالت میں وتر کے اُن اُن نقاط کو جا ملیں گے جو ٹھیک ٹھیک ان کے محاذات میں پڑے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سفلی قوس میں ایک نقطہ ایسا بھی ضرور ہے کہ جو ٹھیک ٹھیک نقطہ مرکز کے محاذ ہے اب فرض کرو کہ وہ نقطہ **ج** ہے جو مرکز **ع** کے محاذ ہے اسی طرح نقطہ **د** کا خط **ص** اور نقطہ **ب** کا خط **ط** اور نقطہ **ک** کا خط **م** کا محاذ ہے جب کہ یہ امر بہ بداہت ظاہر ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ ثبوت ہندسے سے باستعانت انیسویں شکل مقالہ اول اقلیدس و سینتالیسویں شکل مقالہ مذکور بپایہ صداقت پہنچ سکتا ہے کہ اگر کسی طرف محیط کے کئی نقاط فرض کر کے قطر دائرہ تک خطوط مستقیمہ عمودی حالت میں کھینچے جائیں تو سب سے بڑا وہ خط مستقیم ہوگا جو نقطہ مرکز تک پہنچے گا۔☆ اور یہ امر

☆ حاشیہ در حاشیہ

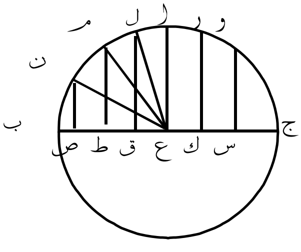

فرض کرو کہ دائرہ **ا ب س ج** کے قوس **ب ج ل** میں نقاط **و ر و ا و ل و م و ن** سے خطوط مستقیم **و س** اور **ر ک و ا ع و ل ق و م ط و ن ص و ج ب** قطر کے نقاط **س ک و ع و ق و ط و ص** تک عمودی حالت میں کھینچے ہوئے ہیں اور ان میں **ا ع** وہ خط مستقیم ہے جو کہ مرکز **ع** تک کہ نقطہ **ا** کا

﴿۲۴۷﴾ اور جس امر میں امور دینیہ میں سے چاہے اطلاع دے تو ہم ایک رسالہ بالتزام آیات بینات و دلائل عقلیہ قرآنی تالیف کر کے اس غرض سے شائع کردیں گے کہ تا اسی التزام سے وید کے معارف اوراس کی فلاسفی دکھلائی جائے اوراس تکلیف کشی کے عوض میں ایسے وید خوان کے لئے ہم کسی قدر انعام بھی کسی ثالث کے پاس جمع کرادیں گے جو غالب ہونے کی

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۷﴾ اس بات کو ثابت کرنے والا ہے کہ نقطہ مرکز تمام نقاط وتر قوسین کی نسبت جو ترقیات انسانیہ کے انتہائی نشان ہیں ارفع واعلیٰ ہے پس اس سے بالضرورت ماننا پڑتا ہے کہ جس قدر مختلف استعدادیں قوس بشریت میں داخل ہیں ان میں سے صرف ایک ہی ایسی استعداد ہے جو سب استعدادات کی نسبت بلند تر و کامل تر ہے۔

اور ثبوت اس بات کا جو صاحب اس استعداد کامل کا اصلی و حقیقی طور پر جناب سیدنا و مولانا **حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم** ہیں ان پیشگوئیوں سے ہوسکتا ہے جن میں سے بعض کو ہم نے اسی حاشیہ میں لکھ دیا ہے اور نیز ایک عمدہ ثبوت اس بات کا قرآن شریف سے بھی مل سکتا ہے کیونکہ کمالیت وحی حسب کمالیت مورد وحی ہوا کرتی ہے جس قدر کسی مورد وحی کی استعداد بلند ہوتی ہے۔ جو ہر فطرت مصفا ہوتا ہے۔ جذبات محبت نمایاں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

محاذ ہی کھینچا ہوا ہے اب ہم ثابت کریں گے کہ ان خطوط میں سب سے بڑا ا ع ہوگا جو مرکز تک کھینچا ہوا ہے۔ ملاؤ ع ل و ع م و ع ن بموجب فرض کے زاویہ ق قائمہ ہے تو (بحکم ۳۲ ش م ا) زاویہ ل ع ق حادہ ہوا اس لئے (بحکم ۱۹ ش م ا) کے ضلع ل ع بڑا ہوا ضلع ل ق سے اور بموجب فرض

حالت میں اس کو ملے گا۔ شرط یہی ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھ سکتا ہو تا ہمارے وقت کو ناحق ضائع نہ کرے۔ ﴿۲۴۸﴾

جاننا چاہیے کہ جو شخص حق سے اپنے تئیں آپ دور لے جاوے اس کو ملعون کہتے ہیں اور جو حق کے حاصل کرنے میں اپنے نفس کی آپ مدد کرے اس کو مقرون کہتے ہیں۔ اب

بقیہ حاشیہ ﴿۲۴۸﴾

ہوتے ہیں اور حرکت شوقیہ میں تیزی اور گرمی ہوتی ہے اور وفا اور صدق میں قیام اور استحکام ہوتا ہے اسی قدر اس کی وحی میں کمال ہوتا ہے۔ اب ہماری طرف سے یہ دعویٰ ہے جس کو ہم بمقابل ہریک فریق کے ثابت کرنے کو طیار ہیں کہ وحی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف اور برکات اور علوم میں ہریک وحی سے اقویٰ و اعلیٰ ہے اور اس کے اثبات میں کسی قدر ہم کتاب براہین میں لکھ بھی چکے ہیں اور اکثر حصہ اس کتاب کا جو انشاء اللہ رسالہ سراج منیر کے بعد چھپنا شروع ہوگا انہیں ثبوتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب براہین میں جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے نہایت معقول اور مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ فی الحقیقت قرآن شریف اپنے معارف اور حکمتوں اور پُر برکت تأثیروں اور بلاغتوں میں اس حد تک پہنچا ہوا ہے جس تک پہنچنے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں اور جس کا مقابلہ کوئی بشر نہیں کرسکتا اور نہ کوئی دوسری کتاب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

کے زاویہ ق و ط ہر ایک قائمہ ہے۔ اس لئے (بحکم ۴۷ ش م ا) مربع ع ل برابر ہوا مربع ل ق اور ق ع کے اور مربع ع م کا برابر ہے مربع ع ط اور ط م کے۔

چونکہ (بحکم ۱۵ احدم ۱) خط مستقیم ع ل برابر ہے ع م کے اس لئے مربع

﴿۲۴۹﴾ ہمارے مقابل پر مقرون یا ملعون بننا آریوں کے ہاتھ میں ہے اگر کوئی باتمیز آریہ جو ویدوں کی حقیقت سے خبر رکھتا ہو موازنہ و مقابلہ وید و قرآن کے نیت سے تین ماہ کے عرصہ تک میدان میں آ گیا اور ہماری طرف سے جو رسالہ بحوالہ آیات و دلائل قرآنی تالیف ہو وید کی شرتیوں کے رو سے اس نے ردّ کر کے دکھلا دیا تو اس نے وید اور وید کے پیروؤں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۴۹﴾ کر سکتی ہے اور حقیقی اور کامل معجزہ اپنے نبی کریم کی رسالت ثابت کرنے کے لئے یہی بڑا بھاری معجزہ اہل اسلام کے ہاتھ میں ہمیشہ کے لئے قیامت تک ہے جو اب بھی ایسا ہی تازہ بتازہ موجود ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھا اور اب بھی مخالفوں کو ایسا ہی لاجواب اور رسوا کر رہا ہے جیسے وہ پہلے کرتا تھا اب اس تمام تقریر کا مدعا و خلاصہ یہ ہے کہ عند العقل قرب الٰہی کے مراتب تین قسم پر منقسم ہیں اور تیسرا مرتبہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت اور آئینہ خدا نما ہے حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلم ہے جس کی شعاعیں ہزارہا دلوں کو منور کر رہی ہیں۔ اور بے شمار سینوں کو اندرونی ظلمتوں سے پاک کر کے نور قدیم تک پہنچا رہی ہیں۔ وللّٰہ درُّ القائل۔

محمدؐ عربی بادشاہِ ہر دو سرا کرے ہے روحِ قدس جس کے در کی دربانی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

ع ق اور ق ل کا برابر ہوا مربع ع ط اور ط م کے اور ظاہر ہے کہ خط ع ق چھوٹا ہے ع ط سے اس لئے مربع ل ق بڑا ہوا مربع م ط سے پس خط مستقیم ل ق بڑا ہوا خط مستقیم م ط سے۔ اسی طرح ثابت ہوسکتا ہے کہ م ط بڑا ہے ن ص سے علیٰ ھٰذا ثابت ہوسکتا ہے

﴿۲۵۰﴾ کی عزت رکھ لی اور مقرون کے معزز خطاب سے ملقب ہوگیا لیکن اگر اس عرصہ میں کسی ویددان نے تحریک نہ کی تو وہ خطاب جو مقرون کے مقابل پر ہے سب نے اپنے لئے قبول کرلیا اور اگر پھر بھی باز نہ آویں تو آخرالحیل مباہلہ ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارت کر آئے ہیں۔ مباہلہ کے لئے وید خوان ہونا ضروری نہیں ہاں باتمیز اور ایک باعزت اور نامور آریہ ضرور چاہیے جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑ سکے سو سب سے پہلے لالہ مرلیدھر صاحب اور پھر لالہ جیونداس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور اور پھر منشی اندرمن صاحب مرادآبادی اور پھر کوئی اور دوسرے صاحب آریوں میں سے جو معزز اور ذی علم تسلیم کئے گئے ہوں مخاطب کئے جاتے ہیں کہ اگر وہ وید کی ان تعلیموں کو جن کو کسی قدر ہم اس رسالہ میں تحریر کر چکے ہیں۔ فی الحقیقت صحیح اور سچے سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل جو قرآن شریف کے اصول و تعلیمیں اسی رسالہ

﴿۲۵۰﴾ **بقیہ حاشیہ**

اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآنِ شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کرلیا۔ اللّٰھم صلّ علی سیّدنا و مولانا محمدٍ و اٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین. الحمدللّٰہِ الّذی ھدٰی قلبنا لِحُبّہٖ و لحب رسولہ و جمیع عبادہِ المُقرّبین۔

تا بر دلم نظر شد از مہر ماہ مارا کردست سیم خالص قلبِ سیاہِ مارا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ

کہ ا ع بڑا ہے ر ک سے اور ر ک بڑا ہے و س سے۔ پس ثابت ہوا کہ ا ع جو مرکز تک کھنچا ہے سب خطوط سے بڑا ہے یہی ہمارا دعویٰ تھا فقط۔ منہ

میں بیان کی گئی ہیں ان کو باطل اور دروغ خیال کرتے ہیں تو اس بارہ میں ہم سے ﴿۲۵۱﴾
مباہلہ کرلیں اور کوئی مقام مباہلہ کا برضامندی فریقین قرار پاکر ہم دونوں فریق تاریخ مقررہ پر اس جگہ حاضر ہو جائیں اور ہر یک فریق مجمع عام میں اٹھ کر اس مضمون مباہلہ کی نسبت جو اس رسالہ کے خاتمہ میں بطور نمونہ اقرار فریقین قلم جلی سے لکھا گیا ہے تین مرتبہ قسم کھا کر تصدیق کریں کہ ہم فی الحقیقت اس کو سچ سمجھتے ہیں اور اگر ہمارا بیان راستی پر نہیں تو ہم پر اسی دنیا میں وبال اور عذاب نازل ہو۔ غرض جو جو عبارتیں ہر دو کاغذ مباہلہ میں مندرج ہیں جو جانبین کے اعتقاد ہیں بحالت دروغ گوئی عذاب مترتب ہونے کے شرط پر ان کی تصدیق کرنی چاہیے اور پھر فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لئے ایک برس کی مہلت ہوگی پھر اگر برس گزرنے کے بعد مؤلف رسالہ ہذا پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز قابل تاوان پانسو روپیہ ٹھہرے گا جس کو برضامندی فریقین خزانہ سرکاری میں یا جس جگہ بآسانی وہ روپیہ مخالف کو مل سکے داخل کر دیا جائے گا اور درحالت غلبہ خود بخود اس روپیہ کے وصول کرنے کا فریق مخالف مستحق ہوگا اور اگر ہم غالب آئے تو کچھ بھی شرط نہیں کرتے کیونکہ شرط کے عوض میں وہی دعا کے آثار کا ظاہر ہونا کافی ہے۔ اب ہم ذیل میں مضمون ہر دو کاغذ مباہلہ کو لکھ کر رسالہ ھٰذا کو ختم کرتے ہیں و باللّٰہ التوفیق۔

بقیہ حاشیہ

لطف عمیم دلبر ہر دم مرا بخواند ہر چند می زنند ایں اغیار راہِ مارا
درکوئے دلستانم چوں خاک کوشب وروز دیگر نشان چہ باشد اقبال وجاہِ مارا

منہ

نمونہ مضمون مباہلہ از جانب مؤلف رسالہ ھٰذا ﴿۲۵۲﴾

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

بعد حمد و صلوٰۃ میں عبداللہ الاحد الصمد احمد ولد میرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم (جو مؤلف کتاب براہین احمدیہ ہوں) حضرت خداوند کریم جل شانہٗ وعزاسمہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اکثر حصہ اپنی عمر عزیز کا تحقیق دین میں خرچ کر کے ثابت کر لیا ہے کہ دنیا میں سچا اور منجانب اللہ مذہب دین اسلام ہے اور حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے رسول اور افضل الرسل ہیں اور قرآن شریف اللہ جل شانہٗ کا پاک و کامل کلام ہے جو تمام پاک صداقتوں اور سچائیوں پر مشتمل ہے اور جو کچھ اس کلام مقدس میں

ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وجوبِ ذاتی اور قدامت ہستی اور ﴿۲۵۳﴾
قُدرت کاملہ اور اپنے دوسرے جمیع صفات میں واحد لاشریک ہے
اور سب مخلوقات کا خالق اور سب ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ ہے
اور صادق اور وفادار ایمانداروں کو ہمیشہ کے لئے نجات دے گا
اور وہ رحمان اور رحیم اور توبہ قبول کرنے والا ہے ایسا ہی دوسری
صفاتِ الٰہیہ و دیگر تعلیمات جو قرآن شریف میں لکھی ہیں یہ سب صحیح
اور درست ہیں اور میں دلی یقین سے ان سب امور کو سچ جانتا ہوں
اور دل و جان سے ان پر یقین رکھتا ہوں اور اگرچہ ان کی سچائی پر
صدہا عقلی دلائل جو قطعی اور یقینی ہیں اللہ جل شانہٗ نے مجھ کو عطا کی
ہیں لیکن ایک اور فضل اُس کا مجھ پر یہ بھی ہوا ہے جو اس نے
براہِ راست مجھ کو اپنے کلام اور الہام سے مشرف کر کے دوہرا ثبوت
ان سچائیوں کا مجھ کو دے دیا ہے اب میری یہ حالت ہے کہ جیسے ایک
شیشہ عطرِ خالص سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میرا دل اس یقین سے
بھرا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآنِ شریف تمام برکات دینیہ کا

مجموعہ ہے اور فی الحقیقت خدائے تعالیٰ سب موجودات کا موجد اور ﴿۲۵۴﴾
تمام ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ اور ہر قسم کی خیر اور نیکی اور فیض کا
مبدء ہے اور اس کا پاک رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچا و صادق
و کامل نبی ہے جس کی پیروی پر فلاح آخرت موقوف ہے لیکن میرا
فلاں مخالف (اِس جگہ اس مخالف کا نام جو مباہلہ کے لئے بالمقابل
آئے گا لکھا جائے گا) جو اس وقت میرے مقابلہ کے لئے حاضر ہے
یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نعوذ باللہ جناب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
سچے نبی نہیں ہیں اور جعل سازی سے قُرآنِ شریف کو بنا لیا ہے اور وہ
یہ بھی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ نہیں اور
کسی پرستار اور سچے ایماندار کو نجاتِ ابدی کبھی نہیں ملے گی اور جو کچھ
ویدوں میں بھرا ہوا ہے وہ حقیقت میں سب سچ ہے اور اس کے
برخلاف جو قرآن شریف میں ہے وہ سب جھوٹ ہے سوائے خدائے
قادر مطلق تو ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر اور ہم دونوں میں سے
جو شخص اپنے بیانات میں اور اپنے عقائد میں جھوٹا ہے اور بصیرت
کی راہ سے نہیں بلکہ تعصب اور ضد کی راہ سے ایسی باتیں

مُنہ پر لاتا ہے جن پر یقین کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل اس کے ہاتھ میں نہیں اور نہ اس کا دل نور یقین سے بھرا ہوا ہے بلکہ سراسر ضد اور طرفداری اور ناخدا ترسی سے ایسی باتیں بناتا ہے جن پر اس کا دل قائم نہیں اس پر تو اے قادر کبیر ایک سال تک کوئی اپنا عذاب نازل کر اور اس کی پردہ دری کر کے جو شخص حق پر ہے اس کی مدد فرما اور لعنت سے بھرے ہوئے دکھ کی مار ایسے شخص کو پہنچا کہ جو دانستہ سچائی سے دور اور راستی کا دشمن اور راست باز کا مخالف ہے کیونکہ سب قدرت اور انصاف اور عدالت تیرے ہی ہاتھ میں ہے آمین یا ربّ العٰلمین فقط۔ ﴿۲۵۵﴾

نمونہ مضمون مباہلہ از طرف آریہ صاحب فریق مخالف

میں فُلاں ابنِ فُلاں قسم کھا کر اور حلف اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اوّل سے آخر تک رسالہ **سُرمہ چشم آریہ** کو پڑھ لیا اور اس کے دلائل کو بخوبی سمجھ لیا میرے دل پر اُن دلیلوں نے کچھ اثر نہیں کیا اور نہ میں ان کو سچ سمجھتا ہوں اور میں اپنے پرمیشر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ ویدوں میں لکھا ہے میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں کہ میری روح اور

﴿۲۵۶﴾ جیو کا کوئی ربّ یعنی پیدا کنندہ نہیں ایسا ہی میرا جسمی مادہ بھی پیدا کرنے والے سے بکلّی بے نیاز ہے۔ میں پرمیشر کی طرح خود بخود ہوں اور واجب الوجود اور قدیم اور انادی ہوں۔ میری روح اور میرا جسمی مادہ کسی دوسرے کے سہارے سے نہیں بلکہ قدیم سے یہ دونوں ٹکڑے میرے وجود کے قائم بالذات ہیں۔ ایسا ہی وید کی اس تعلیم پر بھی میرا کامل یقین ہے کہ مکتی یعنی نجات ہمیشہ کے لئے کسی کو نہیں مل سکتی اور ہمیشہ عزت کے بعد ذلت کا دورہ لگا ہوا ہے۔ میں وید کی ان سب تعلیموں کو دلی یقین سے مانتا ہوں کہ پرمیشر ایک ذرّہ کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور نہ بغیر عمل کسی عامل کے ایک ذرہ کسی پر رحمت کرسکتا ہے اور نہ بغیر ہزاروں جونوں میں ڈالنے کے ایک ذرہ گناہ توبہ یا استغفار یا سچی پرستش اور محبت سے بخش سکتا ہے اور میں وید کے رو سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ چاروں وید ضرور ایشر کا کلام ہے جو ہمیشہ اور قدیم سے ہر نئی دنیا میں ہمارے ہی آریہ دیس میں چار رشیوں پر جو اگنی اور وایو وغیرہ ہیں اترتا رہا ہے کبھی اس سے باہر نہیں اترا اور نہ کبھی ہماری زبان سنسکرت کے سوا

کسی دوسری زبان میں آیا اور ہمارے دیس سے باہر جو ہزاروں ﴿۲۵۷﴾
پیغمبر آئے ہیں اور کئی کتابیں لائے ہیں میں دلی یقین سے ان سب
کو جلساز اور ان کی کتابوں کو جعلی تحریریں خیال کرتا ہوں اور یقین
رکھتا ہوں کہ ان غیر ملکوں میں سب جھوٹے آتے رہے کبھی ایک ملہم
بھی سچا نہیں آیا اور یہ سچائی ہمارے آریہ دیس سے ہی خاص رہی
اور اسی سے پرمیشر کا دائمی تعلق اور پیوند رہا ہے اور ہمیشہ آئندہ بھی
اسی سے رہے گا ایسا ہی میں قرآن اور اس کے اصولوں اور تعلیموں
کو جو وید کے اصولوں اور تعلیموں سے برخلاف ہے جھوٹ اور جعل
جانتا ہوں لیکن میرا فریق مخالف جو مؤلف رسالہ سرمہ چشم آریہ ہے
وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور اس کی سب تعلیموں کو درست
اور صحیح سمجھتا ہے اور وید اور اس کے ان اصولوں اور دوسری تعلیموں
کو جو قرآن کے مخالف ہیں سراسر غلط اور جھوٹ خیال کرتا ہے سو
اب اے ایشر تو ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر اور جس فریق
کے اصول اور اعتقاد جھوٹے اور ناپاک ہیں جن کو وہ کسی ناپاک
کتاب کی رو سے مانتا ہے اس کو ذلیل اور رسوا کر اور ہم دونوں

میں سے وہ شخص جو تیری نظر میں کاذب اور دروغ گو ہے اور اس کے ﴿۲۵۸﴾
عقاید اور اصول تیری توہین اور ہتکِ عزت کا موجب ہیں اور دانستہ
ان کا پابند ہو رہا ہے اس کو اے ایشر ایسے دکھ کی مار پہنچا اور ایسی لعنت
سے بھری ہوئی اس کی رسوائی کر کہ ایک سال کے عرصہ تک وہ لعنت کا
اثر جو عذاب مولم ہے ظاہر ظاہر اس کو پہنچ جائے۔ اے ایشر تو ایسا ہی کر
کیونکہ کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا۔
آمین فقط۔

تمّت

﴿۲۵۹﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اشتہار صداقت انوار

بغرض دعوت مقابلہ چہل روزہ

گرچہ ہرکس زِرہِ لاف بیانی دارد صادق آنست کہ از صدق نشانی دارد

ہمارے اشتہارات گزشتہ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو معزز آریہ صاحب یا پادری صاحب یا کوئی اور صاحب مخالف اسلام ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب ایک سال تک **قادیان** میں ہمارے پاس آ کر ٹھہرے تو درصورت نہ دیکھنے کسی آسمانی نشان کے چوبیس سو روپیہ انعام پانے کا مستحق ہوگا۔ سو ہر چند ہم نے تمام ہندوستان و پنجاب کے پادری صاحبان و آریہ صاحبان کی خدمت میں اسی مضمون کے خط رجسٹری کرا کر بھیجے مگر کوئی صاحب قادیان میں تشریف نہ لائے۔ بلکہ منشی **اندرمن** صاحب کیلئے تو مبلغ چوبیس سو روپیہ نقد لاہور میں بھیجا گیا تو وہ کنارہ کر کے فرید کوٹ کی طرف چلے گئے ہاں ایک صاحب پنڈت **لیکھرام** نام پشاوری قادیان میں ضرور آئے تھے اور ان کو بار بار کہا گیا کہ اپنی حیثیت کے موافق بلکہ اس تنخواہ سے دو چند جو پشاور میں نوکری کی حالت میں پاتے تھے ہم سے بحساب ماہواری لینا کر کے ایک سال تک ٹھہرو اور اخیر پر یہ بھی کہا گیا کہ اگر ایک سال تک منظور نہیں تو چالیس دن تک ہی ٹھہرو تو انہوں نے ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو منظور نہیں کیا اور خلاف واقعہ سراسر دروغ بیفروغ اشتہارات چھپوائے سوان کیلئے تو رسالہ **سرمہ چشم آریہ** میں دوبارہ یہی چالیس دن تک اس جگہ رہنے کا پیغام تحریر کیا گیا ہے ناظرین اس کو پڑھ لیں لیکن یہ اشتہار اتمام حجت کی غرض سے بمقابل منشی **جیونداس** صاحب جو سب آریوں

﴿۲۶۰﴾ کی نسبت شریف اور سلیم الطبع معلوم ہوتے ہیں اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائینگ ماسٹر ہوشیار پور جو وہ بھی میری دانست میں آریوں میں سے غنیمت ہیں اور منشی اندرمن صاحب مراد آبادی جو گویا دوسرا مصرعہ سورستی صاحب کا ہیں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رئیس امرتسر جو حضرات عیسائیوں میں سے شریف اور سلیم المزاج آدمی ہیں اور پادری عماد الدین لاہز صاحب امرتسری اور پادری ٹھاکر داس صاحب مؤلف کتاب اظہار عیسوی شائع کیا جاتا ہے کہ اب ہم بجائے ایک سال کے صرف چالیس روز اس شرط سے مقرر کرتے ہیں کہ جو صاحب آزمائش و مقابلہ کرنا چاہیں وہ برابر چالیس دن تک ہمارے پاس قادیان میں یا جس جگہ اپنی مرضی سے ہمیں رہنے کا اتفاق ہو رہیں اور برابر حاضر رہیں پس اس عرصہ میں اگر ہم کوئی امر پیشگوئی جو خارق عادت ہو پیش نہ کریں یا پیش تو کریں مگر بوقت ظہور وہ جھوٹا نکلے یا وہ جھوٹا تو نہ ہو مگر اسی طرح صاحب ممتحن اس کا مقابلہ کر کے دکھلا ویں تو مبلغ پانسو روپیہ نقد بحالت مغلوب ہونے کے اسی وقت بلاتوقف ان کو دیا جائے گا لیکن اگر وہ پیشگوئی وغیرہ بہ پایۂ صداقت پہنچ گئی تو صاحب مقابل کو بشرف اسلام مشرف ہونا پڑے گا۔ اور یہ بات نہایت ضروری قابل یادداشت ہے کہ پیشگوئیوں میں صرف زبانی طور پر نکتہ چینی کرنا یا اپنی طرف سے شرائط لگانا ناجائز اور غیر مسلم ہوگا بلکہ سیدھا راہ شناخت پیشگوئی کا یہی قرار دیا جائے گا کہ اگر وہ پیشگوئی صاحب مقابل کی رائے میں کچھ ضعف یا شک رکھتی ہے یا ان کی نظر میں قیافہ وغیرہ سے مشابہ ہے تو اسی عرصہ چالیس روز میں وہ بھی ایسی پیشگوئی ایسے ہی ثبوت سے ظاہر کر کے دکھلا ویں اور اگر مقابلہ سے عاجز رہیں تو پھر حجت ان پر تمام ہوگی اور بحالت سچے نکلنے پیشگوئی کے بہرحال انہیں مسلمان ہونا پڑے گا اور یہ تحریریں پہلے سے جانبین میں تحریر ہو کر انعقاد پا جائیں گی چنانچہ اس رسالہ کے شائع ہونے کے وقت سے یعنے ۲۰؍ستمبر ۱۸۸۶ء سے ٹھیک تین ماہ کی مہلت صاحبان موصوف کو دی جاتی ہے اگر اس عرصہ میں ان کی طرف سے اس مقابلہ کے لئے کوئی منصفانہ تحریک نہ ہوئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ گریز کر گئے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

المشتہر

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

﴿۱﴾

اشتہار مفید الاخیار

جاگو جاگو آریو نیند نہ کرو پیار

چونکہ آج کل اکثر ہندوؤں اور آریوں کی یہ عادت ہورہی ہے کہ وہ کچھ کچھ کتابیں عیسائیوں کی جو اسلام کی نکتہ چینی میں لکھی گئی ہیں دیکھ کر اور ان پر پورا پورا اطمینان کر کے اپنے دلوں میں خیال کر لیتے ہیں کہ حقیقت میں یہ اعتراضات درست اور واقعی ہیں۔ اس لئے قرین مصلحت سمجھ کر اس عام اشتہار کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے کہ اول تو عیسائیوں کی کتابوں پر اعتماد کر لینا اور براہِ راست کسی فاضل اہل اسلام سے اپنی عقدہ کشائی نہ کرانا اور اپنے اوہام فاسدہ کا محققین اسلام سے علاج طلب نہ کرنا اور خائنین عناد پیشہ کو امین سمجھ بیٹھنا سراسر بے راہی ہے جس سے طالب حق کو پرہیز کرنا چاہیے۔ دانشمند لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ جو پادری صاحبان پنجاب اور ہندوستان میں آ کر اپنے مذہب کی تائید میں دن رات ہزارہا منصوبے باندھ رہے ہیں یہ ان کے ایمانی جوش کا تقاضا نہیں بلکہ انواع اقسام کے اغراض نفسانی ان کو ایسے کاموں پر آمادہ کرتے ہیں اگر وہ انتظام مذہبی جس کے باعث سے یہ لوگ ہزارہا روپیہ تنخواہیں پاتے ہیں درمیان سے اٹھایا جاوے تو

﴿۲﴾ پھر دیکھنا چاہیے کہ ان کا جوش وخروش کہاں ہے۔ ماسوا اس کے ان لوگوں کی ذاتی علمیت اور دماغی روشنی بھی بہت کم ہوتی ہے اور یورپ کے ملکوں میں جو واقعی دانا اور فلاسفر اور دقیق النظر ہیں وہ پادری کہلانے سے کراہت اور عار رکھتے ہیں اور ان کو ان کے بیہودہ خیالات پر اعتقاد بھی نہیں بلکہ یورپ کے عالی دماغ حکما کی نگاہوں میں پادری کا لفظ ایسا خفیف اور دور از فضیلت سمجھا جاتا ہے کہ گویا اس لفظ سے یہ مفہوم لازم پڑا ہوا ہے کہ جب کسی کو پادری کر کے پکارا جاوے تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی گزر جاتا ہے کہ یہ شخص اعلیٰ درجہ کی علمی تحصیلوں اور لیاقتوں اور باریک خیالات سے بے نصیب ہے اور جس قدر ان پادری صاحبان نے اہل اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات کر کے اور بار بار ٹھوکریں کھا کر اپنے خیالات میں پلٹے کھائے ہیں اور طرح طرح کی ندامتیں اٹھا کر پھر اپنے اقوال سے رجوع کیا ہے۔ یہ بات اس شخص کو بخوبی معلوم ہوگی کہ جو ان کے اور فضلاء اسلام کے باہمی مباحثات کی کتابوں پر ایک محیط نظر ڈالے۔ ان کے اعتراضات تین قسم سے باہر نہیں۔ یا تو ایسے ہیں کہ جو سراسر افترا اور بہتان ہے جن کی اصلیت کسی جگہ پائی نہیں جاتی اور یا ایسے ہیں کہ فی الحقیقۃ وہ باتیں ثابت تو ہیں لیکن محل اعتراض نہیں محض سادہ لوحی اور کور باطنی اور قلتِ تدبر کی وجہ سے ان کو جائے اعتراض سمجھ لیا ہے اور یا بعض ایسے امور ہیں کہ کسی قدر تو سچ ہیں جو ایک ذرہ جائے اعتراضات نہیں ہو سکتے اور باقی سب بہتان اور افترا ہیں جو ان کے ساتھ ملائے گئے ہیں۔ اب افسوس تو یہ ہے کہ آریوں نے اپنے گھر کی عقل کو بالکل استعفا دے کر ان کی ان تمام دور از صداقت کارروائیوں کو سچ مچ صحیح اور درست سمجھ لیا ہے اور بعض آریہ ایسے بھی ہیں کہ وہ قرآن شریف کا ترجمہ کسی جگہ سے ادھورا سا دیکھ کر یا کوئی قصہ

بے سروپا کسی جاہل یا مخالف سے سن کر جھٹ پٹ اس کو بناء اعتراض قرار دے دیتے ہیں۔ ﴿۳﴾
سچ تو یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں خدائے تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اس کی عقل بھی بباعث تعصب اور عناد کی زہروں کے نہایت ضعیف اور مردہ کی طرح ہو جاتی ہے اور جو بات عین حکمت اور معرفت کی ہو وہ اس کی نظر سقیم میں سراسر عیب دکھائی دیتی ہے سو اسی خیال سے یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس قدر اصول اور تعلیمیں قرآن شریف کی ہیں وہ سراسر حکمت اور معرفت اور سچائی سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بات ان میں ایک ذرّہ مؤاخذہ کے لائق نہیں اور چونکہ ہر ایک مذہب کے اصولوں اور تعلیموں میں صدہا جزئیات ہوتی ہیں اور ان سب کی کیفیت کا معرض بحث میں لانا ایک بڑی مہلت کو چاہتا ہے اس لئے ہم اس بارہ میں قرآن شریف کے اصولوں کے منکرین کو ایک نیک صلاح دیتے ہیں کہ اگر ان کو اصول اور تعلیمات قرآنی پر اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اول بطور خود خوب سوچ کر دو تین ایسے بڑے سے بڑے اعتراض بحوالہ آیاتِ قرآنی پیش کریں جو ان کی دانست میں سب اعتراضات سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جو ایک پہاڑ کو ذرّہ سے نسبت ہوتی ہے یعنی ان کے سب اعتراضوں سے ان کی نظر میں اقویٰ واشد اور انتہائی درجہ کے ہوں جن پر ان کی نکتہ چینی کی پُرزور نگاہیں ختم ہو گئی ہوں اور نہایت شدت سے دوڑ دوڑ کر انہیں پر جا ٹھہری ہوں سو ایسے دو یا تین اعتراض بطور نمونہ پیش کر کے حقیقت حال کو آزما لینا چاہیے کہ اس سے تمام اعتراضات کا بآسانی فیصلہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر بڑے اعتراض بعد تحقیق ناچیز نکلے تو پھر چھوٹے اعتراض ساتھ ہی نابود ہو جائیں گے اور اگر ہم ان کا کافی وشافی جواب دینے سے قاصر رہے اور کم سے کم یہ ثابت نہ کر دکھایا کہ جن اصولوں اور تعلیموں کو فریق مخالف نے بمقابلہ ان اصولوں اور تعلیموں کے اختیار کر رکھا ہے وہ ان کے مقابل پر نہایت درجہ رذیل اور ناقص اور دور از صداقت خیالات ہیں تو ایسی حالت میں فریق مخالف کو درحالت مغلوب ہونے کے فی اعتراض پچاس روپیہ بطور تاوان دیا جائے گا۔

﴿۴﴾ لیکن اگر فریق مخالف انجام کار جھوٹا نکلا اور وہ تمام خوبیاں جو ہم اپنے ان اصولوں یا تعلیموں میں ثابت کر کے دکھلا دیں بمقابل ان کے وہ اپنے اصولوں میں ثابت نہ کر سکا تو پھر یاد رکھنا چاہیے کہ اسے بلا توقف مسلمان ہونا پڑے گا اور اسلام لانے کے لئے اوّل حلف اٹھا کر اسی عہد کا اقرار کرنا ہوگا اور پھر بعد میں ہم اس کے اعتراضات کا جواب ایک رسالہ مستقلہ میں شائع کرا دیں گے۔ اور جو اس کے بالمقابل اصولوں پر ہماری طرف سے حملہ ہوگا اس حملہ کی مدافعت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ بھی ایک مستقل رسالہ شائع کرے اور پھر دونوں رسالوں کے چھپنے کے بعد کسی ثالث کی رائے پر یا خود فریق مخالف کے حلف اٹھانے پر فیصلہ ہوگا جس طرح وہ راضی ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ فریق مخالف نامی علماء میں سے ہو اور اپنے مذہب کی کتاب میں مادہ علمی بھی رکھتا ہو اور بمقابل ہمارے حوالہ اور بیان کے اپنا بیان بھی بحوالہ اپنی کتاب کے تحریر کر سکتا ہو۔ تا ناحق ہمارے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ اور اگر اب بھی کوئی نامنصف ہمارے اس صاف صاف منصفانہ طریق سے گریز اور کنارہ کر جائے اور بدگوئی اور دشنام دہی اور توہین اسلام سے بھی باز نہ آوے تو اس سے صاف ظاہر ہوگا کہ وہ کسی حالت میں اس لعنت کے طوق کو اپنے گلے سے اتارنا نہیں چاہتا کہ جو خدائے تعالیٰ کی عدالت اور انصاف نے جھوٹوں اور بے ایمانوں اور بدزبانوں اور بخیلوں اور متعصبوں کی گردن کا ہار کر رکھا ہے۔ **وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔**

بالآخر واضح رہے کہ اس اشتہار کے جواب میں ۲۰؍ستمبر ۱۸۸۶ء سے تین ماہ تک کسی پنڈت یا پادری جواب دہندہ کا انتظار کیا جائے گا اور اگر اس عرصہ میں علماء آریہ وغیرہ خاموش رہے تو انہیں کی خاموشی ان پر حجت ہوگی۔

المشتہر

خاکسار **غلام احمد** مؤلف رسالہ سرمہ چشم آریہ

﴿۱﴾

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

اشتہار محک اخیار و اشرار

ہم نے الفت میں تری بار اٹھایا کیا کیا ‌ ‌ ‌ تجھ کو دکھلا کے فلک نے ہے دکھایا کیا کیا

ہر ایک مومن اور پاک باطن اپنے ذاتی تجربہ سے اس بات کا گواہ ہے کہ جو لوگ صدق دل سے اپنے مولیٰ کریم جلّ شانہٗ سے کامل وفاداری اختیار کرتے ہیں وہ اپنے ایمان اور صبر کے اندازہ پر مصیبتوں میں ڈالے جاتے ہیں اور سخت سخت آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو بد باطن لوگوں سے بہت کچھ رنجدہ باتیں سننی پڑتی ہیں اور انواع اقسام کے مصائب و شدائد کو اٹھانا پڑتا ہے اور نااہل لوگ طرح طرح کے منصوبے اور رنگارنگ کے بہتان ان کے حق میں باندھتے ہیں اور ان کے نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں یہی عادت اللہ ان لوگوں سے جاری ہے جن پر اس کی نظر عنایت ہے غرض جو اس کی نگاہ میں راست باز اور صادق ہیں وہ ہمیشہ جاہلوں کی زبان اور ہاتھ سے تکلیفیں اٹھاتے چلے آئے ہیں سو چونکہ سنت اللہ قدیم سے یہی ہے اس لئے اگر ہم بھی خویش و بیگانہ سے کچھ آزار اٹھائیں تو ہمیں شکر بجالانا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے کہ ہم اس محبوب حقیقی کی نظر میں اس لائق تو ٹھہرے کہ اس کی راہ میں دکھ دیئے جائیں اور ستائے جائیں سو اس طرح پر دکھ اٹھانا تو ہماری عین سعادت ہے لیکن جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ بعض دشمنان دین اپنی افترا پردازی سے صرف ہماری ایذا رسانی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ بے تمیز اور بے خبر لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں تو اس صورت میں ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ حتی الوسع ان ناواقف لوگوں کو فتنہ سے بچاویں۔

سو واضح ہو کہ بعض مخالف ناخدا ترس جن کے دلوں کو زنگ تعصب و بخل نے سیاہ کر رکھا ہے ہمارے اشتہار مطبوعہ ۸؍ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہودیوں کی طرح محرف و مبدل کر کے اور کچھ کے کچھ معنے بنا کر ﴿۲﴾

سادہ لوح لوگوں کو سناتے ہیں اور نیز اپنی طرف سے اشتہارات شائع کرتے ہیں تا دھوکا دے کر ان کے یہ ذہن نشین کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیشگوئی تھی اس کا وقت گزر گیا اور وہ غلط نکلی۔ ہم اس کے جواب میں صرف لعنت اللہ علی الکاذبین کہنا کافی سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ہم افسوس بھی کرتے ہیں کہ ان بے عزّتوں اور دیوثوں کو بباعث سخت درجہ کے کینہ اور بخل اور تعصب کے اب کسی کی لعنت ملامت کا بھی کچھ خوف اور اندیشہ نہیں رہا اور جو شرم اور حیا اور خدا ترسی لازمہ انسانیت ہے وہ سب نیک خصلتیں ایسی ان کی سرشت سے اٹھ گئی ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ نے ان میں وہ پیدا ہی نہیں کیں اور جیسے ایک بیمار اپنی صحت یابی سے نو امید ہو کر اور صرف چند روز زندگی سمجھ کر سب پرہیزیں توڑ دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کھا پی لیتا ہے اسی طرح انہوں نے بھی اپنی مرض کینہ اور تعصب اور دشمنی کو ایک آزار لاعلاج خیال کر کے دل کھول کر بد پرہیزیاں اور بے راہیاں شروع کی ہیں جن کا انجام بخیر نہیں۔ تعصّب اور کینہ کے سخت جنون نے کیسی ان کی عقل ماردی ہے نہیں دیکھتے کہ اشتہار ۲۲؍ مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف صاف تولّدِ فرزند موصوف کے لئے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے اور اشتہار ۸؍ اپریل ۱۸۸۶ء میں کسی برس یا مہینے کا ذکر نہیں اور نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو نو برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وہ منسوخ ہو گئی ہے ہاں اس اشتہار میں ایک یہ فقرہ ذو الوجوہ درج ہے کہ ”مدتِ حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا“۔ مگر کیا اسی قدر فقرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ مدّتِ حمل سے ایام باقی ماندہ حمل موجودہ مراد ہیں کوئی اور مدت مراد نہیں اگر اس فقرہ کے سر پر **اس** کا لفظ ہوتا تو بھی اعتراض کرنے کے لئے کچھ گنجائش نکل سکتی مگر جب الہامی عبارت کے سر پر **اس** کا لفظ (جو مخصص وقت ہو سکتا ہے) وارد نہیں تو پھر خواہ نخواہ اس فقرہ سے وہ معنی نکالنا جو اس صورت میں نکالے جاتے جو **اس** کا لفظ فقرہ مذکور کے سر پر ہوتا اگر بے ایمانی اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔ دانشمند آدمی جس کی عقل اور فہم میں کچھ آفت نہیں اور جس کے دل پر کسی تعصب یا شرارت کا حجاب نہیں وہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی ذو الوجوہ فقرہ کے معنی کرنے کے وقت وہ سب احتمالات مدّ نظر رکھنے چاہیے جو اس فقرہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ سو فقرۂ مذکورہ بالا یعنی یہ کہ مدتِ حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ایک ذو الوجوہ فقرہ ہے جس کی ٹھیک ٹھیک وہی تشریح ہے جو **میر عباس علی شاہ**

﴿۳﴾

صاحب لدھانوی نے اپنے اشتہار آٹھ جون ۱۸۸۶ء میں کی ہے یعنی یہ کہ مدت موعودہ حمل سے (جو نو برس ہے) یا مدت معہودہ حمل سے (جو طبیبوں کے نزدیک اڑھائی برس یا کچھ زیادہ ہے) تجاوز نہیں کرسکتا۔ اگر حمل موجودہ میں حصر رکھنا مخصوص ہوتا تو عبارت یوں چاہیے تھی کہ اس باقی ماندہ ایامِ حمل سے ہرگز تجاوز نہیں کرے گا اور اسی وجہ سے ہم نے اس اشتہار میں اشارہ بھی کر دیا تھا کہ وہ فقرہ مذکورہ بالا حمل موجودہ سے مخصوص نہیں ہے مگر جو دل کے اندھے ہیں وہ آنکھوں کے اندھے بھی ہو جاتے ہیں۔

بالآخر ہم یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اب کی دفعہ لڑکا عطا نہیں کیا کیونکہ اگر وہ اب کی دفعہ ہی پیدا ہوتا تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑسکتا جو پہلے ہی سے یہ کہتے تھے کہ قواعد طبی کے رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم آدمی بتلا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہوگا اور پنڈت لیکھرام پشاوری اور بعض دیگر مخالف اس عاجز پر یہی الزام رکھتے تھے کہ ان کو فن طبابت میں مہارت ہے انہوں نے طب کے ذریعہ سے معلوم کرلیا ہوگا کہ لڑکا پیدا ہونے والا ہے اسی طرح ایک صاحب محمد رمضان نام نے پنجابی اخبار ۲۰؍مارچ ۱۸۸۶ء میں چھپوایا کہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دینا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ جس نے ارسطو کا ورکس دیکھا ہوگا حاملہ عورت کا قارورہ دیکھ کر لڑکا یا لڑکی پیدا ہونا ٹھیک ٹھیک بتلا سکتا ہے اور بعض مخالف مسلمان یہ بھی کہتے تھے کہ اصل میں ڈیڑھ ماہ سے یعنی پیشگوئی بیان کرنے سے پہلے لڑکا پیدا ہو چکا ہے جس کو فریب کے طور پر چھپا رکھا ہے اور عنقریب مشہور کیا جائے گا کہ پیدا ہوگیا۔ سو یہ اچھا ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے تولد فرزند مسعود موعود کو دوسرے وقت پر ڈال دیا ورنہ اگر اب کی دفعہ ہی پیدا ہو جاتا تو ان مضریاتِ مذکورہ بالا کا کون فیصلہ کرتا لیکن اب تولد فرزند موصوف کی بشارت غیب محض ہے نہ کوئی حمل موجود ہے تا ارسطو کے ورکس یا جالینوس کے قواعد حمل دانی بالمعارضہ پیش ہوسکیں اور نہ اب کوئی بچہ چھپا ہوا ہے تا وہ مدت کے بعد نکالا جائے بلکہ نو برس کے عرصہ تک تو خود اپنے زندہ رہنے کا ہی حال معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ اس عرصہ تک کسی قسم کی اولاد خواہ نخواہ ﴿۴﴾ پیدا ہوگی چہ جائیکہ لڑکا پیدا ہونے پر کسی اٹکل سے قطع اور یقین کیا جائے اخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اخبار مذکورہ بالا میں منشی محمد رمضان صاحب نے تہذیب سے گفتگو نہیں کی بلکہ دینی مخالفوں کی طرح جابجا مشہور افترا پردازوں سے

اس عاجز کو نسبت دی ہے اور ایک جگہ پر جہاں اس عاجز نے ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی اس پیشگوئی پر منشی صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کئی قسم کا ہوتا ہے نیکوں کو نیک باتوں کا اور زانیوں کو عورتوں کا۔ ہم اس جگہ کچھ لکھنا نہیں چاہتے ناظرین منشی صاحب کی تہذیب کا آپ اندازہ کرلیں۔ پھر ایک اور صاحب ملازم دفتر ایگزیمر صاحب ریلوے لاہور کے جو اپنا نام نبی بخش ظاہر کرتے ہیں اپنے خط مرسلہ ۱۳؍جون ۱۸۸۶ء میں اس عاجز کو لکھتے ہیں کہ تمہاری پیشگوئی جھوٹی نکلی اور دختر پیدا ہوئی اور تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغگو آدمی ہو۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اے خدائے قادر مطلق یہ لوگ اندھے ہیں۔ ان کو آنکھیں بخش یہ نادان ہیں ان کو سمجھ عطا کر یہ شرارتوں سے بھرے ہوئے ہیں ان کو نیکی کی توفیق دے۔ بھلا کوئی اس بزرگ سے پوچھے کہ وہ فقرہ یا لفظ کہاں ہے جو کسی اشتہار میں اس عاجز کے قلم سے نکلا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ لڑکا اسی حمل میں پیدا ہوگا اس سے ہرگز تخلف نہیں کرے گا۔ اگر میں نے کسی جگہ ایسا لکھا ہے تو میاں نبی بخش صاحب پر واجب ہے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپادیں۔ اس عاجز کے اشتہارات پر اگر کوئی منصف آنکھ کھول کر نظر ڈالے تو اسے معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی بھی ایسی پیشگوئی درج نہیں جس میں ایک ذرہ غلطی کی بھی گرفت ہوسکے بلکہ وہ سب سچی ہیں اور عنقریب اپنے وقت پر ظہور پکڑ کر مخالفین کی ذلت اور رسوائی کا موجب ہوں گی۔ دیکھو ہم نے ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء میں جو یہ پیشگوئی اجمالی طور پر لکھی تھی کہ ایک امیر نووارد پنجابی الاصل کو کچھ ابتلا درپیش ہے کیسی وہ سچی نکلی۔ ہم نے صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں بتلا دیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کی پنجاب میں آنے کی خبر مشہور ہو رہی ہے لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہے گا بلکہ اس سفر میں اس کی عزت و آسائش یا جان کا خطرہ ہے اور یہ پیشگوئی ایسے وقت میں لکھی گئی اور عام طور پر بتلائی گئی تھی یعنی ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کو جبکہ اس ابتلا کا کوئی اثر ونشان ظاہر نہ تھا۔ بالآخر اس کو مطابق اسی پیشگوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سُبکی اور خجالت اٹھانی پڑی اور اپنے مدعا سے محروم رہا سو دیکھو اس پیشگوئی کی صداقت کیسی کھل گئی اسی طرح سے اپنے اپنے وقت پر سب پیشگوئیوں کی سچائی ظاہر ہوگی اور دشمن روسیاہ نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ رسوا ہوں گے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا فعل ہے جو ابھی تک انہیں اندھا کر رکھا ہے ان کے دلوں کو سخت کردیا اور ہمارے دل میں درد اور خیر خواہی کا طوفان مچا دیا سو اس مشکل کے حل کے لئے اسی کی جناب میں تضرع کرتے ہیں۔ اے خدا نوردہ ایں تیرہ درونانے را۔ یا مدہ درد دگر ہیچ خدادانے را۔

والسلام علٰی من اتّبع الھدٰی

المشتہر خاکسار غلام احمد مؤلف براہین احمدیہ از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَفۡضَلُ الرُّسُلِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنِ

اشتہار

کتاب براہین احمدیہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہو کر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں منجانب اللہ و سچا مذہب جس کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ کو ہر یک عیب اور نقص سے بری سمجھ کر اس کی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ہے وہ فقط **اسلام** ہے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے اور دوسرے تمام مذہب ایسے بدیہی البطلان ہیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں اور نہ ان پر چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت و قبولیتِ الٰہی مل سکتی ہے بلکہ ان کی پابندی سے انسان نہایت درجہ کا کور باطن اور سیہ دل ہو جاتا ہے جس کی شقاوت پر اس جہان میں نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے (۱) **اوّل** تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان و شوکت و قدر و منزلت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے اگر کوئی چاہے تو اپنی تسلی کے لئے عدالت میں رجسٹری بھی کرا لے۔ (۲) **دوم** ان آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کے لئے از بس ضروری ہیں۔ اس امر دوئم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچائی دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے تین قسم کے نشان ثابت کر کے دکھائے ہیں اول وہ نشان کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجناب کی دعا اور توجہ اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے جن کو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص و ممتاز کر کے درج کتاب کیا ہے۔ دوم وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی اور ابدی اور بے مثل طور پر پائے جاتے ہیں جن کو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہر یک عام و خاص پر کھول دیا ہے اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہیں رکھا سوم وہ نشان کہ جو کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسول برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتے ہیں جن کے اثبات میں اس بندہ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ کہ جو خود اس خادم دین سے صادر ہوئی ہیں اور جن کی

صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) بشہادت ورؤیت گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ **مجدّد** وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات **مسیح بن مریم** کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت اور مشابہت ہے اور اس کو خواص انبیاء ورسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان بہتوں پر اکابر اولیا سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات وسعادت و برکت اور اس کے برخلاف چلنا موجب بُعد وحرمان ہے یہ سب ثبوت کتاب **براہین احمدیہ** کے پڑھنے سے کہ جو منجملہ تین سو جزو کے قریب ۳۷ جزو کے چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری پوری تسلی وتشفی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ **وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء ولا فخر والسلام علٰی من اتبّع الھدٰی** اور اگر اس اشتہار کے بعد بھی کوئی شخص سچا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے اور دلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے جس کا خدا تعالیٰ کے روبرو اس کو جواب دینا پڑے گا۔ بالآخر اس اشتہار کو اس دعا پر ختم کیا جاتا ہے کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل **محمد مصطفٰی** صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے کامل ومقدس کلام **قرآن شریف** پر ایمان لاویں اور اس کے حکموں پر چلیں تا ان تمام برکتوں اور سعادتوں اور حقیقی خوش حالیوں سے متمتع ہو جاویں کہ جو سچے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہیں اور اس جاودانی نجات اور حیات سے بہرہ ور ہوں کہ جو نہ صرف عُقبٰی میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ سچے راست باز اسی دنیا میں اس کو پاتے ہیں بالخصوص قوم **انگریز** جنہوں نے ابھی تک اس آفتاب صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی اور جن کی شائستہ اور مہذب اور بارحم **گورنمنٹ** نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملات سے ممنون کر کے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم ان کے دنیا ودین کے لئے دلی جوش سے بہبودی وسلامتی چاہیں تا ان کے گورے وسپید مُنہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں آخرت میں بھی نورانی ومنور ہوں۔ **فنسئل اللہ تعالٰی خیرھم فی الدنیا و الآخرۃ اللّٰھم اھدھم و ایدھم بروح منک و اجعل لھم حظًا کثیرًا فی دینک و اجذبھم بحولک و قوتک لیومنوا بکتابک و رسولک و یدخلوا فی دین اللہ افواجًا آمین ثم آمین و الحمد للہ ربّ العالمین۔**

المشتہر

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب
(بیس ہزار اشتہار چھاپے گئے)

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر

TRANSLATION OF THE VERNACULAR NOTICE ON REVERSE

Being inspired and commanded by God, I have undertaken the compilation of a book named "Barahin-i-Ahmadia." with the object of reforming and reviewing the religion, and have offered a revawrd of R& 10.000 to any one who would prove the arguments brought forward therein to be false. My object in this Book is to show that only true and the only revealed religion by means of which one might know God to be free from blemish, and obtain a strong conviction as to the perfection of His attributes is the religion of Islam, in which the blessings of truth shine forth like sun, and the impress of veracity is as vividly bright as the daylight. All other religions are so palpably and manifestly false that neither their principles can stand the test of reasoning nor their followers experience least spiritual edification. On the contrary those religions so obscure the mind divest of discernment that signs of future misery among the followers become apparent even in this world.

That the Muhammadan religion is the only true religion has been shown in this book in two ways (1st), By means of 300 very strong and sound arguments based on mental reasoning (their congency and sublimity being inferred from the fact that a reward of Rs. 10,000 has been offered by me to any one refuting them, and from my further readiness to have this offer registered for the satisfaction of any one who might ask for it); (2) From these Divine signs which are essential for the complete and satisfactory proof of a true religion With a view to establish that Muhammadan religion is the only true religion in the world, I have adduced under this latter head 3 kinds of evidences (1) The miracles performed by the Prophet during his life time either by deeds or words which were witnessed by people of other persuasions and are inserted in this book in a chronological order (based on the best kind of evidences): (2), The marks which are inseparably adherent in the Al.Quran itself, and are perpetual and are everlasting, the nature of which has been fully expounded for facility of comprehension (3), The signs which by way of inheritances devolve on any believer in the Book of God and the follower of the true Prophet. As an illustration of this, I, the humble creature of God, by His help have clearly evinced myself to be possessed of such virtues by the achieving of many unusual and supernatural deeds by foretelling future events and secrets, and by obtaining from God the objects of my prayers to all of which many persons of different persuasions like the Aryas, & c., have been eye-witness (A full description of these will be found in the said book).

I am also inspired that I am the Reformer of my time, and that as

regards spiritual excellence, my virtues bear a very close similarity and strict analogy to those of Jesus Christ, in the same way as the distinguished chief of Prophets were assigned a higher rank than that of other Prophets. I also by virtue of being a follower of the August Person. (the benefactor of mankind, the best of the messengers of God) am favoured with a higher rank than, that assigned to many of the Saints and Holy Personages preceding me. To follow my footsteps will be a blessing and the means of salvation whereas any antogonism to me will result in estrangement and disappointment, All these evidences will be found by perusal of the book which will consist of nearly 4800 pages of which about 592 pages have been published. I am always ready to satisfy and convince any seeker of truth. . **"All this is a Grace of God** He gives it to whome-soever. He likes and there is no bragging in this." "Peace be to all the followers of righteousness!"

If after the publication of this notice any one does not take the trouble of becoming earnest enquirer after the truth and does not come forward with an unbiased mind to seek it then my challenging (discussion) with him ends here and he shall be answerable to God.

Now I conclude this notice with the following prayer: Oh Gracious God! guide the pliable hearts of all the nations, so that they may have faith on Thy chosen Prophet (Muhammad) and on Thy holy Al.Quran, and that they may follow the commandments contained therein, so that they may thus be benefited by the peace and the true happiness which are specially enjoyed by the true Muslims in both the worlds, and may obtain absolution and eternal life which is not only procurable in the next world, but is also enjoyed by the truthful and honest people even in this world. Expecially the English nation who have not as yet availed themselves of the sunshine of truth, and whose civilized, prudent and merciful empire has, by obliging us by kindness and friendly, treatment, exceedingly encouraged us to try our utmost for their numerous acts of welfare, so that their fair faces may shine with heavenly effulgence in the next We beseech God for their well being in this world and the next. Oh God! guide them and help them with Thy grace, and instil in their minds the love for Thy religion, and attract them with Thy power, so that they may have faith on Thy Book and Prophet, and embrace Thy religion in groups Amen! Amen!"

"Praise be to God the supporter of creation!"

(Sd) MIRZA GHULAM AHMAD
Chief of Qadian, District Gurdaspur, Punjab, India

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

اشتہار انعامی پانسو روپیہ

دربارہ کتاب لاجواب کحل الجواہر سُرمہ چشم آریہ جو آریوں کے وید اور اُن کے عقائد اور اصول کو باطل اور دور از صدق ثابت کرتی ہے

سرمہ چشم آریہ پُر درو پُر ز گوہر ست ہیں زِسرِ جستجو ازیں ظاہر ست ☆

۱۳۰۳ھ

یہ کتاب یعنی رسالہ سرمہ چشم آریہ بتقریب مباحثہ لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر ہوشیارپور جو عقائد باطلہ وید کی بکلّی بیخ کنی کرتی ہے اس دعوٰی اور یقین سے لکھی گئی ہے کہ کوئی آریہ اس کتاب کا رد نہیں کرسکتا کیونکہ سچ کے مقابل پر جھوٹ کی کچھ پیش نہیں جاتی اور اگر کوئی آریہ صاحب ان تمام وید کے اصولوں اور اعتقادوں کو جو اس کتاب میں رد کئے گئے ہیں سچ سمجھتا ہے اور اب بھی وید اور اس کے ایسے اصولوں کو ایشر کرت ہی خیال کرتا ہے تو اس کو اسی ایشر کی قسم ہے کہ اس کتاب کا رد لکھ کر دکھلاوے اور پانسو روپیہ انعام پاوے۔ یہ پانسو روپیہ بعد تصدیق کسی ثالث کے جو کوئی پادری یا برہمو صاحب ہوں گے دیا جائے گا اور ہمیں یاں تک منظور ہے کہ اگر منشی جیوند اس صاحب سیکرٹری آریہ سماج لاہور جو اس گرد و نواح کے آریہ صاحبوں کی نسبت سلیم الطبع اور معزز اور شریف آدمی ہیں بعد رد چھپ جانے اور عام طور پر شائع ہو جانے کے مجمع عام علماء مسلمانوں اور آریوں اور معزز عیسائیوں وغیرہ میں معہ اپنے عزیز فرزندوں کے حاضر ہوں اور پھر اٹھ کر قسم کھالیں کہ ہاں میرے دل نے بہ یقین کامل قبول کرلیا ہے کہ سب اعتراضات رسالہ سرمہ چشم آریہ جن کو میں نے اوّل سے آخر تک بغور دیکھ لیا ہے۔

☆ حاشیہ: یہ شعر نتائج طبع مولوی محمد یوسف صاحب سنوری سے ہے جزاھم اللّٰہ خیرًا۔ منہ

اورخوب توجہ کر کے سمجھ لیا ہے۔☆ اس تحریر سے ردّ ہو گئے ہیں۔ اور اگر میں دلی اطمینان اور پوری سچائی سے یہ بات نہیں کہتا تو اس کا ضرر اور وبال اسی دنیا میں مجھ پر اور میری اسی اولاد پر جو اس وقت حاضر ہے پڑے۔ تو بعد ایسی قسم کھا لینے کے صرف منشی صاحب موصوف کی شہادت سے پانسو روپیہ نقد ردّ کنندہ کو اسی مجمع میں بطور انعام دیا جائے گا۔ اور اگر منشی صاحب موصوف عرصہ ایک سال تک ایسی قسم کے بداثر سے محفوظ رہے تو آریوں کے لئے بلاشبہ یہ حجت ہوگی کہ صاحب موصوف نے اپنی دلی صداقت سے اپنے علم اور فہم کے مطابق قسم کھائی تھی۔ والسلام علٰی من اتّبع الھدٰی۔

المشتہر

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع

گورداسپور پنجاب

☆ حاشیہ: اس جگہ منشی جیوند اس صاحب پر لازم ہوگا کہ سب اعتراضات مندرجہ رسالہ سرمہ چشم آریہ حاضرین کو صحیح صحیح طور پر سنا بھی دیں۔ منہ

ٹائیٹل بار اوّل

لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا

قرآن شریف الجزو پنجم

ترجمہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ کافر مومنوں کو ملزم کرنیکے لئے راہ پاسکیں ۔

کتاب لاجواب

شحنۂ حق

جسکا دوسرا نام یہ ہے

آریوں کی کسیقدر خدمت

اور

اُنکے ویدوں اور نکتہ چینیوں کی کچھ ماہیت

یہ رسالہ جو تالیفات مرزا غلام احمد صاحب مولف براہین احمدیہ میں سے ہے اُس پرافترا رسالہ کا جواب ہے جو چند قادیان کے ہندوں کیطرف سے باِمداد واعانت لیکھرام پشاوری چشمۂ نور امرتسر میں چھپا تھا سو عام فایدہ کیلئے مرزا صاحب موصوف کیطرف سے

مطبع ریاض ہند امرتسر میں باہتمام شیخ نور احمد مالک مطبع طبع ہوا

قیمت فی جلد

اعلان

چونکہ رسالہ سراج منیر جو پیش گوئیوں پر مشتمل ہوگا چودہ سو روپیہ کی لاگت سے چھپے گا۔ اس لئے چھپنے سے پہلے خریداروں کی درخواستیں آنا ضروری ہیں تا بعد میں دقتیں پیدا نہ ہوں۔ قیمت اس رسالہ کی ایک روپیہ علاوہ محصول ہوگی۔ لہٰذا اطلاع دی جاتی ہے کہ جو صاحب پختہ ارادہ سے سراج منیر کو خریدنا چاہتے ہیں وہ اپنی درخواست معہ پتہ سکونت وغیرہ کے ارسال فرمائیں۔ جب ایک حصہ کافی درخواستوں کا آجائے گا تو فی الفور کتاب کا طبع ہونا شروع ہو جائے گا۔

والسلام علٰی من اتّبع الھدٰی

خاکسار

غلام احمد از قادیان

عام اطلاع

ناظرین پر واضح رہے کہ ہمارا ہرگز یہ طریق نہیں کہ مناظرات ومجادلات میں یا اپنی تالیفات میں کسی نوع کے سخت الفاظ کو اپنے مخاطب کے لئے پسند رکھیں یا کوئی دل دکھانے والا لفظ اس کے حق میں یا اس کے کسی بزرگ کے حق میں بولیں کیونکہ یہ طریق علاوہ خلاف تہذیب ہونے کے ان لوگوں کے لئے مضر بھی ہے جو مخالفت رائے کی حالت میں فریق ثانی کی کتاب کو دیکھنا چاہتے ہیں وجہ یہ کہ جب کسی کتاب کو دیکھتے ہی دل کو رنج پہنچ جائے تو پھر برہمی طبیعت کی وجہ سے کس کا جی چاہتا ہے کہ ایسی دل آزار کتاب پر نظر بھی ڈالے لیکن ہم افسوس سے لکھتے ہیں کہ ہمیں اس رسالہ میں ایک ایسے یا وہ گو کی تحریر کا جواب لکھنا پڑا جس نے اپنے

افترا سے سوالات ہی ایسے کئے تھے جن کا پورا پورا اور واقعی سچا بھی وہی جواب تھا جو ہم نے لکھا ہے۔ ہر چند ہم نے حتی الوسع رفق اور نرمی کو ہاتھ سے نہیں دیا اور وہی الفاظ لکھے جو واقعی صحیح اور اپنے محل پر چسپاں ہیں۔ لیکن ہماری کانشنس اور حفظ مراتب کے جوش نے اس بات سے بھی ہم کو منع کیا کہ ہم سفلہ مزاج اور گندی طبیعت کے لوگوں کے لئے وہ آداب استعمال کریں جو ایک شریف اور مہذب جنٹلمین کے لئے واجب ہیں۔ ان آریوں نے ہم سے کس قسم کی تہذیب کا برتاؤ کیا؟ یہ ہم ابھی بیان کریں گے اور ہمیں یقین ہے کہ شریف آریہ ان حرکات بے جا کو بالکل روا نہیں رکھتے ہوں گے جو ہماری نسبت اپنے اقوال پر فحش سے بعض دل چلے آریوں نے اپنے وحشیانہ جوش سے ظاہر کئے ہیں۔ انہوں نے میری نسبت ایسے گندے اشتہار چھاپے ہیں۔ ایسے پر دشنام گمنام خط بھیجے ہیں۔ ایسی غائبانہ گندیاں باتیں کہیں ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں کہ کوئی نیک ذات آریہ اس صلاح اور مشورہ میں داخل ہوگا۔ اور پھر ان نیک بختوں نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ بار بار خطوط اور اشتہاروں کے ذریعہ سے مجھے قتل کرنے کی بھی دھمکی دی ہے لیکھرام پشاوری نے جس قدر گندے اور بدبو سے بھرے ہوئے ہماری طرف خط لکھے وہ سب ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور گمنام خطوط جو جان سے مار دینے کے بارے میں کسی پر جوش آریہ کی طرف سے پہنچے گو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس آریہ کی طرف سے ہیں مگر یہ ہم جانتے ہیں کہ شورہ پشتوں کے گروہ میں سے کوئی ایک ہے۔ ایسا ہی جن اشتہاروں کو یہ لوگ وقتاً فوقتاً جاری کرتے ہیں ان کے پڑھنے سے ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا کچھ بھرا ہوا ہے۔ گمنام خط جس قدر آریوں کی طرف سے آتے ہیں وہ اکثر بیرنگ ہوتے ہیں اور علاوہ ایک آنہ محصول ضائع کرنے کے جب اندر سے کھولا جاتا ہے تو نری گالیاں اور نہایت گندی باتیں ہوتی ہیں ایسے خط معلوم ہوتا ہے کہ ج

کسی لڑکے بدخط سے لکھائے جاتے ہیں عبارت وہی معمولی ان گندہ زبان آریوں کی ہوتی ہے اور خط بچوں کا سا۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم نے ان کا کیا گناہ کیا ہے راستی کو تہذیب اور نرمی سے بیان کرنا ہمارا شیوہ ہے ہاں چونکہ یہ لوگ کسی طور سے ناراستی کو چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے سچ کہنے والے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں سو چونکہ ہمارے نزدیک کلمہ حق سے خاموش رہنے اور جو کچھ خدائے تعالیٰ نے صاف اور روشن علم دیا ہے وہ خلق اللہ کو نہ پہنچانا سب گناہوں سے بدتر گناہ ہے اس لئے ہم ان کی قتل کی دھمکیوں سے تو نہیں ڈرتے اور نہ بجز ارادہ الٰہی قتل کر دینا ان کے اختیار میں ہے لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ کسی ظالم آریہ کے اقدام قتل سے ہمارے ہموطن اور ہم شہر آریہ پولیس کی کشاکشی میں پھنس جائیں۔ اس لئے اوّل تو انہیں ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اس سرحدی شخص سے جس کا نام لیکھرام یا لیکھ راج ہے پرہیز رکھیں۔ اس کے ساتھ ان کی درپردہ خط وکتابت اچھی نہیں اس کی تحریریں جو ہمارے نام آئی ہیں سخت خطرناک ہیں اور دوسرے ہم یہ بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اب ہم اپنے پیارے زاد بوم قادیان کو مصلحت مذکورہ بالا کے لحاظ سے چھوڑ دیں اور کسی دور کے شہر میں جا کر مسکن اختیار کریں کیوں کہ جس جگہ میں ہمارا رہنا ہمارے حاسدوں کے لئے دکھ کا موجب ہو ان کا رفع تکلیف کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ بخدا ہم دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ کرنا نہیں چاہتے اور ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے حضرت مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں لیکن میں کہتا ہوں کہ نہ صرف نبی بلکہ بجز اپنے وطن کے کوئی راستباز بھی دوسری جگہ ذلت نہیں اٹھاتا اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً[۱] یعنی جو شخص اطاعت الٰہی میں اپنے وطن کو چھوڑے تو خدائے تعالیٰ کی زمین میں ایسے آرام گاہ پائے گا جن میں بلا حرج دینی خدمت بجا لا سکے۔ سوائے ہم وطنوں ہم تمہیں عنقریب الوداع کہنے والے ہیں۔

[۱] النسآء : ۱۰۱

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلّی

آج کل مذہبی تحریکوں کی ایک پر جوش ہوا کے چلنے سے ان کو بھی مناظرہ و مجادلہ کا خیال ہوگیا ہے جن کی کھوپری میں بجز بخارات تعصب وعناد کے اور کسی قسم کی لیاقت نہیں۔ یہ لوگ جب دیکھتے ہیں کہ ایک بندہ خدا فضل ایزدی سے قوت پا کر بدمذہبی اور بدعقیدگی کے دور کرنے کے لئے کھڑا ہوگیا ہے اور تائید ربّانی نے اس کی تقریر اس کی تحریر اس کی زبان اس کے بیان میں کچھ ایسی تاثیر و برکت رکھی ہے کہ وہ ایک تیز آگ کی طرح جھوٹ کو بھسم کرتی جاتی ہے تب ان کی جانوں پر لرزہ پڑتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ حق کا شعلہ ایسی ترقی پکڑ جائے کہ ہمارے ناپاک اصولوں اور عقیدوں کو جو مذہب کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں بالکل نیست و نابود کردے۔ تب یہ لوگ اول تو یہ سوچتے ہیں کہ کسی طرح گالیوں اور بدزبانیوں سے اس سچے ریفارمر اور مصلح کا مونہہ بند کیا جائے۔ اور جب پھر اس پر کچھ اثر مترتب نہیں ہوتا تو پھر بہتانوں اور بے جا الزاموں سے یہ مطلب نکالنا چاہتے ہیں تا اگر وہ اپنے کام سے باز نہیں آتا تو لوگوں کو ہی اس پر بداعتقاد کریں اور اس طرح اس کی کارروائی میں خلل انداز ہو جائیں پھر اگر یہ تدبیر بھی بے سود جاتی ہے تو آخر اس کی جان پر حملہ کرتے ہیں اور صفحہ تواریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ صدہا صدیق اور راستباز ایسے ہی کورباطنوں کے ہاتھ سے تکالیفِ مذکورہ بالا اٹھا کر آخر کسی نابکار کے ہاتھ سے شہادت

کے درجہ کو پہنچے اور جس کے اظہار جلال کے لئے بیڑا اٹھایا تھا آخر اس کی راہ میں جان دے دی۔ پس جس حالت میں قدیم سے جاہلوں کی یہ عادت چلی آئی ہے کہ جب وہ معقول باتوں سے ملزم اور لاجواب ہو جاتے ہیں تو آخر انہیں یہی تدبیر سوجھتی ہے کہ اس شخص کو ہر قسم کا دکھ اور تکلیف پہنچائیں یا اس کی زندگی کا ہی خاتمہ کر دیں۔ اس صورت میں ہمیں حضرات آریوں پر جو ہماری نسبت ایسی ہی کارروائیاں کر رہے ہیں☆ کچھ افسوس نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہم ہر ایک قسم کا دکھ اٹھانے کو ہر وقت مستعد ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ﴿۲﴾ کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی وسیلہ سعادت اندوزی کا نہیں۔ کہ گمراہوں کو عذاب الیم سے چھوڑانے کے لئے اپنے نفس کو مصیبتوں میں ڈالا جائے لیکن اگر ہمیں کچھ افسوس یا تعجب ہے تو بس یہی کہ اگر ہم بقول ان کے بالکل ان کے مذہب سے بے خبر

☆**نوٹ** جس شخص نے آریوں کی بدزبانی اور سخت کلامی ہماری نسبت سننی ہو وہ لیکھرام ﴿۱﴾ پشاوری کی تحریریں اور تقریریں سنیں اور ۲۷؍ جولائی ۱۸۸۶ء کا اشتہار جو آریوں کی طرف سے مطبع چشمہ نور امرتسر میں ہماری نسبت چھپا ہے وہ دیکھے اور نیز ایک ﴿۲﴾ اشتہار ان کا مسمّی بہ **بیل نہ کو دا کو دی گون** مطالعہ کرے۔ اور نیز وہ رسالہ آریوں کا جس کا عنوان یہ ہے کہ **سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن فریب غلام احمد کی کیفیت** ضرور اس ہمارے رسالہ کے ساتھ دیکھنے کے لائق ہے۔ اس لیکھرام پشاوری کا ہر جگہ اور ہر جلسہ میں یہی طریق ہو رہا ہے کہ گند بکنا اور گالیاں دینا اور بہتان لگانا اس نے اپنی کتاب تکذیب براہین احمدیہ میں بہت سی توہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہے اور ایک گندہ نامعقول سے مقدس رسول کی زندگی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے مگر شکر ہے کہ آریہ درپن کے پرچوں اور اندرمن کے اشتہاروں اور پنڈت شیونرائن صاحب کی پوست کندہ تحریروں نے اس مقابلہ کی حاجت نہیں رہنے دی۔ ۲۷؍ جولائی ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں جو آریوں

اور اُمّی اور جاہل محض اور شہوات میں ڈوبے ہوئے ہیں تو ہماری نسبت اس قدر انکے دلوں کو کیوں دھڑکا شروع ہوگیا کہ ہمارے قتل کی بھی فکر پڑ گئی کیا جو شخص ایسا نادان اور نفس امّارہ کے پیچوں میں پھنسا ہوا ہے اس کے مارنے کیلئے بھی کوئی جلتا اور دانت پیستا ہے پر سچ تو یہ ہے کہ جس قدر ہم نے ان کے عقائد کی بیخ کنی کی ہے۔ جس قدر ہم نے ان کے ناراست اصولوں کو اپنے پاؤں کے نیچے کچلا ہے۔ جس قدر ہم نے قرآنی صداقتوں کو ان پر ظاہر کیا ہے حقیقت میں یہ ایسی ہی کارروائی ہے جس سے ایک گرفتار دروغ بےفروغ کو ایسے ایسے خیال اور جوش دل میں پیدا ہونے چاہئیں اور اگر ہم مر گئے یا کسی آریہ کے ہاتھ سے مارے گئے تو اس سے ہمارا نقصان کیا ہے ہماری کامل اور پاک تحریریں ہمیشہ آریوں کے بدخیالات کا استیصال کرتی رہیں گی اور اگر ایک بھی ان میں سے راہ پر آ گیا تب بھی ہم

بقیہ حاشیہ کی طرف سے مطبع چشمہ نور میں چھپا ہے ہمیں موت کی بھی دھمکی دی گئی ہے کہ تین سال کے اندر اندر تمہارا خاتمہ ہو جائے گا اور پھر ایک خط جو تین دسمبر ۱۸۸۶ء کو ایک گمنام آریہ بن کر کسی معلوم الحقیقت آریہ صاحب نے بصیغہ بیرنگ روانہ کیا ہے اس میں صاف صاف قتل کر دینے کا اعلان ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ زہرخورانی یا کسی اور تجویز سے بہرحال کچھ اندر ہی اندر اتفاق کر لیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط کسی نادان مدرسہ کے لڑکے سے لکھایا گیا ہے جس کا دستخط خراب ہے مگر عبارت ایسے طرز اور ڈھنگ کی ہے جو ۲۷؍جولائی ۱۸۸۶ء کے اشتہار کی عبارت ہے لیکن یاد رہے کہ ہم حق کے اظہار میں ایسے اعلانوں سے ہرگز نہیں ڈرتے۔ ﴿۳﴾ ایک جان کیا اگر ہماری ہزار جان ہو تو یہی خواہش ہے کہ اس راہ میں فدا ہو جائے اور گو ہم جانتے ہیں کہ یہ تحریریں کن حضرات کی ہیں اور کن اندرونی اور بیرونی سازشوں اور مشوروں اور باہم خط و کتابت کے بعد کسی قوی امید سے کسی اسی جگہ کے یہودا اسکریوطی یا بگڑے ہوئے سکھ کی دم دہی سے جاری کئے گئے ہیں مگر ہمیں کچھ ضرور نہیں کہ مجازی حکام کو اس کی اطلاع دیں کیونکہ جو کچھ یہ لوگ

اس کا اجر پائیں گے۔ اس وقت ہم کو آریوں کے ذاتی اعمال پر ہرگز بحث نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا منظور ہے کہ کس قدر یہ لوگ جھوٹ سے پیار اور سچ سے بغض کر رہے ہیں۔ کوئی بھلا مانس ان میں سے خیال نہیں کرتا کہ اوّل ان ویدوں کا میں درشن تو کرلوں جن کی حمایت میں اس قدر مونہہ سے جھگ نکل رہی ہے ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ اگر آریوں کے لائق ممبر بطور نمونہ رگوید کا ہی اردو میں تحت اللفظ ترجمہ کرا کر ایک ایک نسخہ ان بے خبر آریوں کو دے دیں جو نادیدہ اس پر عاشق ہو رہے ہیں تو سارا عشق ایک دم میں ٹھنڈا ہو جائے۔ اب ایک طرف تو یہ لوگ ان ترجموں کو نہیں دیکھتے جو بڑی کوشش اور محنت سے انگریزی اور اردو میں کئے گئے ہیں اور محض جہالت سے ایسا خیال کر رہے ہیں کہ یہ تمام تراجم افترا اور جعلسازیاں ہیں اور دوسری ﴿۳﴾

بقیہ حاشیہ

ہماری نسبت بد ارادے کر رہے ہیں ہمارے حاکم حقیقی کو ان کا علم پہلے ہی سے حاصل ہے ہم متعجب ہیں کہ ان کی ان تیزیوں کا کیا باعث ہے کیا رام سنگھ کے کوکوں کی روح تو ان میں کہیں گھس نہیں آئی۔ اے آریو ہمیں قتل سے تو مت ڈراؤ ہم ان ناکارہ دھمکیوں سے ہرگز ڈرنے والے نہیں جھوٹ کی بیخ کنی ہم ضرور کریں گے اور تمہارے ویدوں کی حقیقت ذرہ ذرہ کر کے کھول دیں گے۔

نمی ترسیم از مردن چنیں خوف از دل افگندیم — کہ ما مردیم زاں روزے کہ دل از غیر بر کندیم
دلِ وجاں در رہ آں دلستان خود فدا کردیم — اگر جاں ما زِ ما خواہد بصد دل آرزومندیم

صبر و شکیب تو ہمارا شعار ہے مگر ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ دیانندی فرقہ کی کس قدر خطرناک پالیسی ہے اور لاجواب ہونے کی حالت میں کیا عمدہ تدبیر سوچ رکھی ہے کہ قتل کی دھمکی دی جائے یوں تو کون شخص ہے کہ ایک دن نہیں مرے گا مگر یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ ایسی دھمکیاں ان لوگوں کے دلوں پر کیا کارگر ہوسکتی ہیں جن کو کتاب الٰہی نے پہلے ہی سے یہ تعلیم دے رکھی ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[1] یعنے مخالفین کو کہہ دے ﴿۴﴾

[1] الانعام :۱۶۳

طرف سنسکرت پڑھنے کا مادہ نہیں رکھتے۔ سارا مدار لاف وگزاف پر۔ **تین بکائن اور لالہ جی باغ میں** انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ مسلمان جس پاک اور کامل کتاب پر ایمان لائے ہیں کس قدر اس مقدّس کتاب کو انہوں نے اپنے ضبط میں کرلیا ہے عموماً تمام مسلمان ایک حصہ کثیر قرآن شریف کا حفظ رکھتے ہیں جس کو پنج وقت مساجد میں نماز کی حالت میں پڑھتے ہیں۔ ابھی بچہ پانچ یا چھ برس کا ہوا جو قرآن شریف اس کے آگے رکھا گیا۔ لاکھوں آدمی ایسے پاؤ گے جن کو سارا قرآن شریف اوّل سے آخر تک حفظ ہے اگر ایک حرف بھی کسی جگہ سے پوچھو تو اگلی پچھلی عبارتیں سب پڑھ کر سنا دیں۔ اور مردوں پر کیا موقوف ہے ہزاروں عورتیں سارا قرآن شریف حفظ رکھتی ہیں۔ کسی شہر میں جا کر

بقیہ حاشیہ کہ میں جان کو دوست نہیں رکھتا میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا خدا کے لئے ہے وہی حقدار خدا جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے ہاں یہ دھمکیاں ان دلوں پر کارگر ہوسکتی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینا نہیں چاہتے کیونکہ اس کی طرح قدیم اور انادی اور غیر مخلوق بنے بیٹھے ہیں اور اس کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس حق گزاری کے لائق ہو اور جبکہ اس سے انہیں پیار نہیں تو پھر اپنی زندگی سے پیار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس قسم کی ویدوں میں دعائیں ہیں جیسے رگوید اشٹک اول میں یہ دعا ہے، اے اگنی تو ایسا کر کہ ہم سَو جاڑوں تک زندہ رہیں اور اپنے سارے دشمنوں کو مار ڈالیں۔ اور ان کا مال لوٹ لیں مگر جو لوگ پاک تعلیم کے اثر سے غیروں سے قطع تعلق کرکے احکام الٰہی کے خادم ہو جاتے ہیں ان میں اس فانی زندگی کی نسبت خود ہی سرد مہری پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم اس جگہ تک تحریر کر چکے تھے کہ پرچہ دھرم جیون ۶ / مارچ ۸۷ء پہنچا اور اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ آریوں کی طرف سے ایک اعلان **پنڈت شونارائن** صاحب کے قتل کے لئے بھی جاری کیا گیا ہے۔ اس سزائے موت کے لئے ان کے

مساجد، مدارس اسلامیہ میں دیکھو صدہا لڑکوں اور لڑکیوں کو پاؤ گے کہ قرآن شریف آگے رکھے ہیں اور باترجمہ پڑھ رہے ہیں یا حفظ کر رہے ہیں اب سچ سچ کہو کہ اس کے مقابل وید کا کیا حال ہے اور خود ایماناً اپنے ہی کانشنس سے پوچھ کر دیکھو کہ وید کی حالت کو اس سے کیا نسبت ہے تو اس سے ہی تم سمجھ سکتے ہو کہ کس کتاب کے شامل حال نصرت الٰہی ہے اور کونسی کتاب اپنی تعلیموں میں شہرت تام پا چکی ہے یوں تو متعصبوں کا تعصب خدا ہی مٹاوے تو مٹ سکتا ہے لیکن غور کرنے والی طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں کہ آج کل آریوں کی کارروائی وید کی نسبت چوروں کی طرح ہو رہی ہے نہ ویدوں کے ترجمے اردو انگریزی میں آپ شائع کریں اور نہ شائع شدہ کو منظور رکھیں۔ بھلا میں پوچھتا ہوں کہ مثلاً اگر وہ ترجمہ رگ وید جو دہلی سوسائٹی نے چھاپا ہے اور لاکھوں آدمیوں میں مشہور ہو چکا ہے صحیح نہیں ہے اور موجب فتنہ ہے تو ﴿۴﴾

تین قصور ہیں اول یہ کہ بڑی تحقیق اور دعویٰ سے انہوں نے پرچہ دھرم جیون میں کئی دفعہ یہ مضمون شائع کیا ہے کہ وید ان کم فہم لوگوں کے خیالات ہیں کہ جو حقیقت میں آگ وسورج و پانی وغیرہ کو اپنا پرمیشر سمجھتے تھے اور ان کی عقل بھی اسی قدر تھی۔ دوسرے یہ جرم کہ انہوں نے اپنے اسی پرچہ میں یہ بھی شائع کر دیا کہ ویدوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کے اولاد نہ ہوتو وہ ایک دوسرے شخص سے کہ جو دراصل اس کا خاوند نہیں ہے اولاد حاصل کرنے کے لئے صحبت کر سکتی ہے۔ اس عمل کا نام ویدوں میں نیوگ ہے اور لائق پنڈت دیانند جی اس عمل کے جاری رکھنے کے لئے ستیارتھ پرکاش میں آریوں کو بہت تاکید کرتے ہیں کہ اس طور پر ان کی عورتیں ضرور اولاد حاصل کرتی رہیں بے اولاد نہ رہیں۔ تیسرے یہ قصور کہ انہوں نے اپنے پرچہ دھرم جیون میں بحوالہ پرچہ آریہ درپن وغیرہ اور خود اپنی تحقیق کے رو سے بیان کیا کہ دیانند جی ہندوؤں کے اوتاروں کو بُرا کہتے ہیں باوا نانک صاحب کا نام فریبی اور مکار اور ٹھگ رکھتے ہیں۔ مگر خود ان کی ذاتی کرتوتیں ایسی ہیں کہ ان کی تمام زندگی میں دنیا طلبی ہی ان کا اصول رہا جس سے کیا فریب ہی کیا یاں تک کہ ماں اور باپ سے ﴿۵﴾

﴿۵﴾ کیا اس فتنہ کے فرو کرنے کی غرض سے آریوں کے لائق ممبروں پر واجب نہیں ہے کہ وہ بھی ایک تحت اللفظ ترجمہ اسی رگوید کا اردو زبان میں شائع کر دیں تا فیصلہ کرنے والے خود فیصلہ کر لیں کہ اس پہلے ترجمہ میں کون سی خیانتیں اور تحریفیں ہوئی ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ آریہ لوگ ہرگز ایسا ترجمہ تحت اللفظ اردو میں شائع نہیں کریں گے کیونکہ درحقیقت یہی لوگ پکّے خائن اور چور ہیں اور اپنے دلوں میں خوب سمجھتے ہیں کہ جس دن ہم نے اپنے ہاتھ سے عام طور پر اردو میں ویدوں کے تحت اللفظ ترجمے شائع کر دیئے اس دن ہمارے ویدوں کی خیر نہیں اور ایسے اڑ جائیں گے جیسے آگ لگ جانے سے سارا بارود خانہ اڑ جاتا ہے اسی وجہ سے ان کو یہ بھی حوصلہ نہ پڑا کہ ستیارتھ پرکاش کا ہی اردو میں ترجمہ کر دیں چنانچہ ۶ / مارچ ۱۸۸۷ء کے دھرم جیون میں لکھا ہے کہ بعض سادہ لوح آریوں

بھی فریب جن کے نطفہ سے وجود لیا تھا عقل کے بھی ایسے موٹے کہ ایک بات پر کبھی قائم نہ رہے کبھی چار پستکوں کا نام وید رکھا اور کبھی اسی زبان سے بائیس یا چوبیس[۲۴] وید بنا ڈالے کبھی ان کے پرمیشر کو دنیا کی ہی خبر نہیں کہ کتنی ہے اور کبھی ایسا زود رنج کہ مکتی دے کر اور بڑے بڑے مقدس رشی بنا کر پھر ان کی تمام عزّت خاک میں ملاتا ہے اور کیڑے مکوڑے بناتا ہے۔ غرض دھرم جیون اور پرچہ برادر ہند میں ایسے ایسے بہت سے حملے مگر سچے دیانند پر کئے گئے تھے جس کی پاداش میں آج پنڈت شونارائن بھی سزائے موت کے مستحق ٹھہرے غضب کی بات ہے کہ کوئی آریہ یہ خیال نہیں کرتا کہ جن قصوروں کا دیانند آپ ہی معترف ہے یا جو نالائق باتیں جیسے عمل نیوگ خود آپ ہی اس نے ستیارتھ پرکاش میں لکھ کر اور ویدوں کے حوالے دیکر آریوں کی پاک دامن عورتوں کو دوسروں کے ساتھ خراب کرنا چاہا ہے ان باتوں میں پنڈت شونارائن کا کیا قصور ہے یہ تو وید کا قصور ہے جس میں ایسی ایسی پاک تعلیمیں بھی موجود ہیں اور یا دیانند کا قصور جس نے نادانی سے ایسے نازک مسائل ستیارتھ پرکاش میں درج کر دیئے اور ویدوں کے مقدس ہونے کا نقارہ بجا کر نمونہ دکھلا دیا۔ منہ۔

نے ترجمہ کے لئے اصرار بھی کیا مگر لائق ممبروں کی طرف سے جواب ملا کہ مصلحت نہیں ہاں پنڈت شونارائن صاحب اگنی ہوتری نے عہد کیا ہے کہ اس متبرک کتاب کا ہم ترجمہ کریں گے۔ افسوس کہ آریوں میں ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے ہیں جو اپنی گانٹھ کی عقل رکھتے ہوں لاکھوں آدمیوں کی شہادت کو چھوڑ کر ایک دیانند پر مرے جاتے ہیں۔ اب ہم اس قصہ کو مختصر کر کے ایک نئی کتاب کے ماہ بماہ نکلنے کی بشارت دیں گے اوراسی کے ضمن میں آریوں کے اس رسالہ کا رد لکھا جائے گا جس کا نام انہوں نے سرمہ چشم آریہ کی حقیقت رکھا ہے۔ ہر چند ایسے لغویات کے لئے اپنے بیش قیمت اور عزیز وقت کو کھونا شاید بعضوں کی نظر میں لا حاصل معلوم ہوگا مگر ہم نے صرف چار یا پانچ گھنٹے اپنے پیارے وقت کے اس مختصر رسالہ کے لکھنے میں صرف کئے ہیں اور وہ بھی اس لئے کہ تا بے خبر ہندوزادے اور سادہ لوح مُغ بچے ہماری خاموشی کو اس بات پر حمل نہ کرلیں کہ ان کا پرعفونت رسالہ کچھ حیثیت رکھتا ہے اور چونکہ ہمارے اس رسالہ میں ان کی بے جا نکتہ چینیوں پر تنبیہ کا تازیانہ جڑنا اور الزام، ملامت کا ہنٹر تاڑ تاڑ مارنا قرین مصلحت سمجھا گیا ہے اس لئے اس رسالہ کا نام بھی شحنۂ حق رکھا گیا کیونکہ یہ رسالہ آریوں کے آوارہ طبع لوگوں کے سیدھا کرنے کے لئے شحنہ کا حکم رکھتا ہے اور ظریفانہ طور پر اس رسالہ کا ایک اور نام بھی رکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے :۔ ﴿۶﴾

آریوں کی کسی قدر خدمت

اور

ان کے ویدوں اور نکتہ چینیوں کی کچھ ماہیّت

فَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا هُوَمَوْلَانَا وَ نَاصِرُنَا فِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ وَلَا مَوْلٰی لِلْكَافِرِیْنَ.

چو شیر شرزۂ قرآن نماید رو بغریدن
دگر آنجا نماند روبہ ناچیز را غوغا

اشتہار

رسالۂ ماہواری

قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ

جو جون ۱۸۸۷ء کی بیسویں تاریخ سے ماہ بماہ نکلا کرے گا۔

جب تک میں نے آریہ صاحبوں کا وہ رسالہ نہیں دیکھا تھا جس کا نام ہے۔ سرمہ چشم آریہ کی حقیقت اور فن اور فریب غلام احمد کی کیفیت۔ تب تک مجھے اس طرف ذرہ بھی توجہ نہیں تھی کہ میں کوئی ماہواری رسالہ قرآنی علوم اور صداقتوں کا ﴿۷﴾

اس غرض سے نکالوں کہ تا اگر کوئی آریہ ویدوں کو کچھ حقیقت سمجھتا ہو تو قرآنی صداقتوں سے اس کا مقابلہ کر کے دکھلاوے مگر سبحان اللہ کیا حکمت و قدرت الٰہی ہے کہ اس نے بعض بداندیشوں کو اس خیر محض کا سبب بنا دیا تا دنیا کی☆ قرآنی شعاعوں سے منور کرے اور شپّر طینتوں پر ان کی کور باطنی ظاہر کرے سو جس رسالہ کا نام میں نے عنوان میں لکھ دیا ہے یعنی قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ یہ وہی مومنین کا دوست صادق ہے جس کے قدوم میمنت لزوم کا اصل موجب دشمن ہی ہوئے ورنہ خدائے کریم علیم ہے کہ اس سے پہلے میں جانتا بھی نہیں تھا کہ ایسے رسالہ ماہواری کے نکالنے کی خدمت بھی مجھ سے ظہور میں آئے گی۔ اب تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب ارادہ الٰہی اس بات کی طرف متعلق ہوا کہ کوئی ایسا رسالہ ماہواری نکالا جائے کہ جو قرآنی طاقتوں اور صداقتوں کو ہر یک مہینہ میں دکھلا کر ویدوں سے بھی ایسے ہی علوم و معارف کا مطالبہ کرے اور اس طور سے ویدوں کی ذاتی لیاقت کی کیفیت ہر یک پر بخوبی کھول دے اور قرآن شریف کی عظمت اور وقعت ہر یک منصف پر ظاہر کرے تو اس حکیم مطلق نے مصلحت عام کے لئے یہ تقریب قائم کی کہ بعض آریہ صاحبوں نے ایک اشتہار بصورت رسالہ بماہ فروری ۱۸۸۷ء چشمہ نور امرتسر میں چھپوایا اور اس میں بڑے زور سے انہیں امور کے لئے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں تحریک کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اشتہار کا راقم یا مہتمم صرف پنڈت لیکھرام پشاوری ہی نہیں ہے بلکہ اصل بانی مبانی اس کے آریہ صاحبوں کے کئی شریف اور فرشتہ خو اور راست گو اسی قصبہ قادیان کے رہنے والے ہیں جن میں ایک کیسوں والا آریہ بھی ہے اور اصل املا ان کی اس رسالہ کا آرین تہذیب کے موافق ایک اور شیریں زبان پاکیزہ بیان آریہ نے درست کیا ہے جو شاید نابھہ کی ریاست میں نوکر ہے بہرحال یہ رسالہ آریوں کا ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے بغرض مقابلہ وید و قرآن ایک ایسے رسالہ کی تالیف کے لئے ہم سے درخواست کی ہے جو قرآنی علوم اور حقائق کو بیان کرنے والا ہو اور درخواست بھی ان شستہ اور پر تہذیب الفاظ سے جس کا ہر یک

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’دنیا کو‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

لفظ ان کی شرافت ذاتی اور طہارت باطنی اور حق گوئی پر دلالت کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اول تو مرزا کو اس کام کا ارادہ ہی وہم وخیال ہے کیونکہ وہ ہندوؤں کے ساتھ بحث مباحثہ کا نام لینے کے بھی لائق نہیں کتب مذہبی سے بے بہرہ محض ہے حتّٰی کہ حرف شناسی سے بھی محروم مطلق ہے پھر اگر شرمے شرمائے اس کام کو شروع کرے گا تو ﴿۸﴾ آخر نیچا دیکھے گا۔ صرف آیات قرآنی سے اپنا مدعا ثابت کر کے دکھلاوے ورنہ ہم خوب بنائیں گے۔ قرآن سے ہرگز کوئی بات علم کی برآمد نہیں ہوگی اور جہلاء عرب کو علم سے کام ہی کیا تھا☆ اور تمام جہان میں جو علم ظاہر ہوا وہ وید اقدس کی بدولت ہے۔ مرزا کو ہم علانیہ متنبہ کرتے ہیں کہ بے شک وہ رسالہ موعودہ تیار کرے اگر کرے گا تو نیچا دیکھے گا۔ ہم خوب بنائیں گے ہم مرزا سے کوئی شرط نہیں کرتے کیونکہ اس کا مال حرام ہمارے کس کام ہے وہ دغا وفریب سے جمع کیا گیا ہے اور مرزا چاروں طرف سے قرضدار ہے اور کوڑی کوڑی سے لاچار اور جائداد بھی سب فروخت ہوگئی۔ مرزا کے دل پر جہالت کا پردہ ہے اور نیز وہ بڑا مفلس ہے زمین بھی بک گئی دیکھو قرضداری اور ناداری کے ثبوت میں اس کے دو خط ہیں جو کسی ہندو کے نام لکھے تھے کھیوٹ بندوبست کے حصہ کشی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی فقط سات گھمانؤ زمین ہے۔ بڑا فریبی ہے۔ قرآن قرآن لئے پھرتا ہے۔ قرآن سے تو یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ خدا جسم وجسمانی نہیں مرزا تو کیا چیز کوئی محمدی عالم بھی ثابت نہیں کرسکتا جس

☆فٹ نوٹ یہ لفظ اس شخص نے ہمارے سید ومولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا ہے اور ایسی بے ادبی کے الفاظ اور بھی بہت سے ہیں جو ہم نے لکھنے چھوڑ دیئے ہیں۔ منہ

قرآن کا یہ حال ہے تو پھر اس میں علم کیا ہو فقط۔ یہ پاکیزہ الفاظ ہیں جن میں سے ہم نے کچھ کم درجہ کے سنگین لفظ چھانٹ کر خلاصہ کے طور پر اس جگہ درج کئے ہیں لیکن ہم اس بچوں کی سی سمجھ اور سادہ لوحی پر جو بہت سے غصہ اور اشتعال کے ساتھ ملا کر ظاہر کی گئی ہے ہنسیں یا رو ویں حقیقت میں ہندو لوگ دنیا کے کمانے میں گو کیسے ہی چتر اور ہوشیار ہوں مگر دین کے بارے میں بہت ہی ابلہ اور بے مغز ہیں اور اس کے ساتھ خیانت کی بھی وہی عادت چلی آتی ہے جیسے نون مرچ کے بیچنے اور تولنے میں بچپن سے رکھتے ہیں۔ ناحق نادانی اور بے سمجھی کی راہ سے آپ ہی ایک بات کہہ کر دانشمندوں پر ثابت کرا دیتے ہیں کہ کس قدر دماغ ان کا علمی روشنی سے بھرا ہوا اور کس قدر معلومات ان کے وسیع ہیں واہ واہ کیا خوب سمجھ ہے اسی سمجھ پر تو یہ ٹھٹھا کرانے والا اعتراض پیش کر دیا کہ قرآن خدائے تعالیٰ کو جسم اور جسمانی قرار دیتا ہے اور اس میں کوئی آیت تنزیہ کی نہیں۔ کاش ان حضرات نے قرآن شریف کا ایک ورق ہی کسی سے پڑھ لیا ہوتا پھر اعتراض کیلئے پیش قدمی کرتے۔ بھلا جو شخص ایک حرف بھی قرآن ﴿۹﴾
شریف کا صحیح طور پر نہیں پڑھ سکتا اور نہ کسی اسلامی کتاب میں کوئی ایسا اقرار اس نے دیکھا ہے جس پر اعتراض جم سکے تو کیا ایسے شخص کو یہ منصب پہنچتا ہے جو یونہی اعتراض کیلئے دس گز کی زبان نکالے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ رسالہ **قرآنی طاقتوں کے جلوہ گاہ** میں پہلے اسی بحث کو چھیڑیں گے کہ خدائے تعالیٰ کی پاک اور کامل صفتیں اور اس کی خدائی کی خاصیتیں اور قدرتیں (جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جسم اور جسمانی ہونے سے منزّہ ہے) کس کتاب میں صحیح اور کامل طور پر پائی جاتی ہیں آیا وید میں یا قرآن میں۔ اور پھر

بحوالۂ آیات بیّنات قرآنی ثبوت پیش کر کے لالہ صاحب کے وید سے بھی ایسے ہی ثبوت کا مطالبہ ہوگا تب معلوم نہیں کہ مصرجی کس سوراخ میں چھپتے پھریں گے۔ کوئی پڑھے تو اسے معلوم ہو کہ قرآن شریف ربّانی صفات کے بیان کرنے میں اور انہیں جسم اور جسمانی چیزوں سے ممیّز اور ممتاز ٹھہرانے میں ایسا بے مثل و مانند ہے کہ یہ روشن بیان کسی دوسری کتاب میں ہرگز پایا جاتا ہی نہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کلام الٰہی کا پڑھنا اور سمجھنا ہر یک بُز اَخفش کا کام نہیں کچھ تو تمیز چاہیے۔ نرا کھڑ پنچ بن کر رائے دینے والا نہ بن بیٹھے۔ بھلا ہم تم سے ہی انصاف چاہتے ہیں کہ جو شخص ایک موّاج دریا کی نسبت یہ رائے ظاہر کرے کہ اس میں ایک قطرہ پانی کا بھی نہیں ایسے شخص کا کیا نام رکھنا چاہیے اندھا یا سوجاکھا۔ افسوس کہ آریہ لوگ رگوید کی ان شرتیوں کو نہیں پڑھتے جن میں اِندر کو خدا بنا کر پھر سوم کا عرق اس کے حلق میں ڈالا گیا ہے اور اگنی کو پرمیشر قرار دے کر دھوئیں کی جھنڈی اس کے سر پر رکھی گئی ہے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ رگوید سنتھا اشتک اول میں اندر پرمیشر کو کوسیکا رشی کا پوتر بھی بنا دیا گیا ہے جس کے گھر اِندر نے آپ ہی جنم لے لیا تھا اور پھر اتنے پر بھی کفایت نہیں بلکہ اسی اشتک میں پرمیشر کے پرمیشر پن کا یاں تک ستیاناس کیا گیا ہے کہ اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ جوان بھی ہوتا ہے اور بوڑھا بھی اور سوم کا رس پیتے پیتے سمندر کی مانند اس کا پیٹ ہو جاتا ہے اور اگنی پرمیشر کی نسبت لکھا ہے کہ دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے والدین بھی ہیں غرض کہاں تک ہم اپنے کاغذات کو سیاہ کریں جن لوگوں کا پرمیشر اس قدر جسم اور جسمانی صفات میں بلکہ آفات

میں ڈوبا ہوا ہو وہ قرآن شریف پر اعتراض کریں۔ کیا یہ افسوس کا مقام ہے یا نہیں۔ ہمیں ان کی سخت کلامی کا تو کچھ بھی رنج نہیں اور نہ کرنا چاہیے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی پر دس روپیہ کی ڈگری بھی کسی عدالت سے ہو جاتی ہے تو وہ اپنی بد باطنی سے اپنے گھر تک اس حاکم کو برا بھلا کہتا چلا آتا ہے پس جبکہ ادنیٰ خلاف طبع بات پر جاہلوں کے جوش کا یہ حال ہے تو پھر ہم جو ان کی بد مذہبی کی بیخ کنی کر رہے ہیں ہم کو اگر برا نہ کہیں تو اور کس کو کہیں اور نیز جبکہ انہوں نے اپنے مشہور بزرگوں راجہ رام چندر صاحب اور راجہ سری کرشن صاحب کو جو سرآمد بزرگان ہنود ہیں۔ جن کی شہرت کے آگے وید کے رشیوں کا کچھ بھی وجود اور نمود نہیں علانیہ برا بلکہ آریہ گزٹ ۱۸۸۶ء میں جس کا ثبوت ہم رکھتے ہیں کتنے بیتوں میں گندیاں گالیاں دیں اور ایسا ہی دیانند نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں صفحہ ۳۵۶ میں باوا نانک صاحب کا نام فریبی اور مکار رکھا۔☆ تو پھر ایسے لوگوں پر ہمیں کچھ بھی افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ وجہ یہ کہ جب کہ یہ لوگ جن میں سے بعض نے بڑے بڑے کیس بھی سر پر رکھ چھوڑے ہیں اور کشن سنگھ اور بشن سنگھ ونرائن سنگھ نام رکھ لیا ہے خود اپنے گورو کو ہی یہ انعام دیتے ہیں تو پھر دوسری جگہوں میں یہ کب چوکنے والی آسامی ہیں۔ جنہوں نے چیلا ہو کر اپنے پرانے پیشواؤں کو یہ خلعت دی کہ وہ ٹھگ اور فریبی ہیں تو وہ دوسروں سے کس صاف باطنی سے پیش آئیں گے اور جبکہ اپنے مرشد کی ہی پگڑی اتارنے لگے تو غیروں

﴿۱۰﴾

☆ نوٹ اس بے ادبی کا ذکر پرچہ دھرم جیون ۶ / مارچ ۱۸۸۷ء میں بھی موجود ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں بڑے لائق دیانند جی نے باوا نانک صاحب کو مکار کہا ہے۔منہ۔

کی عزت کا انہیں کیا پاس ہوگا۔ ان کے حق میں یہ شعر کیا ہی خوب صادق آتا ہے۔

تو بدوستاں☆ چہ کردی کہ کنی بدیگراں ہم حقا کہ واجب آمد زِ تو احتراز کردن

سو ہمیں ان لوگوں کی توہین کی باتوں پر تو کچھ خیال نہیں اور نہ کچھ افسوس لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب کوئی نادان ہوکر دانائی کا دعویٰ کرے اور جاہل ہوکر عالم ہونے کا دم مارے اور دروغگو ہوکر راست گو بن بیٹھے اور چور ہوکر الٹا کوتوال کو ڈانٹے تو ایسا شخص ہر یک کو برا معلوم ہوتا ہے، اور علیٰ ھٰذا القیاس ہم کو بھی۔ رہی یہ بات کہ ان کی عقل عجیب کے نزدیک **قرآن شریف** علم الٰہی سے خالی اور وید علوم و معارف سے بھرا ہوا ہے تو اس کا فیصلہ تو خود مقابلہ وموازنہ سے ہو جائے گا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ہم خود منتظر تھے کہ ایسا فیصلہ جلد تر ہو جائے۔ سو آریہ صاحبوں نے اس کے لئے آپ ہی سلسلہ جنبانی کی۔ پسؔ ہم ان کی اس تحریک ﴿۱۱﴾ اور سلسلہ جنبانی کو بہ تمام تر شکرگزاری قبول کرتے ہیں اور انہیں بشارت دیتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم بفضل و توفیق ایزدی جون ۱۸۸۷ء کے مہینے سے برطبق درخواست ان کے ایسا رسالہ ماہواری شائع کرنا شروع کر دیں گے لیکن ساتھ ہی ہم بادب عرض کرتے ہیں کہ جب وہ رسالہ **قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ** شائع ہونا شروع ہو تو پھر لالہ صاحبان مقابلہ سے کہیں بھاگ نہ جائیں اور اپنے وید کی حمایت کرنے کو تیار رہیں۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ آج کل ہمارے ہم وطن آریوں کو جس قدر ویدوں کی نسبت جوش و خروش ہے وہ دراصل ایک ہی شخص کی لاف زنی کی بنا پر ہے کہ جو اس دنیا سے گزر بھی گیا ورنہ ان کی نسبت تو یہی مثال ٹھیک ہے کہ **دیکھا نہ بھالا صدقے گئی خالا**

☆ نقل بمطابق اصل۔ سرمہ چشم آریہ میں یہ شعر اس طرح ہے’’ بادوستاں چہ کردی ...... ‘‘ (ناشر)

لیکن تاہم عام لوگوں پر ثابت کر دکھانا ہمارا فرض ہے کہ وید صرف اس زمانہ کے موٹے اور پست خیالات ہیں کہ جب آریوں میں ہنوز مخلوق اور خالق میں تمیز کرنے کا مادہ پیدا نہیں ہوا تھا اور عناصر اور اجرام سماوی کو خدائے تعالیٰ کی جگہ دی گئی تھی۔ چنانچہ رگوید کے شاعروں کے وہ سب پر جوش شعر جن میں اندر واگنی وغیرہ سے بہت سی گوئیں اور گھوڑے اور لوٹ کا مال مانگا گیا اس بیان پر شاہد ہیں برخلاف اس کے قرآن شریف ایسا علوم و معارف وکمالات ظاہری و باطنی پر حاوی ہے کہ صریح حد بشریت سے بڑھا ہوا ہے اور بہ بداہت معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر اس نے حقائق و دقائق کو ایک بے مثل بلاغت وفصاحت میں بیان کیا ہے اور پھر بالتزام ایسے بلیغ وفصیح بیان کے تمام دینی صداقتوں پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہوگیا ہے حقیقت میں یہ ایسا کام ہے جس کو معجزہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ انسانی طاقتوں سے ماورا اور بشری قوتوں سے بالاتر ہے۔ بالآخر ہم یہ بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ آریہ صاحبوں کے نوجوان صاحبزادوں نے جس قدر ہمارے اور ہمارے دوستوں کے سوشیل امور اور اسلامی فضائل وقرآنی حقائق میں اپنی عادت کے موافق بے اصل اور بیہودہ نکتہ چینیاں کی ہیں ان کا الگ الگ جواب برعایت اختصار ذیل میں دیا جائے سو وہ یہ ہے۔

قولہ۔ مرزا ہماری کتب مذہب سے محض بے بہرہ ہے۔

اقول ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہی حال ہے تو ایسے بے بہرہ محض کے آگے کیوں تم ایک دم کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتے اور اس چڑیا کی طرح جو باز سے ڈر کر چوہے کے سوراخ میں گھس جاتی ہے کیوں اِدھر اُدھر چھپتے اور بھاگتے پھرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا ﴿۱۲﴾
سرمہ چشم آریہ نے آپ کے مذہب کا کچھ باقی بھی چھوڑا؟ کیا ٹھیک ٹھیک گت

بنانے میں کچھ کسر بھی رکھی ؟ پس اس سے سمجھ لو کہ اگر ہم آپ کے گھر کے بھیدی نہیں تھے تو پھر کیونکر ہم نے وید کے چھپے ہوئے عیبوں کو کھول کر رکھ دیا اور اگر ہم پورے پورے بھیدی نہیں ہیں تو کیونکر ہم نے کئی جزیں ویدوں کی **براہین احمدیہ** میں نقل کر دیں اور کیونکر **سرمہ چشم آریہ** میں وہ کاری زخم آپ لوگوں کو پہنچا دیا جس کا ابھی تک کچھ جواب بن نہ آیا۔ اب چھ مہینے کے بعد جواب نکلا تو یہ نکلا جس میں بجز بدزبانی اور افترا بیانی کے اور خاک بھی نہیں۔ انتظار کرتے کرتے ہم تھک بھی گئے کہ کونسا لطیف اور مغز دار جواب آتا ہے۔ آخر آپ کے مرتبان میں سے صرف ایک مکھی نکلی کیا جواب دینا اور رد لکھنا اسی کو کہتے ہیں۔ بھلا کوئی منصف ہندو ہی آپ لوگوں کے رسالہ کو پڑھ کر دیکھے اور پھر حلفاً بیان کرے کہ ہمارے رسالہ سرمہ چشم آریہ کا ایک نقطہ یا شعشہ بھی اس خس و خاشاک سے زوال پذیر ہوا ہے اور اگر کہو کہ تمہیں سنسکرت کی زبان کی واقفیت نہیں تو میں کہتا ہوں کہ جس حالت میں دیانندی وید بازاروں میں چار چار آنہ کو خراب ہوتے پھرتے ہیں اور آپ کا وید اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور ایسا ہی انگریزی میں بھی چھپ گیا اور خود دیانند نے بھی جابجا وید کے عقائد اور اصول کو کھول کر سنا دیا بلکہ ایک کافی حصہ وید بھاش کا عام فہم عبارت اُردو بھاشا میں چھپ بھی گیا ایسا ہی کئی دوسرے رسالے بھی آریہ مت کے عقائد کے بارے میں صاف صاف طور پر قلمبند ہوکر اردو زبان میں شائع ہوگئے اور زبانی لکچروں میں بھی ان کے لائق ممبروں نے ہر یک جگہ اپنے اصولوں اور عقیدوں کی اشاعت کی تو کیا اب بھی ہماری واقفیت میں کچھ کسر رہ گئی اور کیا ابھی تک ہم یہی خیال کیا کریں کہ ویدوں کے اصول اور عقائد کی گٹھری کسی برہمن کی اندھیری کوٹھری میں بہت سی خاک کے نیچے دبی پڑی ہے جس تک کسی ڈھب

اور کسی تدبیر سے ہماری دسترس ممکن ہی نہیں۔ کیا تمہیں دیانند کی کتابوں اور ان کے زبانی لکچروں اور ان کے تحریری مباحثہ پر بھی اعتبار نہیں۔ کیا وہ لوگ بالکل جھوٹے ہی ہیں جنہوں نے صدہا روپیہ سرکار انگریزی سے ویدوں کا اردو انگریزی ترجمہ کرنے میں پایا ہے۔ پھر جب واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس قدر سامان اور کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں اور وید اور ویدوں کے بھاش اور دیانندی ستیارتھ پرکاش وغیرہ کتابیں ہماری الماریوں میں رکھی پڑی ہیں۔ ﴿۱۳﴾
اور زبانی مناظرات میں بھی ہماری عمر گذر گئی ہے تو کیا اب تک ہم آپ لوگوں کے گھر سے ناواقف ہیں۔ پھر جب اس قدر ہمارے وسیع معلومات ہیں تو ایک سنسکرت اگر نہیں تو نہیں سہی اور خود باوجود اس درجہ کے وسعت معلومات کے جو سالہا سال کا ذخیرہ ہے اس **کاگ بھاشا** کی ضرورت ہی کیا ہے۔

قولہ۔ مرزا کوڑی کوڑی سے لاچار اور قرضدار ہے۔

اقول ۔اس جگہ ہمیں حیرت ہے کہ لالہ صاحبوں کو ہمارے قرض کی کیوں فکر پڑ گئی۔ اگر وہ سرمہ چشم آریہ کا رد لکھ کر دکھلاتے اور پھر منشی جیون داس صاحب اس رد کی صحت وکمالیت پر قسم کھانے کو تیار ہو جاتے۔ تب اگر ہم اس جلسۂ قسم میں حسب وعدہ خود پانسو روپیہ نقد پیش کرنے سے عاجز رہ جاتے تو ایسے اعتراضوں کا محل بھی ہوتا۔ مگر اب تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری حیثیت خانگی کے بارے میں اس راقم دزد منش کو جس نے ہمارے مقابل پر کبھی اپنا نام بھی ظاہر نہیں کیا کیوں اتنے تفکرات پیدا ہو گئے یہاں تک کہ بندوبست کے کھیوٹ میں ہماری زمین تلاش کرتا پھرتا ہے اور اپنی بدقسمتی سے اس تلاش میں بھی غلطی پر غلطی کھاتا ہے اور سراسر

خلاف واقعہ بیان کرتا ہے سو ہمیں بڑی حیرت ہے کہ اس قدر دھڑ کا اس کے دل کو کیوں پیدا ہو گیا اور اس حرکت بے جا کا باعث کیا ہے۔ ہمارے اس ملک میں جو ایک قوم ہندو جٹ ہیں جن میں سے بعض سر پر کیس بھی رکھا کرتے ہیں میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ اکثر ان کی یہ عادت ہے کہ جب وہ اپنی دختر کا ناطہ کسی جگہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے چپکے چپکے اس گاؤں میں چلے جاتے ہیں جس جگہ اپنی دختر کی نسبت کرنا ان کا ارادہ ہوتا ہے تب اس گاؤں میں پہنچ کر نہایت تحقیق و تفتیش کی غرض سے پٹواری کی کھیوٹ اور گرداوری اور روزنامہ سے اور نیز دوسرے طریقوں سے بھی دریافت کر لیتے ہیں کہ اس شخص کی زمین کتنی ہے اور سال تمام کی آمدنی کس قدر ہے اور شریکوں میں اس کا کیا حصہ ہے تب اس تمام جانچ اور پرتال کے بعد اپنی دختر یعنی لڑکی اس کو دے دیتے ہیں لیکن اس جگہ تو ان امور میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی۔ ہاں اگر کوئی ہمارے الہامی اشتہارات کے مقابل پر آتا تو اس کا حق تھا کہ پہلے اپنی تسلی کر لیتا بلکہ بینک میں روپیہ جمع کرانے کے لئے ہمیں مجبور کرتا پھر اگر ہم روپیہ جمع نہ کرا سکتے تو جو چاہتا ہم پر الزام لگاتا لیکن ہمارے مقابلہ کے لئے تو کسی نے اس طرف رخ بھی نہ کیا اور ایسے بھاگے کہ جیسے سکھ انگریزوں سے شکست ﴿۱۴﴾ کھا کر دریا میں ڈوب ڈوب کر مرے تھے۔ تو کیا اب بیہودہ باتیں بنانا حیا اور شرم کا کام ہے کیا ہم نے منشی اندرمن مرادآبادی کے لئے چوبیس سو روپیہ نہیں بھیجا تھا۔ جس سے لالہ صاحب روپوش ہو کر اب تک نظر نہ آئے کہ کہاں ہیں۔

قولہ ۔ جان محمد امام مسجد قادیان کو مرزا نے کہا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ تم اپنے لڑکے

کی قبر کھودو یعنے اب وہ مرے گا حالانکہ وہ نہیں مرا۔

اقول ۔ اس افترا کا جواب یہی کافی ہے **لعنت اللّٰہ علی الکاذبین** ۔ اور اگر اور بھی کچھ ثبوت چاہو تو یہاں جان محمد صاحب کی دستخطی تحریر حاشیہ میں موجود ہے☆ اس کو ذرا آنکھ کھول کر پڑھ لو اور دروغ بے فروغ کی ندامتوں کا کچھ مزہ اٹھاؤ اور اگر کچھ شرم حیا ہے تو قادیان میں ایک جلسہ کر کے اس ہندو کو ہمارے سامنے کرو جس نے یہ بے بنیاد قصہ لکھ کر بھیجا ہے کیونکہ اس قدر افترا محض کا تصفیہ بالمواجہ خوب ہو جائے گا۔ اور ہم اسی جلسہ عام میں اس ہندو کو کوئی ایسی قسم دیں گے جو اس پر مؤثر ہو سکے اور اس طرح پر جو جھوٹا ہو اس کی قلعی کھل جائے گی لیکن صرف بیہودہ تحریروں سے اس مفتری ہندو کا نام لینا کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ اس جگہ کے ہندوؤں پر جو تحریروں کے ذریعہ سے الزام لگایا جاتا ہے پیچھے سے وہ کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر بھی نہیں چنانچہ نظیر میں وہ اشتہار کافی ہے جس میں لکھا تھا کہ گویا لالہ شرم پت کہتا ہے کہ میں مرزا کے دعویٰ الہامات کو سراسر مکر و فریب سمجھتا ہوں اور میں ان کے کسی الہام اور پیشگوئی

حاشیہ نوٹ ﴿۱۴﴾

☆ یہ بہتان کہ گویا مرزا صاحب نے یہ کہا کہ درحقیقت تمہارے لڑکے کے لئے مجھے الہام ہوا کہ تم اس کی قبر کھودو سراسر افترا ہے جس کی کچھ بھی اصلیت نہیں اور میں جانتا ہوں کہ یہ ان نااہل لوگوں کی گھڑت ہے کہ جو نہ خدا کی لعنت اور نہ خلقت کی لعنت سے ڈرتے ہیں۔ کیا خوب ہو کہ ایک جلسہ ہو کر ایسا شخص میرے روبرو کیا جائے تا میں بھی اس کو بٹھا کر پوچھ لوں کہ اے بھلے مانس کب تیرے روبرو مرزا صاحب نے ایسا الہام مجھ کو سنایا تھا۔

العبد خاکسار جان محمد امام مسجد قادیان

کا گواہ نہیں ہوں حالانکہ ہمارے پوچھنے پر لالہ شرم پت اس تحریر کے شائع کرنے اور ایسے اشتہار کے لکھنے سے سراسر انکاری ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس کی اطلاع بھی نہیں بلکہ اس سے پہلے کئی دفعہ ہمارے روبرو اپنی مستعدی ظاہر کر چکا ہے کہ ان الہامی پیش گوئیوں کو جن کا وہ گواہ ہے عام طور پر شائع کرے اور ایک دفعہ لیکھرام
﴿۱۵﴾ پشاوری قادیاں میں آکر بہت کچھ اس کو بہکاتا رہا کہ شہادت الہامات سے انکار کرنا چاہیے مگر وہ دروغ صریح سے نفرت کر کے اس کے پیچ میں نہ آیا۔ اور اب بھی اگر جلسۂ عام میں قسم دے کر اس کو پوچھا جائے تو صفائی سے وہ بیان کرسکتا ہے کہ دیانند کے مرنے کی خبر کئی دن پیش از موت اسے بتلائی گئی تھی اور خاص لالہ شرم پت کے ایک بھائی پر جو ایک پیچدار اور پُرخطر مقدمہ چیف کورٹ میں دائر تھا اس کا انجام بھی پیش گوئی کے طور پر اس پر ظاہر کیا گیا تھا۔ ایسا ہی دلیپ سنگھ کی دو صورتوں میں سے ایک صورت یعنی موت یا بے عزتی اور ناکامی از سفر پنجاب اس کو اس وقت کھول کر سنا دی گئی تھی کہ جب اس مصیبت کا نام ونشان موجود نہ تھا اور ایسی ہی اور بہت قبل از وقوع باتیں اس پر ظاہر کی گئی تھیں جن باتوں کا وہ بڑی مضبوطی سے گواہ ہے مگر تصدیق اس کی جلسہ عام میں قسم کے ساتھ ہونی چاہیے نہ یوں ہی متعصّبانہ تحریروں کی روبہ بازی سے ماسوا اس کے رسالہ سراج منیر بھی جو پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اب بہت جلد نکل کر دروغ گوؤں کا منہ کالا کرنے والا ہے۔

قولہ ۔ ہم نے اپنے اشتہار میں ثابت کر دیا ہے کہ مرزا کے اشتہار ۸؍اپریل ۱۸۸۶ء میں پیشگوئی پسر موعود کا حمل موجودہ پر حصر رکھا گیا ہے جس میں سے آخر لڑکی پیدا ہوئی۔

اقــــول ۔ وہ اشتہار جس میں ہماری طرف سے الہامی یا تشریح کے طور پر اس

حصر کے لفظ موجود ہیں جو اسی حمل میں وہ لڑکا پیدا ہوگا اُس سے ہرگز ہرگز تخلف نہیں کرے گا ضرور اس میں پیدا ہو جائے گا وہی اشتہار ایک جلسہ منعقد کر کے بحاضری چند مسلمانوں اور ہندوؤں اور عیسائیوں کے پیش کر دینا چاہیئے تا دروغگو کی سیاہ روئی سب پر کھل جائے لیکن اگر اشتہار کے پیش ہونے کے بعد اشتہار کی عبارت سے یہی بات بہ بداہت ثابت ہوتی ہو کہ شاید وہ لڑکا اب ہو یا بعد میں ہو تو پھر ایسے بے شرم دروغگو کے لئے کہ جو برخلاف ہماری تشریح مندرجہ اشتہار کے ناحق بار بار خلق اللہ کو دھوکا دے صرف **لعنت اللّٰہ علیہ** کہنا کافی نہیں ۔ بلکہ اس کو کسی قدر سزا دینا بھی ضروری ہے تا پھر آئندہ اپنی بے حیائی دکھلانے کے لئے جرأت نہ کرے۔

قولہ ۔ ایک ڈوم ٹکڑہ خوری گمنام نے مرزا کی تعریف میں دو ورق کا اشتہار بعنوان رسالہ سرمہ چشم آریہ سیاہ کیا ہے محض دنیاوی طمع میں اندھا ہو رہا ہے ۔اس کوتاہ اندیش نامعقول پر کیا بلا پڑی کہ مفت میں جھوٹ بول رہا ہے۔

اقول ۔ یہ پاک سیرت راقم رسالہ جو شاید اپنے گمان میں اپنے تئیں کسی راجہ کا بیٹا سمجھتا ہوگا۔ ہم اس کو ہرگز ڈوم یا ڈوم کی ذریت نہیں کہیں گے۔ خدا جانے یہ کون ہے اور کس کا ہے مگر یہ یاد رہے کہ یہ شخص اپنے ان گندے الفاظ سے جو کسی قدر ابھی ہم نے لکھے ہیں اور کسی قدر خلاف تہذیب اور سخت مکروہ دیکھ کر چھوڑ دیئے ہیں ایک نہایت عالی خاندان سید صاحب کی نسبت جو بڑے شریف اور ایک شہر کے معزز اور نامور رئیس ہیں ازالہ حیثیت عرفی کا مرتکب ہو رہا ہے اور خدائے تعالیٰ کا خوف تو اسے کاہے کو ہوگا مگر دفعہ ۵۰۰ **تعزیرات ہند** اور کئی ایسے ﴿۱۶﴾

جرائم سے جن میں اس قسم کے یا وہ لوگ اکثر پھنس جایا کرتے ہیں اسے اندیشہ کرنا چاہیے۔ ہر چند ہم نے سید صاحب ممدوح کی خدمت میں بانکسار عرض کر دیا ہے کہ آپ ایسے نااہلوں کی دل آزار باتوں کو دل میں جگہ نہ دیں اور صبر وشکیب کو کام فرمائیں جیسا کہ طیبین طاہرین آل رسول کریم قدیم سے کرتے چلے آئے ہیں اور یہی سید صاحب کی ذات ستودہ صفات پر امید بھی ہے کیونکہ وہ نہایت شریف اور مہذب اور علوم وفنون سے آراستہ اور بوجہ کامل لیاقت انگریزی دانی کے انگریزی دفتروں کے معزز عہدوں پر بھی سرفراز رہ چکے ہیں اور اشتعالی حالت تو گویا فطرتی طور پر ان کی طبیعت سے مسلوب ہے مگر پھر بھی چونکہ ایک مکس طینت کے قلم کا بخار کبھی کبھی اچھے اچھے قوم کے شریفوں کو بھی ساتھ کھینچ لیا کرتا ہے اس لئے ہم بکمال ادب بخدمت شریف منشی جیونداس صاحب اور دوسرے معزز آریہ صاحبوں کی محض خیر خواہی کے طور سے عرض پرداز ہیں کہ ایسے خوش لہجہ آریہ کو اس بدزبانی کی دھن سے روک دیں کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں اور گو ہماری ذات کی نسبت کوئی شخص برا کہے یا بھلا' افترا پردازیاں کرے یا جعلسازیاں اسے اختیار ہے کیونکہ ہم مجازی حکومتوں کی طرف رجوع کرنا نہیں چاہتے اور اپنا اور اپنے بدگو کا فیصلہ احکم الحاکمین پر چھوڑتے ہیں۔ لیکن ان نوخیزوں کو جو اپنی ہر یک تحریر میں آریوں کی نئی تہذیب کا چاند چڑھا رہے ہیں دوسرے رئیسوں اور شریفوں اور معزز مسلمانوں کی ہتک اور توہین سے پرخطر رہنا چاہیے تا کسی پیچ میں آ کر بڑے گھر کی ہوا نہ کھانی پڑے کیا بحث اسی بات کا نام ہے کہ گند بولیں اور فحش تولیں غرض ہر یک منہ بگڑے اور بے راہ کے لئے قانونی تدارک موجود ہے۔ آئندہ حنتار☆ بدست مختار۔

﴿۱۷﴾ **قولہ**۔ سرمہ چشم آریہ میں نہ ہماری کسی کتاب کا حوالہ ہے نہ فصل و باب کا پتہ ہے۔

اقول ۔ کتنا جھوٹ ہے۔ جس شخص کی دروغ گوئی اس حد کو پہنچ جائے تو اسے

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' اختیار '' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

کوئی کیا کہے۔ بھلا جس حالت میں جا بجا فریق مخالف کے انکار پر اس کی مسلم الثبوت کتابوں کا فصل و صفحہ تک پتہ بتلا دیا گیا تو کیا ابھی ہم نے کتاب کا حوالہ نہ دیا۔ دیکھو صفحہ (۳۷) سرمہ چشم آریہ۔ ہاں جن باتوں کو لالہ مرلی دھر صاحب اس بالمواجہ بحث میں آپ ہی مانتے گئے۔ ان کا حوالہ دینا داب مناظرہ کے خلاف اور ناحق کا طول تھا اگر وہ انکار کرتے تو حوالہ بھی سن لیتے۔ مگر تاہم اجمالی طور پر ہر جگہ کہا گیا کہ یہ تمہارے عقائد و اصول ہیں۔ چنانچہ جا بجا لالہ صاحب موصوف ان الزامات کا اقرار کرتے گئے اور کچھ بھی چوں چرا نہ کیا۔ دیکھو صفحہ ۱۱۴۔ ۱۷۹۔ ۱۹۴۔ ۲۰۴۔ ۲۰۶ سرمہ چشم آریہ۔ ماسوا اس کے یہ بات یاد رہے کہ ہم نے جس قدر آریوں پر رسالہ سرمہ چشم آریہ میں اعتراضات کئے ہیں ان سب کو ہم نے ان کے لائق گرو دیانند کی ستیارتھ پرکاش سے اخذ کیا ہے تم ذرا منہ سے تو یہ بات نکال کر دیکھو کہ ہم آریوں کے وہ عقائد نہیں ہیں پھر دیکھنا کہ کیسی خبر لی جاتی ہے غضب کی ہٹ دھرمی ہے کہ جن عقائد اور اصولوں کو آپ ہی ہر کوچہ و بازار میں مشہور کر چکے ہیں اب ان سے اِدھر اُدھر بھاگنا چاہتے ہیں مگر پھنسی ہوئی چڑیا اب بھاگے کہاں۔ اب تو دیانند کی جان کو رونا چاہئے جو تمہیں پھنسا کر آپ الگ ہو گیا اور وید کا آخری نچوڑ یہ چھوڑ گیا کہ جیسے پرمیشر خود بخود ویسا ہی دنیا کا ذرّہ ذرّہ خود بخود۔

قولہ۔ تمام جہان میں جو علم و ہنر ظاہر ہو رہا ہے سب وید اقدس کی بدولت ہے۔

اقول ۔ ویدوں کے علوم و فنون کی حقیقت تو بہت سی کھل گئی اور کھلتی جاتی ہے۔ بھلا جن ویدوں نے اس رنگارنگ کی مخلوقات کے وجود میں اپنی فلاسفی یہ بتلائی کہ یہ سب چیزیں اور سب روحیں یہاں تک کہ ذرہ ذرہ عالم کا اپنے وجود کا آپ ہی **ربّ** ہے کوئی ان کا موجد و پیدا کنندہ و حقیقی سہارا نہیں ضرور ان میں اور علوم فنون بھی ہوں گے ایسے لائق ویدوں کا وجود کب بے ہنر و علم رہ سکتا ہے اگرچہ ویدوں کی عجیب حکمت پر خود ذاتی طور پر ہمیں بہت سی اطلاع ہے لیکن آریوں کے لائق **پنڈت دیانند** نے جو ستیارتھ پرکاش میں **ویدک فلاسفی** کا کچھ

بیان کیا ہے اسی سے ناظرین بطور نمونہ سمجھ سکتے ہیں کہ آریوں کا وید مقدس کس عالی مرتبہ کی کتاب ہے۔ ﴿۱۸﴾

چنانچہ منجملہ ان کے ایک مسئلہ دائمی وجوب تناسخ کو ہی دیکھو جس میں وید ک فلاسفی کے رو سے ہمیشہ روحوں کا اسی دنیا میں پھر پھر آنا اور بڑے بڑے عارف گیانی۔ رکھی اور دیوتے بننے کے بعد بھی ہمیشہ کتے بلے کیڑے مکوڑے بنتے رہنا واجب ولازم☆ ہے اس بدبختی کا اصل موجب یہ ہے کہ روحیں معدود اور پرمیشر پیدا کرنے سے عاجز بالکل ناطاقت بلکہ کچھ بھی نہیں پھر اگر وہی مکتی یافتہ بار بار انسان کتا بلا نہ بنتے رہیں تو دنیا کیونکر قائم رہے مگر اس اصل دلیل کو چھپا کر ایک جھوٹی دلیل وید کی طرف سے پیش کی گئی ہے کہ مکتی خانہ میں ہمیشہ رہنے کے لئے انسانوں کے عمل وفا نہیں کر سکتے اور پرمیشر اتنا ہی دے سکتا ہے جتنا کہ ان کا حق ہے کم وبیش نہیں بہت خوب۔

لیکن یہ تقریر اس صورت میں کچھ چسپاں ہوسکتی ہے کہ جب مکتی (نجات) کو ایک ایسی شے سمجھا جائے کہ جو نون مرچ کی طرح بکتی ہے۔ اور

☆ **فٹ نوٹ** یوں تو آریہ لوگ کہتے ہیں کہ تناسخ ضرور سچ ہے اور ایسا ہمیشہ کے لئے واجب الوقوع ہے کہ مکتی کے بعد بھی اس سے پیچھا نہیں چھوٹتا لیکن بوجہ نادانی انہیں خیال نہیں کہ دائمی تناسخ کے ماننے سے تمام مقدسوں اور برگزیدوں کی ایسی بے ادبی ہوتی ہے کہ ہر ایک کے لئے قبول کرنا پڑتا ہے کہ وہ بے شمار مرتبہ نجات پانے کے بعد بھی کیڑے مکوڑے بن چکے ہیں اور ابھی آئندہ بنتے رہنے کا کچھ انتہا نہیں کیونکہ اگر یہ سب حیوانات کتے بلے گدھے سور وغیرہ بے شمار مراتب مکتی کو پا چکے ہیں تو اس بات کے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ کسی زمانہ میں یہی حیوانات وید کے رشی یا اوتار وغیرہ بھی ہوں گے تو اس صورت میں تو آریوں کو قائل ہو جانا چاہیے کہ ممکن ہے کہ درحقیقت یہ سب ان کے بزرگ ہی ہوں یا بعض ان میں سے تو ضرور ہی ہوں۔ واضح رہے کہ ہم ایسے خیال کو نہایت خبیث اور دور از ادب سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی پر ایسا خوش ہو کر کہ اس کو مکتی دے کر پھر کسی وقت اس کو کتا بلا سؤر وغیرہ بنا دے اس لئے ہم آریوں کو محض نصیحت سے کہتے ہیں کہ اگر تم دوسرے پاک نبیوں کو گالیاں دیتے اور برا بھلا کہتے ہو ﴿۱۹﴾ مگر اے بھلے مانسو تم اپنے وید کے رشیوں کی ایسی بے ادبی سے تو باز آؤ۔ اگر حوالہ کے شائق ہو تو دیکھو لائق پنڈت دیانند کی ستیارتھ پرکاش اور اواگون کی بحث۔ منہ

میشر☆ کو ایک **بنیا** قرار دیا جائے جو اُس جنس کو داموں کے موافق بیچتا ہے یا یہ خیال کیا جائے کہ پرمیشر کا مکتی خانہ کرایہ پر چلتا ہے۔ جتنے دنوں کا کرایہ دیا اتنے دن رہے اور پھر نکالے گئے۔ اب ہم آریوں کے بڑے دستار بندوں سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا مکتی کی حقیقت میں یہی فلاسفی ہے جس کو آپ کا وید مقدّس سکھا رہا ہے کیا وید کا یہی علم و ہنر ہے جس پر ناز کیا جاتا ہے سب دانشمند جانتے ہیں کہ نجات کی جڑھ اور اس کا اصل نور جس سے یہ روشنی پیدا ہوتی ہے یہی ہے کہ ماسوا اللہ سے انقطاع کلی ہوکر خدا تعالیٰ سے ایسا سچا تعلق پیدا ہو جائے کہ وہ محبت اور عشق کے غلبہ سے ہریک چیز پر بلکہ اپنی جان پر بھی مقدم ہو جائے اور آرام اور انس اور شوق اور دل کی خوشی اُسی سے اور اُسی کے ساتھ ہو اور جیسا کہ وہ حقیقت میں واحد لاشریک ہے ایسا ہی پیار کی نظر ﴿۱۹﴾
سے بھی اپنی عظمت اور جلال اور ساری کامل صفتوں میں واحد لاشریک ہی نظر آوے یہ نور نجات ہے جو اسی دنیا سے محبّ صادق کے ساتھ جاتا ہے اور اس کے وجود میں جان کی طرح داخل ہوکر ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے سو جب کہ شخص نجات یافتہ ہمیشہ کے لئے یہ علّت موجبہ نجات اپنے ساتھ رکھتا ہے تو پھر یہ وید کی کس قسم کی عقلمندی ہے کہ باوجود موجودیّت علّت تامہ کے یعنی نور نجات کے معلول تخلف یعنی نجات کا اس سے روا رکھتا ہے **کیا کوئی آریہ اپنے ویدوں کی اس عجیب فلاسفی کو ہمیں سمجھا سکتا ہے۔**

اور پھر ثبوت تناسخ پر دلیل بھی کیا ہی عمدہ ستیارتھ پرکاش میں لکھی گئی

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ پرمیشر ‘‘ ہونا چاہیے۔(ناشر)

کہ جب بالک پیدا ہوتا ہے تو اسی وقت اپنی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے۔ سبب یہ کہ اس کو پہلے جنم کا خیال بنا رہتا ہے پس اس سے ثابت ہوگیا کہ تناسخ سچ ہے۔ تعجب کہ ایسے تیز عقل پنڈت نے کیوں حیض کے خون کو بھی جو پیٹ کے اندر بچہ کی خوراک بنتا ہے اسی پہلے جنم کی یادداشت پر دلیل نہ ٹھہرائی تا بجائے ایک کے دو دلیل مل جاتیں۔

افسوس یہ لوگ تناسخ کے جال میں پھنس کر اور جونوں کے خیال محال میں مبتلا ہو کر ایسے اس میں مدہوش ہوئے کہ پھر کسی چیز نامعلوم الاسباب کا سچا سبب تلاش کرنے کے عادی ہی نہ رہے اور ویدوں کی گمراہ کنندہ تعلیموں نے ہزاروں عمدہ اور دلربا فلسفی نکتوں سے ان کا منہ پھیر کر بار بار آواگون کے ہی گڑھے میں ڈالا اور سارے عالم کے تعلیم خانہ میں سے صرف یہی ایک غلط حرف ان کے دل میں بیٹھ گیا کہ دنیا کا وجود اور زمین و آسمان کا نمود فقط انسانی علموں☆ کی شامت سے ہے نہ کسی صانع کی حکمت کاملہ سے اگر بدکاریاں اور بدعملیاں نہ ہوں تو پھر گائے بیل وغیرہ انسانی ضرورت کی چیزیں بھی نہ ہوں بلکہ خود انسان میں سے عورت کی قسم بھی نہ ہو سو اسی وجہ سے یہ لوگ حکیمانہ اور باقاعدہ تحقیقاتوں سے ہمیشہ انحراف اختیار کر کے بلکہ اس مذاق سے بالکل خالی اور بے بہرہ اور سادہ لوح رہ کر اپنی زندگی کے قابل تفتیش راز اور دوسرے تمام مخلوقات کے بے انتہا اسرار کو یوں ہی کسی گزشتہ ﴿۲۰﴾ جنم کی شامت اعمال یا نکوئی افعال پر حمل کر کے پھر آئندہ اس میں کچھ جستجو ہی نہیں کرتے اور اس طرح پر ایک جھوٹے اور بے اصل خیال کو مضبوط پکڑنے سے نہایت سچی اور صحیح صداقتوں کے قبول کرنے سے محروم اور بے نصیب رہ جاتے ہیں ہر چند اس عالم کا ہر ایک جوہر اور عرض ہزارہا باریک حکمتوں اور لطیف بھیدوں اور

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’عملوں‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

حقیقتوں سے پُر ہے اور جو کچھ صانع نے جس جس جگہ رکھا ہے نہایت ہی موزوں اور جواہرات حکمت ومعقولیت سے بھرا ہوا ہے مگر ان کور باطنوں کی نظر میں یہ سب کچھ صرف گزشتہ جنموں کے نتائج کا ایک گڑ بڑ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں اور پرمیشر ایسا لا حاصل اور بے کار اور ایک فضول اور بے نفع وجود ہے کہ نہ تو کبھی رحم اور فضل اور کرم اس سے ظہور میں آیا اور نہ کبھی اس کو اپنی حکمت وقدرت دکھلانے کا موقع ملا اور نہ کبھی اس نے اپنے وجود میں طاقت پائی کہ اپنی خدائی کے نشان ظاہر کرے۔ عقل تو پکار پکار کر کہتی ہے کہ یہ سب چیزیں خدائے تعالیٰ کے ملنے کا ہمارے لئے راہ بتانے والیں اور اس کے احسانات کا ایک رشتہ قائم کرنے والی ہیں مگر ان کا وید کہتا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں یہ سب کچھ اتفاقی ہے جو گزشتہ جنموں کی شامت سے ظہور پذیر ہورہا ہے ورنہ ایک قطرہ پانی کا بھی جس میں صدہا کیڑے ہیں پرمیشر کی طرف سے عطا نہیں ہوا بلکہ خود ان کیڑوں کی کسی پہلے زمانہ کی اپنی ہی بداعمالی پانی کے وجود اور ہماری آب نوشی کا باعث ہوگئی ہے۔ اب جن کے پرمیشر کا یہ حال ہو کہ ایک قطرہ پانی پر بھی اختیار نہیں کہ خود بخود پیدا کر سکے تو کیا ایسے ضعیف اور ناتواں کا نام پرمیشر رکھنا جائے عار ہے یا نہیں اور ایسا بدنصیب پرمیشر کس تعریف اور شکرگزاری یا کس مدح وثنا کے لائق ہوگا۔ جس کی ملکیت ایک بوند پانی بھی نہیں۔ ہائے افسوس ان لوگوں نے الٰہی قدرتوں اور حکمتوں اور صنعتوں کو اواگون اور وید کی محبت میں پھنس کر کیسا خاک میں ملا دیا ہے۔ صرف ایک تناسخ کے بیہودہ خیال سے ہزارہا صداقتوں کا خون کرتے جاتے ہیں اور فلسفی اور

طبعی تحقیقاتوں کی طرز پر کسی چیز یا عارضہ کا حقیقی سبب ہرگز تلاش نہیں کرتے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ کسی امر مجہول کی واقعی حقیقت دریافت کرنے کے لئے بڑی وسیع تحقیقات کی جاتی ہے۔ اور ایک جزئی کی خاطر تمام جزئیات پر نظر ڈالنی پڑتی ہے اور محققانہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ یہ خاص ﴿۲۱﴾ جزئی جس کا کوئی حال یا عارضہ متنازعہ فیہ قرار دیا گیا ہے۔ کیا اس کی یہ خاصیت جس میں نزاع کی گئی ہے اسی کی ذات تک محدود ہے یا ایک عام بات ہے جو دوسری کئی جزئیات میں یا جمیع جزئیات میں پائی جاتی ہے۔ پھر اگر کھوج لگاتے لگاتے اس حد تک پہنچ جائیں جو اس جزئی کا اس حال یا عارضہ متنازعہ فیہ میں دوسری جزئیات سے ممتاز ہونا ثابت ہو جائے یا دوسری جزئیات اس کے شریک نکل آئیں یعنی جیسی کہ صورت ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے اور ناحق ایک عام کو خاص یا خاص کو عام نہیں بنایا جاتا لیکن اس فلسفیانہ طرز سے دیانندی پالسی الگ ہی ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ اس بندہ خدا نے تناسخ کے بارے میں کیا شُستہ ثبوت دیا ہے جس کے پیش کرنے کے وقت نہ تو یہ سوچا کہ یہ جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ ضرور نوزاد بچہ اپنی ماں کے پستان کی طرف ہی جاتا ہے نہ کسی اور طرف۔ یہ دعویٰ دراصل صحیح ہے یا غلط اور نہ یہ خیال کیا کہ جیسے میرا دعویٰ عام ہے دلیل جو پیش کرتا ہوں وہ بھی عام ہے یا نہیں خیر اگر اس نے نہ سوچا اور نہ سمجھا تو اب ہم ہی دیانندی منطق کا نمونہ ظاہر کرنے کے لئے اس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ یہ دعویٰ کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسی وقت اپنی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے یہ

دراصل دعویٰ ہی فاسد ہے کیونکہ مشاہدہ کے رو سے فقط اتنا مسلم ہے کہ بچہ بہ سبب زندہ اور جاندار ہونے کے غذا کا طالب ہوتا ہے لیکن یہ ہرگز نہیں مانا جا سکتا کہ خواہ نخواہ ماں کے پستان ہی کی طرف دوڑے بلکہ بہ بداہت ثابت ہے کہ اس وقت وہ ایک سادہ نفس ہوتا ہے اور جس عادت پر وہ لگا دیا جائے اسی پر لگ جاتا ہے اور اسی کو پختہ طور پر پکڑ لیتا ہے مثلاً اگر بچہ کو پیدا ہونے کے بعد بتی سے یا نلی سے دودھ پلانا شروع کر دیں تو فی الفور اسی طرح سے پینا شروع کر دیتا ہے پھر ممکن نہیں کہ بآسانی ماں کے پستان کی طرف رخ بھی کریں مگر شاید بڑی مشقت اور مصیبت کے بعد پہلی عادت کو چھوڑے اور دوسری عادت کو پکڑے۔ یہ تو سچ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد غذا کی طرف بچہ کی خواہش جنبش کرتی ہے مگر وہ خواہش فقط درد اشتہا سے پیدا ہوتی ہے نہ کسی اور سبب سے اور تجارب روزمرہ صاف اور صریح شہادت دیتے ہیں کہ انسان یا حیوان یا کسی پرند یا کسی کیڑے مکوڑے کا پیدا ہونے کے بعد اپنی غذا کی طرف توجہ کرنا حقیقت میں ایک میل طبعی ہے جو حکیم مطلق نے اپنی حکمت کاملہ کی وجہ سے ہر ایک جاندار میں بلکہ نباتات و جمادات کی ﴿۲۲﴾ فطرت میں بھی رکھی ہوئی ہے تا وہ بالطبع اپنی اُس غذا کے طالب ہوں جو ان کے مناسب حال ہے۔ اسی وجہ سے ہر یک چیز اپنے اپنے طور پر جو اس کے وجود کی بناوٹ میں مقرر کیا گیا ہے تحصیل غذا کے لئے میل کرتی ہے اور جیسے ایک بچہ انسان یا حیوان کا غذا کو حاصل کرنا چاہتا ہے ایسا ہی درختوں اور بوٹیوں کی جڑھیں بھی تخمی حالت سے آگے قدم رکھتی ہیں اور

قوت نامیہ کا پردہ تو وہ پاتی ہیں اپنی غذا کو جو پانی ہے اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہیں اور وہ جڑھیں اپنی قوت جاذبہ سے دور دور سے پانی کھینچ لاتی ہیں۔ غرض حکمت کاملہ الٰہیہ سے ہریک چیز میں تحصیل غذا کے لئے پہلے ہی سے ایک قوت رکھی جاتی ہے خواہ وہ چیز پتھر ہو یا درخت یا انسان یا حیوان درحقیقت یہ سب ایک ہی قوت کی تحریکوں سے حصول غذا کے لئے متوجہ کی جاتی ہیں اور اس بات کے جواب میں کہ کیوں یہ چاروں قسم کی چیزیں غذا کی طالب ہیں کوئی جدا جدا بیان نہیں تا کسی جگہ پہلے جنم کی یادداشت اور اس کا خیال بنا رہنا سمجھا جائے اور کسی جگہ کوئی اور وجہ بتلائی جائے بلکہ درحقیقت ان چاروں چیزوں کا تحصیل غذا کے لئے میل کرنا ایک ہی باعث سے ہے یعنی فطرتی قوت جو وجود پیدا ہونے کے ساتھ ہی اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اسی کی طرف اس پاک اور مقدس کلام میں اشارہ ہے جو فلسفی صداقتوں سے بھرا ہوا ہے جیسا کہ وہ جل شانہٗ فرماتا ہے اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی[۱] یعنی تمہارا وہ خدا ہے جس نے ہریک چیز کو مناسب حال اس کے وجود بخشا پھر غذا وغیرہ کی طلب کے لئے جس پر اس کی بقا موقوف ہے اس کے دل میں آپ خواہش ڈالی۔ سو یہی صداقت حقہ ہے جس کو ایک قاعدہ کلی کے طور پر اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتاب عزیز میں بیان فرما دیا ہے۔ نادانوں اور جاہلوں کی نظر محیط نہیں ہوتی اس لئے وہ فقط ایک جزئی کو دیکھ کر اپنی غرض فاسد کے مطابق اس کے لئے ایک جھوٹا منصوبہ گھڑ لیتے ہیں اور دوسرے جزئیات کو جو اسی کے شریک ہیں چھوڑ دیتے۔ ایسی ہی دیانتدی فلاسفی ہے

[۱] طٰہٰ : ۵۱

جو آنکھیں بند کر کے وید کی خاطر گھڑی گئی ہے۔ بھلا کوئی سوچے کہ پہلے جنم کی یادداشت کہاں ہے اور کس دلیل سے سمجھی گئی کیا یہ سچ نہیں کہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے اور روزمرہ کے تجارب اس پر شاہد ہیں کہ جن بچوں کو پیدا ہونے کے بعد بکری کے پستان پر لگایا جائے پھر وہ کسی عورت کے پستان سے دودھ پینا نہیں چاہتے اور جن کو مثلاً انگریزی شیشی پر لگایا جائے ان کے لئے ماں کا یا بکری کا دودھ پینا ایسا مشکل کہ گویا موت ہے ہزار حیلہ کرو اس طرف رخ بھی نہیں کرتے۔ اب اگر دیانندی مسئلہ سچا ہوتا تو چاہیے تھا کہ کوئی لڑکا بجز ماں کے پستان کے اور کسی طور سے دودھ نہ پیتا۔ سو نوزاد بچوں کی یہ مذکورہ بالا عادت ابطال تناسخ پر دلیل ہے نہ کہ ثبوت تناسخ پر کوئی دلیل اس سے پیدا ہو سکے۔ اب دعویٰ کی خوبی کا تو بیان ہو چکا۔ دیانندی دلیل کی بھی کیفیت سنیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ماں کا دودھ پینا یہ پہلے جنم کا خیال ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ویدوں کی یہ دلیل سچی ہوتی تو پھر اصول تناسخ کا یہ چاہیے تھا کہ ہریک جاندار کا بچہ اپنے پہلے جنم میں بھی اسی نوع میں سے ہوتا ہے جس میں اب پیدا ہوا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کا بچہ پیدا ہونے کے بعد دودھ کا محتاج ہوتا ہے اور مرغ کا بچہ پیدائش کے بعد دانہ مانگتا ہے جونک کا بچہ مٹی کھاتا ہے اور شہد کی مکھی کا بچہ شہد سے خوراک پاتا ہے سو اگر یہ میل طبعی نہیں ہے بلکہ بقول دیانند پہلے جنم کا خیال بنا ہوا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ انسان کا بچہ اپنے پہلے جنم میں ضرور انسان ہی ہو کچھ اور نہ ہو۔ ایسا ہی یہ بھی واجب ٹھہرتا ہے کہ مرغ کا بچہ ﴿۲۳﴾

بھی اپنے پہلے جنم میں ضرور مرغ ہی ہو اور جونک کا بچہ اپنے پہلے جنم میں جونک ہی ہو نہ اور کچھ اور مکھی کا بچہ اپنے پہلے جنم میں مکھی ہی ہو نہ کچھ اور کیونکہ یہ سب مختلف قسم کے جاندار پیدا ہونے کے بعد اسی طور اور اسی قسم کی غذا کو طلب کرتے ہیں جو ان کی نوع کے لئے مقرر ہے۔ اب دیکھا **ویدک فلاسفی** کی کیسی قلعی کھل گئی اب ہم اگر ایسی فلاسفی کو دور سے سلام نہ کریں تو اور کیا کریں کیوں **لالہ صاحب**؟ یہ وہی ویدوں کے علوم ہیں جن سے تمام دنیا فیض یاب ہوئی ہے۔ روح کا شبنم کی طرح زمین پر گرنا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر کسی گھاس پات پر پھیلنا اور پھر وہی بچہ پیدا ہونے کا موجب ہونا جیسا کہ رسالہ سرمہ چشم آریہ کے صفحہ ۳۷ میں اور صفحہ ۲۶۳ ستیارتھ پرکاش میں مفصل درج ہے یہ ویدوں کے ذریعہ سے ہی علوم وفنون حاصل ہوئے ہیں عجیب تر یہ کہ ایسی بوٹیوں کو شوہردار عورتیں ہی کھاتی ہیں کبھی باکرہ اور عقیمہ عورتیں یا مرد نہیں کھا لیتے تا ان سب کو حمل ٹھہر جائے ایسی گھاس پات کو دیانند بھی کھالیتا تو ایک تماشا ہوتا اور ویدوں کے گُن خوب ظاہر ہوتے **قربان جائیں** ایسے ویدوں پر بھلا کس حکیم یا فیلسوف کی بلا کو بھی خبر تھی کہ روح بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوکر سبز کھیتوں پر پڑا کرتی ہے اور پھر وہ سب ٹکڑے کوئی عورت کھا جاتی ہے اس سے حمل ہوتا ہے مردوں کو ایسی روحانی غذا سے کچھ حصہ نہیں یوں ہی بلا ﴿۲۴﴾ دلیل بچوں کو اپنے باپوں سے اخلاق وغیرہ میں روحانی مشابہت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر ویدوں کے جامع العلوم ہونے پر اور کیا دلیل ہو۔ **گوتم رکھی** جو ویدوں کو سراسر دور از صداقت اور طفلانہ خیالات سمجھتا تھا کیا یہ حکمت کی باتیں اس کو نہ ملیں تا وہ بھی ان پر فدا ہو جاتا۔ دیکھو بدھ شاستر (ادھیا ۲ سوترا) دیانند کو بھی مچھلی کی طرح پتھر چاٹ کر اخیر پر یہ کہنا پڑا کہ **اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا**۔ دیکھو پر چہ دھرم جیون ۱۸۸۶ء

اس وقت مجھے ایک اور پنڈت صاحب بھی یاد آ گئے جن کا نام کھڑک سنگھ ہے یہ صاحب ویدوں کی حمایت میں بحث کرنے کے لئے قادیان میں آئے اور قادیان کے آریوں نے بہت شور مچایا کہ ہمارا پنڈت ایسا عالم فاضل ہے کہ چاروں وید اسے کنٹھ ہیں۔ پھر جب بحث شروع ہوئی تو پنڈت صاحب کا ایسا برا حال ہوا کہ ناگفتہ بہ اور سب تعریفیں وید کی بھول گئے دنیا طلبی کی وجہ سے اسلام تو قبول نہ کیا مگر قادیان سے جاتے ہی وید کو سلام کر کے اصطباغ لے لیا اور اپنے لیکچر میں جو ریاض ہند اور چشمہ نور امرتسر میں انہوں نے چھپوایا ہے صاف صاف یہ عبارت لکھی کہ وید علوم الٰہی اور راستی سے بے نصیب ہیں اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتے اور آریوں کا ویدوں کے علم اور فلسفہ اور قدامت کے بارے میں ایک باطل خیال ہے اس نازک بنیاد پر وہ حال اور ابد کے لئے اپنی امیدوں کی عمارت اٹھاتے ہیں اور اس ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے ساتھ زندگی اور موت پر خوش ہیں۔

بالآخر اگر ہم ان سب واقف کاروں کی شہادت اور خود وید کی غلط فلاسفی سے قطع نظر کر کے قبول بھی کر لیں کہ اگرچہ وید دینی صداقتوں سے خالی ہیں اور بظاہر ان میں کوئی اور علوم وفنون بھی نہیں پائے جاتے مگر معماری ونجاری کے متعلق بعض علوم صنعت ان کے تہہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں تو اس سے اگر کچھ ثابت بھی ہو تو یہی ثابت ہوگا کہ وید کسی لوہار یا معمار کے پرانے خیالات ہیں۔

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ جس قدر ہندوؤں کے ہاتھ میں علوم طبعی و طبابت و ہیئت وغیرہ ہیں یہ سب درحقیقت وید ہی سے نکلے ہیں یہ بیان

ویدوں کے لئے کچھ موجب عزت نہیں بلکہ باعث رسوائی وذلت ہے کیونکہ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ہندی علوم کا مخرج و مبدء وید ہی ہیں تو پھر وہ ساری ﴿۲۵﴾
غلطیاں جونئی روشنی کی فلاسفی نے ان پرانے علموں میں نکالی ہیں وہ سب داغ ملامت کی طرح وید کی پیشانی پر وارد ہوں گی۔ ہم ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ ویدوں میں بجز مشرکانہ تعلیم کے کوئی معرفت اور حکمت کا بیان نہیں۔ سب سے پہلے کتاب الٰہی اپنی اسی ذمہ واری میں آزمائی جاتی ہے کہ وہ معارف دینی کو جیسا کہ ان کی ضرورت ہے تفصیل وتوضیح سے بیان کرے نہ یہ کہ دعویٰ تو کرے دینی رہنما ہونے کا اور پھر عاجز ہوکر کہے کہ یہ تو نہیں مگر ریل کا انجن مجھے ضرور بنانا آتا ہے بھلا اگر آریوں کو خدائے تعالیٰ نے کچھ بھی غیرت کا مادہ بخشا ہے تو قرآن شریف کی ان دو آیات کا ہی مضمون کسی اپنے وید سے بحوالہ نام وید وانو کا وسکت وغیرہ نکال کر دکھلائیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ [1] الجزو نمبر ۲۴۔ تم نہ سورج کی پرستش کرو اور نہ چاند کی بلکہ فقط اس ذات قدیم کی پرستش کرو جس نے ان تمام علوی وسفلی چیزوں کو وجود بخشا ہے۔ ہم بدعویٰ کہتے ہیں کہ ویدوں میں مضمون اس صداقت کا ہرگز نہیں نکلے گا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے پرمیشر کی دونوں ٹانگیں توڑ رکھی ہیں نہ وہ اپنی پرستش میں شراکت غیر سے محفوظ ہے نہ اپنی قدامت اور غیر مخلوق ہونے میں۔

دوسری آیت یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی [2] الجزو ۱۴۔ خدا کا تمہیں یہ حکم ہے کہ تم اس سے اور اس کی خلقت سے

[1] حٰم السّجدة :۳۸ [2] النحل :۹۱

عدل کا معاملہ کرو یعنی حق اللہ اور حق العباد بجالاؤ اور اگر اس سے بڑھ کر ہو سکے تو صرف☆ عدل بلکہ احسان کرو یعنی فرائض سے زیادہ اور ایسے اخلاص سے خدا کی بندگی کرو کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو اور حقوق سے زیادہ لوگوں کے ساتھ مروت و سلوک کرو اور اگر اس سے بڑھ کر ہو سکے تو ایسے بے علت و بے غرض خدا کی عبادت اور خلق اللہ کی خدمت بجالاؤ کہ جیسے کوئی قرابت کے جوش سے کرتا ہے۔

قولہ ۔ اکثر عیسائی اور اہل اسلام بھی متفق ہیں کہ سب علوم وفنون آریوں سے تمام جہان میں پھیلے ہیں۔**اقول**۔ اول تو یہ بات ہی غلط ہے کیوں کہ انگریزوں کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ انگلستان میں علوم وفنون کا پودہ ﴿۲۶﴾ عرب کے عالیشان مدارس سے آیا ہے اور دسویں صدی میں جب کہ یورپ جہالت میں پڑا ہوا تھا۔ اہل یورپ کو تاریکی جہالت سے علم عقل کی روشنی میں لانے والے مسلمان ہی تھے۔ (دیکھو صفحہ ۹۵ کتاب جان ڈیون پورٹ صاحب) ایسا ہی رائے بہادر ڈاکٹر چیتن شاہ صاحب آنریری سرجن اور ڈاکٹر دتّا مل صاحب سول سرجن پنجاب ریویو جلد نہم میں لکھتے ہیں کہ اہل یورپ کو اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تمام علوم فلسفۂ طبّ وغیرہ بذریعہ اہل عرب ان تک پہنچے ہیں۔ کمسٹری یعنی علم کیمیا بھی اہل یورپ نے عروج سلطنت اسلامیہ میں عربوں سے حاصل کیا ہے۔ اگرچہ ہندی طبابت نے (جو بزعم آریوں کے ویدوں سے لی گئی ہے) جو ہماری اپنی وطنی طبابت ہے یونانی اور انگریزی طبابت سے کوئی چیز عاریتاً نہیں لی لیکن یہ اس کا مستعار نہ لینا اس کے فخر کا باعث نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں اسی قدر نقص اور خرابیاں

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' نہ صرف '' ہونا چاہیے۔(ناشر)

بھی باقی ہیں۔ یہ نقصان اس لئے رہ گیا کہ یونانی خیالات ہندوستان میں اور ہندی خیالات یونان میں بسبب نہ ہونے ذریعہ مثل چھاپہ وغیرہ کے کم پہنچ سکے تمام ہوا کلام دونوں ڈاکٹر صاحبوں کا۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ یہ نقصان ہندی طبابت میں کیوں رہ گیا۔ ویدوں سے کیوں درست نہ کرلیا گیا۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اگر ہم ہندی علوم کو جو آریہ دیس میں ابتدا سے چلے آتے ہیں جن کی اب تاڑ تاڑ غلطیاں نکل رہی ہیں ویدوں کی طرف منسوب بھی کردیں تو کیا اس سے ویدوں کی عزّت ثابت ہوتی ہے یا بےعزتی۔

قولہ۔ مرزا فن وفریب اور دروغ گوئی میں یکتا ہے مکتوب الیہ کو (یعنی جس کی طرف حساب کرنے کے لئے خط لکھا گیا تھا) تعلیم دیتا ہے کہ تم نے یہ جھوٹ بولنا اور یوں کرنا اور ووں کرنا۔

اقول۔ اس اعتراض کی اصلیت صرف اس قدر ہے کہ انبالہ چھاؤنی میں کئی ایک خط میں نے ایک ہندو دکاندار کی طرف بمراد تصفیہ ایک پرانے برداشتی حساب کے جس کا یوں ہی مدت تک ملتوی پڑے رہنا قرین مصلحت نہیں تھا لکھے تھے اور اس دکاندار کو بلایا تھا کہ اب حساب دیر کا ہوگیا ہے۔ تم ٹونبو ساتھ لاؤ اور جو کچھ حساب نکلتا ہے لے جاؤ اور ٹونبو دے جاؤ۔ اگرچہ ٹھیک یاد نہیں مگر خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ان خطوط میں سے کسی خط میں یہ بھی لکھا گیا ہو کہ تم نے حساب کے لئے بلائے جانے کا حال ظاہر نہ کرنا۔ اب معترض خیانت پیشہ جس نے سرقہ کے طور پر لالہ بشن داس مکتوب الیہ کے صندوق سے خط چورائے ہیں اس اصل حقیقت میں تحریف ﴿۲۷﴾

وتبدیل کر کے اور اپنی طرف سے کچھ کا کچھ تودہ طوفان بنا کر اور بات کو کہیں سے کہیں لگا کر یہ اعتراض کرتا ہے کہ گویا ہم نے یہ مکر وفریب کیا اور جھوٹ بولا اور جھوٹ کی ترغیب دی۔ پس اول تو ہم آریہ صاحبوں کے شریف لوگوں پر جن کو اپنی سوسائٹی کی عزّت اور نیک نامی کا خیال ہے ظاہر کرتے ہیں کہ جس ناجائز طور سے یہ خطوط حاصل کئے گئے ہیں وہ یہ ہے کہ لالہ بشن داس مکتوب الیہ کی دکان پر ایک **کیسوں والے** آریہ نے (جواب باوانانک صاحب سے بیزار ہو کر دیانندی پنتھ میں داخل ہوگیا ہے) ایک دو آریہ اوباشوں کی رازداری و تحریک سے بیٹھنا شروع کیا ایک دن **بشن داس** اس **دیانندی تانتیا بھیل** کے اعتبار سے جیسا کہ دوکانداروں کی عادت ہے اپنی دکان کو کھلی چھوڑ کر کسی کام کے لئے بازار میں نکلا اس کے جانے کے ساتھ ہی **سکھ صاحب** نے اس کے صندوق کو ہاتھ مارا شاید اس دست درازی سے نیت تو کسی اور شکار کی ہوگی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ مالدار آدمی ہے مگر لالہ بشن داس کی قسمت اچھی تھی کہ اس جلدی میں زیورتک جو صندوق میں پڑا ہوا تھا ہاتھ نہ پہنچا صرف دو خط ہاتھ میں آ گئے جن کو اس کے انہیں ہم مشورہ یاروں نے جو ایک ہی سانچے کے ہیں بہت سی خیانت اور یاوہ گوئی کے ساتھ چھاپ دیا اور حیا اور شرم سے الگ ہو کر ایک بے اصل تراش خراش سے ایک ناواجب اعتراض ہم پر بنایا اور جس شنیع کام کا آپ ارتکاب کیا اس کی طرف ذرّہ بھی خیال نہ آیا۔ ہم لاہور کے معزز آریہ سماج والوں کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ان لوگوں کی جلدی سے خبر لیں ورنہ جن نالائق منصوبوں اور بُرے خیالات کی اس سماج میں کھچڑی

پکتی رہتی ہے اس کا انجام ہرگز بہتر نہیں ہوگا۔ کیا یہ بات قرین قیاس نہیں کہ جس نے آج یہ واردات کی کل اس سے بڑھ کر کوئی چاند چڑھائے گا۔ کیا انہیں کرتوتوں سے آریہ سماج روشن ہو جائے گی۔ کیا چوروں کے سو دن کے بعد ایک دن کسی سادھ کا نہیں آئے گا۔ اسی واردات کو دیکھئے کہ لالہ بشن داس نے اپنی شرافت سے صبر کیا اور مقدمہ کو عدالت تک نہ پہنچایا ورنہ سکھ صاحب اور اس کے رفیقوں کو بیگانہ صندوق میں ہاتھ ڈالنے کا ابھی مزہ ﴿۲۸﴾ معلوم ہو جاتا۔ ہماری دانست میں یہ مقدمہ اب بھی دائر ہونے کے لائق ہے کیونکہ گو لالہ بشن داس کے زیور وغیرہ کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ خیر گیری☆ مگر خطوط کی چوری بھی حسب قانون مروجہ انگریزی ایک چوری ہے۔ جس کی سزا میں شاید تین سال تک قید ہے مسروقہ خطوں کے پیش ہونے سے ثابت ہوسکتا ہے کہ ان خطوط میں کوئی بھی ایسی تحریر نہیں تھی جو اس سکھ یا اس کے دوسرے یاروں سے کچھ تعلق رکھتی ہو بلکہ وہ صرف ایک حسابی معاملہ کے خطوط تھے جو فقط لالہ بشن داس کی ذات سے تعلق رکھتے تھے اور اس کی رنج کے مطالب پر مشتمل تھے جن کا بے اجازت کھولنا بھی ایک جرم تھا اب انصاف کی جگہ ہے کہ جن لوگوں کے اپنے ذاتی چال چلن کا یہ حال ہو کہ چوری تک حلال ہے وہ ہم پر کوئی اعتراض کرنے کے لئے کوشش کریں اور اعتراض بھی کیا عمدہ کہ بشن داس کو اس کے امر متعلق کے مخفی رکھنے کی تعلیم کی حالانکہ کسی عقل مند کی یہ رائے نہیں ہوسکتی کہ انسان اپنے تمام اسرار کو عام طور پر فاش اور شائع کر دیا کرے تب اس کا نام راست گو ہوگا ورنہ نہیں۔ غور سے دیکھنا چاہیے کہ جس قدر

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' خیر گزری ''ہونا چاہیے۔ (ناشر)

امور ملکی و مدنی و منزلی اور خود فرد فرد کے ذاتی ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ ان کے رازوں کا افشا کرنا مصلحت ہو یا عدم افشا کا نام مکر اور فریب رکھا جائے۔ خدا تعالیٰ نے دل و زبان وغیرہ قویٰ انسان کو عطا فرما کر ان کے مناسب استعمال کے لئے اسے ذمہ وار بنایا ہے اور ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی دکھلانے کے لئے جدا جدا موقع اور محل اور وقت اس بات کے مقرر کئے ہیں کوئی خلق خواہ کیسا ہی عمدہ ہو مگر جب وہ بے محل اور بے وقت صادر ہوگا تو ساری خوبی اور خوبصورتی اس کی خاک میں مل جائے گی اور کوئی مفید چیز اپنے فوائد ہرگز ظاہر نہیں کرے گی جب تک وہ ٹھیک ٹھیک اپنے وقت پر اپنے استعمال میں نہ لائی جائے۔ **خدا تعالیٰ کی سچی اطاعت اور نوع انسان کی حقیقی بھلائی** وہی شخص بجا لاسکتا ہے جو وقت شناس ہو ورنہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص گو راست گو ہے مگر اپنی راستی کو حکمت کے ساتھ ملا کر استعمال نہیں کرتا بلکہ لاٹھی کی طرح مارتا ہے اور بے تمیزی سے ایک شریف خصلت کو بے محل کام میں لاتا ہے تو وہ ایک حکیم منش کے نزدیک ہرگز قابل تعریف نہیں ٹھہرتا۔ ایسے کو جاہل نیک بخت کہیں گے نہ دانا نیک بخت۔ اگر کوئی اندھے کو اندھا اندھا کر کے پکارے اور پھر ﴿۲۹﴾ کسی کے منع کرنے پر یہ کہے کہ میاں کیا میں جھوٹ بولتا ہوں تو اسے یہی کہا جائے گا کہ بے شک تو راست گو ہے مگر احمق یا شریر کہ جس راستی کے اظہار کی تجھے ضرورت ہی نہیں اس کو واجب الاظہار سمجھتا ہے اور اپنے بھائی کے دل کو دکھاتا ہے۔ اسی طرح اخلاقی امور کا تمام عقد جواہر اسی ایک ہی رشتہ سے

بستہ ہے کہ ہر ایک خلق اپنے وقت پر صادر ہو۔ درشتی۔ نرمی۔ عفو۔ انتقام۔ غضب۔ حلم۔ منع۔ عطا سب وابستہ باوقات ہیں اور ان کی خوبصورتی اور بہتری بھی تبھی ظہور میں آتی ہے کہ وہ عین اپنے محل پر استعمال کئے جائیں۔ یہی قرآنی فلاسفی ہے جس پر **عقلِ سلیم** شہادت دیتی ہے۔

غرض جو کچھ اس اعتراض میں نیک بخت آریوں نے ہم پر طعن کرنا چاہا ہے وہ سراسر ان کی نادانی اور کارستانی ہے وہ آج کل بہتان اور افترا کے پتھروں سے دوسروں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پتھر انہیں پر پڑیں گے نہ دوسروں پر۔

کوئی چیز ایسی چھپی ہوئی نہیں جو آخر ظاہر نہ ہو۔ پس اگر ہم درحقیقت فریب پر ہیں تو یہی فریب ہمیں ہلاک کرے گا لیکن اگر ہم راستی پر ہیں اور وہ جو ہمارے دل کو دیکھ رہا ہے وہ اس میں کچھ فریب نہیں پاتا تو اگر آریوں کے پہلے اور آریوں کے پچھلے اور آریوں کے زندے اور آریوں کے مردے بلکہ تمام اولین آخرین مخالف ہمارے نابود کرنے کے لئے جمع ہو جائیں تو ہمیں ہرگز نابود نہیں کر سکتے۔ جب تک ہمارے ہاتھ سے وہ کام انجام پذیر نہ ہو جائے جس کے لئے اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں مامور کیا ہے۔ سو آریوں کے افترا اور بہتان اور **قتل کرنے کی دھمکیاں** سب ہیچ اور بے اثر ہیں جن سے ہم ڈرتے نہیں۔ اگر ان کا حسد سے یہ خیال ہو کہ لوگ ان کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں ان کو کسی تدبیر سے بند کرنا چاہیے تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ لوگ درحقیقت کچھ چیز ہی نہیں اور نہ ہماری لوگوں پر نظر ہے

ایک ہی ہے جو ان کو کھینچ کر لاتا ہے اور نیز یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بدظن لوگوں سے ہرگز نہیں ڈرتے اور اگر بدظن لوگ اتنے ہو جائیں کہ دنیا میں سما نہ سکیں تو وہ درحقیقت اپنا نقصان کریں گے نہ ہمارا اور سچ تو یہ ہے کہ ہماری نظر میں تمام دنیا بجز اس ایک کے یا اس کے خالص محبوں کے جتنے اور لوگ ہیں خواہ وہ بادشاہ ہیں یا امیر ہیں یا وزیر ہیں یا راجے ہیں یا نواب ہیں ایک مرے ہوئے کیڑے کی مانند بھی نہیں ہاں ہم اپنے ﴿۳۰﴾ محسنوں کے شکرگزار ہیں ایسا ہی **گورنمنٹ برطانیہ کے بھی** کیونکہ بڑا بدذات وہ شخص ہے جو اپنے محسن کا شکرگزار نہ ہو۔

سوائے آریو تم غلطی پر ہو یقیناً سمجھو کہ تم غلطی پر ہو۔ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے اور تم کچھ بھی ہمارا بگاڑ نہیں سکتے۔ اگر تم نے ہمیں فریبی کہا تو اس سے ہم کچھ غصہ بھی نہیں کرتے کیونکہ رگ وید میں تمہارے پرمیشر کا نام بھی فریبی ہے اور وہ شرتی یہ ہے **اے اندرتو نے سوشنا کو فریب سے قتل کیا** دیکھو رگ وید اشٹک اول انوکا ۳ سکت ۴ شرتی نمبرے۔ سو جب کہ اندر پرمیشر اپنے فریب سے قتل کا مرتکب ہوا تو کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور بھی فریب ہوگا۔ دیانندی☆ فریبوں سے بھی آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔ اوّل تو وہ پاک زبان ایسے تھے کہ ادنیٰ رنج سے اپنے معزز مخالفوں کو کتا اور بلا اور سؤر کہہ دیا کرتے تھے۔ **بھرموچھیدن** جو ﴿۳۱﴾ انہوں نے ایک رسالہ راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند کے جواب میں بنایا ہے گویا وہ ان کی اخلاقی حالت کا آئینہ ہے جس میں راجہ صاحب کو کسی جگہ تو پاگل کہا ہے اور کسی جگہ گنوار اور کسی جگہ مورکھ اور کسی جگہ کتے سے تشبیہ دی ہے۔ اور سنیاسی بن کر

☆ یہ حاشیہ صفحہ ۴۳۵ سے شروع ہوتا ہے۔(ناشر)

بات بات پر جھاگ اگلی ہے۔ دیکھو بھارت متر مطبوعہ ۲۶۔ اگست ۱۸۸۰ء ہم نے جو اپنے کسی صفحہ گذشتہ میں اس پنڈت کی نسبت گندہ کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ اسی گندہ زبانی کی وجہ سے ہے جس کا جا بجا شہرہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ پنڈت شیو نارائن صاحب کو بھی اپنے رسالہ برادر ہند ستمبر و اکتوبر ۱۸۸۰ء میں یہ مشہور واقعہ لکھنا پڑا۔ ماسوا اس کے اگر ان کے فریب کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو پرچہ دھرم جیون ۱۳۔ مارچ ۱۸۸۷ء کا دیکھنا ہی کافی ہے کہ پہلے انہوں نے منشی اندرمن کے مقدمہ کے لئے ہندوؤں میں ایک جوش دیکھ کر اور چندہ دینے پر مستعد پا کر تاڑ لیا کہ تنور تو بہت گرم ہے بہتر ہو کہ اس میں ہماری بھی کوئی روٹی پک جائے تب جھٹ پٹ پنڈت جی نے اندرمن کو بذریعہ تار خبر دی کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں تمہیں آنا چاہیے۔ خیر وہ ان کے پاس افتاں و خیزاں میرٹھ میں آیا۔ پنڈت صاحب نے باتیں بنا کر اجازت لے لی کہ ﴿۳۲﴾ چندہ ہم جمع کراتے ہیں پھر تو روپیہ پر روپیہ آتے دیکھ کر سنیاسی صاحب کی ایسی نیت بدل گئی کہ سارا روپیہ **نگل** جانا چاہا مگر منشی اندرمن نے☆ بھی تو ایک پرانا خورندہ تھا جس نے ایسے کئی سنیاسی کھا پی چھوڑے تھے۔ اس نے پنڈت جی کے طور بے طرح دیکھ کر مراد آباد سے چٹھی لکھی کہ تم نے میرے نام سے ہزاروں روپیہ اکٹھا کر لیا ہے اور مجھ کو ایک کوڑی تک دینا نہیں چاہتے اور خود ہضم کرنا چاہتے ہیں پس میں آپ کے اس جھوٹے سنیاس کی قلعی کھولنے کو تیار ہوں۔

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ نے ‘‘ زائد ہے۔ (ناشر)

اس چٹھی کو دیکھ کر پنڈت جی سمجھ گئے کہ اب یہ ہماری بری طرح خبر لے گا۔ اسی وقت کچھ قدر قلیل بھیج کر راضی کرنا چاہا مگر وہ کب راضی ہوتا تھا۔ اسی وقت اس نے ایک لمبا چوڑا اشتہار چھپوایا جس کا ایک پرچہ ہمارے قادیان میں بھی آیا تھا اس پرچہ میں بھی سنیاسی صاحب کی اس کارروائی کا بہت کچھ ذکر تھا پنڈت دیانند نے اس کا جواب چھپوایا اس طرف سے ایک ایسا جواب الجواب چھپا جس سے پنڈت صاحب کی دروغ گوئی کی ساری ﴿۳۳﴾
حقیقت کھل گئی۔ اس کے بعد پنڈت جگناتھ نے دیانندی فریبوں کا ایک رسالہ مشتہر کیا جس کو پڑھ کر کل آریہ سماجوں میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اسی اثناء میں لوگوں کو یہ بھی خبر ملی کہ درحقیقت یہ شخص رکابی مذہب ہے کبھی تناسخ کا قائل کبھی منکر کبھی بیشنو فرقہ کے تائید میں کبھی شیبو پنتھ کے حمایت میں اور کبھی دہریوں کا مددگار۔ غرض پیٹ کے دکھ سے کبھی کچھ کبھی کچھ جیسا کہ دھرم جیون دسمبر ۱۸۸۳ء میں اس کی تفصیل ہے۔ ان باتوں کے سننے سے لوگوں کے دل ٹوٹ گئے اور صرف احمق لوگ پھنسے رہ گئے اور باقی سب دانا دیانندی پیچ سے نکل گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیانند کی موت کا اصلی موجب یہی ندامتیں تھیں جو یک بیک اس کو اپنی کرتوتوں سے اٹھانی پڑیں۔

اب اپنے سنیاسی صاحب سے ہماری کارروائی کا مقابلہ کر لینا چاہیے اگر ہم نے ﴿۳۴﴾
لالہ بشن داس کو لکھا بھی کہ تم نے یہ امر مخفی رکھنا تو کیا ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ دوسروں کا روپیہ مارلیں اور اگر یہی بات ہوتی کہ ہم بابو محمد صاحب اور منشی عبدالحق صاحب کو ان کا روپیہ دینا نہیں چاہتے تھے تو پھر کیوں اسے انبالہ چھاؤنی میں انہیں روپیہ لینے کے لئے پیغام دیا جاتا۔ دونوں صاحبان ایماناً اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اوّل ہم نے بابو محمد صاحب کو میاں فتح خان کی معرفت اور شاید خود بھی اپنا روپیہ لینے کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا کچھ قرضہ نہیں میں نے سب کچھ بطور امداد دیا ہے۔ پھر منشی عبدالحق صاحب کی خدمت میں لکھا گیا کہ اب روپیہ آتا جاتا ہے آپ

پانسو روپیہ اپنا قرضہ لے لیں تو انہوں نے جواب بھیجا کہ میرے قرضہ کا آپ کو فکر نہیں کرنا چاہئے آپ اسی روپیہ سے رسالہ سراج منیر کو چھاپیں۔ اب تمہیں اے آریو! ذرہ شرمندہ ہونا چاہئے کہ گو ہم نے اسے انبالہ چھاؤنی میں ان مخلص دوستوں کو روپیہ لینے کے لئے کہا مگر انہوں نے وہ جواب دیئے جو اُوپر لکھے ہیں اور اندرمن اور دیانند بھی باہم دوست ہی تھے مگر اخیر میں جو کچھ نجاست نکلی وہ ظاہر ہے۔

قولہ۔ جس قدر براہین احمقیہ میں الہامات لکھے ہیں سب انہیں فن وفریب سے بنائے گئے ہیں۔ ﴿۳۵﴾

اقول ۔ فن وفریب تو دیانند کا خاصہ ہے جو اسی کے قومی بھائی اندرمن نے ثابت کر کے بھی دکھلا دیا پھر اس کی تعلیم سے تم لوگوں کا خاصہ جو چوری کرنے سے بھی نہ ڈرے اور **براہین احمدیہ کا نام** براہین احمقیہ کر کے بار بار لکھنا یہ بید بے ثمر کی تہذیب ہے۔ ان بیدوں نے بجز گالیوں اور بدزبانیوں کے اور کیا سکھلایا؟ جا بجا اول سے آخر تک یہی شرتیاں ویدوں میں پائی جاتی ہیں کہ اے اندر ایسا کر کہ ہمارے سارے دشمن مر جائیں ان کے بچے مر جائیں اور ہمیشہ کے لئے ان کی دولت ان کا ملک ان کی گوئیں گھوڑے زمین وغیرہ سب ہم کو مل جائے لیکن اندر کی خدائی تو خوب ثابت ہوئی کہ ایک طرف دعائیں تو یہ اور دوسری طرف بجائے دشمنوں کے ہلاک ہونے کے آپ ہی ہندو لوگ تباہ ہوتے گئے۔ چنانچہ مدّت دراز سے یہودیوں کی طرح بجز محکومیت اور غلامانہ اطاعت کے

﴿۳۶﴾ اور کسی جگہ اس قوم کی سلطنت باقی نہیں رہی کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ وید کے رشی الہام الٰہی سے بالکل خالی اور قبولیت الٰہی سے بالکل بے بہرہ تھے۔ جن کی ہزاروں دعاؤں کا خاک بھی اثر نہ ہوا بلکہ الٹی پڑیں۔ الہامی دعا کا ظہور میں نہ آنا اس الہام کے جھوٹے ہونے کی نشانی ہے اور نیز ایسا پرمیشر دعا کیوں کر قبول کر سکے جس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ سوم کا رس پینے سے زندہ اور فربہ رہتا ہے ورنہ اس کی خیر نہیں۔ دیکھو دوسرا ادھیا اشٹک اوّل رگ وید۔ اور ہمارے الہامات کا نام فریب رکھنا یا فریب سے بنایا جانا دعویٰ کرنا یہ اس وقت ہندوزادوں کو زیبا تھا کہ جب ہمارے بلانے پر وہ ہمارے دروازہ پر آ بیٹھتے لیکن ہم نے سرمہ چشم آریہ میں چہل روزہ اشتہار بھی جاری کر کے دیکھ لیا کسی ہندو نے کان تک نہیں ہلایا خیال کرنا چاہیے کہ جو شخص تمام دنیا میں اپنے الہامی دعویٰ کے اشتہار بھیج کر سب قسم کے مخالفوں کو آزمائش کے لئے بلاتا ہے اس کی یہ جرأت اور شجاعت کسی ایسی بنا پر ہوسکتی ہے جو نرا فریب ہے کیا جس کی دعوت اسلام و دعویٰ الہام کے خطوں نے امریکہ☆ اور یورپ کے دور دور ملکوں تک ہل چل مچا دی ہے

☆ **نوٹ** امریکہ سے ابھی ہمارے نام ایک چٹھی آئی ہے جس کے مضمون کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ صاحب من ایک تازہ پرچہ اخبار اسکاٹ صاحب ہمہ اوستی میں میں نے آپ کا خط پڑھا۔ جس میں آپ نے ان کو حق دکھانے کی دعوت کی ہے اس لئے مجھ کو اس تحریک کا شوق ہوا۔ میں نے مذہب بدھ اور برہمن مت کی

کیا ایسی استقامت کی بنیاد صرف لاف وگزاف کا خس و خاشاک ہے کیا تمام جہان کے مقابل پر ایسا دعویٰ وہ مکار بھی کرسکتا ہے کہ جو اپنے دل میں جانتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ اور خدا میرے ساتھ نہیں افسوس آریوں کی عقل کو تعصب نے لے لیا۔ بغض اور کینہ کے غبار سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اب اس روشنی کے زمانہ میں وید کو خدا کا کلام بنانا چاہتے ہیں نہیں جانتے کہ اندر اور اگنی کا مدّت سے زمانہ گزر گیا۔ کوئی کتاب بغیر خدائی نشانوں کے خدا تعالیٰ کا کلام کب بن سکتی ہے اور اگر ایسا ہی ہو تو ہر یک شخص اٹھ کر کتاب بنا دے اور اس کا نام خدا تعالیٰ کا کلام رکھ لیوے۔ اللہ جلّ شانہٗ کا وہی کلام ہے جو الٰہی طاقتیں اور برکتیں اور خاصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ سو آؤ جس نے دیکھنا ہو دیکھ لے وہ قرآن شریف ہے جس کی صد ہا روحانی خاصیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سچے پیرو اس کے ظلّی طور پر الہام پاتے ہیں اور تا دمِ مرگ رحمت اور برکت ان کے شامل ہوتی ہے۔ سو یہ خاکسار اسی آفتاب ﴿۳۷﴾

بقیہ حاشیہ بابت بہت کچھ پڑھا ہے اور کسی قدر تعلیمات **زردشت وکنفیوشس** کا مطالعہ بھی کیا ہے لیکن **محمد** صاحب کی بابت بہت کم۔ میں راہ راست کی نسبت ایسا مذبذب رہا ہوں اور اب بھی ہوں کہ گو میں **عیسائی گروہ کے ایک گرجا کا امام** ہوں مگر سوائے معمولی اور اخلاقی نصیحتوں کے اور کچھ سکھلانے کے قابل نہیں۔ غرض میں سچ کا متلاشی ہوں اور آپ سے اخلاص رکھتا ہوں۔ آپ کا خادم **الیگزنڈر آروب**۔ پتہ۔ ۳۰۲۱۔ اسٹرن او نیو سینٹ لوئس مسوری اضلاع متحدہ امریکہ

حقیقت سے فیض یافتہ اور اُسی دریائے معرفت سے قطرہ بردار ہے اب یہ ہندو روشن چشم جو اس الٰہی کاروبار کا نام فریب رکھ رہا ہے اس کے جواب میں لکھا جاتا ہے کہ ہرچند اب ہمیں فرصت نہیں کہ بالمواجہ آزمائش کے لئے ہر روز نئے نئے اشتہار جاری کریں۔ اور خود رسالہ سراج منیر نے ان متفرق کارروائیوں سے ہمیں مستغنی کر دیا ہے لیکن چونکہ اس دزد منش کی روبہ بازیوں کا تدارک ازبس ضروری ہے جو مدت سے بُرقع میں اپنا مونہہ چھپا کر کبھی اپنے اشتہاروں میں ہمیں گالیاں دیتا ہے کبھی ہم پر تہمتیں لگاتا ہے اور فریبوں کی طرف نسبت دیتا ہے اور کبھی ہمیں مفلس بے زَر قرار دے کر یہ کہتا ہے کہ کس کے پاس مقابلہ کے لئے جاویں وہ تو کچھ بھی جائداد نہیں رکھتا ہمیں کیا دے گا کبھی ہمیں **قتل کرنے کی دھمکی** دیتا ہے اور اپنے اشتہاروں میں ۲۷۔ جولائی ۱۸۸۶ء سے تین برس تک ہماری زندگی کا خاتمہ بتلاتا ہے۔ ایسا ہی ایک بیرنگ خط میں بھی جو کسی انجان کے ہاتھ سے لکھا یا گیا ہے جان سے مار دینے کے لئے ہمیں ڈراتا ہے لہٰذا ہم بعد اس دعا کے کہ **یا الٰہی تو اس کا اور ہمارا فیصلہ کر** اس کے نام یہ **اعلان** جاری کرتے ہیں اور خاص اُسی کو اِس آزمائش کے لئے بلاتے ہیں کہ اب بُرقع سے مونہہ نکال کر ہمارے سامنے آوے اور اپنا نام و نشان بتلاوے اور پہلے چند اخباروں میں شرائط متذکرہ ذیل پر اپنا آزمائش کے لئے ہمارے پاس آنا شائع کر کے اور پھر بعد تحریری قرارداد **چالیس۴۰ دن** تک امتحان کے لئے

ہماری صحبت میں رہے اگر اس مدّت تک کوئی ایسی الہامی پیشگوئی ظہور میں آ گئی جس کے مقابلہ سے وہ عاجز رہ جائے تو اسی جگہ اپنی لمبی چوٹی کٹا کر اور رشتہ بےسود زنار کو توڑ کر اُس پاک جماعت میں داخل ہو جائے جو لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی توحید سے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی کامل رہبری سے گم گشتگان بادیہ شرک و بدعت کو صراط مستقیم کی شاہراہ پر لاتے جاتے ہیں پھر دیکھئے کہ بے انتہا قدرتوں اور طاقتوں کے مالک نے کیسے ایک دم میں اندرونی آلائشوں سے اُسے صاف کر دیا ہے اور کیونکر نجاست کا بھرا ہوا لتّہ ایک صاف اور پاک پیرایہ کی صورت میں آ گیا ہے لیکن اگر کوئی پیش گوئی اس چالیس دن کے عرصہ میں ظہور میں نہ آئے تو چالیس دن کے حرجانہ میں سو روپیہ یا جس قدر کوئی ماہواری تنخواہ سرکار انگریزی میں پا چکا ہو اس کا دوچند ہم سے لے لے اور پھر ایک وجہ معقول کے ساتھ تمام جہان میں ہماری نسبت منادی کرا دے کہ آزمائش کے بعد میں نے اس کو فریبی اور جھوٹا پایا یکم اپریل ۱۸۸۷ء سے اخیر مئی ۱۸۸۷ء تک اسے مہلت ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ اس کے اطمینان کے لئے روپیہ کسی برہمو صاحب کے پاس رکھا جائے گا جو دونوں فریق کے لئے بطور ثالث ہیں اور وہ برہمو صاحب ہمارے جھوٹا نکلنے کی حالت میں خود اپنے اختیار سے جو پہلے بذریعہ تحریر خاص ان کو دیا جائے گا اس آریہ فتح یاب کے حوالہ کر دیں گے۔ اور اگر اب بھی روپیہ لینے میں دھڑکا ہو تو اس عمدہ تدبیر پر کہ خود آریہ صاحب سوچیں عمل کیا جائے گا مگر روپیہ بہر صورت ایک معزز برہمو صاحب (ثالث) ﴿۳۸﴾

کے ہاتھ میں رہے گا لہٰذا ہم تاکیداً اس آریہ صاحب کو جس نے ہمارا نام فریبی رکھا الہامات ربّانی کو سراسر فریب قرار دیا پورا نے وحشی آریوں کی طرح ہمیں گندیاں گالیاں دیں **جان سے مارنے کی دھمکیاں** سنائیں بآواز بلند ہدایت کرتے ہیں کہ ہماری نسبت تو اس نے دُشنام دہی میں جہاں تک گند اس کی سرشت میں بھرا ہوا تھا سب نکالا لیکن اگر وہ حلال زادہ ہے تو اب امتحان کے لئے بپابندی شرائط متذکرۂ بالا سیدھا ہمارے سامنے آجائے تا ہم بھی دیکھ لیں کہ اس فرشتہ خوشُستہ زبان کی شکل کیسی ہے اور اگر اخیر مئی ۱۸۸۷ء تک مقابل پر نہ آیا اور نہ اپنی مادری خصلت سے باز رہا تو دیکھو میں بعد شاہد حقیقی کے زمین وآسمان اور تمام ناظرین اس رسالہ کو گواہ رکھ کر ایسے یا وہ اور جنگ جو کو مندرجہ ذیل انعام جو فی الحقیقت نیش زنی اور رہزنی اور ظالم منشی کی حالت میں اُسی کے لائق ہے دیتا ہوں تا میں دیکھوں کہ اب وہ سوراخ سے نکل کر باہر آتا ہے یا اس نیچے لکھے ہوئے انعام کو بھی نگل جاتا ہے اور وہ انعام بحالت اُس کے نہ آنے اور بھاگ جانے کے یہ ہے۔

۱۔ ایک لـــــــعـــــــنـــــــت
۲۔ دو لـــــــعـــــــنـــــــت
۳۔ تین لـــــــعـــــــنـــــــت ﴿۳۹﴾
۴۔ چار لـــــــعـــــــنـــــــت
۵۔ پانچ لـــــــعـــــــنـــــــت
۶۔ چھ لـــــــعـــــــنـــــــت
۷۔ سات لـــــــعـــــــنـــــــت
۸۔ آٹھ لـــــــعـــــــنـــــــت
۹۔ نو لـــــــعـــــــنـــــــت
۱۰۔ دس لـــــــعـــــــنـــــــت

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَہ

اب ہم اس موقع پر ان چند آریہ صاحبوں کا نام درج کرتے ہیں جو ہماری بعض الہامی پیش گوئیوں کے گواہ ہیں۔ یوں تو ظاہر ہے کہ آج کل بباعث ایک **تعصّبی** آگ کے بھڑکنے کے جو آریوں کو پیروں سے لے کر دماغ تک جلا رہی ہے ایسی اس قوم کی ایک دفعہ حالت بدل گئی ہے کہ اگر کسی قدر شریف آدمی بھی ان میں ہیں تو وہ بھی **کھڑ پنچوں** کے شور و غوغا کے خوف سے دبے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ ایمانی قوت تو رکھتے ہی نہیں کہ تا ان بک بک کرنے والوں کی لعن وطعن کی کچھ پروا نہ رکھیں بلکہ ایک ہی دھمکی سے مثلاً اسی قدر کہنے سے کہ برادری سے نکالے جاؤ گے لڑکے لڑکیاں بیاہی نہیں جائیں گی۔ رشتے ناطے سب چھوٹ جائیں گے لالہ صاحبوں کے رنگ زرد اور بدن پر لرزہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر تو وہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس قدر کسی مسلمان پر تہمت بہتان الزام لگانا چاہیں یا جو کچھ افترا پردازوں کی طرف سے اشتہار وغیرہ کے چھپوانے کی تجویز ہو جھٹ پٹ دستخط کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اسی ترکیب سے آج کل قادیان کے ہندو اشتہارات جاری کر رہے ہیں۔

این نہ از خود ہست جوش جان شان دست کھڑ پنچاں کشد دامان شان

غرض یہ لوگ جو سراسر افترا کے طور پر اشتہارات جاری کرتے رہتے ہیں اور پھر ان میں اکثر گندے لفظ اور گالیاں بھی دیتے ہیں تو دراصل اس کا یہی باعث ہے کہ وہ اپنے خواہ نخواہ کے **جمعداروں** پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم سچے دل سے مسلمانوں کے ذاتی دشمن ہیں اور

﴿۴۰﴾ ایسے پختہ ہیں کہ سر جائے دھرم جائے ایمان جائے مگر بازی نہ جائے۔ سو اب اسی بنا پر سب کارروائی ہوتی ہے اور لالہ شرمپت اور ملاوامل ساکنان قادیان کی طرف سے جو ایک اشتہار شائع ہوا تھا جو ہم مرزا کو فریبی جانتے ہیں ملہم من اللہ نہیں سمجھتے وہ بھی درحقیقت **قومی دیوی کو بھینٹ** چڑھائی گئی تھی۔ ورنہ جو واقعی بات ہے اس کو تو ان کا جی خوب جانتا ہے مگر اسی خیال سے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں ان ہر دو آریوں نے بھی افتراؤں پر کمر بستہ کر رکھی ہے اور یہ خیال یک لخت بھلا دیا کہ ہمارے سر پر خدا بھی ہے سو چونکہ خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ایک اقبال مند کے لئے جیسے دوستوں کے وجود کو چاہتا ہے ایسے ہی دشمنوں کے وجود کو بھی۔ اس لئے ہم ان دشمنوں کے وجود کو بھی خالی از حکمت نہیں سمجھتے کیونکہ شمع صداقت کے لئے پروانوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ آفتاب باوجود اتنی مقدار اتنی بلندی اور اتنی تیز شعاعوں کے دشمنوں سے امن میں نہیں اور دشمن بھی وہی جو درحقیقت اسی کے آوردہ اور دست پروردہ ہیں۔ ایک طرف بادل اس کا دشمن ہے جو اس کی نورانی صورت پر اپنی سیاہ چادر کا پردہ ڈالنا چاہتا ہے اور ایک طرف غبار اُس سے عداوت کر رہی ہے۔ جو اس کے صافی چہرہ پر دھبہ لگانا چاہتی ہے لیکن آفتاب انہیں اپنے نورکشفی سے کہتا ہے کہ اے بادل تو کیوں اتنا اونچا ہوتا ہے تو عنقریب قطرہ قطرہ ہو کر بصد انکسار زمین پر گرے گا اور اے غبار تو اس کے ساتھ ہی معدوم ہو جائے گی۔ سو بخیال تعصّبات مذکورہ بالا یہ تو ہم

جانتے ہیں کہ آج کل آریوں کے اجتماعی جوش نے جو **افاقۃ الموت** کی طرح آخری دم میں ان میں پیدا ہوگیا ہے بےطرح انہیں بےخوف اور چالاک کر رکھا ہے جس سے وہ اپنے پرمیشر کے پرمیشر پن کو ہی جواب دیئے جاتے ہیں۔ اور راست گوئی اور حیا اور شرم سے بھی فارغ ہو بیٹھے ہیں لیکن چونکہ سچائی ایک ایسی چیز ہے جو کسی نہ کسی حکمت عملی سے اپنا چہرہ نورانی دکھا ہی دیتی ہے۔ اس لئے آخر ہمیں بھی سوچتے سوچتے ایک تدبیر چور پکڑنے کی سوجھ گئی اور وہ یہ ہے کہ اسی رسالہ میں ایک فہرست ایسی پیش گوئیوں کی جن کے آریہ لوگ گواہ ہیں لکھی جائے اس طرح پر کہ اول نمبر شمار اور پھر نام آریہ اور پھر بمحاذی ہر یک نام کے جدا جدا ان پیشگوئیوں کی تفصیل لکھی جائے جن کے وقوع کا گواہ وہ آریہ ہو جس کا محاذات میں نام درج ہو اور پھر ایسے نقشہ اسم وار کے شائع ہونے کے بعد جو ابھی لکھا جاتا ہے قادیان کے آریوں پر جو فساد پھیلانے کی جڑ ہیں فرض ہوگا کہ اگر وہ حقیقت میں ہمیں فریبی سمجھتے ہیں تو اسی قادیان میں ایک جلسہ عام میں ایک ایسی قسم کھا کر جو ہر یک شہادت کے نیچے لکھی جائے گی ان الہامی پیش گوئیوں کی نسبت لاعلمی ظاہر کریں۔ تب ہم بھی ان کا پیچھا چھوڑ دیں گے اور اس قادر مطلق کے حوالہ کر دیں گے جو دروغ گو کو بے سزا نہیں چھوڑتا اور بےعزتی سے اپنے مالک کے نام لینے والے کو ایسا ہی بےعزت کرتا ہے جیسا کہ وہ جھوٹی قسم اللہ جل شانہٗ کی کھا کر اس ذوالجلال کی عزت کی کچھ پرواہ نہیں کرتا لیکن اگر اب بھی آریوں نے یہ کھلا کھلا فیصلہ نہ کیا اور صرف جعل سازی کی اوٹ میں دور سے تیر مارتے ﴿۴۱﴾

رہے اور گھر میں کچھ اور باہر کچھ اور اخباروں اشتہاروں میں کچھ اور دوسرے لوگوں کے پاس کچھ کہتے رہے تو اے ناظرین آپ لوگ سمجھ رکھیں کہ یہی ان کی ہٹ دھرمی اور دروغ گوئی کی نشانی ہے۔ بہرحال اب اس جلسہ کی نہایت ضرورت ہے تاہم بھی دیکھ لیں کہ سچ کا اختیار کرنا اور جھوٹ کا تیاگنا کہاں تک ان میں پایا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ جس قدر ہم نے الہامات نیچے درج کئے ہیں یہ محض بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں اور بہت سی الہامی پیشگوئیاں جن کے یہی آریہ لوگ اور ان کے دوسرے بھائی گواہ ہیں۔ بخوف طوالت چھوڑ دی گئی ہیں لیکن بوقت انعقاد جلسہ سب کا ذکر ہوگا۔

خوش بود گر محک تجربہ آمد بمیاں تا سیہ روئے شود ہر کہ دروغش باشد

اب چند الہامی پیش گوئیاں بطور نمونہ نقشہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

نمبر	نام آریہ	کس الہام یا کشف کا گواہ ہے۔
۱	کیسوں والا آریہ بھائی کشن سنگھ ساکن قادیان	محمد حیات خان جج کا اس جرم سے رہائی پا جانا جس میں وہ ماخوذ ہوکر اور بے طرح زیر عتاب گورنمنٹ آکر ایک مدّت تک معطل رہا ایک نہایت بعید از قیاس بات تھی سو اُن دنوں میں مَیں نے اس کے حق میں بہت سی دعا کی کیونکہ اس خاندان سے کسی قدر مخلصانہ اس کا تعلق تھا چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ انجام اس کا مجھ پر کھل گیا اور میں نے قبل از وقوع پانچ یا چھ ماہ کے قریب تخمیناً ساٹھ ۶۰ یا ستر ۷۰ آدمیوں کو ہندو اور مسلمانوں میں سے اور نیز اس آریہ کو اُس کے انجام بہ بریت کے ایسے نازک وقت میں خبر دے دی کہ جبکہ حیات خان کی نسبت

نمبر	نام آریہ	کس الہام یا کشف کا گواہ ہے۔
//	وہی آریہ	پُرخوف افواہیں اڑ رہی تھیں یہاں تک کہ اس کے پھانسی مل جانے کا بعضوں کو خطرہ تھا۔ سو اگر اس گواہ کے نزدیک یہ بیان صحیح نہیں ہے تو اس کو چاہیے کہ جلسہ مجوزہ میں اس مضمون کی قسم کھاوے کہ میں اپنے پرمیشر کو حاضر ناظر جان کر سچے دل سے اس کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ پیشگوئی ہرگز مجھ کو نہیں بتلائی گئی اور اگر بتلائی گئی ہو اور میں نے جھوٹ بولا ہے تو اے سرب شکتی مان پرمیشر مجھ پر اور میرے عیال پر کسی دکھ کی مار سے اپنی تنبیہ نازل کر۔ ﴿۴۲﴾
۲	لالہ ملاوامل کھتری ساکن قادیان	ملاوامل کو دِق کی بیماری ہوگئی جب وہ خطرہ کی حالت میں پڑ گیا تو اس کے لئے دعا کی گئی الہام ہوا قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا یعنی اے تپ کی آگ ٹھنڈی ہو جا۔ پھر خواب میں دکھایا گیا کہ میں نے اس کو قبر سے نکال لیا ہے یہ الہام اور خواب دونوں قبل از وقوع اس کو بتلائے گئے چنانچہ چند ہفتہ کے بعد اس کو شفا ہوگئی پھر ایک دن صبح کو الہام ہوا کہ آج ارباب لشکر خان کے قرابتیوں میں سے کسی کا روپیہ آئے گا آزمائش کے طور پر یہی آریہ صاحب ڈاک خانہ میں گئے اور دس روپیہ آنے کی خبر لائے۔ جو ارباب سرور خان لشکر خان کے بیٹے نے بھیجے تھے اگر یہ بیان سچ نہیں ہے تو ملاوامل کو چاہئے کہ جلسہ مجوزہ میں اس مضمون کی قسم کھاوے کہ میں اپنے پرمیشر کو حاضر ناظر جان کر سچے دل سے اس کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ دونوں قسم کی پیشگوئیاں ہرگز مجھ کو نہیں بتلائی گئیں اور اگر بتلائی گئی ہوں اور میں نے جھوٹ بولا ہے تو اے سرب شکتی مان پرمیشر مجھ پر اور میرے عیال پر

نمبر	نام آریہ	کس الہام یا کشف کا گواہ ہے۔
؍؍	وہی آریہ	کسی دکھ کی مار سے اپنی تنبیہ نازل کر۔ اور واضح رہے کہ ملاوامل نے اپنے خط ۱۴۔ اگست ۱۸۸۵ء میں جو میر عباس علی صاحب کی طرف اس نے لکھا تھا جو ہمارے پاس موجود ہے ان دونوں پیشگوئیوں کی سچائی کا اقرار بھی کر لیا ہے۔
۳	لالہ شرمپت رائے کھتری ساکن قادیان	لالہ شرمپت رائے کا بھائی کسی فوجداری مقدمہ میں ماخوذ ہو گیا تھا۔ چیف کورٹ میں اپیل تھا لالہ شرمپت نے دعا کے لئے کہا چنانچہ کئی دفعہ دعا کی گئی آخر قبولیت دعا ہو کر عالم الغیب کی طرف سے ظاہر کیا گیا کہ مثل چیف کورٹ سے دوبارہ تفتیش کے لئے واپس آئے گی اور پھر چھوڑ دیا جائے گا۔ پر اس کا دوسرا برہمن رفیق جس کا نام خوشحال ہے رہائی نہیں پائے گا جب تک پوری پوری قید بھگت نہ لے سو یہ خبر قبل از ظہور عین خوف و خطر کے وقت میں لالہ شرمپت کو بتلائی گئی اور پھر جب پوری ہوئی تو بذریعہ تحریر اس کو یاد دلایا گیا تو اس نے جواب لکھ کر بھیجا کہ اس لئے یہ انجام آپ پر کھولا گیا کہ آپ نیک بخت ہیں۔ دو۲سری دلیپ سنگھ کی نسبت پیش از وقوع اس کو بتلایا گیا کہ مجھے کشفی طور پر معلوم ہوا ہے کہ پنجاب کا آنا اس کے لئے مقدر نہیں یا تو یہ مرے گا اور یا ذلت اور بے عزتی اٹھائے گا۔ اور اپنے مطلب سے ناکام رہے گا۔ تیسر۳ی پنڈت دیانند کی بابت اس کی موت سے دو مہینے پہلے لالہ شرمپت کو اطلاع دی گئی کہ اب وہ بہت ہی نزدیک مرے گا بلکہ کشفی حالت میں میں نے اس کو مردہ پایا۔ چوتھی۴ ایک اپنے زمینداری مقدمہ کی نسبت جو شرکاء کے ساتھ دائر تھا اور کئی سال مختلف عدالتوں میں ہو کر چیف کورٹ تک پہنچا مجھے دعا کرنے کے بعد یہ الہام

﴿۴۳﴾

نمبر	نام آریہ	کس الہام یا کشف کا گواہ ہے۔
״	وہی آریہ	ہوا تھا کہ **اُجِیۡبُ کُلَّ دُعَائِکَ اِلَّا فِیۡ شُرَکَائِکَ** یعنی میں تیری ساری دعائیں جو تو نے کیں قبول کروں گا۔ پر شرکاء کے بارے میں نہیں۔ سو آخر اس مقدمہ میں شرکاء کو فتح ہوئی۔ اوّل اوّل تو ابتدائی عدالتوں میں شرکاء مغلوب رہے پر آخر چیف کورٹ میں قطعی طور پر فتح پا گئے شاید پچاس سے زیادہ لوگوں کو اس الہام کی خبر ہوگی اور منجملہ ان کے یہ لالہ صاحب بھی ہیں جن کو شروع مقدمات کے ابتدا میں ہی یہ الہام سنا دیا گیا تھا۔ پانچویں ایک مرتبہ مسجد میں بوقت عصر یہ الہام ہوا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری ایک اور شادی کروں۔ یہ سب سامان میں خود ہی کروں گا اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس میں یہ ایک فارسی فقرہ بھی ہے۔ ہرچہ باید نوعروسے راہماں سامان کنم وآنچہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم اور الہامات میں یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ وہ قوم کے شریف اور عالی خاندان ہوں گے چنانچہ ایک الہام میں تھا کہ خدا نے تمہیں اچھے خاندان میں پیدا کیا اور پھر اچھے خاندان سے دامادی تعلق بخشا سو قبل از ظہور یہ تمام الہام لالہ شرمپت کو سنا دیا گیا پھر بخوبی اسے معلوم ہے کہ بغیر ظاہری تلاش اور محنت کے محض خدا تعالیٰ کی طرف سے تقریب نکل آئی یعنی نہایت نجیب اور شریف اور عالی نسب سید سندی جو **خواجہ میر درد صاحب** مرحوم دہلوی کے روشن خاندان کے یادگار ہیں جن کے علوّ خاندان کو دیکھ کر بعض نوابوں نے انہیں لڑکیاں دی تھیں جیسے نواب ﴿۴۴﴾

نمبر	نام آریہ	کس الہام یا کشف کا گواہ ہے۔
		امین الدین خان والد بزرگوار نواب علاؤ الدین خان والئی ریاست لوہارو کی لڑکی میر ناصر نواب صاحب خسر اس عاجز کے بڑے بھائی کو بیاہی گئی۔ ایسے بزرگوار خاندان سادات سے یہ تعلق قرابت اس عاجز کو پیدا ہوا اور اس نکاح کے تمام ضروری مصارف تیاری مکان وغیرہ تک ایسی آسانی سے خدا تعالیٰ نے بہم پہنچائے کہ ایک ذرہ بھی فکر کرنا نہ پڑا۔ اور اب تک اسی اپنے وعدہ کو پورے کئے چلا جاتا ہے۔ چھٹی وہ پیشگوئی مندرجہ نمبر ایک جس کا کیسوں والا آریہ گواہ ہے لالہ شرمپت بھی اس کے گواہوں میں داخل ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ اگر یہ تمام پیشگوئیاں جو لکھی گئی ہیں لالہ شرمپت ان کو سچ نہیں سمجھتا اور سراسر افترا خیال کرتا ہے تو اس پر عین فرض وسراسر واجب ہے کہ ایک عام جلسہ منعقد کر کے بدیں مضمون ہمارے سامنے قسم کھاوے کہ میں اپنے پرمیشر کو حاضر و ناظر جان کر سچے دل سے اس کی سوگند کھاتا ہوں کہ ان الہامی پیشگوئیوں میں سے مجھے کسی کی خبر نہیں اور نہ مجھے کوئی بتلائی گئی اور نہ کوئی بات میرے روبرو پوری ہوئی اور اگر اس بیان میں میں نے جھوٹ بولا ہے تو اے پرمیشر سرب شکتی مان مجھ پر اور میری اولاد پر کسی دکھ کی مار سے اپنی تنبیہ نازل کر۔
۴	بشن داس برہمن ولد ہیرا سنگھ☆	بشن داس برہمن ولد ہیرانند کو اس الہام سے خبر دی گئی تھی کہ آج ایک صاحب عبداللہ خان نام کا ڈیرہ اسماعیل خان سے خط آنے والا ہے اور وہ کچھ روپیہ بھی بھیجے گا۔ چنانچہ یہ آریہ آزمائش کی غرض سے آپ ہی ڈاکخانہ میں گیا اور عبداللہ خان اکسٹرا اسسٹنٹ کا خط لایا جو ڈیرہ اسماعیل خان سے آیا تھا جس کے ساتھ دس روپیہ بھی آئے تھے سو اسی طرز کی قسم سے بشن داس مذکور سے بھی دریافت ہونا چاہیے۔ اس شخص نے ہرنام داس آریہ ساکن بٹالہ کے روبرو اس الہام کے دیکھنے کا اقرار بھی کیا تھا۔
۵	بیج ناتھ برہمن	بیج ناتھ برہمن ولد بھگت رام کو کشفی طور پر اطلاع دی گئی تھی کہ ایک برس کے عرصہ تک تجھ پر مصیبت نازل ہونے والی ہے اور کوئی خوشی کی تقریب بھی ہوگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی پر اس کے دستخط کرائے گئے جواب تک موجود ہیں۔ پھر بعد از اں ایک برس کے عرصہ میں اس کا باپ جوانی کی عمر میں ہی فوت ہوگیا۔ اور اسی دن ان کی شادی کی تقریب بھی پیش تھی یعنی کسی کا بیاہ تھا۔ یہ پیشگوئی بھی حلفاً مگر اسی قسم کی حلف سے اس سے دریافت ہونی چاہیے۔ ﴿۴۵﴾

اس قدر الہامی پیشگوئیاں ہم نے بطور نمونہ لکھ دی ہیں اور باقی عین جلسہ کے وقت میں پیش کی جائیں گی اگر قادیان کے آریہ لوگ اپنی لاعلمی کی قسم کھالیں گے تو پھر

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ ہیرانند ‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

ہندوؤں کے لئے بات کرنے کے لئے ایک گنجائش نکل آئے گی بہرحال اب ہمارے مُخالف آریہ اس تجویز کو خواہ منظور کریں یا نہ کریں لیکن یاد رکھیں کہ اگر فیصلہ منظور ہے تو ہزار بل پھیر کھا کر آخر اِسی راہ پر قدم مارنا پڑے گا۔ ہندی مثل مشہور ہے **سر جُٹے اور کوڑ نکھٹے** جلسہ عام میں نمونہ مذکورہ کی قسم کھا لینا بس حد ہے جس سے فیصلہ ہو جائے گا ورنہ کس قدر حیا اور شرم سے دور ہے کہ محض جھوٹے افتراؤں کے ذریعہ سے کوشش کی جائے کہ تمام الہامات فن وفریب سے بنائے جاتے ہیں خیال کرنا چاہیے کہ اس بھلے مانس ہندو نے اپنے اس رسالہ میں جس کا نام **فن وفریب غلام احمد کی کیفیت** رکھا ہے کس قدر دروغ بے فروغ کی اپنے دل سے ہی عمارت بنا لی ہے جس کو وہ اپنے اس رسالہ کے صفحہ ۲۴ میں لکھتا ہے چنانچہ بجنسہٖ عبارت اُس کی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

اب تازہ الہام سُنیے قادیان میں جان محمد کشمیری مرزا کی مسجد کے امام کا پانچ سالہ لڑکا سخت بیمار ہو کر قریب المرگ ہو گیا تھا اُس وقت کی حالت زار دیکھ کر بیوقوف سے بیوقوف اُس کو کوئی دم کا مہمان جانتا تھا اس حال پر اختلال میں امام صاحب مرزا کے پاس گئے اور مرزا پہلے اس لڑکے کو بچشم خود بھی دیکھ چکا تھا۔ امام صاحب نے کل حال مکرر عرض کر کے کہا کہ آپ مجیب الدعوات ہیں (اس لفظ سے اس ہندو کی لیاقت علمی ظاہر ہے) دُعا کیجئے۔ مرزا نے فرمایا کہ آپ کے آنے سے اوّل ہی الہام ہوا کہ اس لڑکے کے لئے قبر کھودو۔ مرزا کے مونہہ سے یہ کلمہ نکلنا ہی تھا کہ امام صاحب کے ہوش باختہ ہو گئے۔ واقعی کیوں نہ ہوتے کہ فقط یہی ایک لڑکا تھا وہ بھی پچھلی عمر کا مرزا تو نیم حکیم خطرہ جان ہی تھا۔ مگر خدا بھی جھوٹوں کو جھوٹا کرنے کے لئے

﴿۴۶﴾ عجیب قدرت دکھلاتا ہے کہ جب امام مذکور بحالت زارنزار گھر کو واپس آیا تو اثر الہام برعکس پایا یعنی لڑکے کے آثارِ رُو بصحت دیکھے غرض کہ مونہہ منحوس سے یہ کلمہ نکلنا ہی تھا کہ دم بدم لڑکے کو آرام ہونے لگا۔ جب لوگوں نے مجیب الدعوات صاحب (یہ وہی لفظ ہندو کی لیاقت کا ہے) کی ہنسی اڑائی تو جواب دیا کہ الہام غلط نہیں ہوسکتا۔ دائم یہ بچہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمام ہوا قصہ پُر افترا آریہ کا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ کنجر جو ولدالزنا کہلاتے ہیں وہ بھی جھوٹ بولتے ہوئے شرماتے ہیں مگر اس آریہ میں اس قدر بھی شرم باقی نہ رہی جس قوم میں اس جنس کے شریف وامین لوگ ہیں وہ کیا کچھ ترقیاں نہیں کریں گے۔ اب اس نیک ذات آریہ پر فرض ہے کہ ایک جلسہ کرا کر ہمارے روبرو اس بہتان کی تصدیق کرادے تا اصل راوی کو حلف سے پوچھا جائے اور اس بے اصل بہتان کے لئے نہ صرف ہم اس راوی کو حلف دیں گے بلکہ آپ بھی حلف اٹھائیں گے فریقین کے حلف کا یہ مضمون ہوگا کہ اگر سچ سچ اپنے حافظہ کی پوری یادداشت سے بلا ذرہ کم وبیش میں نے بیان نہیں کیا تو اے خدائے قادر مطلق اور اے پرمیشر سرب شکتی مان ایک سال تک اپنے قہر عظیم سے ایسی میری بیخ کنی کر اور ایسا ہیبت ناک عذاب نازل فرما کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور پھر اگر ایک سال تک آسمانی عذاب سے اصل راوی محفوظ رہا تو ہم اپنے جھوٹا ہونے کا خود اشتہار دے دیں گے۔ کیونکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ایسے بہتان صریح کو بے فیصلہ نہیں چھوڑے گا یہ تو ہمارے لئے اور ہر ایک ملہم من اللہ کے لئے ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے جو کوئی خواب یا الہام مشتبہ طور پر معلوم ہو جس کے احتمالی طور پر کئی معنے کئے جائیں گے مگر یہ افترا کہ قطعی طور پر ہمیں الہام ہوگیا کہ دین محمد جان محمد کا لڑکا اب مرے گا اس کی قبر کھودو

یہاں تک کہ جان محمد کو یہ خبر دی کہ اب دین محمد تیرا لڑکا ضرور مرے گا۔ دین محمد کے نام پر الہام ہو چکا قبر کھودنے کا حکم ہوا اور وہ خبر سن کر روتا روتا گھر تک گیا یہ جھوٹ کی نجاست کس نے کھائی ہے۔ ایسا ایمان دار ذرہ ہمارے سامنے آوے لیکن اب بھی اگر راقم رسالہ اپنی دزدمنشی کی عادت کو نہیں چھوڑے گا اور جلسہ عام میں راوی کو قسم دلانے سے تصفیہ نہیں کرے گا تو وہی دس لعنتوں کا تمغہ جو پہلے اس کو ہم دے چکے ہیں اب بھی موجود ہے۔

۱۔ ایک لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۲۔ دو لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۳۔ تین لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت ﴿۴۷﴾

۴۔ چار لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۵۔ پانچ لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۶۔ چھ لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۷۔ سات لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۸۔ آٹھ لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۹۔ نو لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

۱۰۔ دس لـــــــــــعـــــــــــنـــــــــــت

قولہ۔ صدہا پنڈتوں نے یہ بات ثابت کی ہے کہ پرماتما نے اوّل اوّل ہی رشیوں کو وید اقدس کا اُپدیش کیا اُس کے مطابق رشیوں نے سب علم و ہنر ظاہر کئے۔

اقول ۔ میں کہتا ہوں کہ کھلی کھلی سچائی کے آگے شکم پرست پنڈتوں کے حیلے بہانے

کیا پیش جا سکتے ہیں ویدوں کی شُرتیاں خود ثابت کر رہی ہیں کہ وہ قدیم نہیں ہیں۔ دیکھو رگ وید اشتک اوّل پہلا ادھیائے انوک سکت ا شُرتی (۲) ایسا ہو کہ اگنی جس کی مہما زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔ سو جب کہ وید آپ ہی قائل ہیں کہ ان کے ظہور سے پہلے ایک زمانہ گزر چکا ہے عارف اور الہام یاب بھی گزر چکے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وید بہت پیچھے ہوئے ہیں چنانچہ ساینا چارج وغیرہ بھاشے کاروں نے یہی معنے لکھے ہیں اور پھر اسی رگ وید میں ایسے بادشاہوں کا بھی ذکر ہے جو ان ویدوں کے وجود سے پہلے گزر چکے ہیں اور محققین نے ثابت کر لیا ہے کہ جن رشیوں کے نام سکتوں پر درج ہیں اکثر ان کے قریب قریب بیاس جی کے زمانہ سے ہوئے ہیں اور ویدوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ویدوں کے زمانہ میں اصل باشندے اس ملک کے اور تھے جو کسی اور کتاب کو الہامی تسلیم کئے بیٹھے تھے اور ویدوں اور ویدوں کے دیوتاؤں کو نہیں مانتے تھے۔ اسی جہت سے اکثر باہم لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ یہی رائے پروفیسر ولسن صاحب نے جا بجا اپنے وید بھاش میں لکھی ہے۔ افسوس ہندو لوگ اردو اور انگریزی ترجمہ ویدوں کو ایسا برا جانتے ہیں کہ ان کی طرف نظر کرنا بھی نہیں چاہتے اور سنسکرت تو ایسی نابود ہے کہ مشکل سے یقین کیا جاتا ہے کہ لاکھ ہندو میں سے کوئی ایک بھی ایسا سنسکرت «۴۸»
دان ہو کہ ویدوں کو صاف طور پر پڑھ سکے پھر اس تعصب اور اس نادانی کی کچھ نہایت ہے کہ نادیدہ ویدوں کی نسبت خواہ نخواہ قدامت کا دعویٰ کئے بیٹھے ہیں اور سمیر پربت کی طرح ایک خیالی بزرگی کا تاج اس کو پہنایا گیا ہے خیال کرنا چاہیے کہ بدھ جی کس قدر نامی ومشہور عارف اور پنڈتوں کے سرتاج گزرے ہیں جن کی عالی تحقیقاتوں کے آگے دیانندی خیالات ایک تودہ گوبر سے

زیادہ وقعت نہیں رکھتے وہ اپنے بدھ شاستر (ادھیائے ۲ سوتر ا) میں فرماتے ہیں کہ وید پرمیشر کا کلام نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کے زمانہ کی تاریخ جو بیان کی گئی ہے وہ بالکل خلاف واقع اور جھوٹ ہے اور نیز ان میں کلام الٰہی ہونے کا کوئی نشان پایا نہیں جاتا اور ان کے مطالب و مضامین خلاف عقل ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ بدھ جی جیسے نامی پنڈت سے بڑھ کر جن کی بزرگی کے پچاس کروڑ کے نزدیک لوگ قائل ہورہے ہیں اور کون سی شہادت ہے اور اگر ہے تو وہ پیش کرنی چاہیے۔ ویدوں کو ابتدا سے کسی آریہ دیس کے دانا نے تسلیم نہیں کیا اور ہر چند ظالم برہمنوں نے اس مطلب کے حصول کے لئے ہزارہا خون بھی کئے (جیسا کہ شاستروں سے ظاہر ہے) لیکن ان نیک خیال ہندوؤں نے بڑی استقامت سے جانیں دیں مگر وید کی مشرکانہ تعلیموں کو قبول نہ کیا۔ صرف ویدوں کے نہ ماننے کی وجہ سے ہزاروں محقّقوں اور عارفوں اور دانشمند آریوں کے سر کاٹے گئے اور شریر برہمنوں نے ایسے ایسے نیک دل اور پاک خیال لوگوں کو قتل کیا جن کی اس گروہ میں نظیر ملنا مشکل ہے اگر ویدوں میں کچھ سچائی ہوتی تو شریف آریہ جو دانشمند اور فلاسفر تھے کیوں ویدوں سے اس قدر بیزار ہوجاتے کہ ایک ایک ہوکر مارے گئے مگر ویدوں کو قبول نہ کیا۔ اگر ویدوں کی کسی ایک آدھ شرتی سے یہ مضمون بھی نکلتا ہو کہ وہ پرانی ہیں تو قابل تسلیم نہیں کیونکہ دعویٰ بلا دلیل ہے جس کو دوسری شرتیاں خود رد کرتی ہیں۔

﴿۴۸﴾ فٹ نوٹ یورپ کے محققوں نے بڑی چھان بین کے بعد ویدوں کی تالیف کا زمانہ چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی قرار دیا ہے اور ان کی اس رائے کا صحیح ہونا بہت پختگی کے ساتھ ایک مقام سے جس کو سر ایڈورڈ کالبروک صاحب نے بیدوں میں دریافت کیا ہے صحیح ٹھہرتا ہے

اور اگر یہ کہو کہ منو جی ویدوں کو کسی قدر پرانا ہی ٹھہراتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے دلیل گواہی منو کی ہو یا غیر منو کی وہ قابل اعتبار نہیں اور پھر سمجھنا چاہئے کہ **بدھ جی** کے مقابل پر منو جی کی حیثیت کیا ہے کیا کچھ بھی شرم نہیں آتی۔ ﴿۴۹﴾

واضح رہے کہ دیانند نے ستیارتھ پرکاش وغیرہ رسائل میں قدامت ویدوں کے لئے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے آخر ہر طرف سے نومید ہو کر برہمنوں کا روزنامچہ دلیل ٹھہرایا مگر یاد رہے کہ یہ دلیل بالکل ہیچ اور نکمّی ہے۔ یہ نہایت مشہور واقعہ اور سب کا مانا ہوا تسلیم کیا ہوا ہے کہ اصلی روزنامچہ (**تہتی پتر**) **راجہ بھوج** کے زمانہ سے چار سو برس پہلے گم ہو گیا تھا یعنی **بدھ مذہب** کے عروج کے زمانہ میں اور یہ جواب برہمنوں کے ہاتھ میں ہے یہ تو ایک جعلی چیز ہے جو سراسر نفرت کے لائق اور ذرہ قابل اعتبار نہیں اس میں خلاف عقل اور بیہودہ سوانح تو بہت لکھے مگر سکندر اعظم کا ذکر کہاں ہے جس کا ذکر کرنا روزنامہ کی حیثیت سے بہت ضروری تھا ایسا ہی پرانے سکوں کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو سال تک یونانیوں کی بادشاہی ہندوستان میں

بقیہ حاشیہ چنانچہ تشریح اس کی وہ یوں لکھتے ہیں کہ ہر بید میں علم ہیئت کا ایک ایک رسالہ اس غرض سے لگا ہوا ہے کہ پتری کی ترتیب معلوم ہووے۔ اور اس سے فرائض منصبی کے اوقات دریافت ہو جایا کریں۔ پس وہ صریح اور قطعی دلیل جس پر انہوں نے اپنی مذکورہ بالا رائے قائم کی ہے یہ ہے کہ جو مقام **راس سرطان** اور **راس جدی** کا اس رسالہ میں قرار دیا ہے وہ وہی مقام ہے جو چودھویں صدی قبل از سنہ عیسوی میں ان دونوں راسوں کا تھا۔ پس کچھ شک نہیں کہ بیدوں کی تالیف اسی زمانہ میں ہوئی تھی۔ (ماخوذ از تاریخ ہند مؤلفہ الفنسٹن صاحب) ﴿۴۹﴾

رہی ہے مگر اس روزنامہ میں اس واقعہ طویلہ کی نسبت جس نے ڈیڑھ صدی ختم کے اشارہ تک بھی پایا نہیں جاتا تو پھر کیا اس بیہودہ اور پُرفریب جعل کا نام روزنامچہ رکھنا چاہیے انگلستانی مؤرّخوں نے بڑی تحقیقات کر کے ثابت کیا ہے کہ ویدوں کا زمانہ چار ہزار برس کے اندر اندر پایا جاتا ہے اور میری دانست میں ویدوں کا زمانہ معلوم کرنے کے لئے خود ویدوں کا ہی غور سے پڑھنا کافی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہندو لوگ تاریخ کے بہت کچے ہیں اور جھوٹ بولنا اور لاف مارنا اور مبالغہ کرنا شاید ان کے مذہب میں ثواب میں داخل ہے کیونکہ کوئی قول وفعل ان کا دروغ گوئی یا بیہودہ مبالغات سے خالی نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ مہا بھارت۔ رامائن۔ بھاگوت۔ منوشاستر اور دوسرے پرانوں اور خود ویدوں کے پڑھنے سے یہ عادت ان کی صاف ثابت ہوتی ہے۔

بالآخر اگر ہم اس قدر صاف اور روشن ثبوتوں سے قطع نظر کر کے فرض کے طور پر مان بھی لیں کہ وید کسی قدر پرانے ہیں تو کیا بغیر ثابت ہونے ذاتی خوبیوں کے صرف کسی قدر پرانا ہونا ان کو خدا تعالیٰ کا کلام بنا دے گا ہرگز نہیں۔
﴿۵۰﴾ ظاہر ہے کہ بزرگی بعقل است نہ بسال۔ حکماء جنہوں نے علم حیوانات میں تحقیق کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ سنگ پشت یعنی کچھوے کی عمر بڑی ہوتی ہے یہاں تک کہ بغیر کسی خارجی صدمہ کے شاذونادر مرتا ہے۔ بہت کچھوے ایسے ہوں گے کہ جو ابتدائی زمانہ میں پیدا ہو کر اب تک زندہ موجود ہیں۔ پس اگر ویدوں کی قدامت بغیر ثبوت ان کے اندرونی کمالات کے تسلیم بھی کر لی جائے تو غایت درجہ ان کا مرتبہ ایک کچھو کی مانند ہوگا۔ غرض صرف پیرانہ سالی فضیلت پر ہرگز دلیل

نہیں ہوسکتی بلکہ بغیر حصول کمالات معنوی کے سن وسال میں پرانا ہو جانا اسی مثل کا مصداق ہوگا کہ **گوسالہ ما پیر شد گاؤ نشد** اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ویدوں کے پرانے ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہاں اگر یہ کہو کہ ویدوں کا پرعیب ہونا ہی ان کے پرانے ہونے پر دلیل ہے۔ تو شاید یہ وجہ قبول ہو سکے کیونکہ پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند۔ پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بجز ذاتی کمالات کے جس قدر خارجی بزرگیاں ہیں خواہ وہ کبرسن ہو یا کثرت دولت یا حصولِ حکومت یا شرفِ قومیّت وغیرہ وغیرہ وہ سب ہیچ ہیں اور صرف انہیں کے لحاظ سے بزرگی کا دم مارنا گدھوں کا کام ہے نہ انسانوں کا۔ میں نے سنا ہے کہ **لارڈ النبرا صاحب** بہادر کی بیوی جو پہلے زمانہ میں ہندوستان کے **گورنر جنرل** تھے ایک بزرگ خاندان میں سے تھی جو قدیم ہونے کا دعویٰ کرتا تھا پھر اس پر دوسری بزرگی اس **لیڈی** صاحبہ کو یہ حاصل ہوئی جو **لاٹ صاحب** کی جورو بنی۔ اب اس کے ذاتی کمالات کا بھی حال سنیئے۔ کہتے ہیں کہ یہ عورت اب تک زندہ ہے اور اگرچہ جائز طور پر **نو** خصم بھی کر چکی ہے مگر آشناؤں کی کچھ گنتی نہیں اور اکثر آشناؤں کے ساتھ بھاگتی بھی رہی ہے پھر آخر عبدل نامی مسلمان قوم شُتربان سے نکاح کیا اور اس کے تلے بھی نہ ٹھہریں۔ اب فرمایئے **حضرت** کہ اس عورت کی دونوں بزرگیاں اس ذاتی بے شرمی کے ساتھ کچھ مقابلہ کرسکتی ہیں سو آپ کا وید پرانا ہی سہی فرض کرو کہ بابا آدم سے پہلے کا ہے لیکن ہم مکرّر عرض کرتے ہیں کہ صرف قدامت کی وجہ سے بزرگ نہیں ٹھہر سکتا مگر شائد جاہلوں کی نظر میں۔ ہاں اگر وید کی بزرگی ثابت کرنی ہے اور ربّانی کلام ہونے کا ثبوت اس میں

دکھلانا ہے تو اس کی ایسی ذاتی خوبیاں اور اندرونی خاصیّتیں اور برکتیں دکھلاوٗ جن کی وجہ سے وہ ایسا بے نظیر ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ بے نظیر ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز خدا تعالیٰ سے صادر ہے اس کی مثل بنانے پر کوئی بشر قادر نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ ایک مکھی کے بنانے سے بھی تمام مخلوق عاجز ہے۔ دوسرے ہمیں یہ بھی صریح نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے صرف اپنے قول میں نہیں بلکہ اپنے فعل میں بھی اپنے ارادوں کو ظاہر کیا ہے۔ سو قول اور فعل کا تطابق بھی ضروری ہے۔ تیسرے ہم یہ بھی وجدان کے طور پر پاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنی پاک اور کامل صفتوں کی طرف ہمیں بھی ایک روحانی میلان بخشا ہے یا یوں کہو کہ باطنی طور پر ایک قوت حاسہ ہمیں عطا کی گئی ہے جس سے ہم فی الفور معلوم کر جاتے ہیں کہ کون سی صفات خدا کی شان کے لائق ہیں اور کون کون سی صفتیں منافی الشان الوہیت ہیں سو ربانی کلام کی شناخت کرنے کے لئے یہی تین علامتیں ہیں مگر کیا یہ علامتیں ویدوں میں پائی جاتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ﴿۵۱﴾ پنڈت دیانند جنہوں نے **نرکت اور نگھنٹو** کی معتبر کتب کا چھان بین کیا ہے ان کو وید کا یہ خلاصہ ہاتھ لگا کہ جس چیز کو پرمیشر کہا جاتا ہے وہ کروڑہا قدیم اور انادی اور غیر مخلوق وجودوں میں سے ایک وجود ہے جو وجوب ہستی میں ان سے مساوی اور قدیم ہونے میں ان کے برابر اور باعتبار وجودی انتشار کے ان سے نہایت کم ہے اب ہم دیانند کو آفرین نہ کہیں تو اور کیا کہیں جس نے **ویدک توحید** ایسی ثابت کی کہ پُورانے مشرکوں کے بھی کان کاٹے۔ کیونکہ گو قدیم مشرک ویدوں کے ماننے والے اب تک یہ تو مانتے آئے تھے کہ ہمارے ویدوں میں سورج چاند اگنی اور بشن وغیرہ کی ضرور پوجا لکھی ہے اور ان سے مرادیں مانگنے کا حکم ہے۔

مگر یہ پاک مسئلہ ویدوں کا ابھی تک ان کو بھی نہ سوجھا تھا کہ ذرّہ ذرّہ اپنی ہستی میں خدا سے بے نیاز اور قدامت میں اس سے برابر اور باعتبار وجودی انتشار کے اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ ویدک گیان دیانند ہی کے حصہ میں تھا۔ دیکھو اب اس وید کے اصول میں کس قدر خرابیاں ہیں۔ اول تو جب پرمیشر ہر یک چیز کا سہارا اور ہر یک ظہور کا مظہر اصلی نہ ہوا تو پھر کاہے کا پرمیشر ہوا۔ صرف کروڑ ہا قدیم وجودوں میں سے وہ بھی ایک وجود ٹھہرا جو ان قدیمی باشندوں میں سے صرف ایک باشندہ ہے۔ دوسری بڑی بھاری یہ خرابی کہ وجودی انتشار کے لحاظ سے وہ بے شمار روحوں کے مقابل پر ایک ذرّہ کی طرح ٹھہرا کیونکہ بلاشبہ دو قدیم الوجود کا **وجودی انتشار** ایک قدیم سے بہت زیادہ ہوتا ہے پس جبکہ کروڑ ہا روحیں جن کا شمار اسی خالق کو معلوم ہے وید کے رو سے قدیم اور واجب الوجود ٹھہریں تو پرمیشر بیچارہ کا وجود ان بے شمار قدیم وجودوں کے آگے کیا ہستی اور حقیقت رکھتا ہے۔ بلاشبہ بہت سے قدیم وجودوں کا **وجودی انتشار** ایک وجود سے اس قدر زیادہ ہوگا کہ اس کو کچھ بھی ان سے نسبت نہیں ہوگی۔ تیسری بڑی شنیع خرابی یہ ہے کہ جب پرمیشر کی روح اور دوسری تمام روحیں قدامت اور واجب الوجود ہونے میں ایک ہی خصلت اور سیرت اور خاصیت رکھتے ہیں تو وہ خواہ نخواہ متحد الحقیقت بھی ہوں گے☆ لیکن ﴿۵۲﴾

فٹ نوٹ

☆ ویدوں میں اس بات کا بہت تذکرہ ہے کہ پرمیشر کی روح اور دوسری چیزوں کی روح متّحد الحقیقت ہیں۔ چنانچہ **یجر وید** میں ایک شرتی یہ ہے منش کی آتما (روح) کہتی ہے کہ وہ پرمیشر جو سورج میں ہے میں ہی ہوں۔ دیکھو یجر وید

ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۲۶۳ میں پنڈت دیانند اقرار کر چکے ہیں کہ روح ایک دقیق جسم ہے جو بدن سے نکلنے کے بعد شبنم کی طرح زمین پر گرتی ہے اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر کسی گھاس پات وغیرہ پر پھیل جاتی ہے۔ اب ہمارا اعتراض یہ ہے کہ اگر روح جسم وجسمانی چیز ہے تو اس سے لازم آ گیا کہ بموجب ہدایت وید پرمیشر بھی ضرور جسم وجسمانی ہوگا۔ اور وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زمین پر گرنے اور کھائے جانے کے قابل ہے شائد اسی خاصیّت کے رو سے اندر پرمیشر کی روح زمین پر گر کر کوسیکا رشی کی جورو کے پیٹ میں جا ٹھہری تھی جس کی نسبت رگوید اشتک اول میں صاف صاف یہی بیان درج ہے۔ اب اے آریو! **مبارک باد** کہ تمہارے پرمیشر کی ساری حقیقت کھل گئی اور خود دیانند کی گواہی سے ثابت ہوگیا کہ تمہارا پرمیشر ایک دقیق جسم ہے جو دوسری روحوں کی طرح زمین پر گرتا اور ترکاریوں کی طرح کھایا جاتا ہے تب ہی تو وہ کبھی **رام چندر** بنا اور کبھی کرشن اور کبھی مچھ اور ایک مرتبہ تو **خوک**

بقیہ حاشیہ ادھیائے چالیس منتر سترہ۔ پھر رگ وید بھاگ ۲۔ سکت ۹۰۔ منڈل ۱۰۔ منتر اول میں لکھا ہے کہ پرمیشر کی ہزار آنکھیں اور ہزار سر اور ہزار پاؤں ہیں۔ دوسرے منتر میں ہے کہ سب روحیں اسی کی روح ہیں۔ اور جو کچھ ہے وہی ہے اور تھا بھی وہی۔ اور منتر چہارم میں ہے کہ زمین کی تمام مخلوقات اس کا چوتھا حصہ ہے اور تین حصے آسمان پر ہیں یہ وہ شرتیاں ہیں جن سے ویدانت کے مسائل نکالے گئے ہیں۔ اب پنڈت دیانند کے چیلے خواہ ان شرتیوں کے معنے کسی طور پر کریں مگر بہرحال یہ تو خود دیانند کے اقرار سے اور نیز ان شرتیوں سے ثابت ہے کہ پرمیشر کی روح اور دوسری روحیں متّحد الحقیقت ہیں۔ پس جبکہ دوسری رُوحیں وید کے رو سے ایک جسم دقیق ہیں تو ایسا ہی پرمیشر کی روح بھی ایک جسم دقیق ٹھہری۔ منہ۔

یعنی سُور بن کر اور خوکوں کے موافق غذائیں لطیف کھا کر اپنے درشن کرنے والوں کو خوش کر دیا۔ تعجب کہ جن کے پرمیشر کا یہ حال ہو وہ قرآن شریف پر اعتراض کریں کہ اس میں ایسی کوئی آیت نہیں کہ خدا تعالیٰ کو جسم و جسمانی ہونے سے پاک قرار دیتی ہو حالانکہ قرآن شریف کی پہلی آیت ہی یہی ہے کہ ﴿۵۳﴾ خدا تعالیٰ جسم اور جسمانی ہونے سے پاک ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1] یعنی خدا ہی کو سب تعریف اور حمد اور مدح ہے وہ کیسا ہے! تمام عالموں کا ربّ ہے جس کی ربوبیت ہر یک عالم کے شامل حال ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عالم ان چیزوں کا نام ہے جو معلوم الحدود ہونے کی وجہ سے ایک صانع محدد پر دلالت کریں اور لفظ عالم کا اسی معلوم الحدود ہونے سے مشتق کیا گیا ہے اور جو چیز معلوم الحدود ہے وہ یا تو جسم اور جسمانی ہوگی اور یا روحانی طور پر کسی حدّ تک اپنی طاقت رکھتی ہوگی۔ جیسی انسان کی روح۔ گھوڑے کی روح۔ گدھے کی روح وغیرہ وغیرہ حدود مقررہ تک طاقتیں رکھتی ہیں۔ پس یہ سب عالم میں داخل ہیں اور وہ جو ان سب کا پیدا کنندہ اور ان سے برتر ہے وہ خدا ہے۔ اب غور سے دیکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں نہ صرف یہ ظاہر کیا کہ وہ جسم اور جسمانی ہونے سے برتر ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ تمام چیزیں معلوم الحدود ہونے کی وجہ سے ایک خالق کو چاہتی ہیں جو حدود اور قیود سے پاک ہے۔ اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ آریوں کی عقل کو کس قدر تعصّب نے مار لیا ہے کہ جو مضمون قرآن شریف کی پہلی آیت سے ہی نکلتا ہے اس پر بھی نظر نہیں کی اور علمیت کا یہ حال کہ یہ بھی خبر نہیں کہ عالم کسے کہتے ہیں حالانکہ عالم ایک

[1] الفاتحہ: ۲

ایسا لفظ ہے جو ہر یک **فلسفی** اور حکیم اس کے یہی معنے لیتا ہے اور قرآن شریف کی عام اصطلاح میں اوّل سے اخیر تک یہی معنے اس کے لئے گئے۔ اور دنیا کی تمام پابند الہامی کتابوں کے بجز نرے اندھوں کے یہی معنے لیتے ہیں۔ سو اس فاش غلطی سے آریوں کی دماغی روشنی کی حقیقت کھل گئی۔ اب ایک چلّو پانی میں ڈوب مریں کہ ایسی فاش غلطی کھائی۔ ہم انشاء اللہ رسالہ **قرآنی طاقتوں کے جلوہ گاہ** میں یہ ثابت کر کے دکھلائیں گے کہ وید تو خود دشمن صفات الٰہی ہیں اور کوئی دوسری کتاب بھی ایسی نہیں جو صفات الٰہی کے پاک بیان میں قرآن شریف کا مقابلہ کر سکے۔ ہاں **بائیبل** میں کچھ صداقتیں تھیں مگر عیسائیوں اور یہودیوں کی خائنانہ دست اندازیوں نے ان کے خوبصورت چہرہ کو خراب کر دیا۔ اب قرآن شریف کی تو یہ مثال ہے کہ جیسی ایک نہایت عالی شان عمارت ہو جس میں ہر یک ضروری مکان قرینہ سے بنا ہوا ہے نشست گاہ الگ ہے باورچی خانہ الگ۔ خواب گاہ الگ۔ غسل خانہ الگ۔ اسباب خانہ الگ۔ اردگرد نہایت خوشنما باغ اور نہریں جاری اور دیا نتدار خادم اور محافظ جابجا موجود۔ لیکن بائبل کی یہ مثال ہے کہ اگرچہ ابتدائی زمانہ میں کسی قدر اپنے اندازہ پر اس کی بھی عمارت عمدہ تھی ضرورت کے مکان اور کوٹھریاں اور نشست گاہ وغیرہ بنی ہوئی تھیں ایک باغیچہ بھی اردگرد تھا۔ اتنے میں ایک ایسا زلزلہ آیا کہ مکان بیٹھ گیا۔ درخت اکھڑ گئے۔ نہروں اور صاف پانی کا نشان نہ رہا۔ اور امتداد زمانہ سے بہت سا کیچڑ اور گندگی اینٹوں پر پڑ گئی۔ اور اینٹیں کہیں کی کہیں سرک گئیں۔ وہ قرینہ کی عمارت اور اپنے اپنے موقعہ پر موزون اور پاکیزہ مکان جو تھے وہ سب نابود ہو گئے۔ ﴿۵۴﴾

ہاں کچھ اینٹیں رہ گئیں جن کو چوروں نے اپنی مرضی کے موافق جس جگہ چاہا رکھا۔ درختوں کا بھی یہی حال ہوا کیونکہ وہ گر جانے سے بجز جلانے کے اور کسی لائق نہ رہے۔اب بیابان سنسان پڑی ہے بجز نالائق چوروں کے اور کوئی سچا خادم بھی نہیں اور خود مسمار شدہ گھر اور گرے ہوئے باغ میں سچے خادم کا کیا کام۔

خیر عیسائیوں کی خرابیوں کا تو اس جگہ ذکر کرنا موقعہ نہیں صرف آریوں کے تعصّبات کو دکھلانا منظور ہے۔ میں نے آج تک کسی کی جہالت پر ایسا تعجب نہیں کیا اور نہ کسی کے تعصب سے میں ایسا حیرت زدہ ہوا جیسا **ان سوجاکھے** آریوں کے قول سے کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کو جسم اور جسمانی بتلاتا ہے اور تنزیہ کی آیت کوئی نہیں۔ کیسے اندھے ہیں کیا وہ جو اپنے کلام کے شروع میں ہی اپنی ذات کو عالمین سے برتر اور ان کا ربّ بتلاتا ہے وہ اس بات کا قائل ہوسکتا ہے کہ میں عالمین میں داخل اور جسم اور جسمانی ہوں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا جس کی تعلیم اس قدر عالی ہے کہ اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ[۱] فرماتا ہے کہ جدھر منہ پھیرو اُدھر ہی خدا ہے۔ کیا وہ جو کہتا ہے کہ اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ[۲] نمبر ۱۸ کہ اس کا نورِ قدرت ساری زمین و آسمان اور ذرّہ ذرّہ کے اندر چمک رہا ہے۔ کیا وہ جو فرما رہا ہے کہ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ[۳] الجزو نمبر ۳۔ کہ وہی معبود برحق ہر یک چیز کی جان اور ہر یک وجود کا سہارا ہے۔ کیا وہ جو بتلا رہا ہے کہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۴] الجزو نمبر ۲۵۔ لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَ ہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ[۵] کہ اس کی مانند کوئی بھی چیز نہیں بصارتیں اور بصیرتیں اس کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتیں اور

۱ البقرہ: ۱۱۶ ۲ النور: ۳۶ ۳ اٰل عمران: ۳ ۴ الشوریٰ: ۱۲ ۵ الانعام: ۱۰۴

اُس کو ہر یک نظر اور فکر کی حدود معلوم ہیں ۔ کیا جس نے یہ کہا کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[1] الجزو ۲۶۔ کہ میں انسان سے ایسا نزدیک ہوں ﴿۵۵﴾
کہ ایسی اس کی رگ جان بھی نہیں ۔ کیا جس نے یہ فرمایا کہ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا[2] الجزو نمبر ۵ کہ خدا وہ ہے جو ہر یک چیز پر احاطہ کر رہا ہے ۔ کیا ایسی پاک اور کامل کی نسبت کوئی عقلمند شبہ کر سکتا ہے کہ اس نے خدا کو جسم اور جسمانی ٹھہرا کر بزُمرہ عالمین داخل کر دیا ہے ۔ مگر جو کچھ ویدوں پر وارد ہوتا ہے میں نہیں جانتا کہ آریہ لوگ اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں ۔ ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ویدوں کی رو سے خدا تعالیٰ ایک باریک جسم ہے جو شبنم کی طرح زمین پر گرنے کے قابل ہے اور انشاء اللہ رگوید کی اور کئی شرتیاں بھی بطور نمونہ لکھی جائیں گی اور چونکہ خداوند کریم نے لاکھوں دلوں میں ہماری نسبت اخلاص اور محبت کو ڈال دیا ہے یہاں تک کہ امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں بھی بہت سی شہرت دے کر کئی نیک خیال اور بہت عمدہ سنسکرت دان لوگوں کو اس طرف رجوع دے دیا ہے اس لئے ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ اگرچہ کچھ بھی ضرورت نہیں مگر ان دوستوں کی امداد سے اس **کاگ بھاشا** یعنی سنسکرت کی اصل شرتیاں اور نیز انگریزی عبارت بھی جو ویدوں کا ترجمہ ہے کبھی کبھی رسالہ میں درج ہوا کرے کیونکہ بہت سے قابل آدمی اس خدمت کے لئے بھی موجود ہیں اگرچہ ہم ایسا کرنے کو مستعد ہیں اور توفیق الٰہی نے سارا سامان اس کا مہیا کر دیا ہے مگر پھر بھی آریوں پر ہرگز امید نہیں کہ وہ اپنے بدنام کنندہ تعصب کا منہ کالا کر کے انصاف کی طرف قدم اٹھاویں کیونکہ صریح دیکھا جاتا ہے کہ جن انگریزوں نے سنسکرت میں

[1] ق:۱۷ [2] النساء:۱۲۷

بڑے بڑے کمالات پیدا کئے اور جن لائق برہموؤں نے اس گم گشتہ زبان میں بڑی بڑی لیاقتیں پیدا کیں یہاں تک کہ ویدوں کے بھاش بنائے ان فاضل لوگوں کی رائے کو بھی ان حضرات نے قبول نہیں کیا۔ آپ کو تو اُنہیں وید کا مکھی برابر بھی علم نہیں صرف دیانندی خیالات پر گزارہ ہے مگر دوسروں کے سامنے باتیں بناتے ہیں۔ ہریک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کسی مذہب پر اعتراض کرنے کے لئے ان کے مسلّمہ اصولوں کو معلوم کر لینا کافی ہے کیونکہ درحقیقت اصول ہی مرکز دائرہ مذہب ہوتے ہیں اور انہیں پر بحث ہوتی ہے۔ اگر مسلمانوں کو بغیر سنسکرت پڑھنے کے ہندوؤں کے ساتھ بحث جائز نہیں تو پھر ہندوؤں کو بغیر عربی پڑھنے کے مسلمانوں پر کوئی اعتراض کرنا کب جائز ہے۔ اندرمن کون سی عربی پڑھا ہوا ہے لیکھرام کو کیا ایک آیت پڑھنے کی تمیز ہے اور پھر یہ دونوں نرے کودن اور عربی سے سراسر جاہل کیا استحقاق رکھتے ہیں کہ قرآنی تعلیم اور عقائد کا نکتہ چینی کے طور پر نام بھی لیں۔ انہیں تو اپنے سنسکرت کی بھی خبر نہیں ﴿۵۶﴾ چہ جائیکہ عربی کے دو لفظ بھی جوڑ سکیں۔ یا صحیح پڑھ سکیں۔ اور دیانند تو اردو پڑھنے سے بھی بے نصیب تھا تو پھر کیوں اس نے مسلمانوں کے ساتھ بحثیں کیں اور بہت کچھ وید بھاش اور ستیارتھ پرکاش میں اپنی بدبودار جہالت کا گند چھوڑ گیا۔ سو مسلمان اس طریق پر ہرگز اعتراض نہیں کریں گے کہ کسی کو عربی نہیں آتی بلکہ وہ دیکھیں گے کہ جس بات پر اعتراض کیا گیا ہے وہ درحقیقت ہمارا اصول ہے یا نہیں پھر جیسی صورت ہو ویسا عمل کریں گے۔

پارلیمنٹ لنڈن میں صدہا اپیل ہندوستانی عدالتوں کے انگریزی میں

پیش ہوتے ہیں مگر حکام مجوز پر ہرگز یہ اعتراض نہیں ہوتا کہ تمہیں تو اردو کی ہی خبر نہیں تم فیصلہ کیا کرو گے کیونکہ جب بیانات فریقین اور گواہوں کی شہادت یا تحریری ثبوت اور ماتحت حکام کی رائیں صحیح طور پر انگریزی میں ترجمہ ہوچکیں پھر اردو کی کیا حاجت رہی۔ سو ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہی سودائیوں کی طرح آریوں کے دل میں وہم بیٹھا ہوا ہے تو کیوں وہ بہ ثبت مواہیر اپنا نیا عقائد نامہ چھپوا نہیں دیتے جس میں بہ تفصیل لکھا جائے کہ ہم پہلے عقائد مشتہرہ سے دست بردار ہیں اور اب نئے عقیدے ہمارے یہ ہیں۔ پھر دیکھیں کہ ان عقیدوں کی بھی کیسی خبر لی جاتی ہے۔

میں قطعاً و یقیناً کہتا ہوں کہ عام ہندوؤں کا وید وید کرنا اسی زمانہ تک ہے کہ جب تک انہیں ویدوں کے مضامین کی خبر نہیں کیا خوب ہو کہ گورنمنٹ انگریزی عامہ خلائق کا دھوکا دور کرنے کے لئے ویدوں کا تحت اللّفظ اردو ترجمہ ایک ایسی منتخب سوسائٹی سے کراوے جس میں آریوں کے لائق ممبر بھی شامل ہوں اور چند فاضل برہمو اور انگریز بھی اس کمیٹی میں داخل ہوں اور پھر وہ ترجمہ عام طور پر ہندوؤں وغیرہ میں تقسیم کیا جائے۔ ہندوؤں کو ویدوں سے یہاں تک بے خبری ہے کہ گائے بیل کا نہ مارنا بھی ایک مذہبی عقیدہ سمجھا گیا ہے اور کھانا تو درکنار اس گوشت کا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے حالانکہ منوشاستر جس پر پنڈت دیانند بہت سا اپنی باتوں کا مدار رکھتے ہیں بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ بیل کا گوشت کھانا نہ صرف جائز بلکہ بڑے ثواب کی بات ہے اور رگ بید اشٹک اوّل میں لکھا ہے کہ جس کھال سے ہوم کے اعمال ادا ہوتے ہیں وہ ضرور گائے کی کھال چاہیے۔

﴿۵۷﴾ مگر اب گائے کے ذبح کرنے سے بڑھ کر ہندوؤں کے نزدیک اور کوئی گنہ کبیرہ نہیں اگرچہ ابھی تک پہاڑی راجے اپنے مقرری دنوں میں **بھینسوں** کو تلوار سے کاٹتے ہیں اور جوالامکھی اور دوسری کئی جگہوں پر دیویوں کو خوش کرنے کے لئے یہ کام ہوتے رہتے ہیں۔ مگر کبھی تعصب کے پردوں سے اس طرف خیال نہیں آتا کہ یہ اسی ویدک حکم کے آثار باقیہ ہیں۔ **یجروید** ادھیائے چوبیس منتر ۲۷ میں صاف لکھا ہے کہ براسپتی کے لئے گائے کی قربانی کی جائے اور **رگوید** اشتکا ۲۔ ادھیا ۳۔ سوکت ۶ میں اس گوشت کے کھانے کی صریح اجازت ہے بلکہ رگوید منڈل ۶ سوکت ۱۶ میں بڑی محبت سے لکھا ہے کہ گائے کا گوشت سب سے عمدہ خوراک ہے۔ پھر رگوید اشتک چار ادھیا ایک میں تذکرہ کے طور پر بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ تین سو **بھینسوں** کی سوختنی قربانی ہوئی اور حال میں جو ایک پنڈت صاحب کی طرف سے ایک کتاب کلکتہ میں چھپی ہے جس کی کاپیاں جابجا مشتہر ہوئی ہیں وہ نہ صرف جائز بلکہ بڑے زور سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں گائے کا گوشت بڑے شوق سے کھایا جاتا تھا اور عمدہ عمدہ چربی دار ٹکڑے برہمنوں کے نذر ہوتے تھے اور رگوید اشتک اول کی ایک شرتی کی شرح میں **پروفیسر ولسن صاحب** لکھتے ہیں کہ ایک بڑی محکم گواہی وید کی اس بات پر ہے کہ وید کے زمانہ میں عام طور پر گائے کا گوشت کھایا جاتا تھا اور جابجا ہندوؤں کی دکانوں میں بکتا تھا۔

اب انصاف کرنے کی جگہ ہے کہ جس گائے کے کھانے کے لئے یہ تاکیدیں ہیں اب اس کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آریوں کو وید

کی کچھ بھی پروانہیں وہ صرف دکھانے کے دانت رکھتے ہیں نہ کھانے کے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ وید کی مشرکانہ تعلیم کیسی سارے جہان میں مشہور ہورہی ہے چوداں کروڑ ہندو اس میں گرفتار ہیں جگناتھ اور گنگا کی طرف کیسے نعرے مارتے ہوئے ایک خلقت چلی جاتی ہے لیکن دیانند کو اسلامی توحید کا زور وشور دیکھ کر اب فکر پڑی کہ وید ہاتھ سے جاتا ہے اس کے لئے کچھ تدبیر کرنی چاہیے مگر درحقیقت اس نے ویدوں کا کچھ ہنر نہیں دکھلایا بلکہ کئی اور گند اس کے کھول گیا۔ انگلینڈ امریکہ جرمن فرانس میں ویدوں کا ترجمہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی نظر سے گزرا ہے مگر کسی کی بلا کو بھی خبر نہیں کہ وید میں توحید بھی ہے۔ انہیں انگریزوں نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا تو قرآنی توحید نے یورپ کے ملکوں میں ہل چل ڈال دی یہاں تک کہ **لائل**☆ صاحب اور **جون ڈیون پورٹ** وغیرہ نامی انگریزوں نے جن کی کتابیں ﴿۵۸﴾ حمایت اسلام وغیرہ چھپ کر ہندوستان میں بھی آ گئی ہیں قرآنی عظمتوں اور اس کی پاک توحید پر ایسی شہادتیں دیں کہ باوجود بہت سے موانع تعصب کے انہیں کہنا پڑا کہ فرقان مضامینِ توحید میں اور عیوب سے منزہ ہونے میں ایک بے مثل کتاب ہے جس کے عقائد بالکل عقل کے مطابق اور ایک حکیم کا مذہب ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی ایک فاضل انگریز بلنٹ نام جنہوں نے حال میں اسلام کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ توحید کو دنیا میں دوبارہ قائم کرنے والے پیغمبر اسلام ہیں۔ انہوں نے وحدانیت الٰہی کو اس اعلیٰ درجہ پر پھیلایا ہے کہ عرب کے ریگستان میں اب تک توحید کی خوشبو آتی ہے۔

اب بتلانا چاہیے کہ وید کی توحید کی نسبت کس ثالث نے گواہی دی دونوں

☆ Thomas Carlyle ۔(ناشر)

ترجمے قرآن اور وید کے انگلینڈ اور فرانس وغیرہ میں گئے آخران ثالثوں کی بھی رائے ہوئی کہ قرآن میں توحید اور وید میں شرک بھرا ہوا ہے۔

اب ہم اپنی پہلی تقریر کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے لئے یہ نہایت دل توڑنے والا واقعہ اور سخت صدمہ اٹھانے کی جگہ ہے کہ وہ حقیقی علامتیں ربانی کتاب کی جن کا ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں وید میں پائی نہیں جاتیں۔

(۱) وید میں خدا تعالیٰ کی خوبیاں نہیں بلکہ اس کے نقص اور عیب بیان کئے ہیں کہ وہ ایک ذرّہ کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں کیونکہ اصل الاصول وید کا وجوب تناسخ ہے اور مسئلہ دائمی تناسخ کے وجوب کا تبھی قائم رہ سکتا ہے کہ جب ہر یک چیز کو پرمیشر کی طرح غیر مخلوق سمجھا جائے اور نیز یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ جاودانی مکتی پانے کا راہ مسدود ہے سو کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہ رکھنا اور ہمیشہ کی مکتی دینے پر بھی قادر نہ ہونا یہ صریح اس ذات کا نقص اور عیب ہے جس کو تمام کائنات کا خدا اور پرمیشر کہا جائے۔

(۲) وید میں روحانی برکتیں اور پاک خاصیتیں بھی نہیں کیونکہ آریہ لوگ بلکہ تمام ہندو خود تسلیم کرتے ہیں کہ بجز وید کے رشیوں کے دوسروں پر حقیقی عرفان کا دروازہ بند ہے۔ حقیقی عرفان باتفاق جمیع عارفین اُس معرفت تامہ کا نام ہے جو قال کو حال کے آئینہ میں دکھلاوے اور علم الیقین کو حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچاوے یعنی جس گیان کو بچوں کی طرح کتاب میں پڑھا گیا ہے وہ خود اپنے نفس پر وارد بھی ہو جائے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ کامل مرید وہ ہے کہ ہو بہو اپنے مرشد کا ﴿۵۹﴾
رُوپ بن جاوے اور جو کچھ اصلی اور تفصیلی طور پر مرشد پر فیض ہوا تھا

اس پر ظلّی اور اجمالی طور پر وہی فیض ہو جائے۔ غرض تمام نقوش روحانی میں مرشد کا ایک نمونہ ٹھہر جائے یہی علت غائی کتاب الٰہی اور رسول کی ہے تا ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہو جائیں لیکن اس عرفان سے وید ہندوؤں کو جواب دے رہا ہے۔ ویدوں کے رو سے یہ بات غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص وید کی پیروی کر کے وہ سچّا گیان اور عرفان پا سکے جو بقول اُن کے رشیوں کو حاصل ہوا تھا یعنی محض قیل و قال سے ترقی کر کے براہ راست خدا تعالیٰ سے مکالمہ ومخاطبہ نصیب ہو جائے حالانکہ وید ہی اس بات کے قائل ہیں کہ بجز سچے گیان کے مکتی نہیں ہوسکتی۔ پس اس سے ثابت ہے کہ خود وید کے اقرار سے بجز چار رشیوں کے اور کسی ہندو کو مکتی نصیب ہی نہیں۔

غرض ویدوں میں کتاب الٰہی ہونے کی یہ علامت پائی نہیں جاتی کہ حقیقی عرفان کا دروازہ نہ صرف چار مجہول الاسم شخص پر بلکہ تمام دنیا پر کھولتے ہوں پس جب کہ جس مطلب کے لئے کتاب الٰہی آیا کرتی ہے وہ مطلب ہی ویدوں سے حاصل نہیں ہوسکتا اور گنہ سے پاک ہونا صرف ہزاروں جونوں کی سزا پر موقوف ہے تو وید کس مرض کی دوا ہیں۔

(۳) ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فعل سے ویدوں کی ہدایت کچھ مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ زمین وآسمان پر نظر ڈالنے سے صریح ہمیں نظر آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نہایت ہی کریم ہے اور سچ مچ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [۱] اس کی نعمتیں شمار سے خارج ہیں مگر ویدوں کی یہ تعلیم ہے کہ ایک ذرّہ بطور عطیّہ محض کے عطا نہیں ہوا بلکہ جو کچھ انسانوں کو

[۱] ابراهيم : ۳۵

ان کے آرام کی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں کے گذشتہ کرموں کا پھل ہے اور ان چیزوں کو ظہور میں لانے والے اصل میں انہیں کے اعمال ہیں گویا زمین' آسمان چاند سورج ستارے عناصر نباتات جمادات وغیرہ جن میں انسانی وجود کے لئے فوائد بھرے ہوئے ہیں وہ آریوں کے کسی پہلے نیک کرم سے وجود پذیر ہوئے ہیں اور اگر آریوں کے اعمال صالحہ نہ ہوتے تو نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا نہ چاند نہ سورج نہ ستارے نہ نباتات نہ جمادات غرض کچھ بھی نہ ہوتا۔ اب اے ناظرین بتلاویں کہ کیا اس سے بیہودہ تر دنیا میں کوئی اور مذہب بھی ہوگا اور نیز ایک طرف تو یہ لوگ ﴿۶۰﴾ گائے بیل گھوڑے وغیرہ حیوانوں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ کسی سابق بدعملی سے یہ پیدا ہوئے ہیں اور ایک طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے نیک عملوں نے ان کو گائے بیل وغیرہ بنایا ہے کیونکہ یہ ہمارے آرام پانے کی چیزیں ہیں۔ سو دیکھنا چاہیئے کہ ان کے خیالات میں کس قدر تناقض ہے ایک بات دوسری بات کو ردّ کرتی ہے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ کیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ سورج و چاند و زمین وغیرہ انسان کی پیدائش کے بعد اور اس کے نیک عملوں سے پیچھے پیدا ہوئے ہیں اور کیا یہ درست ہوسکتا ہے کہ جس قدر یہ نعمتیں ہیں ایک نالائق انسان اسی قدر عمل بھی کرتا ہے اور جیسے دام دیتا ہے اُسی قدر وہاں سے جنس بھی ملتی ہے آج کل اگر ایک چوہڑی یا ساہنسی کو بھی یہ صاف صاف باتیں سمجھائی جائیں تو اس کو سمجھنے میں ذرّہ بھی دقت نہ ہو۔ مگر یہ لوگ اب تک نہیں سمجھتے اور بڑے حیا سے ابھی تک مونہہ پر یہی بات ہے کہ اَور سب کتابیں ملمع اور کھوٹی ہیں۔ اور وید کھرا سونا ہے۔ سو اے منصفین ہم نے یہ وید کا سونا آپ لوگوں کے آگے رکھ دیا ہے اب آپ لوگ

خود سوچ لیں کہ کہاں تک اس سونے میں خالصیت بھری ہوئی ہے۔
(۴) ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کانشنس اور نور قلب سے جو ہم کو عطا کیا گیا ہے وید کی تعلیمیں مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ ہمارا کانشنس ہرگز ان باتوں کو قبول نہیں کرتا کہ جس پر ہماری ساری زندگی کا سہارا ہے اور جو ہماری ہریک تربیت کا سرچشمہ ہے وہ ایسا کمزور ہو کہ نہ تو از خود پیدا کر سکے نہ کوئی رحمت پہنچا سکے نہ ہمیشہ کے لئے نجات دے سکے نہ توبہ و استغفار سے ہمارا گناہ معاف کر سکے۔ نہ ہماری کوششوں سے ہمیں حقیقی عرفان تک پہنچا سکے غرض کچھ بھی نہ کر سکے۔ تو پھر ایسے کا ہونا کیا اور نہ ہونا کیا۔ اگر یہی پرمیشر ہے تو حقیقت عالم بالا معلوم شد۔ ویدوں کی تعلیم پرستش اس سے بھی عمدہ تر ہے۔ کسی قوم کو منصف مقرر کر کے دیکھ لو کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں ہوگا کہ وید مشرکانہ تعلیم سے خالی ہیں ہم نے ویدوں پر بہت غور کی اور جہاں تک طاقت بشری ہے ان کے معلوم کرنے کے لئے زور لگایا آخر ہم پر صاف کھل گیا کہ چاروں وید پرانے مخلوق پرستوں کے خیالات کا مجموعہ ہیں اور اس زمانہ کی بناوٹ ہیں کہ جب کہ سچے قادر تک لوگوں کو رسائی نہیں ہوئی تھی پس وہ لوگ جو علم الٰہیات میں پستؔ نگاہ رکھتے تھے انہوں نے زمانہ کا الٹ پھیر اور ﴿۶۱﴾ حوادث ارضی و سماوی میں اجرام سماوی و عناصر کا بہت کچھ دخل دیکھ کر یہی اپنے دلوں میں سمجھ لیا کہ اگر کوئی رب العالمین و مدبر عالم ہے تو یہی چیزیں ہیں ان کے سوا اگر کچھ ہے بھی تو وہ دخل در عالم سے معطل و بے کار ہے۔ سو درحقیقت نفی صفات الٰہی کرنا اور خدا تعالیٰ کو قادرانہ تصرف سے معطل سمجھنا یہی اصل موجب دیوتا پرستی اور تناسخ کا ہے۔ کیونکہ جب کہ خدا تعالیٰ اپنے مدبرانہ کاموں سے معطل خیال

کیا گیا تو حاجت براری کے لئے دیوتے گھڑے گئے اور تقدیری تغیرات اور انقلابات کو گزشتہ عملوں کا نتیجہ ٹھہرایا گیا۔ سو اس ایک ہی خیال سے یہ دونوں خرابیاں پیدا ہوگئیں یعنی اواگون اور دیوتا پرستی۔ آریہ سماج والے جنہوں نے ویدوں کی اصلاح کی اپنے ذمہ سرپرستی لی ہے بڑی جانکاہی سے پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں اور خواہ نخواہ کوشش کررہے ہیں کہ ویدوں کو مشرکانہ تعلیم سے پاک ٹھہرائیں مگر ان کے حق میں کیا خوب ہوتا کہ چاروں وید پردہ زمین سے ایسے نیست و نابود ہوجاتے کہ کوئی مخالف ان کی اندرونی آلائش دیکھنے کا موقعہ نہ پاسکتا۔

رہے وید کے علوم وفنون تو ان کی نسبت تو ہم کچھ بیان کرچکے ہیں اور کچھ اور بھی بیان ہوگا۔ بالآخر یہ بھی ظاہر کرنا قرین مصلحت ہے کہ ہم نے اس آریہ راقم رسالہ کی نسبت قادیان کے ہندوؤں سے سنا ہے کہ اس کی زبان پر سرسُتی چڑھی ہوئی ہے۔ سو اب ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا اس سرسُتی کے اتارنے کے لئے اسی قدر ہماری تحریر کافی ہے یا کسی اور تدارک کی بھی ضرورت ہے۔

================

ہندوؤں کے ویدوں کی کچھ ماہیت اور ان کی تعلیم کا کسی قدر نمونہ

پروفیسر ولسن صاحب اپنے ترجمہ رگوید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ رگوید کے ایک سو اکّیس منتروں میں سے جو اوّل اشتکا میں ہیں سینتیس صرف اگنی کی ہی تعریف میں ہیں یا اگنی کے ساتھ اور دیوتاؤں کی مہما ان میں درج ہے اور پینتالیس منتروں میں اندر کی مہما برنن ہے اور منجملہ باقی منتروں کے باراں منتر مروت یعنی ہوا کے دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں جو کہ اندر کے ہمراہی ہیں اور گیارہ اسونوںؔ کی تعریف میں ہیں جو کہ سورج کے پوتر ہیں۔ ﴿۶۲﴾ چار منتر صبح کے دیوتا کی تعریف میں ہیں اور چار وسویدیوا کی تعریف میں جن کو سربھو دیوتا بھی کہتے ہیں اور باقی منتروں میں ادنیٰ دیوتاؤں کی مہما برنن ہے۔ اس بیان سے صاف ہویدا ہے کہ اس زمانہ میں عناصر کی پرستش ہوتی تھی۔ **تمّ کلامُہ**

یہ پروفیسر ولسن صاحب مترجم وید کی رائے ہے جس کو انہوں نے اپنے ترجمہ رگ وید کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ اب ہم بطور نمونہ وہ چند شُرتیاں رگ وید کی اس جگہ تحریر کرتے ہیں جن کی صحت کو ہم نے نہ صرف ایک کتاب سے بلکہ کئی وسائل سے اور کامل واقف کاروں کی شہادت سے بپایہ ثبوت پہنچا لیا ہے پس اب آریوں کے لئے ہرگز یہ جائز نہیں ہوگا کہ صرف گردن ہلا کر ان شرتیوں

سے انکار کر دیں بلکہ انکار کی حالت میں ان پر واجب ہوگا کہ اگر یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے تو جس ترجمہ کو وہ صحیح سمجھتے ہیں وہ تحت اللفظ مع اپنی شرح کے شائع کرا دیں تا برہمو سماج کے فاضل پنڈت جو سنسکرت پستکوں کے بخوبی واقف ہیں ثالث کی طرح درمیان میں آ کر فیصلہ کر دیں اور اگر اب بھی آریہ صاحبان چپکے رہے تو پھر ان پر ڈگری ہے اور وہ شرتیاں یہ ہیں۔

رگوید سنھتا اشٹک اول

پہلا ادھیائے ۔ انوک ۔ ا

سکت ۔ ا

ا۔ میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا کر دکا رُکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑا ثروت والا ہے مہما کرتا ہوں ۔

شرح۔ شارح لکھتا ہے کہ جس لفظ سے ثروت والا ترجمہ کیا گیا ہے وہ لفظ سنسکرت کی اصل عبارت میں **رتنا دہاتما** ہے جس کے معنے ہیں جواہر رکھنے والا مگر رتن دولت کو بھی کہتے ہیں ۔ اس شرتی میں شاعرانہ تناسب کا بیان ہے یعنی آگ کو اوّل ایک ایسا دیوتا مقرر کیا گیا جس کو سب دیوتاؤں سے پہلے نذریں دینی پڑتی ہیں یعنی ہوم کا گھی وغیرہ پہلے پہل آگ ہی پر ڈالا جاتا ہے سو اس لحاظ سے وہ پہلا ﴿۶۳﴾
دیوتا ہے جس کی ویدوں میں سب سے پہلے تعریف ہوئی ہے بلکہ رگوید کی عبارت شروع ہی اگنی کی ہی تعریف سے ہوتی ہے اور جو نذریں دوسرے دیوتاؤں کو یہ اگنی دیوتا پہنچاتا ہے وہ کیا شے ہے؟ وہ ان بخارات سے مراد ہے جو گھی

وغیرہ کو آگ پر ڈالنے سے آگ میں سے اٹھتے ہیں اور ہوا میں جا ملتے ہیں۔ جو **وایو دیوتا** ہے اور پھر اندر دیوتا یعنی کرۂ زمہریر تک اس کا اثر پہنچتا ہے اور پھر دھرتی دیوتا پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ یہ تو اس شرتی کا مضمون ہے اور لفظی صنعت اس میں یہ ہے کہ آگ کو جس کا رنگ تاباں و درخشاں ہے **رتنا دہاتما** یعنی جواہر دار قرار دے دیا ہے کیونکہ آگ کی چمک کو جواہرات کی چمک سے ایک مناسبت ہے گویا اگنی ایک جوہر دار اور دولت مند دیوتا ہے جس کے پاس اس قدر جواہر ہیں جو دوسرے دیوتاؤں کو نذریں دیتا ہے۔

اب میں کہتا ہوں کہ یہ تناسب شاعرانہ تو سب ہوئے مگر کیا اس شرتی میں پرمیشر کا کہیں ذکر بھی ہے اے آریو کچھ انصاف کرو **ایماناً اپنی کانشنس** سے ہی پوچھ کر دیکھو کہ بجز اس باقرینہ معنوں کے کوئی اور بھی اس کے معنے بن سکتے ہیں ہرگز نہیں بن سکتے کیونکہ اگر **اگنی** سے **پرمیشر** مراد ہے تو پھر وہ دوسرے دیوتے کون سے ہیں جن کو پرمیشر نذریں پہنچاتا ہے اور نیز اس صورت میں شعر کا بھی ستیاناس ہو جائے گا کیونکہ اس نازک خیال **شاعر** نے آگ کو باعتبار چمکتے ہوئے رنگ کے ایک جواہر دار سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ آگ کو جواہر تاباں سے اور شاعر بھی تشبیہ دیتے آئے ہیں۔ **شیخ سعدی مرحوم** نے بھی ایک شعر میں آتش کو جواہرات سے تشبیہ دے دی ہے۔ پس اگر ہم اگنی سے مراد آگ نہ لیں بلکہ پرمیشر مراد لیں تو اس ساری لطافت کی مٹی پلید ہو گی لیکن ہم کسی طرح اگنی سے مراد پرمیشر نہیں لے سکتے کیونکہ اس سے آگے آنے والی شرتیوں سے اور بھی ویدوں کا **بھانڈا پھوٹ گیا** ہے۔ دیکھو اسی اگنی کی دوسری تعریف

اسی اشٹک انو کا ۴ سکت (۱) صفحہ ۵۷ میں یہ شرتی ہے اے اگنی جو کہ دو لکڑیوں کے باہم رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے اس پاک کٹی ہوئی کشا پر دیوتاؤں کو لا تو ہماری جانب سے اُن کا بلانے والا ہے اور تیری پرستش ہوتی ہے۔ اب آریوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا پرمیشر دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوتا ہے کیا اس سے کھلا کھلا کوئی اور نشان بھی ہوگا کہ شاعر نے لکڑیوں کا بھی ذکر کر دیا جو آگ کے بھڑکنے کا موجب ہے۔ پھر اگر اس شرتی پر بھی اعتبار نہ ہو تو ایک اور شرتی ذیل میں لکھی جاتی ہے اس کو پڑھو اور کچھ انصاف کرو اور وہ یہ ہے۔ اے اگنی نیک کاموں کو ترقی دینے والی جن دیوتاؤں کی ہم پوجا کرتے ہیں اُن کو مع اُن کی استریوں کے شریک کر اے روشن زبان والی انہیں سوم کا رس پینے کو دے۔ دیکھو اشٹک اول انو کا ۴ سکت ۳۔ ﴿۶۴﴾

دیکھو اس جگہ بھی شاعر نے باعتبار چمک کے اگنی کو روشن زبان کہا اور اس کا کام یہ بتلایا کہ وہ دوسرے دیوتاؤں کو اور نیز ان کی عورتوں کو سوم کا رس پلاتی ہے پس آگ کو اس کی بخار انگیزی کی وجہ سے دیوتاؤں کے ساقی خیال کیا گیا۔ اب سوچو کیا یہ پرمیشور ہونے کے لچھن ہیں پھر اگر یہ شرتی بھی دل کا دھڑکا دور نہ کر سکے تو لیجیئے ایک اور شرتی آپ کی نذر ہے۔

اے اگنی دیوتا اپنی چالاک اور طاقت ور گھوڑیاں جن کو بنام روہت نامزد کرتے ہیں اپنی رتھ میں جوت اور ان کے وسیلہ

یہاں دیوتاؤں کولا۔ دیکھووہی اشٹک انوکا ۴ سکت ۳۔
اس شرتی میں شاعر نے آگ کے تیز شعلوں کو گھوڑیوں کی شکل پر تصور کرلیا ہے اور آگ کی صورت مجموعی کو جو افروختہ ہورہی ہے ایک رتھ قرار دے لیا ہے اور مدعا اس کا یہ ہے کہ اس آگ سے بخارا ٹھیں گے اور ہوا وغیرہ میں پہنچیں گے جیسا کہ وہ ایک دوسری شرتی میں لکھتا ہے جس کا یہی انوکا اور یہی سکت ہے۔ اے اگنی تو اندروایو پرسپتی متراپشان پھاگا ادتیاون اورمروت کے گروہ کو نذر پیش کر۔ اندرکرہ زمہریر کا نام وایو ہوا کا نام اور باقی چاروں برسات کے مہینوں کے نام ہیں اورمروت مہینہ کی ہوائیں ہیں شاعر نے ان سب کو دیوتا مقرر کردیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اوّل حرارت سے ہی بخارات اٹھتے ہیں تو گویا اگنی بخارات کو اٹھا کر پھر انہیں اندروغیرہ کو وہ نذر پیش کرتی ہے تمام وید میں یہی جھگڑا بار بار ذکر کیا گیا ہے کہ پہلے پہل بخارات ہوا میں مل کر اندر کے پیٹ میں پڑتے ہیں جیسا کہ اسی اشٹک انوکا ۳ سکت ایک میں لکھا ہے اندر کا شکم سوم کا رس کثرت سے پینے کے باعث سمندر کی مانند پھولتا ہے اور تالو کی نمی کی مانند ہمیشہ تر رہتا ہے۔ انہیں کھانوں سے اندر کا پیٹ بھرتا ہے اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اے خوب صورت زنخدان والے اندر ان تعریفوں سے خوش ہو۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اندر کا ساقی اگنی ہی ہے اب ان تمام وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت اگنی سے مراد آگ ہی ہے اور لفظ اگنی کے عام اور لغوی معنے آتش کے ہیں تمام مسلسل بیان رگ وید کا ﴿۶۵﴾

اسی پر شہادت دے رہا ہے اور وید کے پہلے بھاشیکاروں نے بھی یہی معنے لکھے ہیں اور تناسبات شاعرانہ منتروں کے بھی اسی کو چاہتے ہیں اور جن صفتوں سے اگنی کو منسوب کیا گیا ہے وہ بھی آگ کی ہی صفتیں ہیں نہ پرمیشر کی۔ اور یہ خیال اکثر ہندوؤں کا قدیم سے چلا آیا ہے اور اب بھی ہے اور اسی بناء پر جوالا مکھی کی آگ کروڑوں ہندوؤں کی نظر میں ایک بڑی بھاری دیوی ہے چنانچہ ہم نے بہت سے ہندوؤں کو کہتے سنا کہ اس کل جگ کے زمانہ میں کسی چیز میں ست باقی نہیں رہا۔ مگر ایک **جوالا مکھی** میں۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ بہت سے ہندو آگ کو بھی پرمیشر سمجھتے ہیں اور ہندوؤں میں آتش پرستوں کے فرقے جنہیں **ساگنگ** کہتے ہیں اسی بنا پر جاری ہوئے ہیں۔ پنڈت دیانند بھی اپنے وید بھاش میں جس کو انہوں نے ۱۸۷۷ء میں بنارس کی **نیراس کمپنی** کے چھاپہ خانہ میں چھپوا کر مشتہر کیا تھا کئی مقام میں قبول کرتے ہیں کہ اگنی سے مراد آگ ہی ہے مگر اس کے دوسرے معنے پرمیشر بھی بتاتے ہیں اس لئے پرمیشر کے دو دو معنے انہیں کرنے پڑے اور بہت ٹکریں ماریں مگر اس بات میں کامیاب نہ ہوسکے ان کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ سیدھے الفاظ کو ناحق کی تکلیف سے **بیاکرن** کے ایک بے ضابطہ شکنجہ پر نہ چڑھاتے اور نہ اپنی طرف سے ایک بے سند لغات تراشی کرتے بلکہ **ہمہ اوست** ہونے کا دعویٰ کر کے **ویدانتیوں** کی طرح آگ اور ہوا اور پانی اور خاک وغیرہ کو خدا کہہ دیتے اس صورت میں شاید ویدوں کی کچھ پردہ پوشی ہوسکتی۔ بہرحال ہم آریوں کے لائق ممبروں سے خواستگار ہیں کہ وہ ان منتروں کی اپنے طور پر تاویل کر کے ہمارے بیان کے مقابل شائع

کریں اور پھر کسی ثالث کو دکھلا دیں اور دیانندی دھوکوں پر مغرور نہ رہیں اگرچہ ان کے اس وہم کا بڑا مشکل علاج ہے کہ دیانند ویددانی میں بڑا عالم فاضل تھا مگر تین باتوں کے سوچنے سے یہ مشکل ان کی آسان ہوسکتی ہے۔ ﴿۶۶﴾

اوّل یہ کہ جن دوسرے قدیم پنڈتوں سے دیانند نے اختلاف کیا ہے درحقیقت کثر☆ رائے انہیں کی جانب ہے وہی ہیں جو صدہا بلکہ ہزارہا برسوں سے ویدوں کی دیوتا پرستی کو شائع کرتے آئے ہیں۔

دوم یہ کہ عملی طور پر جس چیز نے نہایت متشرّع اور پرہیزگار ہندوؤں میں رواج پایا ہے وہ مخلوق پرستی کے عقائد ہیں جو ان کے ایسے مقامات میں جو متبرک اور چشمہ ہدایت خیال کئے جاتے ہیں ایسے وقتوں سے استحکام پذیر ہیں جن کا ابتدا معلوم کرنا مشکل ہے مثلاً شہر **بنارس** جو ہندوؤں کا ایک دارالعلم سمجھا گیا ہے جس میں برہمن اور پنڈت ہر ملک سے آکر دس دس باراں باراں سال تک زیر تعلیم رہتے ہیں یہ شہر شرک سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ شاید کوئی دوسری اس کی نظیر نہ ہو۔ اس شہر میں پنڈتوں کے بےشمار دیوتاؤں کے بےشمار مندر ہیں جن میں سے بعض کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نہایت ہی پرانے اور رشیوں کے وقت کے ہیں۔ یہ شہر گنگا کے مشرقی کنارہ پر طولاً ڈھائی میل اور عموماً ایک میل تک عرض میں آباد ہے۔ شاید اس نظر سے کہ گنگا بھی ایک بڑی دیوی ہے۔ اس کے کنارہ پر یہ آباد کیا گیا ہے اگرچہ ظاہری خوبی اس شہر میں کچھ ایسی نہیں مگر پھر بھی یہ خوبی سمجھی گئی ہے کہ مخلوق پرستی اس پر ختم ہے اکثر ہندو **بوڑھے** ہوکر اس شہر کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں کیونکہ

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' کثرت '' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

ان کے خیال میں اس میں مرنا سُرگ میں پہنچا دیتا ہے اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ وہی شہر ہے جس میں ہزاروں پنڈت ابتدا سے ہوتے چلے آئے ہیں اور اب بھی ہیں گویا یہ شہر ایک **وید مجسم** ہے لیکن ہر کوچہ وگلی میں اس **میل کچیل** کی طرح جو اس شہر کی گلیوں میں پائی جاتی ہے جابجا دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیں پرستش کے لئے نصب کی ہوئی نظر آتی ہیں۔ پس جب وید نے اسی شہر پر جو آریہ علماء کا ایک معدن شمار کیا جاتا ہے یہ اثر ڈالا نہ آج سے بلکہ ہزارہا سال سے تو اور اور جگہوں پر وہ کون سا نیک اثر ڈالے گا۔

سوم یہ کہ اگر ویدوں کا تحت اللّفظ ترجمہ کر کے (خواہ بڑے بڑے متعصّب آریہ اپنے ہاتھ سے کریں) کسی اور ملک میں بھیجا جائے مثلاً انگلستان میں یا امریکہ میں یا روس میں تو کوئی شخص ان منتروں میں توحید نہیں سمجھ سکتا چنانچہ اس کا تو تجربہ بھی ہو چکا۔ اب اگر فرض کے طور پر تسلیم بھی کر لیں کہ ویدوں میں گو بظاہر مشرکانہ تعلیم ہے مگر در پردہ اس کے اندر توحید چھپی ہوئی ہے تو ایسی **چیستوں اور پہیلیوں** سے خلق اللہ کو کیا ﴿۶۷﴾
فائدہ ہوگا اور پنڈتوں کے ہزاروں طرح کے موجودہ شرکوں پر کون سا نیک اثر پڑے گا۔ کیا ایسا کمزور اور ناتوان بیان اس سخت طوفان کو فرو کر سکتا ہے جو خود ہندوؤں کے بڑے بڑے **اچارج** اس کا موجب ہو رہے ہیں اور بڑے زور سے ادّعا کرتے ہیں کہ وہی مسائل صحیح ہیں جو ہم نے سمجھے ہیں اور وہی وید کے موافق ہیں۔ اگر کوئی پاک خیال پنڈت ہو نرا **بنارسی ٹھگ** نہ ہو تو وہ شہادت دے سکتا ہے کہ اب وید آپ اصلاح پانے کے لائق ہیں نہ یہ کہ حالت موجودہ کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

چہارم عقل خداداد کو دخل دینے کے وقت معلوم ہوگا کہ جن قرائن اور علامات اور صریح بیان سے ویدوں میں تعلیم مخلوق پرستی کی ثابت ہوتی ہے وہ سب دلائل قطعی اور یقینی ہیں۔ چنانچہ جابجا ہر یک منتر میں پنڈت دیانند نے بھی اپنے وید بھاش میں مان لیا ہے کہ حقیقت میں اگنی سے مراد آگ اور وایو سے مراد ہوا ہے۔ مگر اس کے دوسرے معنے بھی ہیں چنانچہ رگ وید اشتک اول کے دوسرے سکت کی پہلی تین منتر میں جو وایو کے مہما برنن میں ہیں ان میں بھی پنڈت دیانند نے اپنے وید بھاش میں قبول کرلیا ہے کہ اگنی اور وایو حقیقت میں آگ اور ہوا کے نام ہیں مگر یہ پرمیشور کے نام بھی ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ جن باتوں کا تمام دوسرے پنڈت دعویٰ کرتے ہیں ان کو آپ بھی اقرار ہے لیکن جو نیا خیال انہوں نے ظاہر کیا ہے دوسرے پنڈت اس سے سراسر منکر ہیں اور دیانند نے کوئی ایسے وجوہات بھی پیش نہیں کئے جو ایک ذرّہ اطمینان کے لائق ہوں۔ ہم نے اس کے وید بھاش کو غور سے سنا ہے اور ان فاضل برہموں کی تحریریں بھی دیکھی ہیں جو دیانندی خیالات کے استیصال کے لئے متوجہ ہیں۔ ہم بخدا سچ سچ کہتے ہیں کہ اس کے ہر یک فقرہ سے ہم کو ایک تحکم کی بدبو آتی ہے جو ایک موٹی سمجھ اور نالیاقتی سے ملا ہو اور ایک دہقانی اور گنواری تقریر میں بیان کیا گیا ہے اور میں ان خوش عقیدوں کو جنہوں نے اپنی فطرتی عقل کو بے کار چھوڑ کر اپنا دھرم اور ایمان دیانند کے حوالے کر دیا ہے اس روحانی موت میں ان لوگوں کی موت سے مشابہ پاتا ہوں جو اپنی سادہ لوحی سے اپنے تئیں **جگن ناتھ کی رتھ** کے پہیوں کے نیچے ڈال دیتے ہیں جو ان کو

بالکل کچل دیتے ہیں مگر ان کا تو جسم کچلا جاتا ہے مگر دیانندی وجود کی رتھ نے ہندوؤں کی سمجھ اور عقل کو کچلا ہے اور جیسے کسبیاں☆ جگن ناتھ کی مورت کے سامنے ناچتے ہوئے بے حیائی سے حرکتیں کرتی ہیں اور مختلف اوضاع کے ساتھ جو سراسر بے شرمی اور بے غیرتی سے صادر ہوتی ہیں اُس بے جان اور بے زبان مورت کو خوش کرنا چاہتی ہیں ایسا ہی آریوں کے چھٹے ہوئے اوباش خدائے تعالیٰ کے پاک نبیوں کو گالیاں دے کر دیانند کی روح کو اپنی دانست میں خوش کر رہے ہیں اگرچہ انہیں معلوم نہیں کہ وہ کہاں پڑا ہے اور کس حالت میں ہے جس قدر آریوں نے ہمیں گندی گالیاں نکالیں اور پُر دشنام خط لکھے اور قتل کر دینے کی ہمیں دھمکیاں دیں اس کا تو ہمیں افسوس نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ان کا مادہ ہی ایسا ہے لیکن خدائے تعالیٰ کے پاک نبیوں کو گالیاں دینا اور دل دکھانے والی توہین کرنا یہ طریقہ انہوں نے اچھا نہیں پکڑا۔ ہمارے ﴿۶۸﴾

☆ فٹ نوٹ ﴿۶۸﴾ خلیج بنگالہ میں جگن ناتھ ایک شہر ہے اور وہاں ایک مشہور مندر ہے جس میں جگن ناتھ کی مورت نصب کی ہوئی ہے۔ مذہبی میلوں کی تقریب پر یہ مورت ایک رتھ میں رکھی جاتی ہے جو شاید پندرہ سولہ پہیوں کا ہوتا ہے اور پھر اس مورت کو نہایت مکلّف پوشاک پہنا کر ایک مندر سے دوسرے مندر کو لے جاتے ہیں بڑے بڑے پنڈت اور سادھو ان میلوں میں جمع ہوتے ہیں جن کے لئے بقول ڈاکٹر برنی آر صدہا زانیہ عورتوں نے اپنا وجود وقف کیا ہوا ہوتا ہے باایں ہمہ وہ سب پنڈت اور سادھو خوش اعتقاد ایسے ہیں کہ اس رتھ کے پہیوں کے نیچے مرنے کو تیار ہوتے ہیں اور جو شخص اپنے تئیں رتھ کے پہیوں کے نیچے ڈال دے اور ان سے کچل جا کر اپنی جان گنوائے ایسے شخص کو ہندوؤں میں نہایت ہی مہاتما اور مقدّس سمجھا جاتا ہے۔ منہ۔

پاس جس قدر اُن لوگوں کے گمنام خط موجود ہیں اور جو کچھ لیکھرام پشاوری کی دستخطی تحریریں اب تک پہنچی ہیں جن کو ہم نے بہ حفاظت لکھا ☆ ہوا ہے اس سے ایک عقلمند نتیجہ نکال سکتا ہے کہ دیانندی مذہب نے ان کے دلوں پر کس قسم کا اثر کیا ہے۔

اب ہم اپنے پہلے مطلب کی طرف رجوع کر کے بدعویٰ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے وید ہرگز شرک سے خالی نہیں ہیں اور جس قدر ہم نے بطور نمونہ ویدوں کے منتر لکھے ہیں اسی قدر سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ویدوں میں بجائے توحید کے کیا بھرا ہوا ہے لیکن افسوس کہ پھر بھی غبی اور بدفہم آریہ دیانندی پیچ سے نکلنا نہیں چاہتے اور عقل اور انصاف دونوں کو چھوڑ کر سراسر تحکم کی راہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ضرور دیانند کی رائے صائب ہے اس دعویٰ میں چاروں طرف سے سخت ندامتیں بھی اُنہیں اٹھانی پڑتی ہیں مگر کچھ ایسے حیا شرم سے دور جا پڑے ہیں کہ کچھ بھی ان ندامتوں سے دردمند نہیں ہوتے ہمیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک آریہ نے ہمارے روبرو ذکر کیا ہے کہ سوامی جی دیانند نے اپنے وید بھاش میں ثابت کر کے دکھلا دیا ہے کہ اگنی وایو وغیرہ پرمیشر کے نام ہیں ہم نے کہا کہ تمہارے سوامی جی تو خود قبول کرتے ہیں کہ اگنی وایو سے مراد ان منتروں میں آگ اور ہوا بھی ہے دیکھوان کا وید بھاش متعلق اشٹک اوّل رگ وید سکت ا ہاں کھینچ تان کر اگنی اور وایو وغیرہ کا نام پرمیشور بھی رکھتے ہیں مگر اس پر اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں اور جو ہمارے پاس دلائل اس بات کے ہیں کہ ضرور اگنی وایو وغیرہ سے مراد آگ اور ہوا وغیرہ عناصر یا اجرام سماوی ہیں اُن کو نہ سوامی ﴿۶۹﴾

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے '' رکھا '' ہونا چاہیے۔(ناشر)

اور نہ اُن کا کوئی حامی توڑ سکتا ہے تب اُس آریہ نے پوچھا کہ بھلا آپ بتلائیں کہ وہ دلائل کون سے ہیں چنانچہ وہی قطعی اور یقینی وجوہات جو رگ وید کی شرتیوں کی تشریح میں ابھی ہم لکھ چکے ہیں وہ سب اُس ہندو کو سنائے گئے تب کچھ چپ رہ کر اور سوچ سوچ کر بولا۔ کیا سوامی جی نے اِس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس پر وید بھاش ان منتروں کا پیش کیا گیا کہ اگر کچھ جواب لکھا ہے تو تم ہی سنا دو پھر کیا تھا ایسا چپ ہوا کہ بے شرمی کے سارے حیلے دبے رہے اتفاقاً اردو رگوید کے کھولنے سے اس منتر پر جو اشٹک اوّل انوکا۔ ا۔سکت ۲ میں ہی نظر جا پڑی اے **عقیل منتر** اودرونا (یہ دونوں سورج کے نام ہیں) ہمارے یگ کو کامیاب کرو تم بہت آدمیوں کے فائدہ کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ بہتوں کو تمہارا ہی آسرا ہے تب اس آریہ کو یہ شرتی بھی دکھلائی گئی کہ دیکھو اس میں سورج کا مخلوق ہونا قبول کر کے پھر اس سے دعا بھی مانگ لی ہے بلکہ اُس پر آسرا بھی کیا ہے پس اس شرتی کا دکھلانا اُس آریہ کے حق میں ایسا ہوا کہ **جیسے کوئی مرے ہوئے سانپ کو ایک اور سونٹا مار دیتا ہے۔** یہ تمام ذلتیں آریوں کو پہنچتی ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان رسوائیوں کی کچھ بھی پروانہیں کرتے اور نہ تو اپنے خیالات کی تائید میں اور نہ ان عمدہ دلائل کی ردّ میں جو تقریری یا تحریری طور پر ان کو دکھلائے جاتے ہیں کسی قسم کا ثبوت عقلی یا نقلی دے سکتے ہیں ہاں گالیاں اور دشنام دہی کا گند اُن کے دلوں میں بہت ہے پس جو کچھ ان کی تھیلی میں ہے وہی ہر یک **سائل کو پُن دان** کی طرح دیتے ہیں اور ثواب کی امید رکھتے ہیں سچ ہے معقول بات کا معقول جواب دینا اُن لوگوں کا کام نہیں **جن کا پرمیشر ہی تمام**

روحوں اور ذرّہ ذرّہ عالم پر محض تحکم کے رو سے قبضہ رکھتا ہے نہ کسی معقول استحقاق سے جو دلیل کے ساتھ قابل تسلیم ہو۔

ہمارا خیال ہے کہ جس قدر علم کا زور اور بیان کی طاقت اور معلومات کی وسعت قدیم زمانہ کے آریوں میں پائی جاتی ہے اور جس دانش مندی سے اُنہوں نے ویدانت کے مسائل کو نکال کر ویدوں کی مشرکانہ تعلیم پر پردہ ڈالنا چاہا ہے اور ہمہ اوست کی چادر کو پھیلا کر اگنی وایو اندر سورج چاند وغیرہ کو ایک سہل طریق سے اس چادر کے نیچے لے لیا ہے یہ طریق تکلّفات سے خالی اور بہت کچھ ویدوں کی حمایت کرنے والا ہے کیونکہ بامذاق آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی طاقت عظمیٰ ہے جو سب تعیّنات میں کام کر رہی ہے لیکن اور بھی زیادہ تر غور کرنے سے ثابت ہوگا کہ موجودہ ویدوں کی تعلیم ہمہ اوست کے مسائل سے بھی تطبیق نہیں کھا سکتی کیونکہ بعض مواقع میں خالق کے ایک الگ وجود کو بھی مان لیا ہے اور ٹھیک ٹھیک مخلوق پرستوں کی طرح آتش و آب وغیرہ کو الگ کا الگ دیوتا قائم کر کے اس سے مرادیں مانگی ہیں اور دیوتاؤں کی بہت سی تعریف کی ہے کوئی چھوٹا کوئی بڑا کوئی بوڑھا کوئی جوان اور ہر جگہ مخلوق کے خواص کھلے کھلے بیان کر دیئے ہیں اور پاک دلوں کو نفرت دلانے والی تعریفیں اُن دیوتاؤں کی کی ہیں اور صاف صاف اپنے بیان کو اُس حد تک پہنچا دیا ہے جس سے بہ بداہت سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ بیان کنندہ اپنا مذہب مخلوق پرستی رکھتا ہے نہ اور کچھ۔ ﴿۷۰﴾

اور سب سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ کئی مقامات میں وید تناسخ یعنی اواگون

کا قائل ہے چنانچہ رگ وید کے پہلے ہی اشٹک میں کتنے منترا یسے ہیں کہ ایک صاف بیان سے اواگون کے مسئلہ کی تعلیم کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اواگون کے ماننے سے ویدانت کا مسئلہ قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ویدانت والے ہر یک روح کو مخلوق سمجھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ پرمیشر نے اپنے اختیار سے انسانی روح کو کسی حد تک طاقتیں بخشی ہیں اور آپ ہی ہر مخلوق کی حد بندی کی ہے سو یہ بیان اواگون کے مسئلہ کو باطل کرنے والا ہے کیونکہ مسئلہ تناسخ کے رو سے ہر یک مرد اور عورت اور انسان اور حیوان کی حد بندی اعمال سابقہ کی وجہ سے ہے اور سلسلہ اعمال سابقہ کا تبھی قائم اور محفوظ رہ سکتا ہے کہ جب ارواح کو غیر مخلوق قرار دیں ورنہ نہیں جیسا کہ ہر یک عقل سلیم سمجھ سکتی ہے سو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ویدوں کے رو سے تمام ارواح اور ذرّہ ذرّہ عالم کا غیر مخلوق ہی ہے اور جب ہر یک چیز ویدوں کے رو سے غیر مخلوق ہوئی تو وہی آفتیں وہی قباحتیں وہی خرابیاں پیش آئیں گی جن کا کسی قدر ہم ذکر کر چکے ہیں اور جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ سُرمہ چشم آریہ میں لکھا ہے پھر ہم تنبیہًا لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی سچی توحید ہرگز تناسخ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی جب تک آریہ لوگ تناسخ سے دست بردار نہ ہولیں تب تک خدائے تعالیٰ کی ﴿۷۱﴾
عظمت اور جلال پر ہرگز اُنہیں نظر نہیں پڑے گی منوجی کا مقدس پستک جس کو ایک طرف ہم ویدوں کا بھاش کہہ سکتے ہیں اور دوسری طرف آریوں کی **سوشل لائف** کی تواریخ متصور ہوسکتا ہے جس پر پنڈت دیانند نے بھی بہت کچھ مدار رکھا ہے اور آریہ سماج کی عمارت کا ایک ستون قرار دے دیا ہے اس میں علاوہ علم

عقائد کے حق العباد کے مسائل بھی وید کے رو سے ایسے عجیب عجیب بیان ہوئے ہیں کہ بس پڑھنے والا دریائے حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ ویدوں کو علاوہ کمالات توحید کے حق العباد بیان کرنے کا بھی خوب منصفانہ طریق یاد ہے۔

چنانچہ منوجی ویدوں کے رو سے فرماتے ہیں کہ اگر رذیل کی دختر سے کوئی شریف برہمن وغیرہ زنا کر بیٹھے تو کوئی دوش کی بات نہیں کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں لیکن اگر کمینی ذات کا کسی شریف زادی سے ایسی حرکت کرے تو جان سے مار دیا جائے یا وہ خون بہا ادا کرے جو لڑکی کے والدین مقرر کریں۔ دیکھو منوسنتھا ادھیا ۸۔ شلوک ۳۶۵۔ پھر شلوک ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ برہمن خواہ کتنے ہی بڑے جرم کا مرتکب ہو ہرگز **قتل نہ ہونا چاہیے برہمن کے قتل** کے برابر کوئی گناہ نہیں برہمن نیچ ذات کی لڑکی کو اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے اور اگر کسی نیچ ذات کے پاس سونا چاندی یا خوب صورت ہو تو برہمن انہیں اپنے تصرف میں لاسکتا ہے لیکن اگر کوئی نیچ ذات ایسا فعل کرے تو جلتے ہوئے لوہے کی چادر پر جلا کر مارا جائے۔

ایسا ہی اگر برہمن کسی شودر کو وید پڑھتا ہوا سن پائے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سکہ اور جلتی ہوئی موم ڈالی جائے۔ اگر وہ اس کی عبارت کو پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنی چاہیے اگر وہ اس کو حفظ کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا جسم چاک کر کے اس کا دل نکالا جائے۔ برہمن سب کا سرتاج ہے اگر کسی برہمن کا سرمایہ ویدوں کی تعلیم حاصل کرنے کے اندر ختم ہو جائے تو اس کو اختیار رہے کہ اپنی حاجت کی چیزیں کسی ویش یا شودر کے گھر سے خود چرالے یا چوری کروالے۔ بادشاہ کو ایسے مظلوم کی فریاد کو نہ پہنچنا چاہیے۔ شودر کی مکتی اسی میں ہے کہ برہمن کی خدمت

کیا کرے اور سب کام بے فائدہ ہیں نیچ ذات کو روپیہ جمع کرنے کی اجازت نہیں مبادا وہ مالدار ہوکر اونچی ذات کے لوگوں پر حکم کرے۔ (دیکھو منو سنتا ادھیا ۹ شلوک ۲۳) ﴿۷۲﴾

اب اگر کسی آریہ کو خیال ہو کہ منو جی نے ویدوں کے برخلاف لکھا ہے تو اوّل تو ایسا خیال خلاف قیاس ہے جس سے منو جی پر نہ صرف یہ الزام آتا ہے کہ انہوں نے دروغ گوئی کی بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ویدوں کے نہایت سخت دشمن اور اپنی ذات میں بدی اور شرک کی طرف مائل تھے پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ منو جی کی تکذیب کچھ آسان بات نہیں بلکہ اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ جب بہت سے بھاشیکار پہلے زمانہ کی گواہی دیں کہ ویدوں کا ان مضامین سے درحقیقت دامن پاک ہے اور یہ سب منو جی کے نفس امارہ کی بناوٹ ہے۔ مگر ایسی گواہی تب لائق پذیرائی ہوسکتی ہے کہ برخلاف ان تمام مضامین کے ویدوں کی شرتیاں پیش کی جائیں جو صاف صاف ان باتوں کا ردّ کرتی ہوں۔ **مگر کیا کسی آریہ کو جرأت ہے کہ ایسا کام کر دکھاوے۔** پس جب تک ایسی مجھوری☆ گواہی اور ایسے منتر ویدوں کے پیش نہ ہوں تب تک منو جی پر فرد قرارداد جرم قائم نہیں ہوسکتی بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ یہ سب وید ہی کی کرتوت ہے۔

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' جمہوری '' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

لیکھرام پشاوری کے علم اور عقل کا نمونہ

یہ وہی لیکھرام آریہ ہے جس نے ہماری نسبت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حضرت مسیح کی نسبت بہتان لگانا۔ گندیاں گالیاں دینا گندے اشتہار چھپوانا بے اصل توہین کو اعتراض کی صورت میں پیش کرنا اپنا دستور مقرر کر رکھا ہے۔

ہماری کتاب براہین احمدیہ کے ردّ میں اسی ہندو نے جس کا نام عنوان میں درج ہے چند اوراق چھپوائے ہیں اور جیسا کہ ان لوگوں کی عادت ہے بہت کچھ افترا اور بے جا توہین اور ایک بدبودار بیوقوفی کے ساتھ قرآن شریف پر اعتراض کئے ہیں۔ یہ کتاب جس کا نام تکذیب براہین احمدیہ رکھا ہے اس شخص کی لیاقت علمی و اندازہ عقلی کا ایک آئینہ ہے۔ ہمیں ہرگز امید نہیں کہ کوئی تمیز دار ہندو اس کتاب کو پڑھ کر پھر یہ رائے ظاہر کر سکے کہ اس
﴿۷۳﴾ کے مؤلف کو عقل اور فہم اور علم دین سے کچھ حصہ ہے یا تہذیب اور شرافت سے اس کی فطرت کو کچھ تعلق ہے۔ اس کتاب کی حقیقت سے ہمیں بخوبی واقفیت ہے اور ہمیں اس وقت ان ہندوؤں کی عقل پر نہایت افسوس ہے جنہوں نے ایک ایسے جاہل لایعقل کے سیہ کردہ کاغذات کو قیمتاً خریدنا چاہا ہے ہم عنقریب گند اور افترا اس جہل مجسم کا اپنی مبسوط کتاب براہین احمدیہ کے حصہ پنجم میں ظاہر کریں گے **اور نہایت صاف طور پر دکھلا دیں گے کہ آریوں کے لئے ایسے شخص کی رہنمائی اور اس کی یہ کتاب قابل شرم ہے یا نہیں**۔ اگر ہم چاہتے تو ردّ اس کتاب کا جو رسالہ کے طور پر ہمارے پاس تیار پڑا ہے اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے شائع کر دیتے لیکن ہم پہلے آریوں کی

عقل کو آزمانا چاہتے ہیں کہ وہ اس ہندو کی کتاب پر کیا کیا رائیں ظاہر کرتے ہیں۔ اور کہاں تک اس کا ساتھ دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں بہتوں کے اندازہ عقل وفہم وانصاف کا امتحان ہو جائے گا۔ جس شخص نے ہماری کسی کتاب کو پڑھا ہوگا وہ اگر چاہے تو شہادت دے سکتا ہے کہ ہماری تحریریں ملمع اور سرسری ہرگز نہیں ہوا کرتیں بلکہ ایک منصف اور عقل مند حاکم کی تحقیقات سے مشابہ ہیں جو مقدمہ کی تہہ کو پہنچ کر اور ہر یک تنقیح طلب امر کا پورا پورا تصفیہ کر کے پھر حکم صادر کرتا ہے۔ اب ہم بطور نمونہ پشاوری صاحب کے خیالات میں سے دو ایک باتیں ظاہر کرتے ہیں وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵ میں روحوں کے غیر مخلوق ہونے پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نہ تو روحیں ترکیب پذیر اور نہ منقسم ہونے والی چیزیں ہیں پھر ان کی پیدائش کس طرح ہوئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ روحیں انادی ہیں۔

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ کہاں تک اس شخص میں دلیل شناسی کا مادہ ہے اتنا نہیں جانتا کہ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ تو آریوں کی طرف سے خود ایک دعویٰ ہے کہ ان کا پرمیشر فقط جوڑنے جاڑنے پر قادر ہے اور جو چیزیں ترکیب پذیر یا منقسم ہونیوالی نہیں ہیں ان کو پرمیشر پیدا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ پرمیشر کا کام جوڑنا جاڑنا ہے۔ اس سے زیادہ اسے طاقت نہیں مگر اس سے☆ دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے کہ کیوں طاقت نہیں۔ اسی دعویٰ کو خوش عقیدگی سے لیکھرام نے بجائے دلیل پیش کر دیا ہے۔ اب لیکھرامی لیاقت کے جانچنے کیلئے یہی نمونہ کافی ہے کہ وہ ایسے دعویٰ کو جو اپنے مفہوم کے اثبات میں خود دلیل کا محتاج ہے دلیل سمجھ بیٹھا ہے گویا بیان کر رہا ہے کہ روحوں کے غیر مخلوق ہونے پر یہ دلیل ہے کہ ہم آریہ لوگ ﴿۴۷﴾

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ سے ‘‘ زائد ہے۔ (ناشر)

کسی بسیط اور نا قابل تقسیم چیز کو مخلوق نہیں مانتے اے **بھلے مانس کیا دلیل اسی بات کا نام ہے کہ جس چیز کو آپ نہ مانیں وہی نہ ماننا دلیل سمجھا جائے** پس جس شخص کو دعویٰ اور دلیل میں تفریق کرنے کا مادہ نہیں کیا وہ یہ حق رکھتا ہے کہ آریوں کی طرف سے وکیل بن کر مناظرہ ومجادلہ کے میدان میں آوے اور کیا ایسے وکیل کا ساختہ پرداختہ سب آریوں کو منظور ومقبول ہوگا۔ ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ جب دیانند نے یہ رائے ظاہر کی کہ میرے پرمیشر کو روحوں کی خبر نہیں کہ کہاں ہیں اور کتنے ہیں تو اس پر فی الفور منشی جیون داس نے پرچہ **سفیر ہند امرتسر** میں چھپوایا کہ دیانند کی ایسی ایسی رائیں ہرگز ہم قبول نہیں کریں گے وہ کچھ ہمارا رہبر نہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ دیانند اس شخص کی طرح نرا کاٹھ کا پتلا نہ تھا۔ ہاں جو کچھ وید میں برا بھلا لکھا ہے وہ کچھ ظاہر کر دیتا تھا اور کچھ تاویلوں کے شکنجہ پر چڑھا کر پوشیدہ کرنا چاہتا تھا جس میں وہ ناکام رہا۔ پس جبکہ باتمیز آدمیوں نے دیانند کی باتوں کو قبول کرنا نہ چاہا تو پھر لیکھرام کی یہ نئی منطق کیوں کر قبول کریں گے اور اگر قبول بھی کر لیں تو بہرحال اُمّید کی جاتی ہے کہ اس شخص کی یہ تحریریں جن کی بنا سراسر جہالت اور تعصب پر ہے آریوں کی اور بھی قلعی کھولیں گی۔ بھلا خیال کرنے کا مقام ہے کہ یہی تو آریوں کی طرف سے دعویٰ ہے کہ ارواح اور ذرّہ ذرّہ عالم کا خود بخود ہے۔ کیوں خود بخود ہے؟ یہی باعث کہ پرمیشر بجز باہم ترکیب دینے اور جوڑنے جاڑنے کے کسی بسیط چیز کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب اسی دعویٰ کو یہ لائق شخص بطور دلیل پیش کرتا ہے نہیں جانتا کہ دلیل تو وہ ہوتی ہے کہ جس کے مقدمات ایسے بدیہی الثبوت ہوں کہ جو فریقین کو ماننے پڑیں مگر کیا یہ امر متخاصمین کا مانا ہوا یا اصول موضوعہ میں سے ہے کہ بسائط کے پیدا کرنے پر خدا تعالیٰ قادر نہیں بلکہ یہ تو آریوں کا ہی بے دلیل اعتقاد ہے کہ جو ان کے پرمیشر

کے پرمیشر پن کی بکلّی بیخ کنی کرتا ہے کیونکہ جس حالت میں ان کا قول ہے کہ تمام روحیں اور ذرّہ ذرّہ عالم کا خود بخود ہے جو قدیم سے خود بخود چلا آتا ہے تو اس صورت میں ضرور یہ اعتراض ہوگا کہ ان چیزوں پر ان کے پرمیشر کا قبضہ کس قسم کا ہے **آیا کسی استحقاق کی وجہ سے یا جبر کے طور پر**۔ اگر کوئی استحقاق ہے تو ظاہر ہے کہ وہ خالقیت کا
﴿۷۵﴾ استحقاق ہوگا لیکن خالقیت کے تو آریہ قائل ہی نہیں تو پھر دوسری بات ماننی پڑی کہ جبر کے طور پر قبضہ ہے یعنی اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ پرمیشر اپنی زیادت طاقت کی وجہ سے کم طاقتوں پر غالب آ گیا۔ پھر جس کنوئیں یا خندق میں چاہا ڈالتا رہا۔ اب ظاہر ہے کہ محض جبر بلا استحقاق وہ چیز ہے جس کو دوسرے لفظوں میں ظلم کہتے ہیں۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ آریوں کے نزدیک پرمیشر سخت ظالم ہے جس نے بغیر ذاتی استحقاق کے خواہ نخواہ کروڑ ہا برسوں سے تناسخ کی گردش میں اُنہیں ڈال رکھا ہے اور گنہ یہی کہ تم میری کیوں اطاعت نہیں کرتے۔ بھلا تیری کیوں اطاعت کریں تو ہے کون اور تیرا استحقاق کیا ہے۔ کیا تو نے پیدا کیا یا بغیر گزشتہ کرموں کے اپنی طرف سے کچھ رحم یا کرم کرسکتا ہے یا ہمیشہ کے لئے دنیا کی بلاؤں سے چھوڑا سکتا ہے آخر تو کون سی چیز اپنی گرہ سے دے سکتا ہے تا تیری اطاعت کی جائے۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ بجز اس صورت کے کہ خدائے تعالیٰ کو اپنا خالق اور اپنا رب اور اپنا مبدء فیوض مان لیا جائے کوئی اور بھی صورت ہے جس سے اس کا استحقاق مالکیّت قائم وثابت ہو سکے اگر کسی آریہ کے ذہن میں ہے تو پیش کرے۔ تم سوچ کر دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ جو ہمارا خدا کہلاتا ہے اس کی خدائی کی اصل حقیقت ہی یہی ہے کہ وہ ایک

مبدءِ فیض وجود ہے جس کے ہاتھ سے سب وجودوں کا نمود ہے اسی سے اس کا استحقاق معبودیّت پیدا ہوتا ہے اور اسی سے ہم بخوشی دل قبول کرتے ہیں کہ اس کا ہمارے بدن ودل وجان پر قبضہ استحقاقی قبضہ ہے کیونکہ ہم کچھ بھی نہ تھے اسی نے ہم کو وجود بخشا۔ پس جس نے عدم سے ہمیں موجود کیا وہ کامل استحقاق سے ہمارا مالک ہے۔ اب حاصل کلام یہ کہ سب ارواح اور ذرّات عالم کو غیر مخلوق اور انادی مان کر اور باایں ہمہ خدا تعالیٰ کو رحم کرنے سے بھی خالی سمجھ کر ایک ذرّہ استحقاق الوہیت اس کا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا روحوں پر قبضہ ایک ناجائز قبضہ ہے کہ بجز جبر اور ظلم کے اور کوئی وجہ اس قبضہ کی پائی نہیں جاتی اور تطاول ظلم بھی حد سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا۔ جن پر ایک ذرہ رحم نہیں کر سکتا ان کو بے انتہا زمانہ سے بے وجہ و بے سبب تناسخ کی گردش اور ہزاروں دکھوں میں ڈال رکھا ہے ایک دفعہ مکتی دے کر اور اس امتحان گاہ میں پاس کر کے پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑتا پھر ناکردہ گناہ بار بار مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے ﴿۶۷﴾ کیا کوئی ایسا دل ہے کہ ایسے سخت طبع پرمیشر سے بیزار نہ ہو۔ ایسی سختی وہ کیوں کرتا ہے شاید اس کا یہ سبب ہو کہ کوئی ایسا زمانہ بھی گزرا ہو کہ روحوں نے بھی غالب آ کر اس پر کوئی سختی کی ہو۔ جس طرح اوّل اوّل راجہ راون راجہ رام چندر پر غالب آ گیا تھا اور رام چندر کو اس سے بہت کچھ قابل شرم دکھ پہنچا تھا۔ سو اسی طرح ممکن ہے کہ ایسا ہی پرمیشر کو بھی کسی زمانہ میں روحوں سے بہت دلآزار دکھ پہنچا ہو سو آج وہ انہیں ظالم روحوں سے اپنی کسریں نکال رہا ہے اور جس طرح رام چندر نے فتح یاب ہو کر لنکا کو جلا دیا تھا یہی ارادہ پرمیشر کا بھی ہندوؤں کے ساتھ معلوم ہوتا ہے

کہ روز بروز انہیں غارت ہی کرتا جاتا ہے۔ شاید مردے جلانے کی بھی یہی اصلیت ہوگی کہ پرمیشر کا قہران کے ظاہر و باطن پر بھڑکا ہوا ہے۔ سو اس نے مردوں میں بھی قہر کا نمونہ رکھنا چاہا۔ اسی وجہ سے ہر یک ہندو یقین دل سے جانتا ہے کہ مرنے کے بعد میری خیر نہیں ضرور کسی جون میں پڑوں گا۔ کیونکہ پرمیشر تو غفور و رحیم نہیں اور ایک گنہ کے بدلے لاکھوں جونوں کی سزا تیار اور گنہ سے تو کوئی فرد بشر خالی نہیں کیونکہ ایک دم غافل رہنا بھی گناہ ہے۔

اب اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو ماننے کے ساتھ اس کا خالق اور رحیم اور کریم ماننا لازم ملزوم پڑا ہوا ہے پس اس سے عمدہ تر خدا تعالیٰ کی عام خالقیت پر اور کیا دلیل ہوگی کہ وہ خدا ہی اسی حالت میں رہ سکتا ہے کہ جب اس کو تمام عالم کا خالق مانا جائے ورنہ نہیں۔ پھر ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ہم اس کو تمام عالم کا خالق نہ مانیں بلکہ جزوی طور پر صرف خودبخود موجود چیزوں کو جوڑنے جاڑنے والا سمجھ لیں تو اس کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ جب اصل وجود اشیاء کا جو ہزاروں صنعتوں سے بھرا ہوا ہے خودبخود ٹھہرا تو پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ اُن کے جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے۔ یہ سارا بیان رسالہ سرمہ چشم آریہ میں بہ بسط تمام مندرج ہے۔

دوسری دلیل روحوں کے غیر مخلوق ہونے پر اس عقلمند نے یہ لکھی ہے کہ جب کہ روحوں پر عدم نہیں تو حدُوث بھی لازم نہیں ہوتا لیکن یہ بھی دعویٰ ہے کہ جس پر کوئی دلیل نہیں اس قدر تو سچ ہے کہ آریوں کے نزدیک تمام روحیں یہاں تک کہ وہ کیڑے جو نجاست میں پڑ جاتے ہیں جیسے جوں اور پسّو اور کھٹمل اور دیمک وغیرہ سب لازوال روحیں ﴿۷۷﴾

ہیں جو کبھی معدوم نہیں ہوسکتیں لیکن محقق فلاسفروں نے اس کو قبول نہیں کیا اور حکیم ارسطا طالیس نے بڑی تحقیق سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قادر مطلق نے صرف انسانی روح کو ایسا بنایا ہے کہ وہ باقی رہے گی دوسری تمام روحیں نابود ہوجائیں گی بلکہ حکیموں کے نزدیک بعض روحیں ایسی ہیں جن کا طرفۃ العین میں حدوث وفنا کا وقت گزر جاتا ہے۔ افلاطون نے ایسا خیال کیا تھا کہ سب روحیں انسانی روح کی مانند قابل بقا ہیں مگر ارسطو وغیرہ حکیموں پر جو اس کے بعد تھے یہ غلطی کھل گئی جیسا کہ اب تک یہ دستور دیکھا جاتا ہے کہ متقدمین کی غلطیوں کی اصلاح کرنے والے متأخرین ہی ہوتے ہیں۔ حکماء جدید یورپ جنہوں نے نظام فیثا غورسی کے مطابق ہیئت کی تصحیح کی اور نظام بطلیموسی کی غلطیاں نکالیں اور عجیب عجیب تحقیقاتیں علم طبعی میں کیں انہوں نے بھی افلاطون کو اس خیال میں جھوٹا سمجھا کہ تمام ارواح ازلی و ابدی ہیں بلکہ بیکن وغیرہ حکماء اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی روح ازلی نہیں اور تمام روحوں میں سے صرف انسانی روح دائمی بقا کے لئے پیدا کی گئی ہے نہ دوسری حیوانات کی روحیں۔ غرض افلاطون کی رائے کو جمہور حکماء نے ردّ کر دیا اور افلاطون نے اور بھی کئی فاش غلطیاں کی تھیں جیسے مثل افلاطون کا مسئلہ جس کی وجہ سے بہت سی تشنیع اور لعنت ملامت اب تک اس کو ہوتی رہی ہے اور حکماء میں سے ایک گروہ جو دہریہ اور خدا تعالیٰ کا منکر ہے جن کا فرقہ آج کل یورپ میں کثرت سے پھیلتا جاتا ہے وہ انسان کی روح کو بھی بعد مفارقت بدن معدوم خیال کرتے ہیں اور آریہ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ ان کی قوم میں وہ فرقہ جو سب سے بڑھ کر ویدوں پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے اور قریباً تمام ہندو اسی فرقہ کے پیرو نظر

آتے ہیں جس کو ویدانتی کہتے ہیں اس فرقہ کا یہی مذہب ہے کہ ہریک روح پرمیشر سے ہی نکلا اور اس کے وجود کا ٹکڑا ہے اور پھر پرمیشر میں ہی گم اور معدوم ہوجاتا ہے جیسے ایک قطرہ دریا میں گر کر۔☆ اب اگرچہ آریوں کو بباعث مخالفت اصول تناسخ اور بربادی بنیاد اواگون اور دوسری قباحتوں کے خیال سے اس ویدانتی مذہب کا تسلیم کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا مگر تاہم وہ خوب جانتے ہیں کہ ویدانتیوں کے نزدیک روح کاملین کا اپنے تشخص سے معدوم ہوکر پرمیشر کی جز تھا۔ بہرحال روح کے معدوم ہونے کے وہ بھی قائل ہوئے کیونکہ جو چیز اپنا تشخص چھوڑ دیتی ہے تو پھر اس کو موجود نہیں کہا جاتا ایسا ہی آریوں میں بعض ناستک مت والے بھی قدیم سے چلے آئے ہیں جن کے اب تک شاستر بھی موجود ہیں وہ بھی بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ موت کے ساتھ ہی روح معدوم ہوجاتی ہے اور کچھ نام ونشان باقی نہیں رہتا۔ اب اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آریوں کا یہ اعتقاد کہ روح **من حیث الذات** اسی طرح واجب البقاء ہے جس طرح خدا تعالیٰ اور تمام مخلوق کی روح یہاں تک کہ وہ بے ثبات کیڑے جو ایک گندے پھل میں پڑ جاتے ہیں سب پرمیشر کی طرح ازلاً و ابداً واجب الوجود ہیں۔ یہ ایک محض دعویٰ ہے۔ ﴿۷۸﴾

☆ **فٹ نوٹ** ہندوؤں کی اکثر معتبر کتابوں میں پایا جاتا ہے کہ ہریک روح پرمیشر سے نکلی اور پرمیشر میں ہی نابود ہوجاتی ہے جیسا کہ ایک جگہ لکھا ہے کہ تمام جیو پرمیشر کے ہی کلے ہیں اور انجام کار اسی میں محو ہوجانے والے ہیں۔ دیکھو بھاگوت گیتا ادھیا ۱۳ سے ۱۵ تک۔ پھر لکھا ہے کہ پرمیشر نے چاہا کہ ایک سے انیک ہوجائے تب اس نے تپسیا کر کے ہریک چیز کو بنایا اور آپ جیو بن کر اس میں داخل ہوا وہ آپ ہی خالق اور آپ ہی مخلوق ہے وہی سچائی اور وہی جھوٹ ہے۔ **تیترا برھمن** صفحہ ۸۳۔ منہ ﴿۷۸﴾

جس کو آج تک کسی دلیل سے ثابت نہیں کیا گیا۔ مسلمان ہرگز ایسا نہیں مانتے کہ روح من حیث الذات واجب البقا ہے اور نہ کسی حکیم نے بجز ایک شخص مردود القول کے کبھی ایسا خیال کیا ہے اگر ہم لوگ ایسا مانتے تو ہمیں بھی آریوں کی طرح تسلیم کرنا پڑتا کہ تمام کیڑوں مکوڑوں کی روح ابدی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی ہیں لیکن نہ ہمارا اور نہ جمہوری حکماء کا یہ مذہب ہے ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ بغیر کسی ذاتی وجوب کے خاص ربانی عطا نے انسانی روح کو تعبّد ابدی کی مصلحت سے خلعت دائمی بقا کا بخشا ہے مگر یہ بقا حکمی ہے جو خاص انسان کے لئے تجویز کیا گیا۔ اگر وجوب ذاتی کے طور پر ہوتا تو کیڑوں مکوڑوں کی روح نے کیا گنہ کیا تھا جو اس وجوب سے مستثنٰی رکھے گئے۔ آخر وہ بھی تو روح ہی ہیں جیسے انسان کی روح۔ اب جبکہ اس تقریر سے ثابت و ظاہر ہوگیا کہ روح کا بحیثیت روح ہونے کے خدائے تعالیٰ کی طرح عموماً وکلیتاً واجب البقا ہونا یہ صرف آریوں کا دعویٰ ہے جس سے جمہوری رائے تمام حکماءِ و متقدمین و متأخرین کی مخالفت رکھتی ہے تو اس بے اصل و بے ثبوت دعوے کو بطور دلیل کے سمجھ لینا ایسی ہی عقل کا کام ہے جو لیکھرام کی کھوپری میں ہے۔ ﴿۷۹﴾

بالآخر ہم اس شخص کی کتاب تکذیب براہین احمدیہ کے دیکھنے والوں کو محض خیر خواہی کی راہ سے مطلع کرتے ہیں اور خداوند کریم واحد شاہد ہے کہ ہم سچ اور بالکل سچ کہتے ہیں کہ یہ شخص علم میں☆ وغیرہ علوم سے بالکل جاہل اور نہایت غبی طبع اور نادان محض ہے۔ ہاں گالیاں دینے اور بہتان لگانے اور گند بولنے میں چوہڑوں اور ساہنسیوں سے بھی بڑھ کر ہے پادریوں اور اندرمن

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’علم دین‘‘ ہونا چاہیے۔ (ناشر)

اور کنہیا لال الکھ دھاری کے بے اصل اعتراضات جو اسلام پر اور قرآن شریف پر انہوں نے کئے ہیں اور اپنی نادانی اور نابینائی کی وجہ سے ان باتوں کو محل اعتراض ٹھہرا لیا ہے جو عین حکمت اور اسرار حکمت و معرفت سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہی اعتراضات جو صدہا مرتبہ ردّ ہو چکے ہیں اردو رسالوں و اخباروں وغیرہ سے اس نے لے لئے ہیں۔ اگر کوئی صاحبِ حیا ہو تو ایک ہی جواب پا کر اور اپنی صریح غلطی اور نادانی دیکھ کر مارے شرم کے مر جائے مگر اس طبیعت کے لوگ مرا بھی نہیں کرتے شرم اور حیا سے فراغت جو ہوئی۔ ہم عنقریب آریوں کو دکھلائیں گے کہ ایسے شخص کا پیش رو بن بیٹھنا ان کے لئے **کلنک کا ٹیکا ہے یا نہیں۔**

گر نیاید بگوش رغبت کس   بر رسولاں بلاغ باشد و بس

تمت رسالۂ شحنۂ حق بعَونِ قادِرِ مُطلَقُ اَزْ تصنیفات جناب حافظ کلام رَبّانی محافظ الہام یزدانی جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان دام فیوضہ

﴿۳۰ ح﴾

حاشیہ متعلق صفحہ ۳۶۸ شحنۂ حق

دیانندی فریبوں کا ایک بڑا نمونہ یہ ہے کہ اس نے ہندوؤں کو مسلمانوں پر بدظن کرنے کے لئے اپنی ستیارتھ پرکاش میں سراسر جعل سازی سے جو اس کی رگ رگ میں بھری ہوئی تھی لکھ مارا کہ ہندوؤں کا نام جو آریوں پر اطلاق کیا جاتا ہے دراصل یہ فارسی لفظ ہے جس کے معنے چور ہیں مسلمانوں نے تحقیر کے طور سے آریوں کا نام چور رکھا ہے سو ہندو کہلانے سے پرہیز کرنا چاہیے اس پرفتنہ تحریر سے دیانند کا اصل مطلب یہ تھا کہ ایک طرف تو ہندو لوگ مسلمانوں سے ناراض ہو جائیں گے۔ دوسری طرف آریہ سماج کی بھی ترقی ہوگی کیونکہ آریہ کہلانے سے عوام کو یہ دھوکا لگ جائے گا کہ دیانندی مذہب جلد جلد پھیلتا جاتا ہے جب ستیارتھ پرکاش میں یہ مضمون شائع ہوا تو شاید ۱۸۸۱ء یا ۱۸۷۹ء تھا کہ ہم نے پرچہ اخبار وکیل ہند امرتسر میں ایک ایسا کامل ردّ اس کا چھپوایا جس کے ساتھ ایک صدی وار نقشہ بھی شامل تھا اور ہم نے ثابت کر دیا تھا کہ اسلام کے وجود سے ایک مدّت پہلے ہی لفظ ہندو کا قدیم سے اس قوم پر اطلاق کیا جاتا ہے ہمیں یاد ہے کہ اس مضمون میں سبعہ معلقہ کا ایک شعر بھی ہم نے لکھا تھا جو اسلام کے شائع ہونے سے ایک مدت پہلے کا ہے اور وہ یہ ہے

وظلم ذوی القُربٰی اشد مضاضۃ   علی المرء من وقع الحسام المھند

اس کے معنے یہ ہیں کہ خویشوں کا ظلم ہندی تلوار سے بڑھ کر ہے۔ پھر اس کے بعد ایک پنڈت نے بھی اس دیانندی دعویٰ کا کھنڈن لکھا اور ہندو کے لفظ کا اشتقاق بیاکرن کے رو سے سنسکرت کے مادہ سے ہی ثابت کیا۔ شاید اس ہندو کا نام مہیش چند تھا پھر سب کے بعد پادری ٹامس ہاول نے وہ مضمون لکھا جس کو اب ہم ہدیہ ناظرین کر کے آریہ صاحبوں سے استفسار کرتے ہیں کہ پادری صاحب کے اس مضمون کو پڑھ کر ہمیں اطلاع دیں کہ اب بھی پنڈت دیانند کا فریب ثابت ہے یا نہیں کیونکہ اس صاف ثبوت کے ملنے کے بعد دیانند ان دو الزاموں میں سے ایک الزام کے نیچے ضرور آئے گا ﴿۳۱﴾ یا تو اسے فریبی کہنا پڑے گا جس نے تفرقہ ڈالنے کے لئے ناحق یہ جعل سازی کی اور یا اس کا نام جاہل مطلق رکھنا پڑے گا جو ایسے صاف اور بدیہی اور مشہور امر سے ناواقف رہا۔ سو اب ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آریہ صاحبان ان دونوں ناموں میں سے کس نام کو اپنے دیانند کے لئے پسند کرتے ہیں۔ **آیا اس کو فریبی کہا جائے یا جاہل**۔ اب وہ مضمون جس کو ہم نے پرچہ مطبوعہ نرنجن پرکاش امرتسر سے نقل کیا ہے۔ بجنسہٖ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بقیہ حاشیہ

ہندوؔ و آریہ نام کا بیان

ماہران علم و محققان حقیقت نے ہندو نام کی بابت یہ لکھا ہے کہ یہ لفظ اس دریا کے نام سے بنا ہے جو سندھو کہلاتا ہے کیونکہ اکثر الفاظ جو زبان سنسکرت سے زبان فارسی میں آ گئے ہیں وہ اس طرح تبدیل شدہ پائے جاتے ہیں یعنی جن الفاظ سنسکرت کے شروع میں (سین) ہوتا ہے تو زبان فارسی میں «۳۲ح» ان الفاظ کے ماقبل کا (سین) (ہائے ہوز) سے تبدیل شدہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً جو لفظ سنسکرت میں (سپتہ) ہے وہ بزبان فارسی (ہفتہ) ہو گیا ہے اور ویسا ہی وسم کا وہم اور سہسر کا فارسی میں ہزار اور اسی طرح سندھو کا

☆ **حاشیہ در حاشیہ** دیانند جی جنہوں نے ۱۸۷۵ء سے آریہ سماج قائم کی ہے وہ اور ان کے پیرو اکثر «۳۱ح دح» یہ بیان کرتے ہیں کہ ہندو فارسی میں چور کو کہتے ہیں اور یہ نام ہماری قوم کا ہمارے دشمنوں یعنی محمدیوں نے رکھا ہوا ہے۔ یہ بیان ان کا محض غلط ہی نہیں بلکہ دو مطلبوں کے لئے ایک دھوکا ہے۔ اول یہ کہ ہندوؤں کو اس نام سے نفرت ہو جاوے اور خواہ مخواہ اپنے تئیں آریہ لکھا کریں اور اس حکمت عملی سے تعداد دیانند جی کے پنتھ جی کی روز بروز بڑھتی چلی جاوے۔ دوئم ہندوؤں اور محمدیوں میں جو اتفاق اور میل جول ہو رہا ہے بجائے اس کے نفاق «۳۲ح دح» پیدا ہو جاوے۔ پس فارسی دان اشخاص یہ جانتے ہیں کہ ہندو فارسی میں بھی ایک لفظ ہے جس کے اصطلاحی معنے چور کے کئے گئے ہیں مگر یہ لفظ ہندو کا جو قوم ہنود پر بولا جاتا ہے وہ لفظ نہیں جو فارسی میں مستعمل ہوا ہے۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ ہندو لفظ جو فارسی میں آیا ہے اس کے اصطلاحی معنے صرف چور ہی کے نہیں بلکہ بعض اوقات وہ معشوق کے معنے بھی دیتا ہے جیسا کہ شیرازی کہتا ہے بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را۔ اگر یہ کہا جاوے کہ فارسی میں ہندو کے معنے بُرے و اچھے دونوں طرح کے استعمال ہوئے ہیں اس لئے ہندو نام کو چھوڑنا چاہیے تو اس سبب سے نہ ہندو نام بلکہ اور بھی بہت نام ترک کرنے پڑیں گے۔ مثلاً رام کا لفظ بھی فارسی میں اچھے معنے نہیں رکھتا کیونکہ فارسی میں رام۔ غلام و فرمانبردار کو کہتے ہیں اگر ہندو نام قابل تبدیل ہے تو رام نام بھی تبدیل ہونا چاہیے اور پھر اسی طرح آریا عربی میں کینہ ور قوم کو کہتے ہیں وہ بھی «۳۳ح دح» تبدیل کیا جاوے اور پھر بید سنسکرت میں حکیم کو کہتے ہیں مگر فارسی میں ایک درخت بے ثمر کو کہتے ہیں اور پھر انادؔ سنسکرت میں اس کو کہتے ہیں جس کا شروع نہ ہو لیکن بہ تبدیل اعراب فارسی میں عناد دشمنی کو کہتے ہیں اور دیانند جی اپنی تحریروں میں ویدوں کو انادی پکارتے رہے ہیں تو کیوں یہاں پر لحاظ معنے فارسی کا نہیں کیا گیا جو ہندو نام پر لحاظ فارسی کے معنوں کا کیا جاتا ہے پس اگر ہندو نام قابل تبدیل ہے تو اناد بھی جو ویدوں پر عائد کیا گیا ہے قابل تبدیل سمجھنا چاہیے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ امر واجبی ہے کہ جن ناموں کے معنے غیر زبانوں میں بُرے ہوں ان کو تبدیل کرنا مناسب ہے پس جس میں کچھ بھی عقل ہو

ہندو ہو گیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جس سے مراد ہے دریا سندھ کے کنارے کے باشندے۔
بقیہ حاشیہ: دوئم ممکن ہے کہ یہ ہندو نام سنسکرت کے دولفظوں سے بنا ہو یعنی ہین اور دوش سے جن کے معنے
﴿۳۳ح﴾ بے نقص کے ہیں اور ممکن ہے کہ کثرت استعمال کے سبب ان میں سے چند الفاظ چھوٹ بھی گئے ہوں جیسا
کہ ہندو استھان کی بجائے اب ہندوستان بولا جاتا ہے اور کثرت استعمال کے سبب استھان میں سے الف
اور ہائے ہوز چھوٹ گیا ہے اور عقل بھی قبول کرتی ہے کہ ہندوؤں کے بزرگوں نے جو ہوشمند تھے ایسے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ : اور اس کی عقل کو کسی غرض سے اندھا نہ کر رکھا ہو کبھی نہ کہے گا کہ وہ تبدیل کئے جاویں
کیونکہ ہمیں غیروں کی زبان سے کیا غرض ہے ہر ایک کو اپنی ہی زبان میں دیکھنا چاہئے کہ ہماری زبان میں اس
لفظ یا نام کے کیا معنے ہیں ویسا ہی ہندوؤں اور آریوں کو اپنے ناموں کے معنے اپنی زبان سنسکرت میں دیکھنے
چاہئیں نہ کہ زبان فارسی و عربی میں لیکن ہم کو تو اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیانند جی وان کے پیرو سنسکرت زبان
﴿۳۴ح در ح﴾ کے الفاظوں کو فارسی زبان کے الفاظوں کا مغلوب سمجھ کر سنسکرت الفاظ ترک کرتے رہے ہیں مثلاً جب دیانند جی نے
سنا کہ زبان فارسی میں اسیر باد کے معنے قید ہونے کے ہیں تو اس لحاظ سے انہوں نے سنسکرت لفظ اشیر باد کو تیاگ دیا
اور بجائے اس کے نمستے قرار دیا حالانکہ جو لفظ اشیر باد ہے وہ سنسکرت میں اچھے معنے رکھتا اور بہت پرانا لفظ ہے
اور منوسمرتی اور دیگر معتبر کتب ہنود میں بہت جگہ پایا جاتا ہی نہیں بلکہ اس کے استعمال کے لئے نہایت درجہ کی
تاکید بھی کی گئی ہے دیکھو منوسمرتی ادھیائے ۲ شلوک ۱۲۶ ترجمہ جو شخص اشیر باد دینے کے کلام کو نہیں جانتا اس کو
پرنام کرنا نہ چاہیئے وہ شودر کی مانند ہے اور یہ ہر کہ و مہ پر ظاہر ہے کہ مختلف زبانوں کے بعض بعض الفاظ و نام
آپس میں کسی قدر مشابہ بھی ہوا کرتے ہیں لیکن ان کے معنوں میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ کسی
حال میں ممکن نہیں کہ ہر ایک نام یا الفاظ کے معنے تمام زبانوں میں اچھے یا برے آپس میں موافق ہوں اگر ہم کو
اس سبب سے الفاظ و اسمائے ترک و تبدیل کرنے پڑیں تو تمام جہان کے الفاظ ترک و تبدیل کرنے پڑیں گے
جو محض ناممکن ہی نہیں بلکہ سخت بیوقوفی ہے اور دیانند جی کے پیروؤں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہندو نام
اس قوم کا محمدیوں کے فلاں بادشاہ نے فلاں زمانے میں رکھا تھا اور باوجود علم اور ہوش رکھنے کے اس قوم کے
بزرگوں نے بخوشی یا جبراً اپنے پر عائد کر لیا تھا اور یہ سب پر روشن ہے کہ ہندو راجوں اور عالموں نے سوائے
دیانند جی اور ان کے پنتھ والوں کے کبھی کوئی اعتراض پر☆ نہیں کیا اور ہندوؤں کے پستکوں میں اس نام کا
﴿۳۵ح در ح﴾ رواج پایا جاتا ہے مثلاً گورونانک صاحب کے آدگرنتھ میں بار بار اس قوم کا نام ہندو لکھا ہوا موجود ہے اور نیز
گوبند سنگھ صاحب جو زبان فارسی میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے ان کو کبھی یہ نہ معلوم ہوا کہ جس قوم میں سے
ہم لوگ ہیں اس کا نام محمدیوں کی جانب سے بہت برا رکھا گیا ہے اس لئے وہ نام تبدیل کیا جاوے اور غور کا
مقام ہے کہ اکبر بادشاہ جو بے تعصب مشہور ہے اور جس کے عہد میں بہت ہندو دانا امیر اور وزیر اور زبان فارسی

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’اس پر‘‘ ہونا چاہیے۔(ناشر)

بقیہ حاشیہ : نام یعنی ہین دوش کو جس کے معنے بے دوش کے ہیں اپنی قوم پر عائد کر لیا ہو اور پھر زبان سنسکرت میں نام کو آریہ اور زبان فارسی میں ایرانی دونوں ایک ہی مصدر یا دَھا تو، آر سے نکلتے ہیں اور آریہ اور ایرانی کے اصلی معنے ہل چلا کر کھیتی کرنے والے کے ہیں اور حقیقتاً یہ نام آریہ اس قوم کے لوگوں کا اس وقت تھا جب یہ صرف کھیتی کر کے ہل واہی کرنے سے روٹی کماتے تھے جیسے کہ آج تک اس پنجاب میں بھی کھیتی کرنے والے ارائیں کہلاتے ہیں اور اکثر اس پیشہ کے لوگ جانوروں خصوصاً بیلوں پر ظلم بھی کیا کرتے ہیں اور بے زبان جانوروں کو اپنی ایسی چھڑی سے جس کے سرے پر ایک لوہے کی نوکدار کیل لگی ہوئی ہوتی ہے چبھو چبھو کر ہانکا کرتے ہیں اور اس سبب سے وہ نوکدار کیل ان کے نام سے نامزد ہو کر آر کہلاتی ہے۔ پس جب اس قوم نے رفتہ رفتہ علم و ہنر و سوداگری میں ترقی کی تو آریہ نام کو جو صرف کھیتی کرنے والے کے لئے مخصوص تھا چھوڑ دیا اور بہ نسبت اس آریہ نام کے (اغلباً) ہین دوش کو جو رفتہ رفتہ ہندو ہو گیا ہے اپنی قوم پر عائد کر لیا اور یہ ہندو نام بہ نسبت آریہ نام کے اس قوم میں زیادہ رونق پا گیا۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ : میں پوری پوری لیاقت اور آزادانہ طور پر گزران کر چکے ہیں اس وقت انہوں نے بھی اس نام پر کچھ اعتراض نہیں کیا پس جس حال میں ہندوؤں کے بزرگ اس نام پر رواج دیتے اور اپنے پر قبول کرتے رہے ہیں اور کوئی اعتراض اس پر نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نام کو اچھا جانتے تھے نہ کہ برا۔ اور دیانند جی یا ان کے پیروؤں کا یہ فرمانا کہ ہندو نام ہماری قوم کا محمدیوں نے رکھا ہے بالکل غلط اور محض دھوکا ہے کیونکہ یہ نام ان کتابوں میں پایا جاتا ہے جو محمد صاحب کی پیدائش سے بہت پہلے لکھی گئی تھیں مثلاً آستر کی کتاب جو یہودیوں کی مقدس کتابوں میں درج ہے اور محمد صاحب کی پیدائش سے ایک ہزار برس پیشتر لکھی گئی تھی اس کے پہلے باب کی پہلی آیت میں ہے یہ وہی اخی سیورس یعنی شیر شاہ ہے جو ہندوستان سے کوش تک سلطنت کرتا تھا۔ پھر فلادیس جوسفیس جو ایک بڑا یہودی مؤرّخ گزرا ہے اور ۳۷ء میں پیدا ہوا تھا اور محمد صاحب کی پیدائش سے قریباً چھ سو برس پیشتر ہو گزرا ہے وہ اپنی تواریخ کی کتاب کے آٹھویں حصہ کے باب ۵ میں یوں لکھتا ہے کہ حیرام شاہ سور نے چند آدمی جو سمندر کے حال سے خوب واقف تھے سلیمان کے پاس بھیجے تا کہ وہ یہاں جہاز رانی کریں اور بادشاہ نے ان کو سرزمین اوفیر میں بھیجا کہ جس کا نام ادریاما جس پر سوتس ہے اور یہ زمین ہندوستان سے متعلق اور یہاں کا سونا نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ محمد صاحب کی پیدائش سے بہت پہلے یہ ملک ہندوستان کے نام سے نامزد اور مشہور و معروف تھا اور اغلباً اس کے باشندے ہندو کہلاتے تھے۔

الراقم۔ ٹامس ہاول۔ از پنڈ دادنخان

﴿۸۱﴾

حاشیہ متعلق صفحہ ۳۷۲

ہم نے جو ایک چٹھی ایک لائق اور طالب حق انگریز کی اس کتاب کے صفحہ ۳۶ میں درج کی ہے اسی انگریز کی ایک دوسری چٹھی آج یکم اپریل ۱۸۸۷ء کو امریکہ سے پہنچی ہے جس میں اس قدر شوق اور اخلاص اور طلب حق کی بو آتی ہے کہ ہم نے اپنے مخالف ہم وطنوں کے ملاحظہ کے لئے کہ جو باوجود نزدیک ہونے کے بہت ہی دور ہیں اس چٹھی کا بجنسہٖ معہ ترجمہ درج کردینا قرین مصلحت سمجھا اور ساتھ ہی وہ مختصر جواب جو ہم نے لکھا ہے ناظرین کی اطلاع کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ اور وہ چٹھی معہ ترجمہ یہ ہے :۔

3021 EASTON AVENUE,
ST. Louis Missouri, U. S. A.
February 24th, 1887
BABU MIRZA GHULM AHMAD
Esteemed Sir,

I cannot adequately express to you my gratitude for the letter received from you under date of December 1 7. I had almost given up all hope of receiving a reply but the contents of the letter and circulars fully repaid me for the delay. I hardly know what to say in reply except that I am stil very anxious to gain more of the truth than I have thus far found. After reading your circulars an idea occured to me which I will present to you for your consideration knowing or rather feeling confident that you, who are so much more spiritual than I, so much nearer to God, will answer me in a way that will be for the best. Were it possible for me to visit India I would

۳۰۲۱۔ ایسٹن ایونیو
سینٹ لوئی مسوری یو۔ ایس۔ اے
۲۴۔ فروری ۱۸۸۷ء
مرزا غلام احمد صاحب
مخدومنا

آپ کی چٹھی مورخہ ۱۷۔ دسمبر میرے پاس پہنچی۔ میں اس قدر شکر گزار اور مرہون منت ہوا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ جواب پہنچنے کی میں تمام امیدیں قطع کرچکا تھا۔ لیکن اس آپ کی چٹھی اور اشتہار نے توقّف کا پورا پورا عوض دے دیا۔ بہ سبب ہیچمدانی اور کم واقفیّتی کے میں صرف یہی جواب میں لکھ سکتا ہوں کہ ہمیشہ سے میرا یہی شوق اور یہی آرزو ہے کہ سچی حقیقتوں سے مجھے اور بھی زیادہ خبر ہو۔ آپ کا اشتہار پڑھنے کے بعد میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا جس کو میں بغرض غور و تفکّر حضور پیش کروں گا نہ صرف معقولی طور سے بلکہ ایمانی جوش کی تحریک سے یقین کرتا ہوں کہ آپ جو روحانی ترقی میں میرے سے بڑھ کر اور خدا کے قریب تر ہیں مجھ کو ایسی طرز سے جواب دیں
﴿۸۲﴾
گے جو کہ افضل و انسب ہو۔ اگر میرے لئے ہندوستان

میں پہنچنا ممکن ہوتا تو میں نہایت خوشی سے پہنچتا لیکن
میری ایسی حالت ہے کہ پہنچنا محال معلوم ہوتا ہے۔ میری
شادی ہو چکی ہے اور تین بچے ہیں قریب دو سال کے
ہوئے میں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے اور ایسا ہی بقیۃ العمر
کرتا رہوں گا میری آمدنی اس قدر نہیں ہے کہ میں اپنے
کام سے بلا قباحت علیحدہ ہو سکوں کیونکہ اس آمدنی سے
میں با نتظام تمام اپنے عیال و اطفال کی پرورش کر سکتا
ہوں اس وجہ سے اگر میں ہندوستان پہنچنے کے لئے کافی
زاد راہ بہم پہنچا بھی سکوں تاہم یہ غیر ممکن ہے کہ اپنے
عیال کے لئے دوری کی حالت میں کافی ذخیرہ مہیا
کر سکوں۔ اس لئے ہندوستان میں پہنچنا دور از قیاس
دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اسی جگہ
(آپ کی اعانت سے) سچائی پھیلانے میں کچھ خدمت
کر سکتا ہوں اگرچہ جیسے کہ آپ فرماتے ہیں دین اسلام ہی
سچا دین ہے تو پھر کیا وجہ کہ میں امریکہ میں تبلیغ و اشاعت
کا کام نہ کر سکوں بشرطیکہ کوئی مجھ کو رہبر مل جائے۔ میں
خیال کرتا ہوں کہ مجھ کو اس طرح کی اشاعت کے لئے
معقول موقعات حاصل ہیں۔ مجھ کو یقین ہوا ہے کہ نہ
صرف **محمدؐ** صاحب نے بلکہ عیسیٰ و گوتم بدھ و ذوروسٹر اور
بہت سے اور لوگوں نے سچ کی تعلیم دی اور یہ بتلایا کہ ہم
کو نہ انسان کی بلکہ خدا کی عبادت اور پرستش کرنی لازم
ہے اور اگر مجھ کو یہ سمجھ آ جاوے کہ جو محمد صاحب نے تعلیم ﴿۸۳﴾
دی ہے وہ اوروں کی تعلیم سے افضل ہے تب میں اس
قابل ہو جاؤں گا کہ دین محمدی کی دیگر مذاہب سے بڑھ
کر حمایت اور اشاعت کروں لیکن ان کی تعلیمات کا
جو مجھ کو قدرے علم ہوا ہے اسی قدر علم سے میں حمایت
و اشاعت کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ باشندگان
امریکہ کی توجہ عام طور سے مشرقی مذاہب کی طرف

do so only too gladly. But I am so situated that it seems almost an impossibility I am married and have three children, For nearly two years I have been living a life of celibacy and shall continue to do so as long as I live. My income is not sufficient to justify me in giving up my business as it requires all that I can make to support my family; therefore, even if I had sufficient means to enable me to make the journey to India I would not be able to furnish support for my family during my absence. Therefore a visit to India being out of the question it occured to me that I might through your aid assist in spreading the truth here, If, as you say the Muhammadan is the only true religion why could I not act as its Apostle or promulgator in America. My opportunities for doing so seem to me very good if I had some one to lead me aright at first. I have been led to believe that not only Muhammad but also Jesus, Gautam Budha, Zoroaster and many others taught the truth, that we should, however, worship God and not men. If I could know what Muhammnad really taught that was superior to the teachings of others, I could then be in a position to defend and promulgate the Muhammadan religion above all others.But the little I do know of his teachings is not sufficient for me to do effective work with. The attention of The American people is being quite

کھنچی ہوئی ہے اور تحقیقات مذہب بدھ میں دیگر تمام مذاہب کی نسبت زیادہ مشغول ہیں میرے قیاس کے موافق آج کل عام لوگوں کے خیالات ہمیشہ کی نسبت قبولیت دین اسلام و مذہب بدھ کے لئے زیادہ تر لائق وقابل ہورہے ہیں اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے طفیل سے میرا یہ مذہب میرے ملک میں اشاعت پا جاوے میں کامل یقین رکھتا ہوں کہ آپ شوق و ذوق کے ساتھ مصروف ہیں۔ میں کسی دلیل سے شبہ نہیں کرسکتا کہ آپ کو خدا نے بغرض اشاعت نور حقانیت مشرف بالہام کیا ہے پس یہ میرے سرور حقیقی کا باعث ہوگا کہ میں آپ کی تعلیم کی زیادہ قدر ومنزلت کروں اور آپ سے اور تعلیم بھی حاصل کروں خداوند تعالیٰ جو تمام دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے جانتا ہے کہ میں سچ کی تلاش کررہا ہوں اور جب کبھی مل جائے قبول کرنے کے لئے آمادہ و مشتاق ہوں اگر آپ حقانیت کی مبارک روشنی کی طرف میری رہنمائی کریں تو آپ دیکھیں گے کہ میں سرد جوش مقتدی نہیں بلکہ ایک گرم جوش طالب ہوں میں تین سال سے اس تلاش میں ہوں اور بہت کچھ معلوم بھی کرچکا ہوں کہ خدا نے مجھ پر بافراط اپنی برکتیں نازل کیں اور میری یہ تمنا ہے کہ اس کے کام کو بشوق بصدق تمام تر انجام دوں ہاں یہ کشمکش پیدا ہورہی ہے کہ کس طرح اس کام کو کروں کیا کروں اور کس طرح کروں کہ یہ کام اکمل طور سے پورا کرسکوں اس کی جناب میں یہ دعا ہے کہ مجھ کو راہ کی صاف صاف رہنمائی ہو اور گمراہی سے محفوظ رہوں۔ اگر آپ میری مدد کریں تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ ایسا کردیں گے میں آپ کی چٹھی کو حفاظت سے رکھوں گا اور اس کی نہایت تکریم کروں گا میں آپ کے اشتہار کو امریکہ کے کسی نامور اخبار میں چھپوادوں گا اور ایک نسخہ اس اخبار کا آپ کے پاس بھی بھیجوں گا جس سے اس کی شہرت بہت وسعت پا جائے گی اور وہ ایسے لوگوں کی نظروں میں

generally attracted to the oriental religious but Buddhism seems to be the foremost in their investigations. The public mind, I think is now more than ever fitted to receive Muhammadanism as well as Buddhism and it may be that through you it is to be introduced in my country. I am convinced that you are very much in earnest. I have no reason to doubt that you are inspired by God to spread the light of truth therefore I would be happy to know more of your teachings and to hear further from you. God, who can read all hearts, knows that I am seeking for the truth that I am ready and eager to embrace it wherever I can find it. If you can lead me into its blessed light you will find me not only a willing pupil but an anxious one. I have been seeking now for three years and have found a great deal. God has blessed me abundantly and I want to do His work earnestly and
۸۴ faithfully. How to do it is what has moved me—how to do it so that the most good may be accomplished. I pray to Him that the way may be pointed out clearly to me so I that may not go astray. If you can help me I hope that you will do so.I shall keep your letter and prize it highly. I will get the circulars printed in one of the leading American newspapers so that they will have a wide spread circulation and I will send you a copy of the paper. They may reach the eyes of many who will become interested. I shall be happy to receive from you at

گزرے گا جو اس طرح کے معاملات میں شوق اور توجہ ظاہر کریں گے آئندہ کو کوئی اور حقیقت جو آپ عام طور سے مشتہر کرنا چاہیں گے اور میرے پاس اسی غرض سے بھیجیں گے تو یہ میری کمال خوشی اور سرور کا باعث ہوگا اور اگر آپ میری خدمتوں کو امریکہ میں امور حقانی کی اشاعت کے قابل سمجھیں تو آپ کو ہر وقت مجھ سے ایسی خدمت کرانے کا پورا پورا اختیار ہے بشرطیکہ مجھ تک آپ کے خیالات پہنچتے رہیں اور میں ان کی حقانیت کا قائل ہوتا رہوں مجھ کو یہ تو بخوبی یقین ہو چکا ہے کہ محمدؐ صاحب نے سچ پھیلایا اور راہ نجات کی ہدایت کی اور جو شخص کہ اس کی تعلیمات کے پیرو ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے خوش اور مبارک زندگی حاصل ہوگی۔

﴿۸۵﴾ مگر کیا عیسیٰ مسیح نے بھی سچا اور سیدھا راہ نہیں بتلایا؟ اور اگر میں ہدایت عیسیٰ کی متابعت کروں تو پھر کیا نجات کی ایسی یقینی طور سے امید نہیں کی جاسکتی جیسے کہ دین اسلام کی متابعت سے؟ میں سچ معلوم کرنے کی غرض سے سوال کر رہا ہوں نہ مباحثہ وجدال کی غرض سے میں حق کی تلاش کر رہا ہوں۔ میں کسی خاص دعویٰ کے اثبات کے لئے جدل کرنا نہیں چاہتا میں خیال کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ آپ محمدؐ صاحب کی فی الحقیقت ہدایات کے پیرو ہیں نہ ان عقائد کے جو عامہ خلائق دین محمدی سے مراد لیتے ہیں اور تمام مذاہب میں جو سچ سچ حقیقتیں موجود ہیں ان کو مانتے ہیں نہ ان عقائد کو جو عام لوگ بعد میں اپنی طرف سے زیادہ کرتے رہے مجھے یہ بھی سخت افسوس ہے کہ میں آپ کی زبان سمجھ نہیں سکتا ہوں نہ آپ میری زبان سمجھ سکتے ہیں ورنہ میں یقیناً کہتا ہوں کہ جو سبق میں آپ سے چاہتا تھا وہ ضرور آپ مجھے سکھاتے تاہم امید قوی رکھتا ہوں کہ اگر میں خدا کی محبت کے لائق ہونے کی طلب میں رہوں گا تو بے شک وہ کوئی نہ کوئی ایسا طریق نکال دے گا۔

any time matter which you may have for general circulation and if you should see fit to use my services to further the aims of truth in the country they will be freely at your disposal provided, of course, that I am capable of receiving your ideas and that they convince me of their truth. I am already well satisfied that Muhammad taught the truth that he pointed out the way to salvation and that those who follow His teachings will attain to a condition of eternal bliss. But did not Jesus Christ also teach the way ? Now suppose I should follow the way pointed out by Jesus. Would not my salvation be as perfectly assured as if I followed Islam? I ask with a desire to know the truth and not to dispute or argue. I am seeking the truth not to defend any theory'. I think I understand you to be a follower of the esateric teachings of Muhammad and not what is known to the masses of the people as Muhammadanism; that you recognize the truths that underlie all religions and not their exoteric features which have been added by men. I too regret very much that I cannot understand your language nor you mine; for I feel quite sured that you could, tell many things which I much desire to know. However I am impressed to believe that God will provide a way if I try to de-serve His love. Blessed be His holy name and I hope that I may hear from you again and that we may some

مبارک ہو اس کا پاک نام۔ اب امیدوار ہوں کہ پھر آپ سے کچھ اور حال سنوں۔ اور اگرچہ جسمانی ملاقات حاصل نہ ہو سکے تاہم روحانی ملاقات نصیب ہو آپ پر اور آپ کے کلمات سننے والوں پر خدا کا فضل ہو۔ دعا کرتا ہوں کہ تمام آپ کی امیدیں اور تدبیریں پوری ہوں۔ زیادہ آداب و نیاز۔

آپ کا نیازمند

الگزنڈر آر۔ ویب

سینٹ لوئی مسوری

۳۰۲۱۔ ایسٹن ایونیو۔ امریکہ

یہ اس خط کی نقل ہے جو بجواب چٹھی مندرجہ بالا بھیجا گیا:۔

صاحب من

آپ کی چٹھی جو دل کو خوش اور مطمئن کرنے والی تھی مجھ کو ملی جس کے پڑھنے سے نہ صرف زیادت محبت بلکہ میری وہ مراد بھی جس کے لئے میں اپنی زندگی کو وقف سمجھتا ہوں (یعنی یہ کہ میں حق کی تبلیغ انہیں مشرقی ممالک میں محدود نہ رکھوں بلکہ جہاں تک میری طاقت ہے امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں بھی جنہوں نے اسلامی اصول کے سمجھنے کے لئے اب تک پوری توجہ نہیں کی اس پاک اور بے عیب ہدایت کو پھیلاؤں) کسی قدر حاصل ہوتی نظر آتی ہے سو میں شکر گزاری سے آپ کی درخواست کو قبول کرتا ہوں اور مجھے اپنے خداوند قادر مطلق پر جو میرے ساتھ ہے قوی امید ہے کہ وہ آپ کی پوری پوری تسلی کرنے کے لئے مجھے مدد دے گا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ پانچ ماہ کے عرصہ تک ایک ایسا رسالہ

day meet in spirit even if we cannot meet in the body. May the peace of God be with you and with those who listen to your words. I Pray that all your hopes
﴿۸۶﴾ and plans may be realised.

With reverence and esteem.

I am

Yours Respectfully,
ALEX. R WEBB,
ST. LOUIS MISSOURI,
3021 Easton Avenue.

Reply of the above said letter.

DEAR SIR

I received your letter, dated 24th of February 1887, which proved itself to be great delight to my heart and a satisfaction to my anxieties. The contents of the letter not only increased my love towards you that led me to the hope of a partial realization of the object which I have in view for which I have dedicated the whole of my life viz, not to confine the spread of the light of truth to the oriental world but, as far as it lies in my power to further it in Europe, America, & Co. where the attention of the people has not been sufficiently attracted towards a proper understanding of the teachings of Islam. Therefore I consider it an honour to comply with your request; and have a strong confidence in the
﴿۸۷﴾ Almighty Creater, Who is with me, that he will assist me in giving you a perfect and permanent satisfaction. I give you my word

جو قرآنی تعلیموں اور اصولوں کا آئینہ ہو تالیف کر کے
اور پھر عمدہ ترجمہ انگریزی کرا کر اور نیز چھپوا کر آپ کی
خدمت میں بھیج دوں گا جس پر قوی امید ہے کہ آپ
جیسے منصف اور زیرک اور پاک خیال کو اتفاق رائے
کے لئے مجبور کرے گا اور انشراح صدر اور قوت یقین
اور ترقی معرفت کا موجب ہوگا مگر شاید کم فرصتی سے
یہ موجب پیش آ جاوے کہ میں ایک ہی دفعہ ایسا
رسالہ ارسال نہ کر سکوں تو پھر اس صورت میں دو یا
تین دفعہ کر کے بھیجا جائے گا اور پھر اسی رسالہ پر
موقوف نہیں بلکہ آپ کی رغبت پانے سے جیسا کہ
میں امید رکھتا ہوں اس خدمت کو تا بحیات اپنے ذمہ
لے سکتا ہوں آپ کے محبانہ کلمات مجھے یہ بشارت
دیتے ہیں کہ میں جلد تر خوشخبری سنوں کہ آپ کی
سعادت فطرتی سے حقانی ہدایت لینے کے لئے نہ
صرف آپ کو بلکہ امریکہ کے بہت سے نیک دل
لوگوں کو دعوت حق کی طرف کھینچ لیا ہے۔ اب میں
زیادہ آپ کو تصدیع دینا نہیں چاہتا اور اپنے اخلاص
نامہ کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ **اللہ العالمین جانبین کو**
آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھ کر ان ہماری ۸۸
مرادوں کو انجام تک پہنچاوے کہ سب طاقت اور قوت
اسی کو ہے۔ آمین۔

آپ کا دلی محبّ اور خیر خواہ

غلام احمد از قادیان
ضلع گورداسپور
ملک پنجاب

۴؍ اپریل ۱۸۸۷ء

---

the course of about five months I will compile a work containing a short sketch of the teachings of the Al-Quran, have it translated into English and printed and then send a copy of it to you. I strongly hope that it will bring full and final conviction to a justful, considerate and uncontaminated mind like yours, enoble your soulendow you with a firm belief in God and improve your knowledge of Him. But perhaps it may be, that the various demands on my time may not allow me to spare a sufficient time for sending the whole work at once. in such a case I will send it to you in two or three batches. I will not end the communication of instruction to you by this treatise but will continue satisfying your thirst after the investigation of truth for the rest of my life. Your friendly words permit me to entertain the happy idea that I will in a short time have the intelligence that the instinctive moral greatness has directed not only to you but to many other virtuous men of America to the right way of salvation pointed out by Islam. Here I end my letter of earnestness and sincerity. May God you and I be kept secure from all earthly and heavenly misfortunes and have all our hopes and plans realized.

Yours sincerely.
MIRZA GHULAM AHMAD,
Chief of Qadian,
Gurdaspur District, Punjab.
India.

۸۰

تاریخ طبع مصنف

آں صیدِ تیرہ بخت کہ بندی بپائے اوست
شپر مثال بغض خوری اختیار کرد
فرعون شد و عنادِ کلیمی بدل نشاند
یکسر خزاں شد و گلہ ہا از بہار کرد
چوں شحنۂ حق از پئے تعزیر او بخاست
چنداں بکوفتش کہ تنش چوں غبار کرد
تاریخ ردّ آں ہذیانش چہ حاجت است
صیدے رکیک بود کہ موسیٰ شکار کرد

۱۳۰۴۔ بالحاق بندی بپائے صیدے

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

حقّانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر

واضح ہو کہ اس عاجز کے لڑکے **بشیر احمد** کی وفات سے جو ۷؍اگست ۱۸۸۷ء روز یکشنبہ میں پیدا ہوا تھا اور ۴؍نومبر ۱۸۸۸ء کو اُسی روز یکشنبہ میں ہی اپنی عمر کے سولہویں مہینے میں بوقت نماز صبح اپنے معبودِ حقیقی کی طرف واپس بُلایا گیا عجیب طور کا شور و غوغا خام خیال لوگوں میں اٹھا اور رنگارنگ کی باتیں خویشوں وغیرہ نے کیں اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائیں ظاہر کی گئیں مخالفین مذہب جن کا شیوہ بات بات میں خیانت و افترا ہے انہوں نے اِس بچے کی وفات پر انواع اقسام کی افترا گھڑنی شروع کی۔ سو ہر چند ابتدا میں ہمارا ارادہ نہ تھا کہ اس پسر معصوم کی وفات پر کوئی اشتہار یا تقریر شائع کریں اور نہ شائع کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی ایسا امر درمیان نہ تھا کہ کسی فہیم آدمی کے ٹھوکر کھانے کا موجب ہو سکے لیکن جب یہ شور و غوغا انتہا کو پہنچ گیا اور کچے اور ابلہ مزاج مسلمانوں کے دلوں پر بھی اس کا مضر اثر پڑتا ہوا نظر آیا تو ہم نے محض للہ یہ تقریر شائع کرنا مناسب سمجھا۔ اب ناظرین پر منکشف ہو کہ بعض مخالفین پسرِ متوفی کی وفات کا ذکر کر کے اپنے اشتہارات و اخبارات میں طنز سے لکھتے ہیں کہ یہ وہی بچہ ہے جس کی نسبت اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء و ۸؍اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷؍اگست ۱۸۸۷ء میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ بعضوں نے اپنی طرف سے افترا☆ کر کے یہ بھی

حاشیہ: ☆ یہ مفتری لیکھرام پشاوری ہے جس نے تینوں اشتہار مندرجہ متن اپنے اثبات دعویٰ کی غرض

﴿۴﴾ اپنے اشتہار میں لکھا کہ اِس بچہ کی نسبت یہ الہام بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ بادشاہوں کی بیٹیاں بیاہنے والا ہوگا لیکن ناظرین پر منکشف ہو کہ جن لوگوں نے یہ نکتہ چینی کی ہے اُنہوں نے بڑا دھوکا کھایا ہے یا دھوکا دینا چاہا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ماہِ اگست ۱۸۸۷ء تک جو پسر متوفی کی پیدائش کا مہینہ ہے جس قدر اس عاجز کی طرف سے اشتہار چھپے ہیں جن کا لیکھرام پشاوری نے وجہ ثبوت کے طور پر اپنے اشتہار میں حوالہ دیا ہے۔ اُن میں سے کوئی شخص ایک ایسا حرف بھی پیش نہیں کرسکتا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا جو فوت ہو گیا ہے بلکہ ۸/اپریل ۱۸۸۶ء کا اشتہار اور نیز ۷/اگست ۱۸۸۷ء کا اشتہار کہ جو ۸/اپریل ۱۸۸۶ء کی بنا پر اور اُس کے حوالہ سے بروز تولد بشیر شائع کیا گیا تھا صاف بتلا رہا ہے کہ ہنوز الہامی طور پر یہ تصفیہ نہیں ہوا کہ آیا یہ لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا کوئی اور ہے تعجب کہ لیکھرام پشاوری نے جوش تعصب میں آ کر اپنے اُس اشتہار میں جو اُس کی جبلّی خصلت بدگوئی و بدزبانی سے بھرا ہوا ہے اشتہارات مذکورہ کے حوالہ سے اعتراض تو کر دیا مگر ذرا آنکھیں کھول کر

﴿۴﴾ بقیہ حاشیہ

سے اپنے اشتہار میں پیش کی ہیں اور سراسر خیانتوں سے کام لیا ہے مثلاً وہ اشتہار ۸/اپریل ۱۸۸۶ء کا ذکر کر کے اُس کی یہ عبارت اپنے اشتہار میں لکھتا ہے کہ اس عاجز پر اس قدر کُھل گیا کہ لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل تک تجاوز نہیں کرسکتا لیکن اس عبارت کا اگلا فقرہ یعنی یہ فقرہ کہ یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اَب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہو گا۔ اس فقرہ کو اُس نے عمداً نہیں لکھا کیونکہ یہ اُس کے مدعا کو مضر تھا اور اس کے خیال فاسد کو جڑھ سے کاٹتا تھا۔ پھر دوسری خیانت یہ ہے کہ لیکھرام کے اس اشتہار سے پہلے ایک اور اشتہار آریوں کی طرف سے ہمارے تینوں اشتہارات مذکورہ بالا کے جواب میں مطبع چشمہ نور امرتسر میں شائع ہو چکا ہے اس میں انہوں نے صاف اقرار کیا ہے کہ ان تینوں اشتہارات کے دیکھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لڑکا جو پیدا ہوا یہ وہی مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اَور ہے۔ اس اقرار کا لیکھرام نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ اب ظاہر ہے کہ آریوں کا پہلا اشتہار لیکھرام کے اس اشتہار کی خود بیخ کنی کرتا ہے۔ دیکھو اُن کا وہ اشتہار جس کا عنوان حسب حال ان کے یہ ہے کہ انّ اللہ لا یحبّ الماکرین۔ منہ

اُن تینوں اشتہاروں کو پڑھ نہ لیا تا جلد بازی کی ندامت سے بچ جاتا۔ نہایت افسوس ہے کہ ایسے دروغ باف لوگوں کو آریوں کے وہ پنڈت کیوں دروغگوئی سے منع نہیں کرتے جو بازاروں میں کھڑے ہو کر اپنا اصول یہ بتلاتے ہیں کہ جھوٹ کو چھوڑنا اور تیاگنا اور سچ کو ماننا اور قبول کرنا آریوں کا دھرم ہے۔ پس عجیب بات ہے کہ یہ دھرم قول کے ذریعہ سے تو ہمیشہ ظاہر کیا جاتا ہے مگر فعل کے وقت ایک مرتبہ بھی کام میں نہیں آتا۔ افسوس ہزار افسوس۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ ہر دو اشتہار ۸؍ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷؍ اگست ۱۸۸۷ء مذکورہ بالا اس ذکر و حکایت سے بالکل خاموش ہیں کہ لڑکا پیدا ہونے والا کیسا اور کن صفات کا ہے۔ بلکہ یہ دونوں اشتہار صاف شہادت دیتے ہیں کہ ہنوز یہ امر الہام کے رو سے غیر منفصل اور غیر مصرح ہے☆ ہاں یہ تعریفیں جو اُوپر گذر چکی ہیں ایک آنے والے لڑکے کی نسبت عام طور پر بغیر کسی تخصیص و تعیین کے اشتہار ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء میں ضرور بیان کی گئی ہیں لیکن اُس اشتہار میں یہ تو کسی جگہ نہیں لکھا کہ جو ۷؍ اگست ۱۸۸۷ء کو لڑکا پیدا ہوگا وہی مصداق ان تعریفوں کا ہے بلکہ اِس اشتہار میں اُس لڑکے کے پیدا ہونے کی کوئی تاریخ مندرج نہیں کہ کب اور کس وقت ہوگا پس ایسا خیال کرنا کہ ان اشتہارات میں مصداق ان تعریفوں کا اِسی پسر متوفی کو ٹھہرایا گیا تھا سراسر ﴿۳﴾

☆ **حاشیہ** عبارت اشتہار ۸؍ اپریل ۱۸۸۶ء یہ ہے کہ ’’ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں ۹ برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا‘‘۔ دیکھو اشتہار ۸؍ اپریل ۱۸۸۶ء مطبع چشمہ فیض قادری بٹالہ۔ عبارت اشتہار ۷؍ اگست ۱۸۸۷ء یہ ہے۔ ’’اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸؍ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیشگوئی کی تھی وہ ۱۶؍ ذیقعد مطابق ۷؍ اگست میں پیدا ہوگیا۔ دیکھو اشتہار ۷؍ اگست ۱۸۸۷ء مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور۔ پس کیا اِن تینوں اشتہارات میں جو لیکھرام پشاوری نے جوش میں آکر پیش کی ہیں بُو تک بھی اس بات کی پائی جاتی ہے کہ ہم نے کبھی پسر متوفی کو مصلح موعود اور عمر پانے والا قرار دیا ہے۔ فتفکروا فتدبروا۔

﴿۴﴾ ہٹ دھرمی اور بے ایمانی ہے۔ یہ سب اشتہارات ہمارے پاس موجود ہیں اور اکثر ناظرین کے پاس موجود ہوں گے مناسب ہے کہ ان کو غور سے پڑھیں اور پھر آپ ہی انصاف کریں۔ جب یہ لڑکا جو فوت ہوگیا ہے پیدا ہوا تھا تو اس کی پیدائش کے بعد صدہا خطوط اطرافِ مختلفہ سے بدیں استفسار پہنچے تھے کہ کیا یہ وہی مصلح موعود ہے جس کے ذریعہ سے لوگ ہدایت پائیں گے تو سب کی طرف یہی جواب لکھا گیا تھا کہ اس بارے میں صفائی سے اب تک کوئی الہام نہیں ہوا ہاں اجتہادی طور پر گمان کیا جاتا تھا کہ کیا تعجب کہ مصلح موعود یہی لڑکا ہو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پسر متوفی کی بہت سی ذاتی بزرگیاں الہامات میں بیان کی گئی تھیں جو اس کی پاکیزگی رُوح اور بلندی فطرت اور علو استعداد اور روشن جوہری اور سعادتِ جبلّی کے متعلق تھیں اور اس کی کاملیّت استعدادی سے علاقہ رکھتی تھیں۔ سو چونکہ وہ استعدادی بزرگیاں ایسی نہیں تھیں جن کے لئے بڑی عمر پانا ضروری ہوتا اسی باعث سے یقینی طور پر کسی الہام کی بنا پر اِس رائے کو ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ ضرور یہ لڑکا پختہ عمر تک پہنچے گا اور اسی خیال اور انتظار میں سراج منیر کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کُھل جاوے تب اس کا مفصّل اور مبسوط حال لکھا جائے۔ سو تعجب اور نہایت تعجب کہ جس حالت میں ہم اب تک پسر متوفی کی نسبت الہامی طور پر کوئی قطعی رائے ظاہر کرنے سے بکلّی خاموش اور ساکت رہے اور ایک ذرا سا الہام بھی اس بارے میں شائع نہ کیا تو پھر ہمارے مخالفوں کے کانوں میں کس نے پھونک ماردی کہ ایسا اشتہار ہم نے شائع کر دیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگر ہم اس خیال کی بنا پر کہ الہامی طور پر ذاتی بزرگیاں پسر متوفی کی ظاہر ہوئی ہیں اور اس کا نام مبشر اور بشیر اور نور اللہ صیب اور چراغ دین وغیرہ اسماء مشتمل کاملیت ذاتی اور روشنی فطرت کے رکھے گئے ہیں کوئی مفصل و مبسوط اشتہار بھی شائع کرتے اور اس میں بحوالہ اُن ناموں کے اپنی یہ رائے لکھتے کہ شاید مصلح موعود

اور عمر پانے والا یہی لڑکا ہوگا۔ تب بھی صاحبانِ بصیرت کی نظر میں یہ اجتہادی بیان ﴿۵﴾ ہمارا قابل اعتراض نہ ٹھہرتا کیونکہ ان کا منصفانہ خیال اور اُن کی عارفانہ نگاہ فی الفور اِنہیں سمجھا دیتی کہ یہ اجتہاد صرف چند ایسے ناموں کی صورت پر نظر کر کے کیا گیا ہے جو فی حد ذاتہٖ صاف اور کُھلے کُھلے نہیں ہیں بلکہ ذوالوجوہ اور تاویل طلب ہیں سو اُن کی نظر میں اگر یہ ایک اجتہادی غلطی بھی متصور ہوتی تو وہ بھی ایک ادنیٰ درجہ کی اور نہایت کم وزن اور خفیف سی اُن کے خیال میں دکھائی دیتی کیونکہ ہر چند ایک غبی اور کور دل انسان کو خداتعالیٰ کا وہ قانون قدرت سمجھانا بہت مشکل ہے جو قدیم سے اُس کے متشابہات وحی اور رویا اور کشوف اور الہامات کے متعلق ہے لیکن جو عارف اور با بصیرت آدمی ہیں وہ خود سمجھے ہوئے ہیں کہ پیش گوئیوں وغیرہ کے بارہ میں اگر کوئی اجتہادی غلطی بھی ہو جائے تو وہ محل نکتہ چینی نہیں ہوسکتی کیونکہ اکثر نبیوں اور اولوالعزم رسولوں کو بھی اپنے مجمل مکاشفات اور پیشگوئیوں کی تشخیص و تعیین میں ایسی ہلکی ہلکی غلطیاں پیش آتی رہی ہیں☆ اور اُن کے بیدار دِل اور روشن ضمیر پیرو ہرگز اُن

☆ **حاشیہ** توریت کی بعض عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعض اپنی پیشگوئیوں کے سمجھنے اور سمجھانے میں اجتہادی طور پر غلطی کھائی تھی اور وہ اُمیدیں جو بہت جلد اور بلاتوقف نجات یاب ہونے کے لئے بنی اسرائیل کو دی گئی تھیں وہ اس طرح پر ظہور پذیر نہیں ہوئی تھیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے خلاف اُن اُمیدوں کے صورت حال دیکھ کر اور دل تنگ ہو کر ایک مرتبہ اپنی کم ظرفی کی وجہ سے جو اُن کی طینت میں تھی کہہ بھی دیا تھا کہ اے موسیٰ و ہارون جیسا تم نے ہم سے کیا خدا تم سے کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دل تنگی اس کم ظرف قوم میں اسی وجہ سے ہوئی تھی کہ انہوں نے جو جلد مخلصی پا جانے کا اپنے دلوں میں حسب پیرایہ تقریر موسوی اعتقاد کر لیا تھا اس طور پر معرضِ ظہور میں نہیں آیا تھا اور درمیان میں ایسی مشکلات پڑ گئیں تھیں جن کی پہلے سے بنی اسرائیل کو صفائی سے خبر نہیں دی گئی تھی اس کی یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اُن درمیانی مشقتوں اور اُن کے طول کھینچنے کی ابتدا میں مصفا اور صاف طور پر خبر

﴿۶﴾ غلطیوں سے حیرت و سرگردانی میں نہیں پڑے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ غلطیاں نفسِ الہامات و مکاشفات میں نہیں ہیں بلکہ تاویل کرنے میں غلطی وقوع میں آ گئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں اجتہادی غلطی علماء ظاہر و باطن کی اُن کی کسرِشان کا موجب نہیں ہوسکتی اور ہم نے کوئی ایسی اجتہادی غلطی بھی نہیں کی جس کو ہم قطعی و یقینی طور پر کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع کرتے تو کیوں بشیر احمد کی وفات پر ہمارے کوتہ اندیش مخالفوں نے اس قدر زہر اُگلا ہے کیا اُن کے پاس اُن تحریرات کا کوئی کافی وقانونی ثبوت بھی ہے یا ناحق بار بار اپنے نفس امارہ کے جذبات لوگوں پر ظاہر کر رہے ہیں اور اس جگہ بعض نادان مسلمانوں کی حالت پر بھی تعجب ہے کہ وہ کس خیال پر

﴿۶﴾ ☆ **حاشیہ** نہیں ملی تھی لہذا اُن کے خیال کا میلان اجتہادی طور پر کسی قدر اس طرف ہو گیا تھا کہ فرعون بےعون کا آیات بینات سے جلدتر قصہ پاک کیا جائے گا۔ سو خدا تعالیٰ نے جیسا کہ قدیم سے تمام انبیاء سے اس کی سنت جاری ہے پہلے ایام میں حضرت موسیٰ کو ابتلا میں ڈالنے کی غرض سے اور رعب استغنا اُن پر وارد کرنے کے ارادہ سے بعض درمیانی مکارہ اُن سے مخفی رکھے کیونکہ اگر تمام آنے والی باتیں اور وارد ہونے والی صعوبتیں اور شدتیں پہلے ہی ان کو کھول کر بتلائی جاتیں تو ان کا دل بکلّی قوی اور طمانیت یاب ہو جاتا۔ پس اس صورت میں اس ابتلاء کی ہیبت ان کے دل پر سے اٹھ جاتی جس کا وارد کرنا حضرت کلیم اللہ پر اور ان کے پیروؤں پر بمراد ترقی درجات وثواب آخرت ارادہ الٰہی میں قرار پا چکا تھا۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے جو جو اُمیدیں اور بشارتیں اپنے حواریوں کو اس دنیوی زندگی اور کامیابی اور خوشحالی کے متعلق انجیل میں دی ہیں وہ بھی بظاہر نہایت سہل اور آسان طریقوں سے اور جلدتر حاصل ہونے والی معلوم دیتی تھیں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے مبشرانہ الفاظ سے جو ابتدا میں اُنہوں نے بیان کئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُسی زمانہ میں ایک زبردست بادشاہی ان کی قائم ہونے والی ہے۔ اسی حکمرانی کے خیال پر حواریوں نے ہتھیار بھی خرید لئے تھے کہ حکومت کے وقت کام آوینگے۔ ایسا ہی حضرت مسیح کا دوبارہ اُترنا بھی جناب ممدوح نے خود اپنی زبان سے ایسے الفاظ سے بیان فرمایا تھا جس سے خود حواری بھی یہی سمجھتے تھے کہ ابھی اس زمانہ کے لوگ فوت

وساوس کے دریا میں ڈوبے جاتے ہیں کیا کوئی اشتہار ہمارا اُن کے پاس ہے کہ جو اُن کو ﴿۷﴾
یقین دلاتا ہے کہ ہم اس لڑکے کی نسبت الہامی طور پر قطع کر چکے تھے کہ یہی عمر پانے والا اور
مصلح موعود ہے اگر کوئی ایسا اشتہار ہے تو کیوں پیش نہیں کیا جاتا۔ ہم اُن کو باور دلاتے
ہیں کہ ایسا اشتہار ہم نے کوئی شائع نہیں کیا ہاں خدا تعالیٰ نے بعض الہامات میں یہ ہم
پر ظاہر کیا تھا کہ یہ لڑکا جو فوت ہو گیا ہے ذاتی استعدادوں میں اعلیٰ درجہ کا ہے اور دنیوی
جذبات بکلّی اس کی فطرت سے مسلوب اور دین کی چمک اس میں بھری ہوئی ہے اور
روشن فطرت اور عالی گوہر اور صدیقی روح اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کا نام بارانِ رحمت
اور مبشر اور بشیر اور یداللہ بجلال و جمال وغیرہ اسماء بھی ہیں۔ سو جو کچھ خدا تعالیٰ

☆ **حاشیہ** نہیں ہوں گے اور نہ حواری پیالہ اجل پئیں گے کہ جو حضرت مسیح پھر اپنی جلالت اور عظمت کے ﴿۷﴾
ساتھ دُنیا میں تشریف لے آئینگے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیال اور رائے
اُسی پیرایہ کی طرف زیادہ جھکا ہوا تھا کہ جو انہوں نے حواریوں کے ذہن نشین کیا جو اصل میں
صحیح نہیں تھا یعنی کسی قدر اس میں اجتہادی غلطی تھی اور عجیب تر یہ کہ بائبل میں یہ بھی لکھا ہے کہ
ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے چار سو نبی نے ایک بادشاہ کی فتح کی نسبت خبر دی اور وہ غلط نکلی یعنی
بجائے فتح کے شکست ہوئی۔ دیکھو سلاطین اوّل باب ۲۲ آیت ۱۹۔ مگر اِس عاجز کی کسی پیشگوئی
میں کوئی الہامی غلطی نہیں الہام نے پیش از وقوع دو لڑکوں کا پیدا ہونا ظاہر کیا اور بیان کیا کہ بعض
لڑکے کم عمری میں فوت بھی ہونگے دیکھو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء
سو مطابق پہلی پیشگوئی کے ایک لڑکا پیدا ہو گیا اور فوت بھی ہو گیا اور دوسرا لڑکا جس کی نسبت
الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام **محمود** ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو
یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور
پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات
پر ہنستا ہے اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے
پوشیدہ ہے۔ اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔ منه

﴿۸﴾ نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اُس کی صفات ظاہر کی ☆ یہ سب اُس کی صفائی استعداد کے متعلق ہیں جن کے لئے ظہور فی الخارج کوئی ضروری امر نہیں ۔اس عاجز کا مدلل اور معقول طور پر یہ دعویٰ ہے کہ جو بنی آدم کے بچّے طرح طرح کی قوتیں لے کر اِس مسافر خانہ میں آتے ہیں خواہ وہ بڑی عمر تک پہنچ جائیں اور خواہ وہ خورد سالی میں ہی فوت ہو جائیں اپنی فطرتی استعدادات میں ضرور باہم متفاوت ہوتے ہیں اور صاف طور پر امتیاز بین ان کی قوتوں اور خصلتوں اور شکلوں اور ذہنوں میں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ کسی مدرسہ میں اکثر لوگوں نے بعض بچے ایسے دیکھے ہوں گے کہ جو نہایت ذہین اور فہیم اور تیز طبع اور زود فہم ہیں اور علم کو ایسی جلدی سے حاصل کرتے ہیں کہ گویا جلدی سے ایک صف لپیٹتے جاتے ہیں لیکن اُن کی عمر وفا نہیں کرتی اور چھوٹی عمر میں ہی مَر جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ نہایت غبی اور بلیہ ❁ اور انسانیت کا بہت کم حصہ اپنے اندر رکھتے ہیں اور منہ سے رال ٹپکتی ہے اور وحشی سے ہوتے ہیں اور بہت سے بوڑھے اور پیر فرتوت ہو کر مرتے ہیں اور بباعث سخت نالیاقتی فطرت کے جیسے آئے ویسے ہی جاتے ہیں غرض ہمیشہ اس کا نمونہ ہر ایک شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ بعض بچے ایسے کامل الخِلقت ہوتے ہیں کہ صدیقوں کی پاکیزگی اور فلاسفروں کی دماغی طاقتیں اور عارفوں کی روشن ضمیری اپنی فطرت میں رکھتے ہیں اور ہونہار دکھائی دیتے ہیں مگر اس عالم بے ثبات پر رہنا نہیں پاتے اور کئی ایسے بچے بھی لوگوں نے دیکھے ہوں گے کہ اُن کے لچھن اچھے نظر نہیں آتے اور فراست حکم کرتی ہے کہ اگر وہ عمر پاویں تو پرلے درجے کے بدذات اور شریر اور جاہل اور ناحق شناس نکلیں ۔ ابراہیم لخت جگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو خورد سالی میں یعنی سولہویں مہینے میں فوت ہو گئے اس کی صفائی استعداد کی تعریفیں اور اس کی صدیقانہ فطرت کی صفت وثنا احادیث کے رو سے ثابت ہے ایسا ہی وہ بچہ جو خورد سالی میں حضرت خضر نے قتل کیا تھا اُس کی خباثت جبلّی کا حال قرآن شریف کے بیان سے ظاہر و باہر ہے

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’ظاہر کیں‘‘ ہونا چاہیے۔(ناشر) ❁ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے ’’بلید‘‘ ہونا چاہیے۔(ناشر)

کفّار کے بچوں کی نسبت کہ جو خورد سالی میں مر جائیں جو کچھ تعلیم اسلام ہے وہ بھی ﴿۹﴾
درحقیقت اسی قاعدہ کی رو سے ہے کہ بوجہ اس کے کہ اَلْـوَلَـدُ سِـرٌّ لِاَ بِیْـهِ ان کی
استعدادات ناقصہ ہیں غرض بلحاظ صفائی استعداد اور نورانیت اصل جوہر و مناسبت تامہ
دینے کے پسر متوفی کے الہام میں وہ نام رکھے گئے تھے جو ابھی ذکر کئے گئے ہیں۔ اب
اگر کوئی تحکم کی راہ سے کھینچ تان کر اُن ناموں کو عمر دراز ہونے کے ساتھ وابستہ کرنا چاہے تو
یہ اُس کی سراسر شرارت ہوگی جس کی نسبت کبھی ہم نے کوئی یقینی اور قطعی رائے ظاہر نہیں
کیا۔ ہاں یہ سچ ہے اور بالکل سچ کہ ان فضائل ذاتیہ کے تصور کرنے سے شک کیا جاتا تھا
کہ شاید یہی لڑکا مصلح موعود ہوگا مگر وہ شکی تقریر ہے جو کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع
نہیں کی گئی ہندوؤں کی حالت پر سخت تعجب ہے کہ وہ باوصف اس کے کہ اپنے نجومیوں اور
جوتشیوں کے منہ سے ہزارہا ایسی باتیں سنتے ہیں کہ بالآخر وہ سراسر پوچ اور لغو اور جھوٹ
نکلتی ہیں اور پھر اُن پر اعتقاد رکھنے سے باز نہیں آتے اور عذر پیش کر دیتے ہیں کہ حساب
میں غلطی ہوگئی ہے ورنہ جوتش کے سچا ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ پھر باوصف ایسے
اعتقادات سخیفہ اور ردیہ کے الہامی پیشگوئیوں پر بغیر کسی صریح اور صاف غلطی پکڑنے
کے متعصّبانہ حملہ کرتے ہیں پھر ہندو لوگ اگر ایسی بے اصل باتیں منہ پر لاویں تو کچھ
مضائقہ بھی نہیں کیونکہ وہ دشمن دین ہیں اور اسلام کے مقابل پر ہمیشہ سے اُن کے پاس
ایک ہی ہتھیار ہے یعنی جھوٹ و افترا لیکن نہایت تعجب میں ڈالنے والا واقعہ مسلمانوں کی
حالت ہے کہ باوجود دعویٰ دینداری و پرہیزگاری اور باوجود عقائد اسلامیہ کے ایسے
ہذیانات زبان پر لاتے ہیں اگر ہمارے ایسے اشتہارات ان کی نظر سے گزرے ہوتے جن
میں ہم نے قیاسی طور پر پسر متوفی کو مصلح موعود اور عمر پانے والا قرار دیا ہوتا۔ تب بھی
ان کی ایمانی سمجھ اور عرفانی واقفیت کا مقتضا یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ ایک اجتہادی غلطی
ہے کہ جو کبھی کبھی علماء ظاہر و باطن دونوں کو پیش آجاتی ہے یہاں تک کہ اولوالعزم رسول
بھی اُس سے باہر نہیں ہیں مگر اس جگہ تو کوئی ایسا اشتہار بھی شائع نہیں ہوا تھا محض دریا

﴿۱۰﴾ ندیدہ موزہ از پا کشیدہ پر عمل کیا گیا اور یاد رہے کہ ہم نے یہ چند سطریں جو عام مسلمانوں کی نسبت لکھی ہیں محض سچی ہمدردی کے تقاضا سے تحریر کی گئی ہیں تا وہ اپنے بے بنیاد وساوس سے باز آجائیں اور ایسا ردی اور فاسد اعتقاد دل میں پیدا نہ کرلیں جس کا کوئی اصل صحیح نہیں ہے بشیر احمد کی وفات پر اُنہیں وساوس اور اوہام میں پڑنا انہیں کی بے سمجھی و نادانی ظاہر کرنا ہے ورنہ کوئی محل آویزش و نکتہ چینی نہیں ہے ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ ہم نے کوئی اشتہار نہیں دیا جس میں ہم نے قطع اور یقین ظاہر کیا ہو کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے اور گو ہم اجتہادی طور پر اس کی ظاہری علامات سے کسی قدر اس خیال کی طرف جھک بھی گئے تھے مگر اسی وجہ سے اِس خیال کی کھلے کھلے طور پر بذریعہ اشتہارات اشاعت نہیں کی گئی تھی کہ ہنوز یہ امر اجتہادی ہے اگر یہ اجتہاد صحیح نہ ہوا تو عوام الناس جو دقائق و معارف علم الٰہی سے محض بے خبر ہیں وہ دھوکا میں پڑ جائیں گے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ پھر بھی عوام کالانعام دھوکا کھانے سے باز نہیں آئے اور اپنی طرف سے حاشیئے چڑھا لئے انہیں اس بات کا ذرا بھی خیال نہیں کہ ان کے اعتراضات کی بنا صرف یہ وہم ہے کہ کیوں اجتہادی غلطی وقوع میں آئی۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اول تو کوئی ایسی اجتہادی غلطی ہم سے ظہور میں نہیں آئی جس پر ہم نے قطع اور یقین اور بھروسہ کرکے عام طور پر اس کو شائع کیا ہو پھر بطور تنزل ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر کسی نبی یا ولی سے کسی پیش گوئی کی تشخیص و تعیین میں کوئی غلطی وقوع میں آجائے تو کیا ایسی غلطی اس کے مرتبہ نبوت یا ولایت کو کچھ کم کرسکتی ہے یا گھٹا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب خیالات نادانی و ناواقفیت کی وجہ سے بصورت اعتراض پیدا ہوتے ہیں چونکہ اس زمانہ میں جہالت کا انتشار ہے اور علوم دینیہ سے سخت درجہ کی لوگوں کو لاپروائی ہے اس وجہ سے سیدھی بات بھی الٹی دکھائی دیتی ہے ورنہ یہ مسئلہ بالاتفاق مانا گیا اور قبول کیا گیا ہے کہ ہر یک نبی اور ولی سے اپنے ان مکاشفات اور پیشگوئیوں کی تشخیص و تعیین میں کہ جہاں

خدا تعالیٰ کی طرف سے بخوبی تفہیم نہیں ہوئی غلطی واقع ہوسکتی ہے اور اِس غلطی سے اُن ﴿۱۱﴾
انبیاء اور اصفیا کی شان میں کچھ بھی فرق نہیں آتا کیونکہ علم وحی بھی منجملہ علوم کے ایک علم ہے اور جو قاعدہ فطرت اور قانون قدرت قوت نظریہ کے دخل دینے کے وقت تمام علوم وفنون کے متعلق ہے اُس قاعدہ سے یہ علم باہر نہیں رہ سکتا اور جن لوگوں کو انبیا اور اولیا میں سے یہ علم دیا گیا ہے اُن کو مجبوراً اس کے تمام عوارض ولوازم بھی لینے پڑتے ہیں۔ یعنی اُن پر وارد ہوتے ہیں جن میں سے ایک اجتہادی غلطی ہی ہے پس اگر اجتہادی غلطی قابل الزام ہے تو یہ الزام جمیع انبیاء واولیاء وعلماء میں مشترک ہے۔

یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ کسی اجتہادی غلطی سے ربّانی پیش گوئیوں کی شان و شوکت میں فرق آجاتا ہے یا وہ نوع انسان کے لئے چنداں مفید نہیں رہتیں یا وہ دین اور دینداروں کے گروہ کو نقصان پہنچاتی ہیں کیونکہ اجتہادی غلطی اگر ہو بھی تو محض درمیانی اوقات میں بطور ابتلاء کے وارد ہوتی ہے اور پھر اس قدر کثرت سے سچائی کے نور ظہور پذیر ہوتے ہیں اور تائیدات الٰہیہ اپنے جلوے دکھاتے ہیں کہ گویا ایک دن چڑھ جاتا ہے اور مخاصمین کے سب جھگڑے ان سے انفصال پا جاتے ہیں۔ لیکن اس روز روشن کے ظہور سے پہلے ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ کے فرستادوں پر سخت سخت آزمائشیں وارد ہوں اور ان کے پیرو اور تابعین بھی بخوبی جانچے اور آزمائے جائیں تا خدا تعالیٰ سچوں اور کچوں اور ثابت قدموں اور بزدلوں میں فرق کر کے دکھلا دیوے۔

عشق اوّل سرکش وخونی بود تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلّت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سے کر کے اُن کو دکھاتا ہے یہ ابتلاء اس لئے نازل نہیں ہوتا کہ ان کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحۂ عالم سے ان کا نام ونشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزوجل اپنے پیار کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگے اور اپنے

﴿۱۲﴾ سچے اور وفادار عاشقوں کو ذلت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے بلکہ حقیقت میں وہ ابتلاء کہ جو شیر ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لئے نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچاوے اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے اُن کو سکھاوے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ جو قدیم سے خدائے تعالیٰ اپنے پیاروں، بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے زبور میں حضرت داؤد کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اس سنت کو ظاہر کرتے ہیں اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیح کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں اور قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں جناب فخر الرسل کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں☆ اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا تو انبیاء اور اولیاء اُن مدارج عالیہ کو ہرگز

☆ **حاشیہ** زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے جو انہوں نے ابتلائی حالت میں کیں ایک یہ ہے اے خدا تو مجھ کو بچالے کہ پانی میری جان تک پہنچے ہیں۔ میں گہری کیچ میں دھنس چلا جہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں۔ میں چلاتے چلاتے تھک گیا۔ میری آنکھیں دھندلا گئیں۔ وہ جو بے سبب میرا کینہ رکھتے ہیں۔ شمار میں میرے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں۔ اے خداوند رب الافواج وہ جو تیرا انتظار کرتے ہیں میرے لئے شرمندہ نہ ہوں۔ وہ جو تجھ کو ڈھونڈتے ہیں وہ میرے لئے ندامت نہ اٹھاویں۔ وے پھاٹک پر بیٹھے ہوئے میری بابت بکتے ہیں اور نشے باز میرے حق میں گاتے ہیں۔ تو میری ملامت کشی اور میری رسوائی اور میری بے حرمتی سے آگاہ ہے۔ میں نے تاکا کہ کیا کوئی میرا ہمدرد ہے کوئی نہیں۔ (دیکھو زبور ۶۹) ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے ابتلاء کی رات میں جس قدر تضرعات کئے وہ انجیل سے ظاہر ہیں تمام رات حضرت مسیح جاگتے رہے اور جیسے کسی کی جان ٹوٹتی ہے غم واندوہ سے ایسی حالت ان پر طاری تھی وہ ساری رات رو رو کر دعا کرتے رہے کہ تا وہ بلا کا پیالہ کہ جو ان کے لئے مقدر تھا ٹل جائے پر باوجود اس قدر گریہ وزاری کے پھر بھی دعا منظور نہ ہوئی کیونکہ ابتلاء کے وقت کی دعا منظور نہیں ہوا کرتی۔

﴿۱۳﴾ نہ پا سکتے کہ جو ابتلاء کی برکت سے اُنہوں نے پا لئے۔ ابتلاء نے اُن کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت پر مہر لگادی اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ ان پر آندھیاں چلیں اور سخت سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے اُن پر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور بےعزتوں میں شمار کئے گئے اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے یہاں تک کہ ربانی مددوں نے بھی جن کا ان کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مدت تک منہ چھپا لیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو بہ یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا انہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ سخت مورد غضب ہیں اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ اُن پر ذرا مہربان نہیں بلکہ اُن کے دشمنوں پر مہربان ہے اور اُن کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہوا غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں اُن پر ہوئیں پر وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادہ سے باز نہ آئے اور سُست اور دل شکستہ نہ ہوئے بلکہ جتنا مصائب و شدائد کا بار اُن پر پڑتا گیا اتنا ہی انہوں نے آگے قدم بڑھایا اور جس قدر وہ توڑے گئے اُسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے اور جس قدر اُنہیں مشکلات راہ کا خوف

﴿۱۳﴾ بقیہ حاشیہ

پھر دیکھنا چاہیے کہ سیدنا و مولانا حضرت فخر الرسل و خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتلاء کی حالت میں کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں اور ایک دعا میں مناجات کی کہ اے میرے رب میں اپنی کمزوری کی تیری جناب میں شکایت کرتا ہوں اور اپنی بیچارگی کا تیرے آستانہ پر گلہ گزار ہوں میری ذلت تیری نظر سے پوشیدہ نہیں جس قدر چاہے سختی کر کہ میں راضی ہوں جب تک تو راضی ہو جائے مجھ میں بجز تیرے کچھ قوت نہیں۔ منہ۔

﴿۱۴﴾ دلایا گیا اُسی قدر اُن کی ہمت بلند اور ان کی شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی بالآخر وہ ان تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہوکر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہوگئے اور عزت اور حرمت کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کی طرح معدوم ہوگئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے غرض انبیاء و اولیاء ابتلاء سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر انہیں پر ابتلاء نازل ہوتے ہیں اور انہیں کی قوت ایمانی ان آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے عوام الناس جیسے خدائے تعالیٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے اس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں بالخصوص اُن محبوبان الٰہی کی آزمائش کے وقتوں میں تو عوام الناس بڑے بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں گویا ڈوب ہی جاتے ہیں اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کے انجام کے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جل شانہ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اُس کی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اس کو نابود کر دیوے بلکہ اِس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے اور اُس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ انبیاء اور اولیاء کی تربیت باطنی اور تکمیل روحانی کے لئے ابتلاء کا ان پر وارد ہونا ضروریات سے ہے اور ابتلاء اس قوم کے لئے ایسا لازم حال ہے کہ گویا ان ربّانی سپاہیوں کی ایک روحانی وردی ہے جس سے یہ شناخت کئے جاتے ہیں اور جس شخص کو اس سنت کے برخلاف کوئی کامیابی ہو وہ استدراج ہے نہ کامیابی۔ اور نیز یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نہایت درجہ کی بدقسمتی و ناسعادتی ہے کہ انسان جلد تر بدظنی کی طرف جھک جائے اور یہ اُصول قرار دے دیوے کہ دنیا میں جس قدر خدائے تعالیٰ کی راہ کے مدعی ہیں وہ سب مکار اور فریبی اور دوکاندار ہی ہیں کیونکہ ایسے ردی اعتقاد سے رفتہ رفتہ وجود ولایت میں شک پڑے گا اور پھر ولایت سے انکاری ہونے کے بعد نبوت کے منصب میں کچھ کچھ ترددات پیدا ہو جاویں گے

﴿۱۵﴾ اور پھر نبوت سے منکر ہونے کے پیچھے خدائے تعالیٰ کے وجود میں کچھ دغدغہ اور خلجان پیدا ہوکر یہ دھوکا دل میں شروع ہو جائے گا کہ شاید یہ ساری بات ہی بناوٹی اور بے اصل ہے اور شاید یہ سب اوہام باطلہ ہی ہیں کہ جو لوگوں کے دلوں میں جمتے ہوئے چلے آئے ہیں۔ سو اے سچائی کے ساتھ بجان و دل پیار کرنے والو! اور اے صداقت کے بھوکو اور پیاسو! یقیناً سمجھو کہ ایمان کو اس آشوب خانہ سے سلامت لے جانے کیلئے ولایت اور اسکے لوازم کا یقین نہایت ضروریات سے ہے۔ ولایت نبوت کے اعتقاد کی پناہ ہے اور نبوت اقرار وجود باری تعالیٰ کیلئے پناہ۔ پس اولیاء انبیاء کے وجود کیلئے میخوں کی مانند ہیں اور انبیاء خدا تعالیٰ کا وجود قائم کرنے کیلئے نہایت مستحکم کیلوں کے مشابہ ہیں سو جس شخص کو کسی ولی کے وجود پر مشاہدہ کے طور پر معرفت حاصل نہیں اُس کی نظر نبی کی معرفت سے بھی قاصر ہے اور جس کو نبی کی کامل معرفت نہیں وہ خدائے تعالیٰ کی کامل معرفت سے بھی بے بہرہ ہے اور ایک دن ضرور ٹھوکر کھائے گا اور سخت ٹھوکر کھائے گا اور مجرد دلائل عقلیہ اور علوم رسمیہ کسی کام نہیں آئیں گی۔ اب ہم فائدہ عام کیلئے یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ بشیر احمد کی موت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی بلکہ اللہ جل شانہٗ نے اُس کی وفات سے پہلے اس عاجز کو اپنے الہامات کے ذریعہ سے پوری پوری بصیرت بخش دی تھی کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے☆ اور اب فوت ہو جاوے گا بلکہ جو الہامات اُس

﴿۱۵﴾ ☆ **حاشیہ** خدا تعالیٰ کی انزال رحمت اور روحانی برکت کے بخشنے کے لئے بڑے عظیم الشان دو طریقے ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ کوئی مصیبت اور غم و اندوہ نازل کر کے صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولے جیسا کہ اُس نے خود فرمایا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ[۱] الجزو نمبر ۲ یعنی ہمارا یہی قانون قدرت ہے کہ ہم

[۱] البقرہ: ۱۵۶ تا ۱۵۸

﴿۱۶﴾ پسر متوفی کی پیدائش کے دن میں ہوئے تھے ان سے بھی اجمالی طور پر اُس کی وفات کی نسبت بو آتی تھی اور مترشح ہوتا تھا کہ وہ خلق اللہ کے لئے ایک ابتلاء عظیم کا موجب ہوگا جیسا کہ یہ الہام اِنَّا اَرْسَلْنَاهُ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ كُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَدَمَيْهِ یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح کی تاریکیاں ہوں اور رعد اور برق بھی ہو یہ سب چیزیں اس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں یعنی اُس کے قدم اُٹھانے کے بعد جو اس کی موت سے مراد ہے ظہور میں آجائیں گی۔ سو تاریکیوں سے مراد آزمائش اور ابتلاء کی تاریکیاں تھیں جو لوگوں کو اس کی موت سے پیش آئیں اور ایسی سخت ابتلاء میں پڑ گئے جو ظلمات کی طرح تھا اور آیت کریمہ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا[1] کے مصداق ہو گئے اور الہامی عبارت میں جیسا کہ ظلمت کے بعد رعد اور روشنی کا ذکر ہے یعنی جیسا کہ اُس عبارت کی ترتیب بیانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پسر متوفی کے قدم اٹھانے کے بعد پہلی

﴿۱۶﴾ **بقیہ حاشیہ** مومنوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈالا کرتے ہیں اور صبر کرنے والوں پر ہماری رحمت نازل ہوتی ہے اور کامیابی کی راہیں انہیں پر کھولی جاتی ہیں جو صبر کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفا ہے۔ تا اُن کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں اور اُن کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اِس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔ پس اول اُس نے قسم اول کے انزال رحمت کے لئے بشیر کو بھیجا تا بَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ کا سامان مومنوں کے لئے طیار کر کے اپنی بشیریت کا مفہوم پورا کرے سو وہ ہزاروں مومنوں کے لئے جو اس کی موت کے غم میں محض للہ شریک ہوئے بطور فرط کے ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کا شفیع ٹھہر گیا اور اندر ہی اندر بہت سی برکتیں ان کو پہنچا گیا اور یہ بات کھلی کھلی الہام الٰہی نے ظاہر کر دی کہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے وہ بے فائدہ نہیں آیا تھا بلکہ اس کی موت اُن سب لوگوں کی زندگی کا موجب ہوگی

[1] البقرہ :۲۱

﴿۱۷﴾ ظلمتؔ آئے گی اور پھر رعد اور برق۔ اسی ترتیب کے رو سے اس پیشگوئی کا پورا ہونا شروع ہوا یعنی پہلے بشیر کی موت کی وجہ سے ابتلا کی ظلمت وارد ہوئی اور پھر اس کے بعد رعد اور روشنی ظاہر ہونے والی ہے اور جس طرح ظلمت ظہور میں آ گئی اسی طرح یقیناً جاننا چاہیے کہ کسی دن وہ رعد اور روشنی بھی ظہور میں آ جائے گی جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جب وہ روشنی آئے گی تو ظلمت کے خیالات کو بالکل سینوں اور دلوں سے مٹا دے گی اور جو جو اعتراضات غافلوں اور مردہ دلوں کے منہ سے نکلے ہیں اُن کو نابود اور ناپدید کر دے گی یہ الہام جو ابھی ہم نے لکھا ہے ابتدا سے صدہا لوگوں کو بہ تفصیل سنا دیا گیا تھا چنانچہ منجملہ سامعین کے مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی بھی ہیں اور کئی اور جلیل القدر آدمی بھی۔ اب اگر ہمارے موافقین ومخالفین اسی الہام کے مضمون پر غور کریں اور دقتِ نظر سے دیکھیں تو یہی ظاہر کر رہا ہے کہ اِس ظلمت کے آنے کا پہلے سے جناب الٰہی میں ارادہ ہو چکا تھا جو بذریعہ الہام بتلایا گیا اور صاف ظاہر کیا گیا کہ ظلمت اور روشنی دونوں اِس لڑکے کے قدموں کے نیچے ہیں یعنی اس کے قدم اُٹھانے کے بعد جو موت سے مراد ہے اُن کا آنا ضرور ہے سوائے وے لوگو! جنھوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی بشیر کی موت نے جیسا کہ اس پیشگوئی کو پورا کیا ایسا ہی اس پیشگوئی کو بھی کہ جو

﴿۱۷﴾ **بقیہ حاشیہ** جنھوںؔ نے محض للہ اس کی موت سے غم کیا اور اُس ابتلا کی برداشت کر گئے کہ جو اُس کی موت سے ظہور میں آیا۔ غرض بشیر ہزاروں صابرین وصادقین کے لئے ایک شفیع کی طرح پیدا ہوا تھا اور اُس پاک آنے والے اور پاک جانے والے کی موت ان سب مومنوں کے گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ اور دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا جیسا کہ بشیر اوّل کی موت سے پہلے ۱۰؍ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام **محمود** بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ **یخلق اللّٰہ ما یشاء** اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اِس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔ منہ

﴿۱۸﴾ ۲۰ فروری کے اشتہار میں ہے کہ بعض بچے کم عمری میں فوت ہوں گے۔

بالآخر یہ بھی اس جگہ واضح رہے کہ ہمارا اپنے کام کے لئے تمام وکمال بھروسہ اپنے مولیٰ کریم پر ہے اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ لوگ ہم سے اتفاق رکھتے ہیں یا نفاق اور ہمارے دعویٰ کو قبول کرتے ہیں یا ردّ اور ہمیں تحسین کرتے ہیں یا نفرین بلکہ ہم سب سے اعراض کر کے اور غیر اللہ کو مردہ کی طرح سمجھ کر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں گو بعض ہم میں سے اور ہماری ہی قوم میں سے ایسے بھی ہیں کہ وہ ہمارے اس طریق کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں مگر ہم ان کو معذور رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو ہم پر ظاہر کیا گیا ہے وہ ان پر ظاہر نہیں اور جو ہمیں پیاس لگا دی گئی ہے وہ انہیں نہیں۔ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۔[1]

اس محل میں یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے بعض اہل علم احباب کی ناصحانہ تحریروں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی اس عاجز کی یہ کارروائی پسند نہیں کرتے کہ برکات روحانیہ وآیات سماویہ کے سلسلہ کو جو بذریعہ قبولیت ادعیہ والہامات ومکاشفات تکمیل پذیر ہوتا ہے لوگوں پر ظاہر کیا جائے۔ بعض کی ان میں سے اس بارہ میں یہ بحث ہے کہ یہ باتیں ظنی وشکی ہیں اور ان کے ضرر کی امید ان کے فائدہ سے زیادہ تر ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ باتیں تمام بنی آدم میں مشترک ومتساوی ہیں۔ شاید کسی قدر ادنیٰ کم وبیشی ہو بلکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ قریباً یکساں ہی ہیں۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ ان امور میں مذہب اور اتقا اور تعلق باللہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ یہ فطرتی خواص ہیں جو انسان کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں اور ہر یک بشر سے مومن ہو یا کافر صالح ہو یا فاسق کچھ تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ صادر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تو اُن کی قیل وقال ہے جس سے ان کی موٹی سمجھ اور سطحی خیالات اور مبلغ علم کا اندازہ ہوسکتا ہے مگر فراست صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غفلت اور حب دنیا کا کیڑا ان کی ایمانی فراست کو بالکل کھا گیا ہے اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جیسے مجذوم کا جذام انتہا کے درجہ تک پہنچ کر سقوط اعضاء تک نوبت پہنچاتا ہے اور

[1] بنی اسرائیل: ۸۵

﴿۱۹﴾ ہاتھوں پیروں کا گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ان کے روحانی اعضاء جو روحانی قوتوں سے مراد ہیں بباعث غلو محبت دنیا کے گلنے سڑنے شروع ہو گئے ہیں اور اُن کا شیوہ فقط ہنسی اور ٹھٹھا اور بدظنی اور بدگمانی ہے دینی معارف اور حقائق پر غور کرنے سے بکلّی آزادی ہے بلکہ یہ لوگ حقیقت اور معرفت سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اور کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ ہم دنیا میں کیوں آئے اور ہمارا اصلی کمال کیا ہے بلکہ جیفہ دنیا میں دن رات غرق ہو رہے ہیں ان میں یہ حس ہی باقی نہیں رہی کہ اپنی حالت کو ٹٹولیں کہ وہ کیسی سچائی کے طریق سے گری ہوئی ہے اور بڑی بدقسمتی ان کی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اس نہایت خطرناک بیماری کو پوری پوری صحت خیال کرتے ہیں اور جو حقیقی صحت وتندرستی ہے اس کو بہ نظر توہین واستخفاف دیکھتے ہیں اور کمالات ولایت اور قرب الٰہی کی عظمت بالکل ان کے دلوں پر سے اُٹھ گئی ہے اور نومیدی اور حرمان کی سی صورت پیدا ہو گئی ہے بلکہ اگر یہی حالت رہی تو ان کا نبوت پر ایمان قائم رہنا بھی کچھ معرض خطر میں ہی نظر آتا ہے۔

یہ خوفناک اور گری ہوئی حالت جو میں نے بعض علماء کی بیان کی ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ ان روحانی روشنیوں کو تجربہ کے رو سے غیر ممکن یا شکی وظنی خیال کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہنوز بالاستیفا تجربہ کرنے کی طرف توجہ نہیں کی اور کامل اور محیط طور پر نظر ڈال کر رائے ظاہر کرنے کا ابھی تک انہوں نے اپنے لئے کوئی موقعہ پیدا نہیں کیا اور نہ پیدا کرنے کی کچھ پرواہ ہے صرف ان مفسدانہ نکتہ چینیوں کو دیکھ کر کہ جو مخالفین تعصب آئین نے اس عاجز کی دو پیشگوئیوں پر کی ہیں☆ بلاتحقیق وتفتیش شک میں پڑ گئے اور ولایت اور قربت الٰہیہ

☆ **حاشیہ** وہ نکتہ چینیاں یہ ہیں کہ ۸/اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اس عاجز نے ایک پیش گوئی شائع کی تھی کہ ایک لڑکا اس عاجز کے گھر میں پیدا ہونے والا ہے اور اشتہار مذکور میں بہ تصریح لکھ دیا تھا کہ شاید اسی دفعہ وہ لڑکا پیدا ہو یا اس کے بعد اس کے قریب حمل میں پیدا ہو سو خدا تعالیٰ نے مخالفین کا خبث باطنی اور ناانصافی ظاہر کرنے کے لئے اس دفعہ یعنی پہلے حمل میں لڑکی پیدا

﴿۲۰﴾ کی روشنیوں کے بارے میں ایک ایسا اعتقاد دل میں جما لیا کہ جو خشک فلسفہ اور کورانہ نیچریت کے قریب قریب ہے انہیں سوچنا چاہیے تھا کہ مخالفین نے اپنی تکذیب کی تائید میں کون سا ثبوت دیا ہے؟ پھر اگر کوئی ثبوت نہیں اور نری بک بک ہے تو کیا فضول اور بے بنیاد افتراؤں کا اثر اپنے دلوں پر ڈال لینا عقلمندی یا ایمانی وثاقت میں داخل ہے۔ اور اگر فرض محال کے طور پر کوئی اجتہادی غلطی بھی کسی پیشگوئی کے تعلق اس عاجز سے ظہور میں آتی یعنی قطع اور یقین کے طور پر اُس کو کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع کیا جاتا تب بھی کسی دانا کی نظر میں وہ محل آویزش نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اجتہادی غلطی ایک ایسا امر ہے جس سے انبیاء بھی باہر نہیں ماسوائے اس کے یہ عاجز اب تک قریب سات ہزار مکاشفات صادقہ اور الہامات صحیحہ سے خدا تعالیٰ

﴿۲۰﴾ بقیہ حاشیہ

کی اور اس کے بعد جو حمل ہوا تو اس سے لڑکا پیدا ہوا اور پیشگوئی اپنے مفہوم کے مطابق سچی نکلی۔ اور ٹھیک ٹھیک وقوع میں آ گئی مگر مخالفین نے جیسا کہ ان کا قدیمی شیوہ ہے محض شرارت کی راہ سے یہ نکتہ چینی کی کہ پہلی دفعہ ہی کیوں لڑکا پیدا نہیں ہوا ان کو جواب دیا گیا کہ اشتہار میں پہلی دفعہ کی کوئی شرط نہیں بلکہ دوسرے حمل تک پیدا ہونے کی شرط تھی جو وقوع میں آ گئی اور پیش گوئی نہایت صفائی سے پوری ہوگئی سو ایسی پیش گوئی پر نکتہ چینی کرنا بے ایمانی کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ کوئی منصف اس کو واقعی طور پر نکتہ چینی نہیں کہہ سکتا۔ دوسری نکتہ چینی مخالفوں کی یہ ہے کہ لڑکا جس کے بارہ میں پیشگوئی ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں کی تھی وہ پیدا ہو کر صغر سنی میں فوت ہوگیا۔ اس کا مفصل جواب اسی تقریر میں مذکور ہے اور خلاصہ جواب یہ ہے کہ آج تک ہم نے کسی اشتہار میں نہیں لکھا کہ یہ لڑکا عمر پانے والا ہوگا اور نہ یہ کہا کہ یہی مصلح موعود ہے۔ بلکہ ہمارے اشتہار ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء میں بعض ہمارے لڑکوں کی نسبت یہ پیشگوئی موجود تھی کہ وہ کم عمری میں فوت ہوں گے۔ پس سوچنا چاہیئے کہ اس لڑکے کی وفات سے ایک پیش گوئی پوری ہوئی یا جھوٹی نکلی۔ بلکہ جس قدر ہم نے لوگوں میں الہامات شائع کیئے اکثر ان کے اس لڑکے کی وفات پر دلالت کرتے تھے چنانچہ ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار کی یہ عبارت کہ ایک خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ یہ مہمان کا لفظ درحقیقت اسی لڑکے کا نام رکھا گیا تھا اور یہ اس کی کم عمری اور جلد فوت ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مہمان وہی ہوتا ہے جو چند روز رہ کر چلا جاوے اور دیکھتے دیکھتے رخصت ہو جاوے اور جو قائم مقام ہو اور دوسروں کو رخصت کرے

﴿۲۱﴾ کی طرف سے مشرف ہوا ہے اور آئندہ عجائبات روحانیہ کا ایسا بے انتہا سلسلہ جاری ہے کہ جو بارش کی طرح شب و روز نازل ہوتے رہتے ہیں۔ پس اس صورت میں خوش قسمت انسان وہ ہے کہ جو اپنے تئیں بصدق و صفا اِس ربانی کارخانے کے حوالہ کر کے آسمانی فیوض سے اپنے نفس کو متمتع کرے اور نہایت بدقسمت وہ شخص ہے کہ جو اپنے تئیں ان انوار و برکات کے حصول سے لاپروا رکھ کر بے بنیاد نکتہ چینیاں اور جاہلانہ رائے ظاہر کرنا اپنا شیوہ کر لیوے۔ میں ایسے لوگوں کو محض لِلّٰہ متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ایسے خیالات کو دل میں جگہ دینے سے حق اور حق بینی سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ اگر ان کا یہ قول سچ ہو کہ الہامات و مکاشفات کوئی ایسی عمدہ چیز نہیں ہے جو خاص اور عوام یا کافر اور مومن میں کوئی امتیاز بین پیدا کر سکیں تو سالکوں

بقیہ حاشیہ

﴿۲۱﴾ اُس کا نام مہمان نہیں ہو سکتا۔ اور اشتہار مذکور کی یہ عبارت کہ وہ رجس سے (یعنی گناہ سے) بکلّی پاک ہے یہ بھی اس کی صغرسنی کی وفات پر دلالت کرتی ہے اور یہ دھوکا کھانا نہیں چاہیے کہ جس پیش گوئی کا ذکر ہوا ہے وہ مصلح موعود کے حق میں ہے کیونکہ بذریعہ الہام صاف طور پر کُھل گیا ہے کہ یہ سب عبارتیں پسر متوفی کے حق میں ہیں اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اُس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے اور ضرور تھا کہ اس کا آنا معرض التوا میں رہتا جب تک یہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے پیدا ہو کر پھر واپس اٹھایا جاتا کیونکہ یہ سب امور حکمت الٰہیہ نے اس کے قدموں کے نیچے رکھے تھے اور بشیر اوّل جو فوت ہو گیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا اس لئے دونوں کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا۔

اب ایک منصف انصافاً سوچ کر دیکھے کہ ہماری ان دونوں پیشگوئیوں میں حقیقی طور پر کون سی غلطی ہے؟ ہاں ہم نے پسر متوفی کے کمالات استعداد یہ الہامات کے ذریعہ سے ظاہر کئے تھے کہ وہ فطرتاً ایسا ہے اور ایسا ہے اور اب بھی ہم یہی کہتے ہیں اور فطرتی استعدادوں کا مختلف طور پر بچوں میں پایا جانا عام اِس سے کہ وہ صغرسنی میں مر جاویں یا زندہ رہیں ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے اور کوئی حکماء اور علماء میں سے اس کا منکر نہیں ہو سکتا۔ پس دانا کے لئے کون سی ٹھوکر کھانے کی وجہ ہے ہاں نادان اور احمق لوگ ہمیشہ سے ٹھوکر کھاتے چلے آئے ہیں

﴿۲۲﴾ کے لئے یہ نہایت دل توڑنے والا واقعہ ہوگا۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہی ایک روحانی اور اعلیٰ درجہ کی اسلام میں خاصیت ہے کہ سچائی سے اس پر قدم مارنے والے مکالمات خاصہ الٰہیہ سے مشرف ہو جاتے ہیں اور قبولیت کے انوار جن میں ان کا غیر ان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا ان کے وجود میں پیدا ہو جاتے ہیں یہ ایک واقعی صداقت ہے جو بے شمار راست بازوں پر اپنے ذاتی تجارب سے کھل گئی ہے ان مدارج عالیہ پر وہ لوگ پہنچتے ہیں کہ جو سچی اور حقیقی پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں اور نفسانی وجود سے نکل کر ربانی وجود کا پیراہن لیتے ہیں یعنی نفسانی جذبات پر موت وارد کر کے ربانی طاعات کی نئی زندگی اپنے اندر حاصل کرتے ہیں ناقص الحالت مسلمانوں کو ان سے کچھ نسبت نہیں

﴿۲۲﴾ **بقیہ حاشیہ**

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی پر ٹھوکر کھائی کہ یہ شخص تو کہتا تھا کہ فرعون پر عذاب نازل ہوگا سو اس پر تو کچھ عذاب نازل نہ ہوا وہ عذاب تو ہم پر ہی پڑا کہ اس سے پہلے صرف آدھا دن ہم سے مشقت لی جاتی تھی اور اب سارا دن محنت کرنے کا حکم ہوگیا۔ خوب نجات ہوئی حالانکہ یہ دوہری محنت اور مشقت ابتلاء کے طور پر یہودیوں پر ابتداء میں نازل ہوئی تھی اور انجام کار فرعون کی ہلاکت مقدر تھی مگر ان بیوقوفوں اور شتابکاروں نے ہاتھ پر سرسوں جمتی نہ دیکھ کر اسی وقت حضرت موسیٰ کو جھٹلانا شروع کر دیا اور بدظنی میں پڑ گئے اور کہا کہ اے موسیٰ و ہارون جو کچھ تم نے ہم سے کیا خدا تم سے کرے۔ پھر یہودا اسکریوتی کی نادانی اور شتاب کاری دیکھنی چاہیے کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیوں کے سمجھنے میں نہایت سخت ٹھوکر کھائی اور خیال کیا کہ یہ شخص بادشاہ ہو جانے کا دعویٰ کرتا تھا اور ہمیں بڑے بڑے مراتب تک پہنچاتا تھا مگر یہ ساری باتیں جھوٹ نکلیں اور کوئی پیشگوئی اس کی سچی نہ ہوئی بلکہ فقر و فاقہ میں ہم لوگ مر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ اس کے دشمنوں سے مل کر پیٹ بھریں۔ سو اس کی جہالت اس کی ہلاکت کا موجب ہوئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئیاں اپنے وقتوں میں پوری ہوگئیں سو نبیوں کا ان نادان مکذبین کی تکذیب سے کیا نقصان ہوا جس کا اب بھی اندیشہ کیا جائے اور اس اندیشہ سے خدائے تعالیٰ کی پاک کارروائی کو بند کیا جائے یقیناً سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ مسلمان کہلا کر اور کلمہ گو ہو کر جلدی سے اپنے دل میں وساوس کا ذخیرہ اکٹھا کر لیتے ہیں۔ وہ انجام کار اسی طرح رسوا اور ذلیل ہونے والے ہیں جس طرح نالائق اور کج فہم یہودی اور یہودا اسکریوتی رسوا اور ذلیل ہوئے۔ فتدبروا یا اولی الالباب۔ منه

ہوتی پھر کافر اور فاسق کو ان سے کیا نسبت ہو۔ ان کی یہ کاملیت اُن کی صحبت میں رہنے سے ﴿۲۳﴾ طالب حق پر کھلتی ہے اسی غرض سے میں نے اتمام حجت کے لئے مختلف فرقوں کے سرگروہوں کی طرف اشتہارات بھیجے تھے اور خط لکھے تھے کہ وہ میرے اس دعویٰ کی آزمائش کریں اگر ان کو سچائی کی طلب ہوتی تو وہ صدق قدم سے حاضر ہوتے سو اُن میں سے کوئی ایک بھی بصدق قدم حاضر نہ ہوا بلکہ جب کوئی پیشگوئی ظہور میں آتی رہی اُس پر خاک ڈالنے کے لئے کوشش کرتے رہے اب اگر ہمارے علماء کو اس حقیقت کے قبول کرنے اور ماننے میں کچھ تامل ہے تو غیروں کے بُلانے کی کیا ضرورت پہلے یہی ہمارے احباب جن میں سے بعض فاضل اور عالم بھی ہیں۔ آزمائش کرلیں اور صدق اور صبر سے کُچھ مُدّت میری صحبت میں رہ کر حقیقت حال سے واقف ہوجائیں پھر اگر یہ دعویٰ اس عاجز کا راستی سے معرا نکلے تو انہیں کے ہاتھ پر میں توبہ کروں گا ورنہ امید رکھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ اُن کے دلوں پر توبہ اور رجوع کا دروازہ کھول دے گا اور اگر وہ میری اس تحریر کے شائع ہونے کے بعد میرے دعاوی کی آزمائش کرکے اپنی رائے کو بہ پایۂ صداقت پہنچاویں تو اُن کی ناصحانہ تحریروں کے کچھ معنے ہوں گے اس وقت تک تو اس کے کچھ بھی معنے نہیں بلکہ اُن کی محجوبانہ حالت قابل رحم ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آج کل کے عقلی خیالات کے پرزور بخارات نے ہمارے علماء کے دلوں کو بھی کسی قدر دبا لیا ہے کیونکہ وہ ضرورت سے زیادہ انہیں خیالات پر زور دے رہے ہیں اور تکمیل دین وایمان کے لئے انہیں کو کافی وافی خیال کرتے ہیں اور ناجائز اور ناگوار پیرائیوں میں روحانی برکات کی تحقیر کررہے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ تحقیر تکلف سے نہیں کرتے بلکہ فی الواقع اُن کے دلوں میں ایسا ہی جم گیا ہے اور اُن کی فطرتی کمزوری اس نزلہ کو قبول کرگئی ہے کیونکہ اُن کے اندر حقانی روشنی کی چمک نہایت ہی کم اور خشک لفاظی بہت سی بھری ہوئی ہے اور اپنی رائے کو اِس قدر صائب خیال کرتے اور اس کی تائید میں زور دیتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو روشنی حاصل کرنوں☆ والوں کو بھی اُس تاریکی کی طرف کھینچ لاویں۔ ان علماء کو اسلام کی فتح صوری کی طرف تو ضرور خیال

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' کرنے '' ہونا چاہیے۔ (ناشر)

﴿۲۴﴾ ہے مگر جن باتوں میں اسلام کی فتح حقیقی ہے ان سے بے خبر ہیں۔

اسلام کی فتح حقیقی اس میں ہے کہ جیسے اسلام کے لفظ کا مفہوم ہے اسی طرح ہم اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اور اپنے نفس اور اس کے جذبات سے بکلی خالی ہو جائیں اور کوئی بت ہوا اور ارادہ اور مخلوق پرستی کا ہماری راہ میں نہ رہے اور بکُلی مرضیات الٰہیہ میں محو ہو جائیں اور بعد اس فنا کے وہ بقا ہم کو حاصل ہو جائے جو ہماری بصیرت کو ایک دوسرا رنگ بخشے اور ہماری معرفت کو ایک نئی نورانیت عطا کرے اور ہماری محبت میں ایک جدید جوش پیدا کرے اور ہم ایک نئے آدمی ہو جائیں اور ہمارا وہ قدیم خدا بھی ہمارے لئے ایک نیا خدا ہو جائے یہی فتح حقیقی ہے جس کے کئی شعبوں میں سے ایک شعبہ مکالمات الٰہیہ بھی ہیں اگر یہ فتح اس زمانہ میں مسلمانوں کو حاصل نہ ہوئی تو مجرد عقلی فتح انہیں کسی منزل تک پہنچا نہیں سکتی۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اِس فتح کے دن نزدیک ہیں خدا تعالیٰ اپنی طرف سے یہ روشنی پیدا کرے گا اور اپنے ضعیف بندوں کا آمرزگار ہوگا۔

تبلیغ

میں اس جگہ ایک اور پیغام بھی خلق اللہ کو عموماً اور اپنے بھائی مسلمانوں کو خصوصاً پہنچاتا ہوں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبت مولیٰ کا راہ سیکھنے کے لئے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور غدارانہ زندگی کے چھوڑنے کے لئے مجھ سے بیعت کریں۔ پس جو لوگ اپنے نفسوں میں کسی قدر یہ طاقت پاتے ہیں انہیں لازم ہے کہ میری طرف آویں کہ میں ان کا غم خوار ہوں گا اور ان کا بار ہلکا کرنے کے لئے کوشش کروں گا اور خدا تعالیٰ میری دعا اور میری توجہ میں ان کے لئے برکت دے گا بشرطیکہ وہ ربانی شرائط پر چلنے کے لئے بدل و جان طیار ہوں گے یہ ربانی حکم ہے جو آج میں نے پہنچا دیا ہے اس بارہ میں عربی الہام یہ ہے۔ **اذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ واصنع الفلک باعیننا ووحینا. الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ یداللّٰہ فوق ایدھم. والسّلام علٰی من اتّبع الھدٰی.**

المبلّغ خاکسار

غلام احمد عفی عنہٗ

مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر (یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

ترجمہ فارسی عبارات

صفحہ ٹائٹل بار اوّل

- اللہ کا شکر ہے کہ یہ جواہرات کا سرمہ راستی اور صدق کے پہاڑ سے ظاہر ہو گیا
- سُرمہ سے انکار نہ کر اگر تجھے آنکھ کی روشنی درکار ہے کیونکہ عقلمند جان و دل سے چشم بینا کو پسند کرتا ہے
- وہ لوگ جن کی دل کی آنکھ پر پردہ پڑا ہے یقیناً وہی ہیں جو اس سرمہ سے بے خبر ہیں

صفحہ ۴۹

- اے دلبر محبوب اور دلدار اے جہاں کی جان اور نوروں کے نور
- جان و دل تیرے جلال سے کانپ رہے ہیں قلوب اور نظریں تیرے رخ کو دیکھ کر حیران ہیں
- تیری ذات کے بارے میں حیرت ہی حیرت ہے غور و فکر سے جب بھی دیکھا جائے
- تو آپ غیب میں ہے مگر تیری قدرت ظاہر ہے تو مخفی ہے مگر تیرے کام نمایاں ہیں
- تو دور ہے مگر جان سے بھی زیادہ نزدیک ہے تو نور ہے مگر اندھیری رات سے زیادہ پوشیدہ
- وہ کون ہے جس نے تیری انتہا کو پایا اور وہ کون ہے جو تیرے بھیدوں پر حاوی ہو گیا
- تو نے محض قدرت سے دونوں جہان پیدا کر دیئے بغیر مادہ کے اور بغیر مددگاروں کی امداد کے

صفحہ ۵۰

- پھر لطف یہ ہے کہ (ان نعمتوں میں کوئی کمی) نہیں پڑتی باوجودیکہ تیری بخششیں بے حد ہیں
- تیرا حسن ہر حسن سے بے نیاز کر دیتا ہے اور تیری محبت ہر دوست کو چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے
- اگر تیرا نمکین حسن نہ ہوتا تو دنیا میں حسن کا نام و نشان نہ ہوتا
- محبوبوں کے چہروں نے تجھ سے رونق پائی پھول نے چمن میں تجھ سے رنگ حاصل کیا
- حسینوں کے پاس جو سیب جیسے رخسار ہیں یہ انہی اونچے درختوں سے آئے ہیں
- یہ دونوں بھی اسی ملک سے آتے ہیں حسینوں کے گیسو اور تاتار کا مشک
- تیرے جمال کی نمائش کے لئے میں ہر چیز کو آئینہ سمجھتا ہوں

- ہر پتّا ہدایت کی ایک کتاب ہے ہر ذات وصفت تجھے دکھانے کے لئے مشعلچی ہے
- ہر نفس تیرا راستہ دکھاتا ہے اور ہر جان بھی اس بات کی ہی آواز دیتی ہے
- ہر ذرہ تیرا نور پھیلاتا ہے ہر قطرہ تیری توصیف کی نہریں بہاتا ہے
- تیرے عجائبات کا ہر طرف شور ہے اور تیرے غرائب کا ہر جگہ ذکر ہے
- میں تیرے ذکر کی برکت سے انوار دیکھتا ہوں آہ وزاری کرنے والے عاشقوں کی جماعت میں
- وہ شخص جو تیری قیدِ محبت میں گرفتار ہو گیا پھر اس نے دوسروں کی نصیحت نہ سنی
- اے میرے مونس جاں! تو کیسا دلستاں ہے کہ دفعتاً تو نے مجھے مدہوش کر دیا
- تیری یاد میں میرا دل غم میں غرق ہو کر صدف کی طرح ایک موتی اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے
- میری آنکھ اور سر تجھ پر قربان ہیں اور میرے جان ودل تیری محبت میں قید
- ہم نے نقد جان دے کر تیرا عشق خریدا ہے تا کہ پھر اور کوئی خریدار دم نہ مار سکے
- تیرے سوا اور کون میرے گریبان میں سے نمودار ہوتا جبکہ میرے دل میں اور کوئی بسنے والا ہی نہیں
- ایک عمر گزر گئی کہ ہم نے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق منقطع کر لیا مگر تیرے بغیر ایک لحظہ گزارنا بھی مشکل ہے

صفحہ ۶۱

- دنیا کے تمام حسینوں کو زیوروں سے زینت دی جاتی ہے تو ایسا روپہلی بدن حسین ہے کہ زیوروں کو زینت بخشتا ہے

صفحہ ۶۵

- کوئی کسی کے لئے سر نہیں دیتا نہ جان قربان کرتا ہے، عشق ہی ہے کہ یہ کام پوری وفاداری سے کراتا ہے

صفحہ ۸۱

- تو نہ اتنا کھا کہ تیرے منہ سے نکلنے لگے اور نہ اتنا کہ کمزوری سے تیری جان ہی نکل جائے

صفحہ ۹۳

- کیا تو نے زمینی کاموں کو درست کر لیا ہے کہ آسمانی کاموں کی طرف بھی متوجہ ہو گیا ہے

صفحہ ۹۵

- فلسفی کی خدا کو پہچاننے والی آنکھ سخت اندھی ہوتی ہے اگرچہ بیکن ہو یا بوعلی سینا ہو

صفحہ۱۰۳

۔ اے عزیز نصیحت پر کان دھرا کرو کیونکہ نیک کردار نوجوان بوڑھے دانا کی نصیحت کو جان سے زیادہ عزیز تر رکھتے ہیں

صفحہ۱۰۸

۔ ننگ و نام اور عزت ہم نے اپنے دامن سے پھینک دی اور ہم خاک میں مل گئے تا کہ یار ہم سے مل جائے

۔ دل ہاتھ سے دے دیا اور جان اس کے راستے میں ڈال دی اور اس محبوب کے وصل کے لئے ہم نے طرح طرح کی تدبیریں کیں

صفحہ۱۳۴

۔ اگر آگ کا پجاری سو سال تک آگ جلاتا رہے تو بھی اگر کسی وقت اچانک اس میں گر پڑے تو جلا ڈالتی ہے

صفحہ۱۳۸

۔ اے غافلو! یہ سرائے فانی کسی سے وفا نہیں کرتی۔ یہ ذلیل دنیا نہ کسی کے ساتھ ہمیشہ رہی نہ رہے گی

صفحہ۱۴۹

۔ اے کہ تو وید کی تعلیم کی وجہ سے گمراہ ہو گیا ہے اور دائمی فیض رساں خدا کا منکر ہے

۔ وہ قادر جس کے سوا کسی کا گذارا نہیں ہے تیرے نزدیک عاجز اور ناکارہ ہے

۔ اگر تیرا منہ خدا کی طرف ہو تو تُو ضرور سنے گا ہر طرف سے قَالُوْا بَلٰی کا شور

۔ وہ کہ جس کی ذات سے ہر بقا اور زندگی وابستہ ہے وہ ذات ہماری خالق کیوں نہیں ہو سکتی

۔ کمزوری تو مخلوقات کا خاصہ ہے مگر خدا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ افسوس!

۔ عقل کب پسند کرتی ہے کہ قادر خدا کمزور ضعیف اور حقیر ہو

۔ خدا تعالیٰ کی شان پر غور کر اور نادانی کی وجہ سے جھگڑا نہ کر

۔ یہ کون سا دین ہے اور یہ کیسا قانون ہے کہ خدا بھی کمزور اور مسکین ہے

۔ اگر تو اس دین و مذہب پر خوش ہے تو تُو اپنی عمر بھر کی کمائی کو برباد کر رہا ہے

صفحہ۱۵۵

۔ تو نے دوستوں سے کون سا اچھا سلوک کیا ہے کہ دوسروں سے بھی کرے گا۔ بخدا تجھ سے بچ رہنا لازم ہے

صفحہ ۱۶۲

- اگر تو نے کوئی بات نہیں کہی تو کسی کو تجھ سے کوئی واسطہ نہیں لیکن اگر کہی ہے تو اس کی دلیل لانی پڑے گی

صفحہ ۱۸۲

- عقل مند جو کچھ کرتا ہے بے وقوف بھی آخر وہی کرتا ہے لیکن بہت خواری اٹھانے کے بعد

صفحہ ۱۸۳

- تا جس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اس کا منہ کالا ہو

صفحہ ۱۸۷

- جب تک کسی اللہ والے کا دل نہیں کڑھتا خدا کسی قوم کو ذلیل نہیں کرتا

صفحہ ۲۵۴

- جہاں محبت نمک پاشی کرتی ہے وہاں جو بھی پردہ درمیان میں ہوتا ہے اٹھ جاتا ہے
- یہ ذلیل نفس جس کے لاکھوں منہ ہیں جب عشق جوش میں آتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے
- جب عشق کی وجہ سے کسی کی خودی کا رنگ جاتا رہتا ہے تو یار اپنی مہربانی سے اس پر اپنا رنگ چڑھا دیتا ہے

صفحہ ۲۵۸

- یار کے سوا ہر چیز سے سینہ خالی ہونا چاہیے اور دل محبوب کی یاد سے بھرا رہنا چاہیے
- جان اس کی راہ میں قربان ہونی چاہیے اور سر اس کے قدموں میں نثار ہونا چاہیے
- کیا تجھے معلوم ہے کہ عاشقوں کا دین کیا ہوتا ہے؟ میں تجھے بتاتا ہوں اگر تو عاشقوں کی طرح سنے
- وہ یہ ہے کہ سارے جہاں کی طرف سے آنکھ بند کر لینا اور دوست کے سوا ہر چیز سے دل کی تختی کو دھوڈالنا

صفحہ ۲۸۱

- زیادہ حسین اپنے سے کم حسین کو چھڑا دیتا ہے ایک عشق کا علاج دوسرا عشق ہوا کرتا ہے
- شیر ہی شیر سے زور آزما ہو سکتا ہے لوہے کو لوہے سے ہی کوٹ سکتے ہیں
- اگر تیرا بدن نجاست سے لتھڑا ہوا ہے تو کسی دریا پر جا اور غوطہ مار

صفحہ ۲۸۷

۔ میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیوں کر کر سکتا ہوں کہ مجھے تو ان کے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے

۔ اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لئے نیا مسیحا آتا ہے

صفحہ ۳۰۰

۔ جب میرے دل پر میرے چاند نے محبت کی نظر ڈالی تو میرے سیاہ دل کو خالص چاندی بنا دیا

صفحہ ۳۰۱

۔ دلبر کی عالمگیر مہربانیاں مجھے بلا رہی ہیں ہر چند کہ یہ غیر لوگ ہمارے راستہ میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں

۔ میں تو دن رات اپنے محبوب کے کوچہ میں خاک کی طرح پڑا رہتا ہوں اس سے بڑھ کر ہمارے عزت واقبال کی اور کیا علامت ہے

صفحہ ۳۰۹

۔ اگرچہ ہر شخص لاف وگزاف مارلیتا ہے لیکن سچا وہی ہے جو اپنے صدق کے آثار رکھتا ہو

صفحہ ۳۲۱

۔ سرمہ چشم آریہ موتی جواہرات سے بھری ہوئی ہے جستجو (کے پہلے حرف) کے ساتھ دیکھو سال تالیف نکل آئے گا

صفحہ ۳۳۰

۔ ہم مرنے سے نہیں ڈرتے ہم نے یہ خوف دل سے نکال دیا ہے ہم تو اسی دن سے مر چکے جس دن سے ہم نے غیر سے اپنا دل ہٹا لیا

۔ ہم نے اس محبوب کی راہ میں جان و دل فدا کر دیا۔ اگر وہ ہماری جان بھی مانگے تو ہم شوق سے دیں گے

صفحہ ۳۳۵

۔ جب قرآن کا بہادر شیر غرانے لگے تو پھر ذلیل لومڑی کا شور کوئی حقیقت نہیں رکھتا

صفحہ ۳۴۱

۔ تو نے دوستوں سے کون سا اچھا سلوک کیا ہے کہ دوسروں سے بھی کرے گا۔ بخدا تجھ سے بچ رہنا لازم ہے

صفحہ ۳۷۷

یہ جوش جوان کے دل میں ہے ان کا اپنا نہیں بلکہ کھڑ پنچوں کا ہاتھ پیچھے سے ان کو شہ دے رہا ہے

صفحہ ۳۸۰

۔ بہتر ہو کہ تجربہ کی کسوٹی استعمال کی جائے تا جس کا جھوٹ ثابت ہو جائے اس کا منہ کالا ہو

صفحہ ۳۸۳

۔ نئی شادی کے لئے جو کچھ چاہیے وہ سامان میں مہیا کروں گا اور تجھے جس چیز کی ضرورت ہو گی وہ بھی عطا کروں گا

صفحہ ۴۳۴

۔ اگرچہ کسی کو بھی متوجہ نہ کر سکے، پیغام لے جانے والوں کی ذمہ داری پیغام پہنچانے تک ہے

صفحہ ۴۴۵

۔ اس بد بخت شکار نے جس کے پیروں میں زنجیر پڑی ہے چمگادڑ کی طرح سورج سے دشمنی اختیار کی ہے

۔ اُس نے فرعون بن کر کلیم اللہ کی عداوت دل میں بٹھائی سارے کا سارا خزاں بن گیا اور لگا موسم بہار کا گلہ کرنے

۔ جب راستی کا کوتوال اسے سزا دینے کے لئے اٹھا تو اسے اتنا کوٹا کہ اس کا بدن غبار کی طرح کر دیا

۔ اس کے بکواس کے رد لکھنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو ایک صید ذلیل تھا جسے موسیٰ نے شکار کر لیا

صفحہ ۴۵۷

۔ شروع میں عشق بہت منہ زور اور خون خوار ہوتا ہے تا وہ شخص جو صرف تماشائی ہے بھاگ جائے

انڈیکس

روحانی خزائن جلد نمبر ۲

زیرِ نگرانی

سید عبد الحی

آیات قرآنیہ ۳

کلید مضامین ۵

اسماء ۱۸

مقامات ۲۷

کتابیات ۳۰

آیات قرآنیه

الفاتحة

الحمد لِلّٰه رب العالمین (۲) ۳۹۶،۲۱۸

البقرة

واذا اظلم علیهم قاموا (۲۱) ۴۶۲

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا......(۲۴-۲۵) ۶۲

سبحانک لاعلم لنا (۳۳) ۱۰۳،۴۹

اینما تولوا فثم وجه اللّٰه (۱۱۶) ۳۹۸

صبغة اللّٰه ومن احسن (۱۳۹) ۲۸۵

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة (۱۵۶-۱۵۸) ۴۶

والذین اٰمنوا اشدحبا لله(۱۶۶) ۲۵۳

فاذکروا الله کذکرکم اٰباء کم(۲۰۱) ۲۵۹

الله لا اله الا هو الحي القیوم ......(۲۵۶) ۱۶

ورفع بعضهم درجات(۲۵۴) ۲۵۲،۲۳۴

یوتی الحکمة من یشآء ......(۲۷۰) ۱۹۲

آل عمران

الله لا اله الا هو الحی القیوم(۳) ۳۹۸

یذکرون الله قیاما و قعوداً (۱۹۲) ۱۹۱

النساء

ومن یهاجر فی سبیل اللّٰه(۱۰۱) ۳۲۶

وکان الله بکل شیء محیطاً(۱۲۷) ۳۹۹

لن یجعل الله للکافرین(۱۴۲) ۳۲۳

المائدة

وذلک فضل الله یوتیه من یشآء (۵۵) ۱۰۷

الانعام

ما فرطنا فی الکتاب من شیءٍ (۳۹) ۶۱

لا تدرکه الابصار......(۱۰۴) ۳۹۸

قل ان صلٰوتی ونسکی ومحیای(۱۶۳) ۳۳۰

الاعراف

الا له الخلق والامر(۵۵) ۱۷۶

الست بربکم قالوا بلٰی(۱۷۳) ۱۶۸

الانفال

مارمیت اذرمیت......(۱۸) ۲۷۶

یونس

ذلکم الله ربکم (۴) ۱۴

الرعد

الله خالق کل شیء و هوالواحد القهار(۱۷) ۶

ابراهیم

کلمة طیبة کشجرة طیبة......(۲۵-۲۶) ۱۵۷

وان تعدوا نعمت الله لا تحصوها(۳۵) ۴۰۵

النحل

ان الله یامر بالعدل ......(۹) ۳۶۱

ونزلنا الکتاب تبیانا لکل شیءٍ(۹۰) ۶۱

بنی اسرائیل

ومن کان فی هذه اعمیٰ......(۷۳) ۱۵۷

وقل جاء الحق وزهق الباطل(۸۲) ۲۷۸

کل یعمل علی شاکلته(۸۵) ۴۶۴

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امرربی(۸۶) ۱۷۲،۱۶۵

قل لئن اجتمعت الانس والجن(۸۹) ۲۷۴،۶۱

طٰهٰ

اعطی کل شیءٍ خلقه (۵۱) ۳۵۷

النور

اللہ نو رالسمٰوٰت والارض(۳۶) ۱۹،۳۹۸

الفرقان

لم یکن لہ شریک فی الملک(۳) ۸

الشعراء

واذابطشتم بطشتم جبارین(۱۳۱) ۱۰۰

العنکبوت

والذین جاھدوا فینا ......(۷) ۱۷۵

لقمان

واقصدفي مشیک(۲۰) ۱۶۷

فاطر

وان من امۃ الا خلافیھا نذیر(۲۵) ۲۹۳

الزمر

یخلقکم فی بطون امھاتکم ......(۷) ۱۳

قل یا عبادی الذین اسرفوا......(۵۴) ۲۷۶

حٰمٓ السّجدۃ

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر (۳۸) ۳۶۱

الشوریٰ

لیس کمثلہ شیءٍ(۱۲) ۳۹۸

الفتح

ان الذین یبا یعونک......(۱۱) ۲۷۵

قٓ

ونحن اقرب الیہ من حبل الورید(۱۷) ۲۲۴،۳۹۹

الطور

ام خلقوا من غیر شی ءٍ......(۳۶تا ۳۸) ۹

النجم

ثم دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین(۹،۱۰) ۲۶۴،۲۷۴

القمر

اقتربت الساعۃ وانشق القمر(۲،۳) ۱۱۰،۱۱۱،۱۱۹

وکذبوا و اتبعوا اھوائھم ......(۴) ۱۱۹

الواقعۃ

وکاس من معین......(۱۹۔۲۰) ۱۵۶

لا یسمعون فیھا لغواً ولا تاثیماً(۲۶،۲۷) ۱۵۷

الحدید

اعلمواان اللّٰہ یحی الارض......(۱۸) ۲۹۳

المجادلۃ

وایدھم بروح منہ(۲۳) ۲۸۵

الحشر

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبلٍ......(۲۲) ۶۳

ھواللّٰہ الخالق الباری المصور......(۲۵) ۱۱

القیامۃ

وجوہ یومئذ ناضرۃ......(۲۳،۲۴) ۱۵۷

الدھر

ان الابرار یشربون من کأسٍ(۶،۷) ۱۵۶

وسقا ھم ربھم شرابا طھوراً(۲۲) ۱۵۶

النازعات

وامامن خاف مقام ربہ......(۴۱،۴۲) ۱۴۳

البینۃ

یتلوا صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ(۲،۳) ۶۱

کلید مضامین

آ ۔ ا

آخرت

اسلام کا تصور بہشت ۱۵۶

اخروی زندگی اور بہشت کے بارہ میں آریوں کے اعتراضات ۱۵۱

آریہ دھرم (نیز دیکھئے ہندومت)

آریہ لفظ کے بارہ میں دیانند کا فریب ۴۳۵

''ہندو آریہ نام کا بیان'' پادری ٹامس ہاول کا مضمون ۴۳۶

یہ عقیدہ کہ علوم وفنون آریوں سے تمام جہاں میں پھیلے ۳۶۲

خود ویدوں کے تراجم نہیں کرتے اور دوسرے تراجم کو تسلیم نہیں کرتے۔ ۳۳۲

صرف رگوید کا ترجمہ اردو میں کردیں تو ویدوں کی حقیقت آریوں پر ظاہر ہوجائے ۳۳۰

انگریزوں اور یورپین کو بھی پرمیشر مان لیں جنہوں نے صنعتیں ایجاد کی ہیں ۲۵۱

وید کے سوا الہام کے منکر ہیں ۹۰،۲۸۰

آریہ صاحبان علم فلسفہ سے بکلی بے خبر ہیں ۱۸۵

عیسائیوں کی کتابوں سے جو اسلام کے خلاف ہوتی ہیں متاثر ہوجاتے ہیں ۳۱۱

آریوں کے پرمیشر کی حقیقت ۴۲۸

تناسخ اور نجات کا تصور ۱۵۲

آریہ عقیدہ تناسخ قانون قدرت کے منافی ہے ۱۳۲

پہلا اصول مدار تناسخ کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں سب ارواح انادی ہیں ۶

نجات (مکتی) کے بارہ میں نظریہ ۱۴۹

ارواح کے بارہ میں آریہ سماج کا عقیدہ ۴۱، ۲۰۶، ۲۰۸

ان کا اقرار کہ ارواح موجودہ چار ارب سال سے زیادہ عرصہ کی نہیں ۳۹

ارواح کے انادی ماننے میں قباحتیں ۱۳۹

روحوں کے غیر مخلوق ہونے پر دلیل ۱۶۳

وید سے روحوں کا غیر مخلوق ہونا ہرگز آریہ لوگ ثابت نہیں کرسکتے ۱۷۰

آریوں کی گندہ ذہنی اور دشنام طرازی ۳۶۸، ۳۶۹

چشمہ نور امرتسر میں آریوں کا اسلام کے خلاف ایک اشتہار کی اشاعت ۳۳۶

حضرت مسیح موعود اور آریہ

آریہ عقائد کی بیخ کنی کرنا ۳۲۹

کوئی آریہ ہمارے مقابل پر وید کا قرآن شریف سے مقابلہ نہیں کرسکتا ۲۹۶

وید اور قرآن کے مقابلہ کا چیلنج ۲۹۹

آریوں کو مباہلہ کا چیلنج ۲۸۰

ویدوں سے رشیوں کا ملہم ہونا ثابت کریں ۲۸۴

منشی جیون داس آریہ لیڈر کو مباہلہ کا انعامی چیلنج ۳۲۱

معترض آریوں کو حضور کا انعامی چیلنج ۳۱۴

قادیان کے آریوں کا مخالفانہ اشتہار ۳۷۸

قادیان کے آریوں سے فیصلہ آسمانی کا طریق ۳۷۹

آریوں کو سرمہ چشم آریہ کے دلائل کی رو سے مباہلہ کا چیلنج اور نمونہ تحریر ۳۰۵

تمام آریہ مل کر بھی ہمیں نابود نہیں کرسکتے ۳۶۷

آریوں کا اعتراض کہ مرزا صاحب ہماری مذہبی کتب سے بے بہرہ ہیں ۳۴۲

آریوں کی طرف سے حضور کو موت کی دھمکی ۳۲۹

ابتلاء

انبیاء پر آنے والے ابتلاء کی حقیقت ۴۵۸
حضرت داؤد، مسیح اور آنحضرتؐ کی ابتلاء کی حالت کی دعائیں ۴۵۸

اجتہادی غلطی

پیشگوئیوں میں اجتہادی غلطی قابل اعتراض نہیں ۴۵۱

اسلام

لفظ اسلام کا مفہوم ۴۷۰
غور وفکر کرنے اور حصول علم کی ترغیب دینے کی تعلیمات ۱۹۱
اہل اسلام کی علمی ترقی پر جان پورٹ کی تحریر ۱۹۳
اہل عرب مسلمانوں نے علوم کو ترقی دی ۱۹۴
اسلام کے بارہ میں ایک فاضل انگریز بلنٹ کی کتاب ۴۰۳
اسلام کے عقیدہ شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب ۵۹
آریوں کا اسلام کے خلاف چشمہ نور امرتسر میں
اشتہار بصورت رسالہ ۳۳۶

اشتہار/اشتہارات

فروری ۱۸۷۸ء میں تناسخ کے ابطال میں حضور کا اشتہار ۵
اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء ۲۳۶، ۴۵۳، ۴۶۶
اشتہار ۸/اپریل ۱۸۸۶ء ۴۵۶، ۴۶۶
اشتہار صداقت انوار ۳۰۹
اشتہار مفید الاخیار ۳۱۱
اشتہار محک اخیار و اشرار ۳۱۵
براہین احمدیہ کی صداقتوں کی بابت اشتہار ۳۱۹
براہین احمدیہ کی صداقتوں کی بابت اشتہار بزبان انگریزی ۳۲۱
انعامی اشتہار بابت سرمہ چشم آریہ ۳۲۱
کتاب سرمہ چشم آریہ کے بارہ میں حضور کا اشتہار ۴۸
اشتہار تبلیغ برائے اعلان بیعت ۴۷۰

اعتراضات

مرلیدھر کے اعتراضات

۱۔ شق القمر کا معجزہ خلاف عقل ہے ۱۰۸
۲۔ بہشت میں شراب کیوں حلال ہوگی ۱۵۶
۳۔ اسلام نے مادہ کی کیفیت کو بھی نہیں سمجھا ۱۸۳
۴۔ مسلمانوں کو چاند وغیرہ کی حقیقت معلوم نہیں ۱۸۵
۵۔ اسلام نے خواص روح ظاہر نہیں کئے ۲۲۸
۶۔ مرزا صاحب نے علم غیب کا کوئی نشان نہیں دکھلایا ۲۳۵
۷۔ پیشگوئی پسر موعود پر اعتراض اور اس کا جواب ۳۱۶
۸۔ ہماری کتب مذہب سے بے بہرہ ہیں ۳۴۲
۹۔ مرزا صاحب کوڑی کوڑی سے لاچار اور قرض دار ہیں ۳۴۴
۱۰۔ مرزا صاحب نے جان محمد امام مسجد قادیان کو کہا کہ
تم اپنے لڑکے کی قبر کھودو حالانکہ وہ نہیں مرا ۳۴۵
۱۱۔ پسر موعود کی پیشگوئی تھی لیکن لڑکی پیدا ہوئی ۳۴۷
۱۲۔ سرمہ چشم آریہ میں ہماری کتاب کا حوالہ نہیں ہے ۳۴۹
۱۳۔ فریبی اور دروغ گو ہونے کا اعتراض ۳۶۳
۱۴۔ براہین احمدیہ کے الہامات فن وفریب سے بنانے
کا اعتراض ۳۷۱

اگنی

اگنی پرمیشر کا جسم اور صفات ۳۳۹
دیانند کا تسلیم کرنا کہ اگنی سے مراد آگ ہے ۴۱۷

اللہ تعالیٰ جل جلالہ

اللہ کی ذات لامحدود اور لاانتہا ہے ۴۷
تمام طاقتوں کا جامع اور حدود و قیود سے آزاد ہے ۲۱۱
اپنی قدرت اور وجوب ذاتی میں کامل ہے ۳۰۳
اللہ تعالیٰ کے تین عالم ظاہر، باطن اور باطن در باطن ۱۷۵
مذہب کی جڑھ خدا شناسی اور معرفت نعماء الٰہی ہے ۲۸۱
محبت میں کمال معرفت میں کمال سے پیدا ہوتا ہے ۲۸۱
معرفت الٰہی عطا ہونے کے تین دروازے مندرجہ قرآن ۷۲
قرب الٰہی کی تین قسمیں تین قسم کی تشبیہ پر موقوف ہیں ۲۵۲
عبادت الٰہی میں حکمت ۲۶۴
عظمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان بندگی بجالائے ۲۶۵
اللہ تعالیٰ کے انزال رحمت کے دو طریق ۴۶۱

ویدوں کی رو سے اللہ ایک باریک جسم ہے ۳۹۹

وید میں اللہ کی خوبیاں نہیں بلکہ نقص بیان ہوئے ہیں ۴۰۴

صفات الٰہیہ

اللہ اپنی صفات کاملہ میں لامحدود اور غیر متناہی ہے ۹۱

قدرت الٰہی صفات ازلی وابدی کے خلاف نہیں چلتی ۲۳۲

اللہ کو صفات سے معطل کرنا دیوتا پرستی اور تناسخ کا موجب ہے ۴۰۷

صفت ربوبیت ۲۲۴،۲۹۲

ربوبیت تامہ ۱۴

صفت ربوبیت کی تجلیات اور اسرار ۱۷۳

صفت ربوبیت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں ۲۶۴،۲۶۶

صفت قادر ۳۴

صفت قادر مطلق ہونا ۱۶۴

صفت قادر میں ہی اللہ کی کبریائی ہے ۱۰۴

کیا خدا خود اپنی ذات کا خالق اور اپنی مثل بنانے پر قادر ہے ۲۳۰

صفت خالق ۷،۸،۱۱،۲۰۲

اللہ کا خالق ہونا بدیہی الثبوت ہے ۲۱۵

خالقیت باری تعالیٰ کے دلائل ۶،۱۹

صفت خالقیت کا بھید ۱۶۵

صفت خالقیت کے اسرار ۱۷۳

اللہ کو خالق تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ مبداء فیض ہے ۴۲۸،۴۳۰

صفت خالقیت کے کمال کا ظہور جمادات میں ہوا ہے ۲۴۰

صفت خالق پر حضورؑ کا اخبار سفیر ہند میں مضمون ۳۵

صفت خالقیت کے انکار کے بداثرات ۵۵

صفت واحد ۶،۷،۲۳۷،۲۴۲،۲۴۴

اللہ تعالیٰ کی صفت کریم ۴۰۵

صفت حی وقیوم ۱۷،۱۸،۱۹

صفت علیم ۲۲۱،۲۲۲،۲۶۹

صفت قہّار ۶،۷

صفت باری ومصوّر ۱۱

الہام/کشف

ضرورت الہام پر حضور کا خط ۲۰

مسئلہ الہام کی بحث پر پنڈت شیونارائن اگنی ہوتری سے خط وکتابت ۲۰

الہام اور کشف کی ضرورت پر یقین ۱۷۶

اللہ تعالیٰ نے انسان میں کشف اور الہام پانے کی قوت رکھی ہے ۸۸

ہزاروں مقدسوں کی شہادت سے الہام کا پایا جانا بہ پایہ ثبوت پہنچ چکا ہے ۸۸

ضرورت کشف پر یقین تناسخ کی بیخ کنی کر رہا ہے ۱۷۸

قرآن کے سچے پیرو الہام پاتے ہیں ۳۷۳

صاحب کشف کے تجربات ۱۷۸

حضور کے مکاشفات مثلاً سرخ چھینٹوں کا نشان ۱۷۹

حضور کا الہام انا ارسلناہ شاھدا و مبشراً...... ۴۶۲

قادیان کے آریہ حضور کے الہامات اور پیشگوئیوں کے گواہ ۳۸۰

آریہ لوگ وید کے علاوہ الہام کے منکر ہیں ۲۸۰

انزال رحمت

انزال رحمت کے دو طریق ۴۶۱۔ح

انگریز قوم

سنسکرت زبان سیکھنے میں میں کمال پیدا کیا ۳۹۹

انگریزوں پر آفتاب صداقت آشکار ہونے کی دعا ۳۲۰

انگریز حکومت نے پنجاب میں سکھ مظالم سے نجات دلائی ۱۸۶

انگریز ویدوں کا تحت اللفظ ترجمہ کروادے تاعام لوگوں کا دھوکہ دور ہوجائے ۴۰۱

ایمان؍ایمانیات

ایمان کیا چیز ہے ۷۲

ایمان کو پردۂ غیب میں رکھنے کی حقیقت ۸۱

تمام امور ایمانیات کا ثبوت کھلا کھلا نہیں ہوتا ۸۳

ب۔پ۔ت

بدھ مذہب

ویدوں کا اصلی روزنامچہ بدھ مذہب کے عروج کے وقت گم ہو گیا تھا ۳۹۰

برہمن

ویدوں میں برہمنوں کیلئے امتیازی تعلیمات ۱۸۷

برہمو سماج

برہمو سماج کے لیڈر پنڈت شیونارائن ۴

برنباس انجیل (دیکھئے عیسائیت)

بکرا

دودھ دینے والا بکرا ۹۹

بنی اسرائیل

بنی اسرائیل نے موسیٰ کی پیشگوئی پر ٹھوکر کھائی ۴۶۸

بہشت

اسلامی تصور بہشت ۱۵۶

نعماء بہشت پر اعتراض اور اس کا جواب ۱۵۰

قرآنی بہشت اور وید کے مکتی خانہ کا مقابلہ ۱۶۱

بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے ۱۴۱

بہشتی شراب کی حقیقت ۱۵۷

بیعت

حضور کا بیعت لینے کا اعلان اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ۴۷۰

پرمیشر دیکھئے ہندومت

پیشگوئی؍پیشگوئیاں

اجتہادی غلطی سے ربانی پیشگوئیوں کی شان و شوکت میں فرق نہیں آتا ۴۵۷

نار حجاز نکلنے کی آنحضورؐ کی پیشگوئی ۱۰۲

بائبل میں آنحضورؐ کے بارہ پیشگوئیاں ۲۸۰

پیشگوئی مصلح موعود کی صراحت سبز اشتہار میں ۴۴۷

تاریخ

ہندوستان، چین، برہما کی تاریخوں میں شق القمر کا ذکر نہیں۔ مرلیدھر کا اعتراض ۱۰۸

شق القمر تاریخی طور پر ثابت ہے ۲۷۹

ہندو تاریخ کے بہت کچے ہیں ۳۹۱

تصوف

مقام جمع قاب قوسین کی تفاصیل کتب تصوف میں موجود ہیں ۲۷۷

تناسخ (دیکھئے زیر عنوان آریہ دھرم)

توحید

قرآنی توحید نے یورپ میں ہل چل ڈال دی ہے ۴۰۳

قرآن کے دس اوراق سے توحید آفتاب کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ وید کے ہزار اوراق سے بھی نہیں نکلتی ۲۱۶

خدا کی سچی توحید ہرگز تناسخ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ۴۲۲

ویدک توحید کا فلسفہ ۳۹۳

وید میں توحید نہیں ہے ۴۰۳

وید میں توحید نہیں بلکہ مشرکانہ تعلیمات اور دیوتا پرستی ہے ۴۱۵، ۴۱۶

چ۔ح

چاند

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ کیلئے دیکھئے ”شق القمر“

حدیث/احادیث

انّما الاعْمَالُ بِالنیَّا تِ ۴۸

طَلبُ العلم فریضۃٌ علی کل مُسلمٍ و مُسْلِمَۃٍ ۱۹۲

حدیث بالمعنیٰ

نارحجاز کے نکلنے کی پیشگوئی ۱۰۲

حقوق العباد

حقوق العباد کے بارہ میں ویدوں کی امتیازی تعلیم ۴۲۳

حکومت

انگریز حکومت نے پنجاب میں سکھ مظالم سے نجات دلائی ۱۸۶

سکھ دور حکومت میں مسلمانوں پر مظالم ۱۸۶

د۔ر

دعا

حضورؑ کی قبولیت دعا کے واقعات ۳۸۰

دہریہ/دہریت

دہریوں کے مقابل دلائل براہین احمدیہ میں موجود ہیں ۲۱۰

آریہ عقائد دہریوں کے مددگار بنتے ہیں ۱۳۹، ۱۴۴، ۲۰۶، ۲۱۲

یورپی فلاسفروں کا ایک گروہ دہریہ اور خدا کا منکر ہے ۴۳۱

رحمت

انزال رحمت کے دو طریق ۴۶۱

روح/ارواح

ارواح اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ۳۵، ۳۷

روحوں کا موجد وقادر کامل وحکیم ہونا ضروری ہے ۲۰۹

اللہ تعالیٰ اپنے امر اور کلمہ سے ارواح اور اجسام کو وجود پذیر کرلیتا ہے ۱۶۵

ارواح کے مخلوق ہونے کے بارہ میں قرآنی دلائل ۱۶۷

آنحضورؐ سے روح کے بارہ میں سوال اور اس کے جواب کی حقیقت ۱۷۲

مرلیدھر کا اعتراض کہ اسلام نے خواص روح ظاہر نہیں کئے ۲۲۸

روحوں کے بارہ میں مختلف مذاہب کے نظریات ۴۳۲

روحوں کی ۲۰ قوتیں اور استعدادیں جو قرآن کی بیان کردہ ہیں ۲۴۵

روح میں موجود قوتوں کا بیان ۱۴۰

روح کا تعلق جسم سے ۲۴۸

روح جسم اور افعال انسانی کا تعلق ۱۶۰

روح کا چاند سورج وغیرہ سے تعلق پکڑنا ۱۳۳

آریوں کا اعتراض کہ محمدؐ کو علم روح نہیں دیا گیا ۱۷۱

قرآن اور وید کا روح کے تصور اور خواص کا موازنہ ۲۲۸

علم روح کے متعلق قرآن کریم سے اور مقابل پر مرلیدھر کو وید سے کتاب لکھنے کا چیلنج ۱۷۸

ماسٹر مرلیدھر صاحب روحوں کا غیر مخلوق ہونا وید سے ثابت کریں ۱۷۰

وید کی رو سے ارواح غیر مخلوق اور انادی ہیں ۲۰۹

روحوں کے انادی ہونے کے بارہ میں منشی گردیال صاحب مدرس مڈل سکول چنیوٹ کے استفسار کا ضروری جواب ۴۷۔ل

ارواح بے انت نہیں ہیں آریہ سماج کا اقرار ۴۹۔ج

روحوں کے بارہ میں آریہ عقیدہ ۱۲۲، ۲۰۶

پرمیشر کی روح اور دوسری چیزوں کی روح متحد الحقیقت ہیں۔ ویدوں کا نظریہ ۳۹۴

ارواح کے بے انت ہونے کے بارہ میں آریہ سماج کا عقیدہ ۴۱

روح انسانی اوس کی طرح گھاس پات پر گرتی ہے۔ آریہ عقیدہ ۱۱۲، ۱۱۳

آریہ عقیدہ کہ سب ارواح انادی اور اپنے وجود کی آپ پرمیشر ہیں ۶، ۱۸

روحوں کے بے انت اور انادی ہونے کے خلاف
حضورؑ کے دلائل ۴۸۔ب، ۴۹۔ج
ارواح کے انادی ماننے میں قباحتیں ۱۳۹
روحوں کے غیر مخلوق ہونے کے بارہ میں آریوں کی دلیل ۱۶۳
روحوں کے غیر مخلوق ہونے پر لیکھرام پشاوری کی دلیل ۴۲۶
ہندو عقیدہ کہ ہر روح پرمیشر سے نکلی اور پرمیشر میں
نابود ہو جاتی ہے ۴۳۲

رؤیت ہلال

اعتراض کہ مسلمانوں کو چاند کی حقیقت معلوم نہیں ۱۸۵
اسلامی صیام کے رؤیت ہلال پر مدار میں فوائد ۱۹۲
یورپ کے علماء نے بھی رؤیت کو معتبر سمجھا ۱۹۲

س۔ش۔ص

سکھ مت

سکھوں کو نصیحت ۲۱۷
باوا نانک اسلامی تعلیمات کی تصدیق کرتے ہیں لیکن
آپ کے بعض چیلے ان کے عقائد کے خلاف ہیں ۲۱۹
سکھ دور حکومت کے مظالم ۱۸۶

سنسکرت ۲۱۴، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۳۵ تا ۴۳۸

شراب

شراب بہشت میں کیونکر جائز ہوگی ۱۵۶

شعر، شعرا

عظیم مسلمان شعرا کا ذکر ۱۹۶

اردو اشعار

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدأ الانوار کا (پوری نظم) ۵۲
مظفر گڑھ جہاں پر ہے مکالف صاحب عالی ۹۹
دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں ۱۳۷
جس نے پیدا کیا وہی جانے ۲۳۲
اب تو کچھ سمجھ کے جان تجھ پر کریں گے قربان ۱۵۲
ان کو سودا ہوا ہے ویدوں کا ۲۲۰
محمد عربی بادشاہ ہر دوسرا ۲۹۹
ہم نے الفت میں تری بار اٹھایا کیا کیا ۳۱۵

فارسی اشعار

اے دلبر و دلستان و دلدار (پوری نظم) ۴۹
ہمہ خوبان عالم را بزیور ہا بیارایند ۶۱
کس بہر کسے سر ندہد جان نفشاند ۶۵
نہ چنداں بخور کز دہانت برآید ۸۱
تو کار زمین را نکو ساختی ۹۳
فلسفی را چشم حق بین سخت نابینا بود ۹۵
نصیحت گوش کن جاناں کہ از جان دوست تر دارند ۱۰۳
جنس نام و ننگ و عزت راز دامان ریختم ۱۰۸
اگر صد سال گبر آتش فروزد ۱۳۴
اے ز تعلیم وید آوارہ ۱۴۹
با دوستاں چہ کردی کہ کنی بدیگراں ہم ۱۵۵
ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ۱۶۲
ہر چہ دانا کند نادان ۱۸۲
تا دل مردان حق نامد بدرد ۱۸۷
آنجا کہ محبتے نمک میریزد ۲۵۴
سینہ می باید تہی از غیر یار ۲۵۸
ترک خوبی مے کناند خوبتر ۲۸۱
چوں گمانے کنم اینجا مدر روح قدس ۲۸۷
تا بر دلم شدا از مہر ماہ مارا ۳۰۰
لطف عمیم دلبر ہر دم مرا بخواند ۳۰۱
سرمہ چشم آریہ پر درد ز گوہر ست ۳۲۱
نمی ترسیم از مردن چنین خوف از دل افگندیم ۳۳۰
چو شیر زرزہ قرآن نماید و بغریدن ۳۳۵
تو بدوستاں چہ کردی کہ کنی بدیگراں ہم ۳۴۱
این نہ خود ہست جوش جان شان ۳۷۷

خوش بود گر محک تجربہ آمد بمیاں ۳۸۰
گر نباید بگوش رغبت کس ۴۳۴
بخال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را ۴۳۶
آن صید تیرہ بخت کہ بندی بپائے اوست ۴۴۵
عشق اول سرکش وخونی بود ۴۵۷
وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضۃ ۴۳۵

شق القمر

معجزہ شق القمر کی حقیقت ۶۰، ۱۰۹
ہندوؤں کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر ۱۲۶
کرہ ارض میں خاصیت زلازل وانشقاق واتصال پائی جاتی ہے ۲۷۷
شمس وقمر میں انشقاق واتصال ہمیشہ جاری ہے ۲۷۸
معجزہ شق القمر پر اس وقت کے مخالفین نے اعتراض نہیں کیا ۱۲۳
معجزہ شق القمر پر اعتراض فضول ہے ۲۷۳
واقعہ کا قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں کے اعتراض کا جواب ۱۲۷
شق القمر سے انتظام عالم میں فتور واقعہ ہونے کے اعتراض کا جواب ۱۱۸
اعتراض کہ اس واقعہ کا ذکر غیر مما لک کی تاریخ میں ہونا چاہئے ۱۲۱

شہد

شہد کی مکھی کا ہنر مندی سے شہد بنانا ۲۰۱

شیطان

خالقیت کے انتہائی نقطہ انخفاض پر شیطان واقع ہے ۲۴۸
شرک اور شر کی طرف سے ذوی العقول کو کھینچتا ہے ۲۵۰

صحابہ رسول

صحابہ رسول کی روحانی ترقی اور حیرت انگیز انقلاب کا باعث ۷۶

ط ۔ ع ۔ غ

طب ۳۶۲

حکیم بقراط کی طبی کتاب میں لاعلاج مریضوں کی معجزانہ شفاء کا ذکر ۹۸

عبادت

عظمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان بندگی بجالائے ۲۶۵
اللہ تعالیٰ کی عبادت انسان کے اپنے فائدہ کیلئے ہے ۲۶۴
اللہ کو بندگی کی کیا ضرورت ہے مرلیدھر کا اعتراض ۲۶۳

عقل

عقل کے آگے کشف اور الہام کی مخفی قوت بھی ہے ۸۸
انسان میں عقلی قوت اور اس کی حد مقرر ہے ۸۸

علم

علم کی تین اقسام علم الیقین عین الیقین حق الیقین ۴۷، ۶۷، ۷۷
تحصیل علم کیلئے اسلام نے ترغیب دلائی ہے ۱۹۲
دنیا میں علم عرب کے مدارس سے آیا ۳۶۲
علوم ہیئت وفلسفہ میں دور اسلام میں سپین میں ترقیات ۱۹۴
عرب مسلمانوں نے علوم کو از سر نو ترقی دی اور یونان وروم کے علوم میں جان ڈال دی ۱۹۴

عیسائیت

انجیل متی میں آنحضورؐ کی جلالیت تامہ کی پیشگوئی ۲۹۲
انجیل برنباس میں صریحاً نام محمدؐ درج ہے ۲۸۷
ایک انگریز عیسائی جارج سیل نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا اس نے برنباس انجیل میں آنحضورؐ کی پیشگوئی کا ذکر کیا ۲۸۸، ۲۹۸
ایک عیسائی انجیل برنباس میں آنحضورؐ کی پیشگوئی پڑھ کر مسلمان ہو گیا ۲۸۹
پادری صاحبان نے اردو میں اپنی کتابوں میں انجیل برنباس کا ذکر نہیں کیا ۲۹۱

پوپ پنجم کی لائبریری میں انجیل برنباس موجود تھی ۲۸۸
عیسائیوں اور یہودیوں کی خائنانہ دست اندازیوں
نے بائبل کے خوبصورت چہرہ کو خراب کر دیا ۳۹۷
عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ کہنا ۱۶۵
عیسائی انجیل کی ویسی تکریم نہیں کرتے جیسی مسلمان
قرآن کی کرتے ہیں جان بورٹ کا بیان ۱۹۵
پولوس کے مخالف عیسائیوں کا ذکر ۲۸۹
ایک عیسائی راہب فرامیرینو کا ذکر ۲۸۹
پادریوں کی اسلام پر نکتہ چینی پر مشتمل کتابوں
سے آریہ متاثر ہو جاتے ہیں ۳۱۱
کرشمہ روح القدس دکھانے کیلئے عیسائی پادریوں
کو حضرت مسیح موعود کا چیلنج ۲۸۶
معترض عیسائیوں کو حضور کا انعامی چیلنج ۳۱۴

غیب / ایمان بالغیب

امور غیبیہ کا ثبوت دیگر مشہودات کی طرح کھلا کھلا
نہیں ہوتا ۸۳
انبیاء کا اصول یہ رہا ہے کہ غیب کو غیب کی صورت
قبول کرنے میں ہی ایمان کا ثواب ہے ۸۴

غار

غار ثور میں حفاظت الٰہی کا معجزہ ۶۶

ف۔ق۔ک۔گ

فرشتے

ظاہری فرشتے تو معلوم ہیں۔ پاک اخلاق اور
پاکیزہ حالتیں ایک قسم کے فرشتے ہیں ۶۹
آتش شوق الٰہی افروختہ ہو کر دخل شیطان سے
محفوظ رکھنے کے لئے ملائک کا کام دیتی ہے ۷۰

فلسفہ

فن فلسفہ میں امور جائز الوقوع میں صرف ان کے
فرض وقوع پر بحث کی جاتی ہے ۱۴۷
یونانی فلسفہ افلاطون اور ارسطو کے خیالات ۹۷
ہسپانیہ کے اہل اسلام فلسفہ یورپ کے بانی خیال
کئے جاتے ہیں ۱۹۴
یورپ کے فلاسفروں کا قرآن کی عظمت کا اقرار ۱۹۶
فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ امور جدید الظہور
کے ہاتھ میں رہی ۹۲
فلسفی جدید ایجادات انتقال خون اور بجلی سے پہلے
انہیں قانون قدرت کے خلاف سمجھتا تھا ۹۵
فلسفیوں کی دلی حالت سب سے زیادہ خراب ہوتی ہے ۱۰۳
فلسفیوں کے خیالات ہمیشہ پلٹا کھاتے رہے ہیں ۹۱
فلاسفروں کے جھوٹے فلسفہ کے بدنتائج ۸۶
وہ سچا فلسفہ نہیں جو کشف اور الہام کی قوت اور
ہزاروں مقدسوں کی شہادت کو رد کرتا ہے ۸۹
فلاسفروں / حکیموں کا ایک گروہ خدا کا منکر اور دہریہ ہے ۴۳۱
اس زمانہ کی فلاسفی انشقاق و اتصال شمس و قمر کی قائل ہے ۲۷۸
آریہ صاحبان علوم فلسفیہ سے بکلی بے خبر ہیں ۱۸۵

قاب قوسین

اس کی لطیف تشریح ۲۶۴

قانون قدرت

شق القمر قانون قدرت کے خلاف ہے۔ اس اعتراض
کا جواب ۱۱۶
اصول تناسخ قانون قدرت کے منافی ہے ۱۳۲

قرآن کریم

کوئی کتاب صفات الٰہی کے بیان میں قرآن کا
مقابلہ نہیں کر سکتی ۳۹۷

قرآن کی پہلی آیت ہی اللہ کو جسمانی ہونے سے پاک قرار دیتی ہے ۳۹۶
محفوظ کتاب ہونا ۱۲۸
حکمت ومعرفت سے بھری کتاب ۳۱۳
قرآن اپنی ذات میں مجموعہ براہین ہے ۲۷۳
قرآن کریم کی مثال ایک عالیشان عمارت سے ۳۹۷
اعجاز قرآن کا بیان ۲۷۳
قرآن کریم میں پاک حمد الٰہی درج ہے ۲۵۶
دعوتِ فکر کی طرف رغبت دلانے کی تعلیم ۱۹۱
قرآنی آیات کی تاثیرات عجیبہ ۱۰۰
قرآنی خصوصیت کہ اس کے سچے پیرو الہام پاتے ہیں ۳۷۳
قرآن کریم کی پاک تاثیرات لاکھوں مقدسوں کے تجربہ میں ہیں ۷۸،۷۹
تاثیرات کلام الٰہی نے عرب کے لوگوں کو یکسر بدل دیا ۷۷
قرآن سے مسلمانوں کی محبت اور قرآن حفظ کرنے کا شوق ۳۳۱
صداقت قرآن کروڑہا آریہ اسلام میں داخل ہو گئے ۲۵۵
قرآن کے دس ورق سے توحید کے معارف آفتاب کی طرح ظاہر ہوتے ہیں ۲۱۶
توحید اور عیوب سے منزہ ہونے میں ایک بے مثل کتاب ہے ۴۰۳
قرآنی فلاسفی جس پر عقل سلیم شہادت دیتی ہے ۳۶۷
قرآن کو اپنے کمال کیلئے معجزات خارجیہ کی حاجت نہیں ۶۱
قرآن اپنے احاطہ تامہ کا دعویٰ پیش کرتا ہے ۷۳
امور غیبیہ کے علوم کثرت سے قرآن میں پائے جاتے ہیں ۷۵
تائید دین کیلئے قرآن نے دیگر علوم سے بھی اعجازی طور پر خدمت لی ہے ۷۵
اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارہ میں عالی قدر تعلیمات ۳۹۸
کوئی کتاب صفات الٰہی کے بیان میں قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۳۹۷
قرآن صفات ربانی کے بیان میں سب کتابوں سے ممتاز ہے ۳۳۹
قرآن کی پہلی آیت ہی خدا کے جسمانی ہونے سے پاک قرار دیتی ہے ۳۹۶
قرآن کا تصور بہشت ۱۵۸
قرآن کا فصاحت وبلاغت سے حقائق ودقائق بیان کرنا ۳۴۲
قرآنی معجزات کی چار اقسام ۶۰
معجزات قرآنیہ سے انکار ممکن نہیں ۲۷۵
روحوں کی ۲۰ قوتیں اور استعدادیں بیان کی ہیں ۲۴۵
قرآن نے خواص روح بیان کئے ہیں ۲۲۸
روحوں کے مخلوق ہونے کے بارہ قرآنی دلائل ۱۶۷
قرآن نے مادی اشیاء سورج چاند کے وغیرہ درست علم دیا ہے ۱۸۳
وید اور قرآن کا مقابلہ ۶،۳۶۱
گورونانک قرآنی آیات کی تصدیق کرتے ہیں ۲۱۹
یورپ کے فلاسفروں کا قرآنی عظمت کا اقرار ۱۹۶
مسلمان قرآن کی جیسی عظمت کرتے ہیں کہ عیسائی انجیل کی نہیں کرتے۔ جان پورٹ کا بیان ۱۹۵
قرآن کی عظمت پر جان پورٹ کی تحریر ۱۹۵
قرآن کریم صادق کا کلام ہے۔ کارلل کا قول ۱۹۵
ایک عیسائی انگریز جارج سیل نے قرآن کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے ۲۸۸
حضور کا قرآن اور وید کی مقام وسعت پر مقابلہ کا چیلنج ۲۳۴
نظیر قرآن پیش کرنے کا قرآنی چیلنج ۲۷۴

صداقت قرآن کیلئے ماہوار رسالہ ''قرآنی طاقتوں کا
جلوہ گاہ'' نکالنے کا اشتہار ۳۳۶

قیاس

قیاس حجت کی تین قسموں میں پہلی قسم ہے ۱۱
قیاس الخلف کی تعریف ۹
قیاس اقترانی کی تعریف ۱۱
قیاس استثنائی کی تعریف ۱۳
قیاس مرکب کی تعریف ۱۶
قیاس استقرائی ۲۹،۲۰

کیمیا رکیمسٹری

یہ علم یورپ نے عربوں سے سیکھا ۳۶۲

گائے

آریوں کے نزدیک گائے پہلے برہمنی تھی پھر برے
کام کی وجہ سے گائے کی جُون میں آئی ۱۸۵
گائے کی بے جا تعظیم ۱۸۶
پروفیسر ولسن کا لکھنا کہ وید کے زمانہ میں گائے کا گوشت
کھایا جاتا تھا ۴۰۲

گناہ

اپنے تئیں بے گناہ خیال کرنا سب سے بڑا گناہ ہے ۱۵۴
آریوں کا پرمیشر انسان کو گناہ سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتا ۱۵۵
ایک حکیم کا قول کہ عقل کے پیمانے سے اللہ کے ملک کو
ناپنا بڑا گناہ ہے ۱۰۴

م۔ن

مباہلہ

آریوں کو مباہلہ کا چیلنج ۳۰۱،۲۸۰
منشی جیون داس صاحب کو مباہلہ کا انعامی چیلنج ۳۲۱
نمونہ مضمون مباہلہ از طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۳۰۲
نمونہ مضمون مباہلہ از طرف آریہ صاحب فریق مخالف ۳۰۵

مصلح موعود

مصلح موعود کے بارہ میں پیشگوئی اور اس کی وضاحت
سبز اشتہار میں ۴۴۷
مصلح موعود کے نام بشیر ثانی، فضل، فضل عمر، محمود ۴۶۷

معجزہ رمعجزات

معجزہ کی حقیقت ۶۸
خارق عادت الٰہی کی حقیقت ۱۰۵
معجزات قرآنی کی چار اقسام ۶۰
قرآن کریم کا معجزہ اہل عرب میں خارق عادت تبدیلی ۷۷
آنحضور ﷺ کے معجزات ۶۴
آنحضورؐ کی ہجرت مدینہ کا معجزہ ۶۴
غزوہ بدر میں آنحضورؐ کا کنکریاں چلانے کا معجزہ ۶۶
معجزہ شق القمر کی حقیقت ۱۰۹،۶۰
شق القمر پر اعتراض فضول ہے ۲۷۳
حضورؑ کے مکاشفات مثلاً سرخ چھینٹوں کا نشان ۱۷۹
بعض نادر الوقوع واقعات کا بیان ۹۹

معرفت الٰہی

مذہب کی جڑھ خداشناسی اور معرفت نعماء الٰہی ہے ۲۸۱
الہام اور کشف سے سچے عارف معرفت کاملہ تک
پہنچتے ہیں ۸۹
معرفت حقانی کے عطا ہونے کے تین دروازے ۷۲

ناستک مت ۴۳۲

نبی رنبوت

انزال رحمت کا دوسرا طریق انبیاء و مرسلین کا
بھیجنا ہے ۴۶۲
انبیاء کا اصول کہ غیب کو غیب کی ہی صورت قبول
کیا جائے تو ثواب ہے ۸۴

انبیاء پر آنے والے ابتلا اور ان کی حقیقت اور انبیاء
کی ثابت قدمی ۴۵۸
انبیاء اور اجتہادی غلطی ۴۵۱
اجتہادی غلطی سے انبیاء باہر نہیں ہیں ۴۶۶

نجات

آریہ دھرم میں مکتی یعنی نجات کے بارہ میں نظریہ ۱۴۹

نیچریت

نیچری خیالات وعقائد ۶۲

نیوگ

ہندوؤں کا عقیدہ نیوگ ۳۳۲

و۔ہ۔ی

وحی (نیز دیکھئے الہام)

آنحضورؐ پر سب سے کامل وحی نازل ہوئی ۷۱

ہجرت

آنحضورؐ کا واقعہ ہجرت ایک تصرف الٰہی تھا ۶۵
قادیان سے مصلحت کے تحت ارادۂ ہجرت اور اس کی وجہ ۳۲۶

ہندومت نیز دیکھئے آریہ دھرم

لفظ ہندو کی قدامت ۴۳۵
ہندو و آریہ نام کا بیان پادری ٹامس ہاول کا مضمون ۴۳۶
ہندو تاریخ کے بہت کچے ہیں ۳۹۱
ہندوؤں کی دین سے بے علمی اور جہالت کا ذکر ۳۳۶
وید کی ناقص تعلیم کے خراب نتائج ہیں جن کو صاف
دل ہندو بھی قبول نہیں کر سکتے ۲۲۱
ہندو قائل ہیں کہ ویدوں نے کسی شخص کو مرتبہ کمال
تک نہیں پہنچایا ۲۴۱
ہندوؤں کے وید کی کچھ ماہیت اور ان کی تعلیم کا
کسی قدر نمونہ ۴۰۹

پرمیشر

ہندوؤں کے پرمیشر کی بے طاقتی اور حقیقت ۲۵۲،۲۴۳،
۲۷۱،۲۶۲،۲۵۴
وید کی روح سے پرمیشر میں اپنی ذاتی رحمت کا نشان نہیں ۲۸۲
ہندوؤں کے پرمیشر کے نقائص ۳۹۴،۳۹۳
ہندوؤں کا پرمیشر علم روح سے بے بہرہ ہے ۲۳۰
ہر یک روح پرمیشر سے نکلی اور پرمیشر میں نابود ہو
جاتی ہے ۴۳۲

عقیدہ تناسخ

عقیدہ تناسخ اور اس کی ماہیت ۳۵۱،۱۵۴،۱۵۲
وید کئی مقامات پر تناسخ کا قائل ہے ۴۲۲
سچی توحید تناسخ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ۴۲۲
ابطال تناسخ پر دلیل ۳۵۸
وید کا نظریہ تناسخ طبع، طب اور ہیئت کے خلاف ہے ۱۸۴
ضرورت کشف پر یقین تناسخ کی بیخ کنی کر دیتا ہے ۱۷۸
تناسخ کے خلاف چھ قرآنی دلائل دلیل لمی یعنی علت
سے معلول کی طرف دلیل دی گئی ہے ۶
ابطال تناسخ اور مقابلہ وید وفرقان ۳
ابطلال تناسخ ومقابلہ وید فرقان پر حضور کا مضمون ۳

وید ۱۱۸،۱۱۷
۱۴۳ تا ۱۴۵، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۱
۱۷۶، ۱۸۳، ۲۴۰ تا ۲۴۲، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۷۹
آریہ الہام کو ویدوں تک محدود رکھتے ہیں ۲۸۰،۹۰
آریہ عقیدہ کہ دنیا کا علم وہنر وید کی بدولت ہے ۳۵۰
پنڈت دیانند کا دعویٰ کہ وید تمام علوم کا سرچشمہ ہے ۴
ویدوں کی تعلیم کہ دنیا خود بخود چلی آتی ہے یہ ناقص
اعتقاد ہے ۲۲۰
وید کی شرتیاں ثابت کر رہی ہیں کہ وہ قدیم نہیں ہیں ۳۸۸

ویدوں کا پرانا ہونا ان کی افضلیت کی دلیل نہیں ۳۹۱

انگریزی تحقیق کے مطابق ویدوں کا زمانہ چار ہزار برس کے اندر پایا جاتا ہے ۳۹۱

یورپین محققوں کی تحقیق کہ یہ چودہ سو سال قبل مسیح کے ہیں ۳۸۹

اس کی قدامت نہیں بلکہ اس کی خاصیتیں اور برکتیں دکھلائیں ۳۹۳

وید کے رشیوں کا آریہ دیس سے باہر قدم رکھنا ثابت نہیں ۲۸۶

ویدوں کا اصل روزنامچہ بدھ مذہب کے عروج کے زمانہ میں گم ہو گیا تھا ۳۹۰

وید میں امریکہ، افریقہ، یورپ کا کہیں ذکر نہیں ۲۸۵

وید خداشناسی میں ناقص اور نعماء الٰہی کے بیان میں قاصر ہے ۲۸۱

ہندوؤں کے وید ہرگز شرک سے خالی نہیں ۴۱۹

ہندوؤں دیوتاؤں کا ذکر اور ان کی ویدوں میں تعریف ۴۱۳

وید کے رشیوں کی نسبت بھی ثابت نہیں ہے کون تھے کس شہر وغیرہ کے تھے ۲۸۳

ہندو عقیدہ کہ رشیوں کے علاوہ حقیقی عرفان کا دروازہ بند ہے ۴۰۴

ہندو عقیدہ مندرجہ رگ وید کہ ایک نیک بخت کو اندر دیوتا کی توجہ سے ہی حمل ہو گیا ۹۷

وید میں خدا کی خوبیاں نہیں بلکہ نقص بیان ہوئے اور اس میں پاک اور روحانی برکتیں بھی نہیں ہیں ۴۰۴

ویدوں میں پرمیشر کی بے حیثیتی اور آفات میں ڈوبا ہونا ۳۳۹

ویدوں کی رو سے اللہ ایک باریک جسم ہے ۳۹۹

رگوید میں پرمیشر کو فریبی کہا گیا ہے ۳۶۸

ویدوں کا نظریہ کہ پرمیشر کی روح اور دوسری چیزوں کی روح متحد الحقیقت ہیں ۳۹۴

وید نے لکھا کہ اندر نے ایک رشی کی لڑکی کو حمل کر دیا ۱۸۴

ویدوں میں مخلوق پرستی کی تعلیم ثابت ہوتی ہے ۴۱۷

وید کے ہزار اوراق سے بھی توحید نہیں ثابت ہوتی ۲۱۶

ویدوں کا ترجمہ کیا جائے تو یورپ امریکہ میں اس سے کوئی توحید نہیں سمجھ سکتا ۴۱۶

ویدوں کا شہر بنارس شرک سے بھرا ہوا ہے توحید نہ ہے ۴۱۵

وید دیوتا پرست ہیں ۴۱۵

ویدوں کے منتر دیوتاؤں کی تعریف میں ۴۰۹

ویدوں کا عقیدہ نیوگ ۳۳۲

وید کی محدود تعلیمات اور تصورات ۲۱۳

حقوق العباد کے بارے میں ویدوں کی امتیازی تعلیم ۴۲۳

رگوید کے شعروں میں لوٹ کا مال مانگا گیا ہے ۳۴۲

برہمن کے لئے امتیازی تعلیمات اور شودروں کیلئے ظالمانہ سلوک ۱۸۷

رگوید کی دعا کہ ہم سو جاڑوں تک زندہ رہیں اور اپنے سارے دشمنوں کو مار ڈالیں ۳۳۱

دینی صداقتوں سے خالی ہیں ۳۶۰

برکات روحانیہ اور محبت الٰہیہ تک پہنچانے سے قاصر ہے ۲۹۵

ویدوں نے نازل ہو کر کس قدر خلقت کو کمال کے درجہ تک پہنچایا ۲۴۱

تاثیرات وید نے کوئی خارق عادت تبدیلی پیدا نہیں کی ۷۸،۷۹

وید کی رو سے یہ ناممکن ہے کہ کوئی وید کی پیروی کر کے سچا گیان پا سکے ۴۰۵

وید کی ہدایت خدا کے فعل سے مطابقت نہیں رکھتی ۴۰۵

رشیوں کا ملہم ہونا ویدوں سے ثابت نہیں ۲۸۴

وید کی مجنونانہ فلاسفی ۱۸۹

ویدوں کی ماہیت اور ان کی تعلیم کا کسی قدر نمونہ ۴۰۹

وید کی تعلیمیں ہمارے کانشس اور نور قلب سے
مطابقت نہیں رکھتیں ۴۰۷
وید کا نظریہ تناسخ مخالف طبعی، طبابت و ہیئت ہے ۱۸۴
تناسخ کے بارہ میں ویدک فلاسفی کا ابطال ۳۵۸
وید کی رو سے روح کچھ چیز نہیں ۲۲۸
ارواح غیر مخلوق اور انادی ہیں ۲۰۹
روحوں کے غیر مخلوق و غیر محدث ہونے کے دلائل وید
سے ثابت نہیں ۱۷۰
وید اور قرآن کا مقابلہ ۳
قرآن کے ساتھ وید کے مقابلہ کا چیلنج ۲۹۹
مرلیدھر کو وید سے علم روح پر رسالہ لکھنے کا چیلنج ۱۷۸
ویدوں کے بارہ میں صاف دل ہندو شکوک کا شکار ہو گئے ۲۲۳
اب وید پر چلنے کا زمانہ نہیں ۲۱۱
کوئی آریہ اگر رگوید کا اردو ترجمہ ہی کر دے تو
آریوں پر وید کی حقیقت ظاہر ہو جائے ۳۳۰
ویدوں کے تراجم آریہ شائع نہیں کرتے جو دوسروں
نے کئے وہ مانتے نہیں ۳۳۲
انگریزی حکومت ویدوں کا ترجمہ اردو میں کروادے ۴۰۱
ویدوں میں گائے کی قربانی کا ذکر موجود ہے ۴۰۲
بہت سی بے بنیاد کہانیاں بطور معجزات بیان کی گئی ہیں ۱۳۱
ویدوں کی حمایت میں مباحثہ کیلئے کھڑک سنگھ صاحب
کا قادیان آنا ۳۶۰

متفرق

ہندوؤں کی اسلام دشمنی بذریعہ افترا ۴۵۵
ہندوؤں کی قوم جاٹ کی عادت کہ وہ لڑکی کے
رشتہ سے پہلے لڑکے کی زمین کا معلوم کرتے ہیں ۳۴۵
ہندو لٹریچر میں واقعہ شق القمر کا ذکر ہے ۱۲۶

یونانی

یونانی لوگ عناصر کی عبادت کرتے اور ان کا نام
ارباب الانواع رکھتے تھے ح۱۳۴
ڈیڑھ سو سال تک یونانی حکومت ہندوستان میں رہی ۳۹۰
یہودی / یہودیت ۳۷۱
عیسائیوں اور یہودیوں کی خائنانہ دست اندازیوں
نے بائبل کے خوبصورت چہرے کو خراب کر دیا ۳۹۷

☆......☆......☆

اسماء

آ۔ا

آبرنس
پولوس کے مخالف ایک عیسائی فاضل ۲۸۹

آدم علیہ السلام ۲۸۰

ابن عربی، محی الدین
آپ کی کتاب فتوحات وفصوص کا ذکر ۱۰۰، ۱۷۹

ابراہیم ابن حضرت محمدؐ ۴۵۴

ارسطا طالیس حکیم ۴۳۱

ارسطو، یونانی فلسفی ۹۷، ۳۱۷، ۴۱۷

اسماعیل علیہ السلام ۲۸۰

افلاطون یونانی فلسفی ۹۷، ۴۳۱

الفنسٹن مؤلف تاریخ ہند ۳۹۰

النبرا لارڈ ۳۹۲

الٰہی بخش مولوی وکیل ہوشیار پور ۵۷
ماسٹر مرلیدھر کو بحث کے متعلق سوال پر سمجھایا ۱۱۴ح

الیگزنڈر آر۔ ویب آف امریکہ
امریکہ سے حضور کو خط لکھنا ۳۷۳، ۴۳۹
حضور اقدس کا جواب ۴۴۳

امام دین مرزا ۲۳۸

امیر علی ۹۹

امین الدین خان نواب ۳۸۴

اندرمن مرادآبادی منشی
۶، ۱۸۰، ۲۸۴، ۳۰۰، ۳۱۰، ۳۲۸، ۳۴۵، ۳۶۹، ۳۷۱، ۴۰۰، ۴۳۳

انوری ۱۹۶

ایڈورڈ کالبروک سر
ان کی ویدوں کے بارہ میں تحقیق کہ یہ ۱۴ سو سال
قبل مسیح کے ہیں ۳۸۹

ب۔پ۔ت۔ٹ

بختاور سنگھ صاحب منشی ایڈیٹر آریہ درپن ۶

بدھ جی
پنڈتوں کے مشہور عارف و سرتاج ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰

برنباس
ان کی انجیل میں آنحضورؐ کے نام کا ذکر ۲۸۷، ۲۸۹

برنیئر ڈاکٹر ۱۰۰، ۴۱۸

بسوامتر
ہندوؤں کا معجزہ شق القمر ان کی طرف منسوب کرنا ۱۲۶، ۱۲۷

بشن داس لالہ
۳۶۳ تا ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۸۴

بشیر اول ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام
۴۵۶، ۴۶۱ تا ۴۶۳، ۴۶۷
بشیر اول کی وفات پر شور وغوغا اور حضور کی
کتاب سبز اشتہار ۴۴۷

بقراط حکیم ۹۸

بلنٹ فاضل انگریز
اس کا کہنا کہ پیغمبر اسلام نے توحید دوبارہ دنیا میں
قائم کی ۴۰۳

بوعلی سینا ۹

بھوج راجہ ۳۹۰

بیاس جی (مولف مہابھارت) ۱۲۶، ۲۷۹

بیج ناتھ برہمن ولد بھگت رام آف قادیان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانات کا گواہ ۳۸۴

بیکن ۴۳۱

پورٹ جان ڈیون ۱۹۳تا۱۹۵، ۳۶۲، ۴۰۳

پولوس

پولوس کے مخالف عیسائیوں کا ذکر ۲۸۹

تانتیا بھیل ۳۶۴

ٹامس ہاول پادری

اس کا مطبوعہ مضمون شامل جلد ہذا ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۸

ٹھاکر داس پادری ۲۹۱، ۳۱۰

ج۔چ۔خ

جارج سیل

انگریز مترجم قرآن ۲۸۷

دیباچہ قرآن میں انجیل برنباس کا ذکر کیا ہے ۲۸۹، ۲۹۰

جالینوس ۹۹، ۳۱۷

جان ڈیون پورٹ ۱۹۳تا۱۹۵، ۳۶۲، ۴۰۳

جان محمد کشمیری

امام مسجد قادیان۔ان کے بارے میں آریوں کا ایک
اعتراض اور اس کی وضاحت ۳۴۶، ۳۸۵

جگن ناتھ صاحب وکیل پنڈت ۵۷، ۳۷۰

جمنی جی صاحب میاں

مباحثہ ہوشیار میں شریک ۵۴

جیرام شاہ سور ۴۳۸

جیون داس منشی ۶، ۱۸۰، ۳۰۰، ۳۰۹، ۳۲۲، ۳۴۴، ۳۴۹، ۴۲۷

حضرت مسیح موعود کا منشی صاحب کو مباہلہ کا انعامی چیلنج ۳۲۱

چیتن شاہ صاحب رائے بہادر ڈاکٹر آنریری سرجن ۳۶۲

خضر علیہ السلام ۴۵۴

د۔ر۔ز

داؤد علیہ السلام

ملامت سے بچنے کی متضرعانہ دعائیں ۴۵۸

آنحضورؐ کی جلالیت وعظمت کا اقرار ۲۸۱

دتامل سول سرجن ڈاکٹر ۳۶۲

درد خواجہ میر ۳۸۳

دلیپ سنگھ ۳۱۸

اس کے بارہ میں حضور کی پیشگوئی اور اس کا
پورا ہونا ۲۳۵، ۳۸۲

سفر پنجاب کی ناکامی کی پیشگوئی لالہ شرمپت
کو بتائی گئی ۳۴۷

دیانند آریہ لیڈر پنڈت

۶، ۴۸۔ب، ۱۴۴، ۱۸۴، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۲،
۲۴۹، ۲۵۰، ۲۶۸، ۳۳۲تا۳۳۴، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۷۱، ۳۹۰
۳۹۳تا۳۹۵، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۲
۴۲۷، ۴۳۶تا۴۳۸

اردو پڑھنے سے بھی بے نصیب تھا ۴۰۰

باوانانک کی ہتک کی ۳۴۰

ویدوں کے بارہ میں شکوک وشبہات کا شکار تھا ۲۲۳، ۳۵۹

پنڈت دیانند کا دعویٰ وید سرچشمہ تمام علوم کا ہے ۴، ۱۸

روح جسم کی قسم ہے ۱۸۲

دیانند کے نزدیک روح انسانی اوس کی طرح گھاس
پر گرتی ہے ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۷

نیستی سے ہستی کبھی نہیں ہوتی ۲۰۳
دیانند کے نظریہ تناسخ کا ابطال ۲۵۸
دروغ گوئی کی حقیقت کا آشکار ہونا ۳۷۰
فن وفریب دیانند کا خاصہ ہے ۳۷۱
دیانندی فریب کا ایک نمونہ ہندو مسلم میں فتنہ ڈالنا ۴۳۵
دیانندی وجود کی رتھ نے ہندوؤں کی سمجھ اور عقل کو
کچل دیا ہے ۴۱۸
پنڈت دیانند کے مرنے کی پیشگوئی ۱۲۲
دیانند کے مرنے کی پیشگوئی قبل از وقت
لالہ شرمپت کو بتادی گئی تھی ۳۴۷، ۳۸۲
دین محمد ابن جان محمد کشمیری قادیان ۳۸۶، ۳۸۷
ڈیون پورٹ جان ۱۹۳ تا ۱۹۵، ۳۶۲، ۴۰۳
رام چندر صاحب راجہ ۳۴۰، ۳۹۵، ۴۲۹
رام لچھمن لالہ صاحب ہیڈ ماسٹر لدھیانہ
مباحثہ ہوشیار پور میں شریک ۵۵، ۵۷
راون راجہ ۴۲۹
رجب علی صاحب پادری
خوب محقق اور مدقق ہیں امر متنازعہ کے بارہ
میں اس کے حکم بنائے جانے کی تجویز ۴
زرتشت علیہ السلام ۳۷۳

س۔ش۔ط۔ظ

سارداپرشاد صاحب بابو ۶
سرور خان ابن لشکر خان، ارباب ۳۸۱
سعدی شیخ۔ مصلح الدین ۱۹۶، ۴۱۱
سکندر اعظم ۳۹۰
سلیمان علیہ السلام ۴۳۸
سنائی ۱۹۶
سیتارام مہاجن لالہ ۷۵
شترن جی میاں (پسر راجہ رودرسین)
شامل جلسہ مباحثہ ہوشیار پور ۵۴، ۵۷
شترگھن میاں (پسر کلاں راجہ رودرسین)
شامل جلسہ ہوشیار پور ۵۴، ۵۵، ۵۷
شرمپت رائے لالہ کھتری قادیان ۶، ۱۲۲، ۲۲۱، ۳۷۸
حضور کے نشانات والہامات کے گواہ
۳۴۶، ۳۴۷، ۳۸۲ تا ۳۸۴
شہاب الدین دفعدار میاں ۵۷
شیرازی حافظ ۱۹۶، ۴۳۶
شیر شاہ ۴۳۸
شیوپرساد راجہ ستارۂ ہند ۳۶۸
شیونرائن اگنی ہوتری پنڈت
۱۸۱، ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۴، ۳۶۹
ضرورت الہام کے خلاف بحث صفحہ ۲۱ تا ۲۸، ۳۰
برہموسماج کے اہل علم اور صاحب نظر دقیق
امر متنازعہ کیلئے حکم بننے کی تجویز منجانب حضور ۴
طوسی ۱۹۶
ظہیر فاریابی ۱۹۶

ع۔غ

عباس علی شاہ لدھیانوی میر ۳۸۲،۳۱۶

عبدالحق صاحب منشی ۳۷۰

عبدل قوم شتربان ۳۹۲

عبدالرحمٰن خلیفہ آف سپین ۱۹۴

عبداللہ آتھم ۳۱۰

عبداللہ صاحب حکیم میاں ۵۷

عبداللہ خان آف ڈیرہ اسماعیل خان ۳۸۴

عبداللہ سنوری حضرت میاں

سرخ سیاہی کے چھینٹوں کے نشان کے گواہ ۱۸۰

علاؤ الدین خان نواب والی ریاست لوہارو ۳۸۴

عمادالدین لاہز امرتسری پادری ۳۱۰

عیسیٰ علیہ السلام، حضرت

۴۶۸،۴۴۲،۴۴۰،۲۹۲،۲۸۰

آپ کی انکساری۔ نیک ہونے سے انکار کیا ۱۵۴

بےبسی میں دعائیں ۴۵۸

آنحضورؐ کی عالی شان کا حضرت مسیح نے بھی اقرار کیا ہے ۲۸۷

آپ کا قول کہ نبی بےعزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں ۳۲۶

عیسائیوں کا آپ کو کلمۃ اللہ کہنا ۱۶۵

آپ کو ابن سے تشبیہ دی گئی حقیقت عیسویہ مظہر اتم صفات الوہیت نہیں ہے ۲۷۳

یوحنا نبی کی پیشگوئی آنحضورؐ کے بارہ میں ہے حضرت مسیح کے بارہ میں نہیں ۲۸۴

بشارات مسیح میں حواریوں کو غلطی لگی ۴۵۲

غلام احمد قادیانی حضرت مرزا
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

اشاعت دین

قرآن کی روشنی سے فیض پایا ہے ۳۷۳

عمر کا اکثر حصہ تحقیق دین میں خرچ کیا ہے ۳۰۲

آریوں کی کتب ہمارے پاس موجود ہیں اور زبانی مناظرات میں عمر گزری ۳۴۴

آریہ عقائد کی بیخ کنی کرنا اور قرآنی صداقتوں کا اظہار ۳۲۹

ابطال تناسخ پر حضور کا مضمون ۳ تا ۱۹

اللہ تعالیٰ کے خالق ارواح ہونے پر اخبار سفیر ہند میں مضامین ۳۷،۳۵

روحوں کے انادی ہونے کی بابت منشی گردیال صاحب مدرس مڈل سکول چنیوٹ کے استفسار کا ضروری جواب ۴۷۔۱

لالہ مرلیدھر ڈرائنگ ماسٹر سے مذہبی مباحثہ ۵۳

پنڈت کھڑک سنگھ سے مباحثہ اور اعتراف حقیقت ۳۶۰

ضرورت الہام پر حضور کی شیونرائن اگنی ہوتری سے خط و کتابت ۲۰

امریکہ و یورپ میں اشاعت دین کی تڑپ ۴۴۳

یورپ و امریکہ تک پیغام اور آپ کو خطوط کی آمد ۳۷۲

مسٹر ویب (امریکہ) کا خط کہ میں آپ کے دین کی اشاعت امریکہ کرنا چاہتا ہوں ۴۴۰،۴۴۱

حضور کو الیگزنڈر آر۔ ویب کا امریکہ سے خط اور حضور کا ان کو جواب ۴۳۹،۴۴۳

معاند کے مقابلہ سے بھاگ جانے پر دس دفعہ لعنت ۳۸۷،۳۷۶

محسنوں کی شکر گزاری ۳۶۸

پیروی مقدمات کیلئے امرتسر جانے کا ذکر ۳۲

تائیدالٰہی،قبولیت دعا، پیشگوئیاں

ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے ۳۶۸
تمام آریہ بھی ہمیں نابود کرنے کیلئے جمع ہوں
توہمیں نابود نہیں کر سکتے ۳۶۷
آپ کی قبولیت دعا اور پیشگوئیوں کے سچا ہونے
کے واقعات ۳۸۰
حضور کے الہامات و پیشگوئیوں کے گواہ قادیان
کے آریہ ۳۸۰
لالہ شرمپت آپ کے الہامات کا گواہ
۳۴۶، ۳۴۷، ۳۸۲ تا ۳۸۴
آپ کے نشانات کا بیان ۲۳۵
دلیپ سنگھ کی پنجاب آمد میں ناکامی کی پیشگوئی ۲۳۵
پسر موعود کی بابت پیشگوئی ۲۳۷
مرزا امام الدین کی نسبت پیشگوئی ۲۳۸
آپ کے مکاشفات مثلاً سرخ چھینٹوں کا نشان ۱۷۹
آپ کے کشفی تجربات اور نادر مکاشفات جن کی
تعداد پانچ ہزار کے قریب ہے ۱۷۹

الہامات

انا ارسلنه شاهدا و مبشرا و نذيرا ۴۶۲
قلنا يا نار كونی بردا و سلاما ۳۸۱
اجیب کل دعائک الا فی شرکائک ۳۸۳
اذا عزمت فتوکل علی الله و اصنع الفلک......۴۷۰
"میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری ایک اور شادی کروں" ۳۸۳
آج ارباب لشکر خان کے قرابتیوں میں سے کسی کا
روپیہ آئے گا ۳۸۱

مخالفوں کو چیلنج

اپنے دعویٰ کی آزمائش کے چیلنج ۴۶۹
چالیس دن تک پاس رہیں الہامی پیشگوئی میں جھوٹے
نکلیں تو جو مرضی سزا تجویز کریں ۲۳۸
چالیس دن میں نشان نمائی کا چیلنج ۲۳۸، ۳۷۵
آریوں اور عیسائی لیڈروں کو نشان نمائی کا چیلنج ۳۱۰
آریوں کو مباہلہ کا چیلنج ۳۰۱، ۳۰۵
آریوں کو نشان نمائی کیلئے ایک سال قادیان
ٹھہرنے کا چیلنج ۳۰۹
ہندو معاند کے ساتھ خدائی فیصلہ کا اعلان ۳۷۴
قرآن اور وید کا علمی مقابلہ کا چیلنج دینا ۲۳۴
کوئی آریہ ہمارے مقابل پر وید کا قرآن شریف
سے مقابلہ نہیں کرسکتا ۲۹۶
آریوں کو وید کا قرآن سے مقابلہ کا چیلنج ۲۹۹
آریوں کو چیلنج کہ ویدوں سے رشیوں کا ملہم ہونا
ثابت کریں ۲۸۴
معترض آریوں اور عیسائی پادریوں کو انعامی چیلنج ۳۱۳، ۳۱۴
تائیدالٰہی اور کرشمہ روح القدس دکھانے کیلئے
عیسائیوں کو چیلنج ۲۸۶
مرلیدھر کو وید سے علم روح پر رسالہ لکھنے کا چیلنج ۱۷۸
حضور کا دعویٰ کہ ہندوؤں کے وید ہرگز شرک سے
خالی نہیں ہیں ۴۱۹

مخالفت واعتراضات

پیشگوئی پسر موعود پر اعتراض اور اس کی وضاحت ۳۱۶
آریوں کا اعتراض کہ آپ ہماری کتب مذہبی سے
بے بہرہ ہیں ۳۴۲
آریوں کا اعتراض کہ پسر موعود کی پیشگوئی تھی
لیکن لڑکی پیدا ہوئی ۳۴۷
آریوں کا اعتراض کہ سرمہ چشم آریہ میں ہماری کتاب
کا حوالہ نہیں ۳۴۹
جان محمد صاحب امام مسجد قادیان کے بیٹے کے
بارہ میں الہام پر آریوں کا اعتراض ۳۴۶، ۳۸۵
آریوں کا اعتراض کہ آپ کوڑی کوڑی سے
لاچار اور قرضدار ہیں ۳۴۴

آپ پر مرلیدھر کا اعتراض کہ آپ نے کوئی
نشان نہیں دکھایا ۲۳۵
آپ پر آریوں کی طرف سے دروغ گوئی کا الزام ۳۶۳
مخالفت کی وجہ سے قادیان سے ہجرت کے ارادہ
کا اظہار ۳۲۶
پسر موعود کی پیشگوئی اور بشیر اول کی وفات پر شور وغوغا ۴۴۷
آریوں نے دشنام دہی کی اور قتل کی دھمکیاں دیں ۴۱۸
لیکھرام پشاوری کی طرف سے آپ کو گندے
خطوط اور دھمکیاں ۳۲۵
آریوں کی طرف سے آپ کو موت کی دھمکی ۳۲۹
میں قتل کی دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں بلکہ جھوٹ
کی بیخ کنی ضرور کروں گا ۳۳۰

اشتہارات

کتاب سرمہ چشم آریہ کے بارہ میں ایک اشتہار ۴۸
اشتہار انعامی پانسو روپیہ بابت کتاب سرمہ چشم آریہ ۳۲۱
صداقت انوار ۳۰۹
اشتہار مفید الاخیار ۳۱۱
اشتہار محک اخیار واشرار ۳۱۵
براہین احمدیہ کی صداقتوں کے بارہ میں اشتہار اردو ۳۱۹
براہین احمدیہ کی صداقتوں کے بارہ میں اشتہار انگریزی ۳۲۱
ماہوار رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ نکالنے کا اشتہار ۳۳۵
پسر موعود کی پیشگوئی کی بابت اشتہار
۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء ۴۵۳، ۴۶۴
اشتہار ۸؍اپریل ۱۸۸۶ ۴۴۸
اشتہار ۷؍اگست ۱۸۸۶ء ۴۴۹
اشتہار ۱۰؍جولائی ۱۸۸۸ء ۴۵۳
بیعت لینے کیلئے اشتہار تبلیغ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ۴۷۰

تصانیف

دین کی سچائی کتاب براہین احمدیہ میں ثابت کی گئی ہے ۳۱۹
آپ کی کتاب براہین احمدیہ میں دہریوں کے مقابل دلائل
موجود ہیں ۲۱۰
آپ کی کتب براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ میں
ویدوں کا ردّ ۳۴۳
آپ کی کتاب شحنہ حق ۳۲۳
شحنہ حق کتاب کا نام رکھنے کی وجہ ۳۳۴
سراج منیر کی اشاعت کا اعلان کہ خریدار
درخواستیں بھجوائیں ۳۲۴
کتاب سراج منیر کی اشاعت کا ذکر ۲۳۸
کتاب سراج منیر کی اشاعت کا اظہار جو
تائید روح القدس سے لکھا ہے ۲۸۶
آپ کی کتاب سبز اشتہار ۴۴۷
آریوں کے ردّ کیلئے ماہ بماہ کتاب نکالنے کا ارادہ ۳۳۴

نظمیں

؎ اے دلبر و دلستان و دلدار ۴۹
؎ کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا ۵۲
؎ ان کو سودا ہوا ہے ویدوں کا ۲۲۰
؎ آں صید تیرہ بخت کہ بندی بپائے اوست ۴۴۵
غلام رسول مولوی مدرس ۵۷

ف۔ق۔ک۔گ

فتح الدین مولوی مدرس ۵۷
فتح خان میاں ۳۷۰
فرا میرینُو۔ایک عیسائی راہب ۳۸۹
فردوسی ۱۹۶
فرعون ۴۶۸
فلا دیس جوسیفس، یہودی مورخ ۴۳

قرشی حکیم ۹۹

کارلائل مسٹر ۱۹۵، ۴۰۳

کرشن راجہ ۳۴۰، ۳۹۵

کشن سنگھ کیسوں والا آریہ ساکن قادیان ۳۶۴

حضور کے الہامات کا گواہ ۳۸۰، ۳۸۴

کنفیوشس ۳۷۳

کنہیالال منشی ۶، ۴۳۴

کھڑک سنگھ ممبر آریہ سماج امرتسر پنڈت

اثبات تناسخ وید سے پیش کریں۔ دلائل توڑنے پر
پانسو روپیہ دیں گے ۳، ۵، ۶، ۱۸، ۱۹

بغیر سوچے سمجھے پنڈت دیانند کے مقلد تھے ۴

ویدوں کی حمایت میں بحث کیلئے قادیان آنا ۳۶۰

کیشپ چندر

برہمو سماج کے دانا ۳۳

گبن (مؤرخ) ۱۹۵

گردیال منشی مدرس چنیوٹ

روحوں کے انادی ہونے پر بعض استفسار مندرجہ اخبار
آفتاب ۱۶؍مئی ۱۸۷۸ء کا ضروری جواب از حضورؑ ۱۔۴۷

گلاب سنگھ صاحب سررشتہ دار منشی ۵۷

گوتم بدھ

ویدوں کو دور از حقیقت اور طفلانہ خیال کرتا تھا ۳۵۹

گنیش داس لالہ وکیل ۵۷

ل ۔ م ۔ ن

لشکر خان، ارباب ۳۸۱

لیکھرام پشاوری پنڈت ۳۱۷، ۳۳۶، ۴۰۰، ۴۱۹

پسر موعود کی پیشگوئی پر ناحق اعتراض ۲۳۷

اس کا قادیان آنا ۳۰۹

اس کے گندے اور پر دشنام خطوط کا ذکر ۳۲۵، ۳۲۶

اس کی مخالفت اور دشنام طرازی اور کتاب
تکذیب براہین احمدیہ ۳۲۸، ۴۲۵

دشمن اسلام لیکھرام کے علم اور عقل کا نمونہ ۴۲۵

اس کی تحریریں سراسر جہالت اور تعصب پر بنا رکھتی ہیں ۴۲۷

روحوں کے بارہ میں عقیدہ ۴۳۳

روحوں کے غیر مخلوق ہونے پر لیکھرام کی دلیل ۴۲۶، ۴۳۰

بشیر اول کی وفات پر اس کا استہزاء اور دھوکہ دہی ۴۴۷ تا ۴۴۹

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷۰، ۲۷۴

مقام

محمد کے معنی نہایت تعریف کیا گیا ۲۷۷

مظہر اتم الوہیت ۲۷۷

آپؐ کا ظہور اللہ کا ظہور ہے ۲۷۸

آپؐ کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ قرار دیا گیا ۲۷۵

وجود خیر مجسم، منتہائے مقام عروج پر واقع ہیں ۲۵۱

آپؐ کو ظلی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات الوہیت
کے اظلال و آثار بخشے گئے ہیں ۲۳۵

آپؐ کا نام نور، رحیم، رؤف ہے یہ خدا کے نام بھی ہیں ۲۷۷

مظہر اتم مراتب الوہیت اور سب کاملین میں اکمل نبی ۲۹۳

آیت ۲۵۴ سورۃ بقرہ میں درجات رفیعہ سے مراد
آنحضورؐ ہیں ۲۳۴

مقام قاب قوسین ۲۶۴

آپؐ کی اکملیت کا ثبوت بذریعہ دو قوسوں کے
حساب کے ۲۹۵

قاب قوسین میں خط وسطی کا نام حقیقت محمدیہ ہے ۲٦۸
خالقیت کے انتہائی ارتفاع پر آنحضورؐ واقع ہیں ۲۴۸
جمیع صفات کاملہ اور سب انبیاء سے افضل و ارفع تھے ۷۱
دیوار نبوت کی آخری اینٹ ہیں ۲۴٦
آپ کا وجود روح الحق اور نور ہے ۲۴۹
سچے اور صادق کامل نبی ہیں ۳۰۴
آپؐ سیّد المبدّلین اور سید المطہرین تھے ٦۹
آپؐ کامل تھے آپؐ پر وحی بھی کامل شکل میں نازل ہوئی ۷۱

قوت قدسیہ

وحشی اور جاہل عرب محبت الٰہی میں کھو گئے اور معارف دینی سے مالا مال ہو گئے ۷۷
آنحضورؐ کے معجزات ٦۴
بدر میں کنکریاں چلانے کا واقعہ ٦٦
نار حجاز نکلنے کی پیشگوئی ۱۰۲
معجزہ شق القمر پر آپؐ کے مخالفین نے اعتراض نہیں کیا ۱۲۳

آپؐ کے بارہ میں پیشگوئیاں

توراۃ میں آپؐ کی فاران سے ظہور کی پیشگوئی ۲۸۰
مکہ معظّمہ سے صرف آپؐ کا ظہور ہوا ۲۸۱
حضرت داوٗد نے زبور میں آپؐ کی جلالیت وعظمت کا اقرار کیا ۲۸۱
آنحضورؐ کی عظمت کا اقرار یسعیاہ نبی نے بھی کیا ۲۸۲
آپؐ کی عالی شان کا اقرار حضرت مسیح نے بھی کیا ۲۸۷
یوحنا نبی نے آنحضورؐ کی جلالیت وعظمت کے اظہار کیلئے پیشگوئی کی ۲۸۴
انجیل برنباس میں نام محمد درج ہے ۲۸۷
ایک انگریزی عیسائی مترجم قرآن جارج سیل نے برنباس کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے ۲۸۸

آپؐ کی سچائی پر ایک امریکن الیگزنڈر آر۔ ویب کی گواہی ۴۴۰
پیغمبر اسلام نے دنیا میں دوبارہ توحید قائم کی
مسٹر بلنٹ انگریز فاضل کا بیان ۴۰۳

متفرق

ایک امی کا علوم کو بیان کرنا خوارق عادت اور معجزہ ہے ٦۷
ابتلا کی حالت میں تکلیفیں اٹھانا اور مناجات ۴۵۹
روح کے بارہ میں آپ سے سوال اور اس کے جواب کی حقیقت ۱۷۲
آریوں کا اعتراض کہ آپؐ کو علم روح نہیں دیا گیا ۱۷۱

محمد صاحب بابو ۳۷۰

محمد رمضان ۳۱۷

محمد حسین بٹالوی ابوسعید

پسر موعود بارے الہام کے گواہ ۴٦۳

محمد حیات خان جج

حضور کی دعا سے جرم سے رہائی پانا ۳۸۰

محمد یوسف سنوری مولوی ۳۲۱

محی الدین ابن عربی (دیکھئے ابن عربی)

محمود احمد صاحبزادہ مرزا

آپ کے بارہ میں پیشگوئی۔ دوسرا بشیر جو محمود بھی ہے ۴۵۳
دوسرا بشیر جو محمود بھی ہے وہ اولوا العزم ہوگا ۴٦۳

مرلیدھر ڈرائنگ ماسٹر ہوشیار پور لالہ ۱۴۳،۱۴۹
۱۵۵،۱۵۸،۱٦۲،۱۷۴،۱۸۳،۱۹۱،۱۹۷،۲۰۴،۲۲٦
۲۲۸،۲۴۷،۲۵۸،۲٦۸،۲۷۲،۲۷۲،۳۰۰،۳۱۰،۳۲۱،۳۵۰

مریم علیہا السلام

آخرت میں آنحضورؐ کے نکاح میں آنے میں راز ۲۹۲

آریہ سماج ہوشیارپور کے مدار المہام جن سے

حضور کا مذہبی مباحثہ ہوا ۵۲

لالہ مرلیدھر کی ناانصافی ۵۷

معجزہ شق القمر پر اعتراض ۵۹، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۲۷

وید سے علم روح پر رسالہ لکھنے کا چیلنج ۱۷۸

روحوں کا غیر مخلوق ہونا وید سے دلائل عقلیہ

کے ذریعہ ثابت کریں ۱۷۰

مشم (MOSHEIM) ۱۹۵

ملاوامل کھتری لالہ قادیان ۱۲۲، ۳۷۸

حضور کے نشانات کا گواہ ۳۸۱

منوجی ۳۹۰، ۴۲۳، ۴۲۴

موسیٰ علیہ السلام ۴۶۸

آپ نے آنحضورؐ کے متعلق پیشگوئی فرمائی ۲۸۰، ۲۸۱

اجتہادی غلطی کھائی ۴۵۱

مولراج صاحب نقل نویس بابو

مباحثہ ہوشیارپور میں شریک ۵۵

مہر علی صاحب شیخ رئیس ہوشیارپور

آپ کے گھر مباحثہ ہوشیارپور کا دوسرا جلسہ ہوا ۵۵، ۵۷

مہیش چندر ۴۳۵

میکالف ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ ۹۹

ناصر نواب صاحب میر ۳۸۴

نانک حضرت گورو باوا صاحب

۱۸۷، ۱۸۸، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸

آپ نے اسلامی عقائد کو پسند کیا ۲۱۷

آپ کے بعض فقرے گویا آیات قرآنی کے تراجم ہیں ۲۱۸

آپ قرآنی آیات کی تصدیق کرتے ہیں ۲۱۹

جابجا وید کی مخالفت کی ہے ۲۱۶، ۲۱۷

دیانند نے آپ کی توہین کی ۳۴۰

نبی بخش آف لاہور ۳۱۸

نرائن داس صاحب لالہ وکیل ۵۷

نرائن سنگھ صاحب باوا سیکرٹری آریہ سماج امرتسر ۶، ۳۴، ۲۱۷

نوبین چندر رائے بابو ۱۸۱

و۔ہ۔ی

ولسن صاحب پروفیسر مترجم وید ۳۸۸، ۴۰۲

رگوید کے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھا کہ یہ رگوید

کے منتر دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں ۴۰۹

ویب الیگزنڈر آر۔ (دیکھئے الیگزنڈر آر۔ ویب)

ہارون علیہ السلام ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۶۸

ہرکشن داس صاحب بابو سیکنڈ ہیڈ ماسٹر ہوشیارپور

شریک مباحثہ ہوشیارپور ۵۵، ۵۷

ہرنام داس آریہ ساکن بٹالہ ۳۸۴

یسعیاہ نبی علیہ السلام

آنحضورؐ کی جلالیت وعظمت کا اقرار ۲۸۲

یوحنا نبی

آنحضورؐ کی جلالیت وعظمت کا اقرار ۲۸۴

یہوداا سکریوطی ۳۲۹، ۴۶۸

☆......☆......☆

مقامات

ا

اٹلی ۱۹۳

اصفہان ۱۹۴

افریقہ ۲۸۵

امرتسر ۲۲۶

پنڈت کھڑک سنگھ ممبر آریہ سماج امرتسر کی قادیان آمد ۳

پیروی مقدمات کیلئے امرتسر جانے کا ذکر ۳۲،۳۳

قصابوں کا بے رحمی سے قتل ۱۸۶

امریکہ

۲۸۵،۳۹۹،۴۰۳،۴۱۶

امریکہ سے الیگزنڈر آر۔ویب کا ایک خط حضور کے نام

۳۷۲، ۴۳۹ تا ۴۴۱

امریکہ و یورپ میں اشاعت دین کیلئے حضور کی تڑپ ۴۴۳

انبالہ چھاؤنی ۳۶۳،۳۷۰

انگلستان

۳۶۲،۴۰۳،۴۰۴،۴۱۶

ایشیا ۱۹۶،۲۸۵

ب۔پ

بٹالہ (ضلع گورداسپور) ۳۸۴

بخارا ۱۹۴

بدر

مقام بدر میں دشمن کو شکست فاش۔آنحضورؐ کی کنکریاں چلانے کا واقعہ ۶۶

بصرہ ۱۹۴

بغداد ۱۹۴

بمبئی ۲۰۱

بنارس ۴۱۴

ہندوؤں کا دار العلم اور شرک سے بھرا شہر ۴۱۵

یہ شہر گویا ایک وید مجسم ہے ۴۱۶

پنجاب ۳۱۸،۲۳۵

پنڈ دادنخان ۴۳۸

پیر پنجال۔کوہ ۱۰۰

ج۔چ۔ح

جگن ناتھ (بنگال)

خلیج بنگالہ کا مشہور شہر اور مشہور مندر جس میں جگن ناتھ کی مورت نصب ہے ۴۱۸

جرمنی ۴۰۳

چین ۱۰۸

چاند پور ۱۱۹

چنیوٹ (ضلع جھنگ) ۱۴۷

حجاز ۱۰۲

د ـ ر

ڈیرہ اسماعیل خان ۳۸۴

روس ۴۱۶

س

سپین ۱۹۳

اہل اسلام کے زمانہ میں سپین میں علوم کی ترقی ۱۹۴

سنور ریاست پٹیالہ ۱۸۰

سولی (Seville) اشبیلیہ ۱۹۴

سینٹ لوئیس میسوری امریکہ ۴۳۹، ۴۴۳

ع ـ ف

عرب ۱۹۴، ۳۶۲

بعثت نبویؐ کے وقت ملک عرب کی حالت ۷۶

فاران

فاران مکہ معظّمہ کا ایک پہاڑ ہے ۲۸۰

فرانس ۴۰۳، ۴۰۴

فیض (Fez) ۱۹۴

ق ـ ک ـ گ

قادیان ۳، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۷۰، ۴۰۸

قادیان سے ہجرت کے ارادہ کا اظہار بوجہ مخالفت ۳۲۶

قادیان مسجد کے امام جان محمد کشمیری ۳۸۵

قادیان کے آریہ ۱۲۲، ۳۳۶

قریباً ستر پیشگوئیوں کے گواہ قادیان کے آریہ ہوں گے ۲۳۵

قادیان کے رہائشی آریہ لالہ شرمپت ۲۲۱

قادیان کے آریوں سے فیصلہ کا طریق آسمانی ۳۷۹

قادیان کے آریہ پیشگوئیوں سے لاعلمی کی قسم کھائیں ۳۸۴

قادیان کے آریہ فساد کی جڑ ہیں ۳۷۹

قادیان کے ہندوؤں کا مخالفانہ اشتہارات
جاری کرنا ۳۷۷، ۳۷۸

پنڈت کھڑک سنگھ کا مباحثہ کیلئے قادیان آنا ۳۶۰

قاہرہ ۱۹۴

کانپور ۱۱۸

کلکتہ ۲۰۱، ۴۰۲

کوفہ ۱۹۴

گرینڈا (غرناطہ) ۱۹۴

گوردووا (قرطبہ) ۱۹۴

ل ـ م ـ ن

لاہور ۳۶۴

لندن ۴۰۰

مدینہ منورہ

آنحضورؐ کی ہجرت مدینہ کا واقعہ ۶۴

مصر ۱۹۴

مظفرگڑھ

دودھ دینے والے بکرے کی پیدائش ۹۹

مکہ مکرمہ ۶۴

مکہ معظّمہ میں صرف آنحضورؐ کی بعثت ہوئی ۲۸۱

شق القمر مکہ میں ظہور پذیر ہوا ۱۲۳

فاران مکہ کا ایک پہاڑ ہے ۲۸۰

نابھہ ریاست ۳۳۶

و ۔ ہ ۔ ی

ویلنشیا (Valantia) ۱۹۴

ہمالیہ ۲۱۳

ہندوستان

۱۰۸، ۲۱۳، ۳۹۲، ۴۰۳، ۴۳۷، ۴۳۹، ۴۴۰

ہندوستان پر ڈیڑھ سوسال تک یونانی بادشاہی رہی ۳۹۰

اسلام سے قبل ہی یہ ملک ہندوستان کے نام سے مشہور ومعروف تھا ۴۳۸

ہوشیار پور ۲۲۵

۱۸۸۶ء کے سفر ہوشیار پور کا ذکر ۵۲

یورپ

۱۹۳تا۱۹۶، ۲۰۱، ۲۵۱، ۲۸۵، ۳۱۲، ۳۶۲

۳۷۲، ۳۹۹، ۴۳۱

قرآنی توحید نے یورپ میں ہل چل مچادی ۴۰۳

تاریک یورپ میں اسلامی علوم کی ترقی ۱۹۴

امریکہ ویورپ میں اشاعت دین کیلئے حضور اقدسؑ کی تڑپ ۴۴۳

یورپ کے ایک ملک میں تیس من وزنی پتھر برسنے کی خبر ۹۵

یونان ۳۶۳

☆......☆......☆

کتابیات

آ۔ا

اخبارات ورسائل

آریوپرکاش ۲۸۴

آریہ درپن ۴

آریہ گزٹ ۲۴۰

اخبار آفتاب

۱۶رمئی ۱۸۷۸ء کے پرچہ کے بعض استفسار کا جواب ۴۷۔ل

حضور کا ایک مضمون جو اخبار آفتاب ۱۸رفروری ۱۸۷۹ء کو شائع ہوا۔ ۳۴

اخبار اسکاٹ امریکہ ۳۷۲

بردار ہند ۳۲،۴، ۳۳، ۳۳۳، ۳۶۹

بھارت متر ۳۶۹

دھرم جیون رسالہ

۲۲۳، ۳۳۱تا ۳۳۴، ۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۰

ریاض ہند ۳۶۰

سفیر ہند ۴، ۴۲۷

اللہ تعالیٰ کے خالق ارواح ہونے کے بارہ میں حضور کے مضامین کی سفیر ہند میں اشاعت ۳۵، ۳۷

اخبار عام لاہور ۲۳۶، ۲۳۷

رسالہ ''قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ'' کی اشاعت کا ذکر ۳۳۶، ۳۹۷

نرنجن پرکاش امرتسر ۴۳۵

چشمہ نور امرتسر ۳۳۶، ۳۶۰

اخبار وکیل ہند امرتسر ۱۱۹، ۱۲۰، ۴۳۵

اظہار عیسوی از ٹھاکر داس ۲۹۱، ۳۱۰

انجیل ۴۵۲

انجیل متی میں آنحضرت ﷺ کی جلالیت تامہ کی پیشگوئی ۲۹۲

انجیل متی میں یوحنا نبی نے آنحضورؐ کی پیشگوئی کی ۲۸۴

انجیل برنباس میں لفظ محمدؐ درج ہے ۲۸۷

عیسائی انجیل کی ویسی تکریم نہیں کرتے جیسے مسلمان قرآن کی کرتے ہیں ۱۹۵

ب۔پ۔ت

بائبل

بائبل کی مثال پرانی عمدہ عمارت جو آفات آسمانی سے اجڑ گئی ۲۵۳، ۲۴۶، ۳۹۷

بخاری، جامع صحیح ۱۰۲

براہین احمدیہ ۳۲۰، ۳۱۹، ۲۹۸، ۴۲۵، ۳۴۳

قرآن کریم سے علمی مسائل، اصول دین اس کتاب میں درج ہوں گے ۷۵

دہریوں کے خلاف اس میں دلائل موجود ہیں ۲۱۰

الہامات پر اعتراضات کے جوابات ۳۷۱

برنباس انجیل

آنحضور ﷺ کا برنباس میں ذکر ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹

جارج سیل نے دیباچہ قرآن میں اس کا ذکر کیا ہے ۲۸۹

ہندوستانی پادری برنباس کا ذکر نہیں کرتے ۲۹۱

بھاگوت گیتا ۳۹۱، ۴۳۲

بھرموچھیدن ۳۶۸

پُران ۳۹۱

پرانی تحریریں
حضرت مسیح موعود کی کتاب جو دعویٰ سے قبل کے تین مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱

تاریخ فرشتہ ۱۲۷

تاریخ ہند از الفنسٹن صاحب ۳۹۰

تکذیب براہین احمدیہ از پنڈت لیکھرام ۴۲۵، ۴۳۳

تورات ۴۵۱
آنحضورؐ کی فاران سے ظہور کی پیشگوئی ۲۸۰

ر۔ز

رامائن ۳۹۱

زبور ۴۵۸
آنحضورؐ کی جلالیت کا ذکر ۲۸۱

س۔ش

سبز اشتہار (حضور اقدس کا مشہور اشتہار) ۴۴۷

ستیارتھ پرکاش (از پنڈت دیانند) ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵،
۱۱۷، ۱۲۱، ۱۲۲، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۵۰،
۳۵۱، ۳۵۹، ۳۹۰، ۳۹۵، ۴۰۰، ۴۳۵

سراج منیر (حضور اقدس کی کتاب)
۲۳۸، ۲۹۸، ۳۷۴
سراج منیر کی اشاعت کا ذکر ۷۹، ۲۸۶، ۳۴۷، ۳۷۱
سراج منیر کی اشاعت کی بابت اعلان کہ خریدار اپنی درخواستیں بھجوائیں ۳۲۴

سرمہ چشم آریہ
حضور کی تصنیف لطیف ۴۷، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۲۱،
۳۲۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۹، ۳۷۲، ۴۲۲، ۴۳۰
کتاب کی اشاعت کے متعلق اشتہار ۴۸
سرمہ چشم آریہ کی حقیقت ۳۳۴
اس کے اشتہار پر کسی ہندو نے کان نہیں ہلایا ۳۷۲

سفرنامہ کشمیر از ڈاکٹر برنیئر ۱۰۰

شحنۂ حق حضور اقدس کی تصنیف ۳۲۳
نام رکھنے کی وجہ ۳۳۴

ف۔ق

فتوحات مکیہ (از حضرت محی الدین ابن عربی) ۱۰۰

فصوص الحکم (از حضرت محی الدین ابن عربی) ۱۰۰

فن و فریب غلام احمد کی کیفیت ۳۸۵

قرآن کریم دیکھئے کلید مضامین زیر حرف قرآن

گ۔م۔و

گرنتھ ۱۸۷، ۲۱۷

مسلم، صحیح ۱۰۲

منوشاستر ۱۸۷، ۳۹۱
بیل کے گوشت کھانے کو باعث ثواب لکھا ہے ۴۰۱

مؤید الاسلام جان پورٹ کی کتاب ۱۹۳

مہابھارت ۲۷۹، ۳۹۱
ہندوؤں کی معتبر کتاب ۱۲۶

وید دیکھئے کلید مضامین ہندومت